ماہنامہ

آنچل

کراچی

aanchalpk... ...anchalnovel.com

آنچل
قیمت =/60 روپے
شمارہ دسم...
رجسٹریشن نمبر - ایس ایس 7

نومبر 2015 کے شمارے کی ایک جھلک

نگہت عبداللہ اچھوتے موضوع "یہ اب جو موڑ آیا ہے" کے ساتھ شامل محفل ہیں۔

فاخرہ گل اپنے مخصوص انداز میں "فریب نظر" کے ہمراہ۔

اقبال بانو کا پہلے شمارے کے لیے "ٹوٹے بکھرے خواب" کا تحفہ۔

نزہت جبین ضیاء کی پہلے شمارے کے لیے خصوصی تحریر "برگ گل"

طلعت نظامی کی "خوشبو تیری جوئے کرم" قلب کو گرما دینے والی اصلاحی تحریر۔

سلمیٰ فہیم گل اپنے منفرد ناولٹ "تیرے لوٹ آنے تک" کے ساتھ شریک محفل ہیں

نادیہ فاطمہ رضوی اور صدف آصف کے سلسلے وار ناول

اس کے علاوہ مستقل سلسلوں میں پڑھیے

طب نبوی، آپ کی الجھن، بزم سخن، کچن کارنر، آرائش حسن، عالم میں انتخابات، شوخیٔ تحریر

حسن خیال، شوبز کی دنیا، ٹوٹکے

بہنوں کی پسند کو مدنظر رکھتے ہوئے اور بھی بہت کچھ

Infoohijab@gmail.com

بانی مدیرہ — زیب النساء
مدیر اعلیٰ — مشتاق احمد قریشی
مدیرہ — قیصر آرا
مدیر منتظم — طاہر احمد قریشی
مدیرہ معاون — جویریہ احمد
روبین احمد
جلد 37
شمارہ 09
دسمبر 2015
ماہنامہ
کراچی
اشتہارات اور دیگر معلومات
0300-8264242
رکن آل پاکستان نیوز پیپر سوسائٹی
رکن کونسل آف پاکستان نیوز پیپر
رکن چیمبر آف کامرس
aanchalpk.com
aanchalnovel.com
www.aanchalpk.com/blog
onlinemagazinepk.com/recipes
info@aanchal.com.pk
/women.magazine
/pkwomenmagazine

اس شمارے میں

ابتدائیہ

عنوان	مصنف	صفحہ
سرگوشیاں	مدیرہ	14
حمد	بہزاد لکھنوی	15
نعت	غفور عابد	15
در جواب آں	مدیرہ	16

دانش کدہ

عنوان	مصنف	صفحہ
السلام علیکم	مشتاق احمد قریشی	21

ہمارا آنچل

عنوان	مصنف	صفحہ
شازیہ اختر/سعدیہ خواجہ	ملیحہ احمد	25
نادیہ جہاں/ثناء ریاض		

بہنوں کی عدالت

عنوان	مصنف	صفحہ
فاخرہ گل	ادارہ	29

سلسلہ وار ناول

عنوان	مصنف	صفحہ
موم کی محبت	راحت وفا	67
ٹوٹا ہوا تارا	سمیرا شریف طور	143
شب ہجر کی پہلی بارش	نازیہ کنول نازی	199

مکمل ناول

عنوان	مصنف	صفحہ
محبت جیت جاتی ہے	نادیہ احمد	35
رنگ زندگی کے	عنبرین ولی	249

ناولٹ

عنوان	مصنف	صفحہ
ترے عشق نچایا	نگہت عبداللہ	97
وہ خود فنا کے سفر میں تھا	نزہت جبین ضیاء	123
میرے فلک کا چاند	ندا حسنین	183

افسانے

عنوان	مصنف	صفحہ
عہد	نظیر فاطمہ	139
گوری کرت سنگار	سویرا فلک	179
گمان کا سفر	سیما بنت عاصم	221
شناخت	بینا عالیہ	225
خواہش ناتمام	ام اقصیٰ	239
تجھے دیکھوں	سلمیٰ غزل	243

پبلشر: مشتاق احمد قریشی پرنٹر: جمیل حسن/ابن حسن پرنٹنگ پریس
ہاکی اسٹیڈیم کراچی/ دفتر کا پتا: 7 فرید چیمبرز، عبداللہ ہارون روڈ کراچی۔ 74400

مستقل سلسلے

روحانی مسائل کا حل	حافظ ... احمد	272	یادگار لمحے	جویریہ سالک	297
بیاض دل	میمونہ رومان	274	آئینہ	شہلا عامر	303
ڈش مقابلہ	طلعت آغاز	276	ہم سے پوچھیے	شمائلہ کاشف	313
بیوٹی گائیڈ	روبینہ احمد	281	آپ کی صحت	ہومیو ڈاکٹر ہاشم مرزا	317
نیرنگ خیال	ایمان وقار	283	کام کی باتیں	حنا احمد	321
دوست کا پیغام آئے	ہما احمد	290	کترنیں	قارئین	000

خط و کتابت کا پتہ: "آنچل" پوسٹ بکس نمبر 75 کراچی 74200 فون: 021-35620771/2
فیکس: 021-35620773 یکے از مطبوعات نئے اُفق پبلی کیشنز۔ ای میل info@aanchal.com.pk

"حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہم میں سے نہیں ہے وہ شخص جو ہمارے چھوٹوں پر رحم نہ کرے اور ہمارے بڑوں کی عزت نہ کرے۔" (الترمذی)

سرگوشیاں

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،
دسمبر ۲۰۱۵ء کا آنچل حاضرِ مطالعہ ہے۔
اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ رب کائنات نے جس طرح نوازا ہے۔ اس کا جتنا شکر ادا کیا جائے وہ کم ہے۔ اللہ رب کریم کے شکر کے ساتھ ساتھ آپ سب قاری بہنوں کا بھی شکریہ ادا کرتی ہوں نہ صرف میں بلکہ میری ساتھی کارکن اپنی مہربان قاری بہنوں کی شکر گزار ہیں جنہوں نے آنچل کی سہیلی حجاب کا ایسا فقید المثال استقبال کیا جس کے لیے آپ سب کا بے حد جزاک اللہ۔
یقیناً حجاب کا اجرا آپ کی حوصلہ افزائی اور بھرپور تعاون ہی کا نتیجہ ہے آپ کی مشاورت اور بھرپور تعاون ہی ہمیں حوصلہ اور آگے بڑھنے کی قوت عطا کرتا ہے میں اور میری رفقاء ہمیشہ آپ کی پسند اور دلچسپی کے مطابق آپ کے آنچل اور حجاب کو سجاتی سنوارتی رہیں گی۔ ان شاء اللہ، آپ کے محبت نامے ہی ہمیں توانائی، قوت، آگے بڑھنے کی طاقت اور کام کی لگن عطا کرتے ہیں ایک بار پھر تمام بہنوں کا شکریہ۔
بہنوں کے لیے خوش خبری کہ نئے سال کے پہلے شمارے میں بہن رفعت سراج کا ناول "چراغ خانہ" شائع کیا جائے گا۔

اس ماہ کے ستارے

☆ محبت جیت جاتی ہے — محبت سے بے وفائی کے درمیان سفر کرتی نادیہ احمد پہلی بار شریک محفل ہیں۔
☆ عہد — نظیر فاطمہ رشتوں کو خوب صورت عہد سے جوڑتی حاضر محفل ہیں۔
☆ گوری کرت سنگار — سویرا فلک کا مختصر و موثر افسانہ جو بہت سی نوخیز کلیوں کے لیے رہنما ثابت ہوگا۔
☆ میرے فلک کا چاند — حب الوطنی کے جذبے سے سرشار ندا حسنین کی چار چاند لگاتی منفرد تحریر۔
☆ وہ خود وفا کے سفر میں تھا — محبت کی خاطر اپنی ہستی کو فراموش کرنے والی ایسی عورت کی کہانی جو خود تہی داماں رہی۔
☆ گمان کا سفر — محبت کے سفر میں جب بدگمانی حائل ہوجائے تو ہاتھ خالی رہ جاتے ہیں۔ سیما بنت عاصم کا افسانہ۔
☆ شناخت — نئی شناخت لیے بینا عالیہ خوب صورت افسانے کے ساتھ حاضر محفل ہیں۔
☆ خواہش ناتمام — "ہزاروں خواہشیں ایسی کہ ہر خواہش پہ دم نکلے" کی عملی تفسیر پیش کرتی خوب صورت تحریر۔
☆ تجھے دیکھوں — "بہت دیر کی مہرباں آتے آتے" سلمیٰ غزل ایک منفرد انداز میں جلوہ گر ہیں۔
رنگ زندگی کے — زندگی کے رنگوں کو اپنی تحریر میں یکجا کیے عنبرین ولی کا خوب صورت ناول۔

اگلے ماہ تک کے لیے اللہ حافظ۔

دعا گو
قیصر آرا

حمد

حمد ہے اے خدا صرف تیرے لیے
ہے یہ لفظِ بقا صرف تیرے لیے
ہوگئی حکم سے تیرے گُل کی نمود
ہیں یہ ارض و سما صرف تیرے لیے
تُو حدودِ تعین میں آتا نہیں
ہر صفت ہر ثنا صرف تیرے لیے
ہستی و نیستی اور بود و نہ بود
یہ سوا ماسوا صرف تیرے لیے
اس کا سجدہ جہاں میں ادا ہوگیا
جس کا سر جھک گیا صرف تیرے لیے
یہ گل و رنگ و بو یہ رمِ آب جو
یہ ہوا یہ فضا صرف تیرے لیے
تُو نے بہزاد کو دردِ طیبہ دیا
کیوں نہ ہو لب کشا صرف تیرے لیے

بہزاد لکھنوی

ہر سانس ہے اب ان پر درودوں کے لیے وقف
اس دل کا دھڑکنا بھی ہے بس ان کے لیے وقف
یہ جسم یہ جاں ان پر فدا اے مرے مولا
ہر چیز ہے دنیا کی محمد ﷺ کے لیے وقف
یہ کون و مکاں گردشِ دوراں یہ زمانہ
ہیں ان کے لیے ان کے لیے ان کے لیے وقف
صدیوں کا سفر طے ہوا اک چشم زدن میں
معراج کی شب وقت رہا ان کے لیے وقف
سب شجر و حجر پڑھنے لگے نغمہ توحید
مطرب بھی مغنی بھی سبھی ان کے لیے وقف
بخشش تو گنہگار کی اللہ ہی کرے گا
امت کی شفاعت ہے مگر ان کے لیے وقف
خواہش ہے نہ جنت کی نہ دولت کی حشم کی
عابد کی تمنائیں تو ہیں ان کے لیے وقف

غضنفر عابد

editor_aa@aanchal.com.pk
www.facebook.com/EDITORAANCHAL

مدیرہ

نازیہ کنول نازی...... ہارون آباد

پیاری نازیہ! سدا سہاگن رہوئیوں تو آپ سے قلمی رابطہ ہمیشہ ہی رہتا ہے لیکن اس بار یہ جان کر کہ آپ کے والد صاحب علیل ہیں۔ بے ساختہ دعاؤں نے لبوں کا احاطہ کرلیا' والدین کا سایہ اولاد کے لیے نہایت قیمتی سرمایہ ہے جس کا کوئی مثل اور نعم البدل نہیں۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے دعا گو ہیں کہ وہ آپ کے والد کو جلد از جلد صحت کاملہ عطا فرمائے اور آپ کو ان کے سائے تلے زندگی کی بہت سی خوشیاں دیکھنا نصیب ہوں آمین۔

سیما بنت عاصم...... کراچی

پیاری بہن سیما! سدا خوش رہو آپ کی تحریر کے ساتھ آپ کا خط موصول ہوا' بے شک ماں باپ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ایسی ہستی بنائی جس کا نعم البدل نہیں اور ماں کو اللہ نے محبت کے خمیر سے گوندھا ہے اس لیے وہ اپنے سب بچوں سے یکساں محبت کرتی ہے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ آپ کی والدہ کو صحت والی زندگی عطا فرمائے اور ان کا سایہ آپ کے سر پر تاحیات قائم رہے آمین۔

سدرۃ المنتہیٰ...... ٹنڈو محمد خان

پیاری بہن سدرہ! سدا مسکراتی رہو اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ آپ کو زورِ قلم مزید عطا فرمائے اور آپ مزید الفاظ کے موتی صفحہ قرطاس پر بکھرتی ہوئی قارئین کے دل میں گھر کرتی جائیں آمین۔ آپ کی طرف سے کتاب "پریت نگر کا شہزادہ" تحفے کی صورت موصول ہوئی جس کے لیے جزاک اللہ۔

فاطمہ ماریہ......فیصل آباد

ڈیئر فاطمہ! جگ جگ جیو آپ کے پیا دیس سدھارنے کی خبر سن کر بے حد خوشی ہوئی' مسرت کے ان لمحات میں ہماری جانب سے ڈھیروں مبارک باد قبول کیجیے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ آپ کو آپ کے ہم سفر کے سنگ زندگی کی بہت سی خوشیاں عطا کرے۔ امید ہے آئندہ بھی آپ کا قلمی رابطہ برقرار رہے گا اور آنچل سے رشتہ یونہی استوار رہے گا۔

عائشہ نور عاشا...... گجرات

پیاری عائش! سدا مسکراؤ' آپ کی تحریر "واپسی ممنون" آنچل کے صفحات پر اپنی جگہ بنانے میں ناکام ٹھہری۔ بہرحال پڑھ کر یہ اندازہ بخوبی ہوگیا کہ آپ میں لکھنے کی صلاحیت بدرجہ اتم موجود ہے آپ اپنی صلاحیت کو مزید مطالعے سے جلا بخش سکتی ہیں۔ موضوع کے چناؤ میں احتیاط برتیں' موضوع اگر منفرد اور انداز تحریر پختہ ہوگا تو کہانی ضرور قبولیت کا درجہ حاصل کرے گی۔

عاصمہ عزیز...... ای میل

ڈیئر عاصمہ! شاد و آباد رہو آپ کی تحریر "آگاہی" قبولیت کی سند حاصل کرنے میں کامیاب ٹھہری۔ اس کامیابی پر ہماری جانب سے ڈھیروں مبارک باد' اپنا مطالعہ مزید وسیع کرتے ہوئے آئندہ بھی اس ہی طرح کے اصلاحی موضوعات کو صفحہ قرطاس کی زینت بناتی رہیے گا۔ جلد ہی آپ کی تحریر آنچل کے صفحات پر آپ کا نام روشن کرے گی۔

لیلیٰ شاہ...... گجرات

ڈیئر لیلیٰ! جگ جگ جیو آپ کی تحریر "ڈر" کے نام سے موصول ہوئی پڑھ کر اندازہ ہوا کہ موضوع کا چناؤ عمدہ اور درست ہے لیکن ابھی انداز تحریر میں پختگی مفقود ہے۔ لہٰذا آپ اپنا مطالعہ وسیع کیجیے دیگر مصنفین کی تحریروں کا بغور مطالعہ کریں اس کے بعد قلم آزمائی کریں' امید ہے اس ناکامی کو کامیابی کا زینہ بنائیں گی۔

غزل نور...... سیالکوٹ

ڈیئر غزل! سدا خوش رہو' مفصل خط کے ذریعے آپ سے پہلی نصف ملاقات بہت اچھی لگی۔ آپ کی تحریر "طشت ازبام" پڑھ کر اندازہ ہوا کہ آپ کی تحریر بے جا طوالت کا شکار ہے۔ اس طوالت نے کہانی کا حسن ختم کردیا ہے روانی اور

تسلسل کہانی میں نہیں ہے بہرحال آپ نے ہمت کرکے کہانی ارسال کردی یہ جان کر اچھا لگا آپ مختصر افسانے کی صورت میں اپنی تحریر ارسال کیجیے ایک بات ہمیشہ یاد رکھیں مختصر مگر موثر لکھیں امید ہے اس ناکامی سے آپ دل برداشتہ ہونے کے بجائے اپنی کوشش جاری رکھیں گی۔

شہزادی...... راولپنڈی

پیاری شہزادی! سدا آباد رہو آنچل سے متعلق آپ کے والہانہ جذبات و احساسات ہمارے لیے قابل قدر ہیں۔ شاعری کی اشاعت کے لیے شکریہ کی ضرورت ہرگز نہیں ہے یہ آپ بہنوں کا اپنا پرچہ ہے جو آپ ہی کی نگارشات سے سنور کر آپ کے ہاتھوں کی زینت بنتا ہے آپ کی تجویز اچھی ہے آپ اپنی شاعری و دیگر اشعار ارسال کردیں گا ہے بگا ہے شامل کرتے رہیں گے آپ کا لکھا شعر بھی پسند آیا۔

ودیعہ یوسف زماں...... کراچی

پیاری ودیعہ! سدا مسکراؤ آپ کی طویل غیر حاضری کو ہم نے بھی محسوس کیا تھا بہرحال آپ شادی کی رونقوں میں مصروف تھیں اور شادی والے گھر میں ویسے بھی بہت سے کام ہوتے ہیں۔ آپ نے کیسے بطور احسن طریقے انہیں نمٹایا جان کر اچھا لگا۔ آپ کی نگارشات شائع ہوئیں اس کے لیے شکریہ کی ضرورت نہیں ہے آپ آئندہ بھی شرکت کرسکتی ہیں ہم آپ کی رہنمائی کرتے رہیں گے اگر آپ چاہیں تو شادی کا احوال معہ تصاویر کے حجاب کے لیے لکھ کر بھیج سکتی ہیں۔

ماروی یاسمین...... 44ج

عزیزی ماروی! جیتی رہو آپ کی بھانجی کی رحلت کا سن کر بے حد افسوس ہوا۔ بے شک بچوں سے گھر کی رونق ہوتی ہے اور اولاد کی دائمی جدائی کا یہ صدمہ آپ کی بہن اور اہل خانہ کے لیے کافی تکلیف کا باعث ہوگا۔ اللہ سبحان و تعالیٰ سے دعا گو ہیں کہ وہ آپ اور دیگر اہل خانہ کو صبر و ہمت عطا فرمائے اور آپ کی بہن کو بہت سی خوشیاں دیکھنا نصیب فرمائے آمین۔

سید عبادت کاظمی...... ڈیرہ اسماعیل خان

پیاری بہن! جیتی رہو نیرنگ خیال کے لیے ہر ماہ ایک کثیر تعداد میں ڈاک موصول ہوتی ہے جبکہ صفحات کی کمیابی کی بناء پر سب کو شامل اشاعت کرنا ناممکن ہوتا ہے اسی لیے دیر سویر ہوجاتی ہے اگر آپ کی شاعری معیاری ہوئی تو ضرور اشاعت کے مراحل طے کرلے گی۔

کے ایم نور المثال...... کھڈیاں خاص

پیاری! سدا سہاگن رہو سب سے پہلے تو ہماری جانب سے پیا دیس سدھارنے پر ڈھیروں مبارک باد۔ بے شک شادی کے بعد معروفیات بڑھ جاتی ہیں لیکن امید ہے کہ آپ اپنے قیمتی وقت میں چند پل آنچل کے نام کرتے اپنا رابطہ برقرار رکھیں گی۔ آپ کی تحریر "احتیاط سے محتاط تک" کامیابی کی سند حاصل کرنے میں کامیاب ٹھہری۔ ہماری جانب سے آپ کے لیے اک خوب صورت تحفہ ہے امید ہے پسند آئے گا۔

رائے تبسم شہزادی...... جڑانوالہ

ڈیئر تبسم! اسم بامسمیٰ بن کر سدا خوشیاں بانٹتی رہو آنچل میں شرکت کے لیے آپ پر کوئی پابندی نہیں ہے آپ مستقل سلسلوں میں شمولیت کے ذریعے ہر ماہ آنچل میں اپنا نام دیکھ سکتی ہیں، کہانی پڑھنے کے بعد جلد آپ کو اپنی رائے سے آگاہ کردیں گے امید ہے خفگی دور ہوجائے گی۔

علینہ اشرف...... اسلام آباد

پیاری علینہ! شاد رہو بزم آنچل میں پہلی بار شرکت پر خوش آمدید۔ بے شک آپ کا کہنا بجا ہے کہ آنچل نے بہت سے نوآموز لکھاریوں کی حوصلہ افزائی کی ہے آپ بھی آنچل کے توسط سے اپنی پہچان بنا سکتی ہیں۔ آنچل کی پسندیدگی کے لیے شکریہ آپ کی نظم شامل اشاعت ہے آئندہ بھی شریک محفل رہیے گا۔

سلمیٰ عنایت...... کھلابٹ ٹاؤن شپ

عزیزی سلمیٰ! سدا خوش رہو آپ کے دادا جان کی وفات کا سن کر بے حد صدمہ ہوا بے شک بزرگوں کا سایہ اللہ سبحان و تعالیٰ کی عظیم نعمت ہے۔ اللہ سبحان و تعالیٰ مرحوم

کے درجات بلند فرمائے اور آپ اور دیگر اہل خانہ کو صبر و استقامت عطا فرمائے آمین۔

سمیرا مغل...... کراچی

ڈیئر سمیرا! جیتی رہو بزم آنچل میں پہلی بار شریک محفل ہونے پر خوش آمدید۔ آپ کے متعلق جان کر اچھا لگا' تحریر بھیجنے کے لیے آپ کو اجازت کی ضرورت نہیں ہے۔ آپ اپنی تحریر مختصر افسانے کی صورت میں ہمیں ارسال کردیں اگر معیاری ہوئی تو ضرور حوصلہ افزائی کی جائے گی۔ نازیہ' سمیرا اور ام مریم تک آپ کی تعریف ان سطور کے ذریعے پہنچ جائے گی۔

ایم ضمیر...... گوجرانوالہ' کینٹ

عزیزی ضمیر! شاد رہو آپ سے پہلی بار یوں نصف ملاقات ہمیں بھی اچھی لگی۔ آنچل کی پسندیدگی کے لیے شکریہ' آپ کا طریقہ کار درست ہے' باقی تمام تفصیلات آپ آفس کے نمبر پر رابطہ کرکے حاصل کرسکتی ہیں۔

پارس شاہ...... چکوال

ڈیئر پارس! مسکراتی رہو آنچل سے متعلق آپ کے احساسات قابل قدر ہیں جہاں تک پیغامات کے حوالے سے آپ کو شکوہ ہے تو بات یہ ہے کہ ہر ماہ کثیر تعداد میں آپ بہنوں کے پیغامات موصول ہوتے ہیں جبکہ صفحات ہمارے پاس چند ایک مخصوص ہوتے ہیں اسی بناء پر بعض پیغامات تاخیر سے موصول ہونے کے سبب شریک ہونے سے محروم رہ جاتے ہیں۔ ہمارا آنچل میں بھی یہی حال ہے اس لیے آپ تھوڑا انتظار کیجیے جلد آپ کا تعارف آنچل کے صفحات پر اپنی جگہ بنالے گا۔

لاریب انشال...... اوکاڑہ

ڈیئر لاریب! پھول کی طرح مہکتی رہو آپ کی تحریر "پچھتاوا" اور "اک نئی صبح" آنچل کے معیار پر پوری نہیں اتری جس کے لیے ابھی آپ کو مزید محنت و مطالعہ کی ضرورت ہے اس لیے اپنا مطالعہ وسیع کریں تاکہ آپ کے انداز تحریر میں بہتری آسکے امید ہے مایوس ہونے کے بجائے عمل کریں گی۔

نورین مسکان سرور...... ڈسکہ

گڑیا نورین! خوش رہو آپ اپنی تحریر "انوکھا مہمان" کے بارے میں حجاب کے سلسلہ حسن خیال میں اپنے تبصرے کے ساتھ پوچھ سکتی ہیں۔ باقی رہی بات آپ کی تحریر "میں ہار گئی" ابھی زیر مطالعہ ہے' پڑھنے کے بعد ہی معیار کا اندازہ ہوگا تب تک آپ انتظار کریں۔

شازیہ فاروق...... رحیم یار خان

ڈیئر شازیہ! سدا سہاگن رہو آپ کی دعاؤں سے سجا آپ کا خط آپ کی تحریر کے ساتھ موصول ہوا' آپ سے نصف ملاقات اچھی لگی۔ آپ کی تحریر حقیقت میں سچائی کا عکس لیے ہوئے تھی اس لیے آنچل کے صفحات پر جگہ بنا گئی لیکن آپ کی اب موصول ہونے والی تحریر "میرا پیغام ہر گھر پہنچے" اس موضوع پر پہلے ہی بہت لکھا جاچکا ہے اور آپ موضوع کے ساتھ انصاف بھی نہیں کرسکیں' اس لیے معذرت خواہ ہیں۔

ماریہ کنول ماہی...... گوجرانوالہ

گڑیا ماریہ! پھولوں کی طرح ہنستی رہو آپ کی تحریر "اک تیرے آنے سے" "سجدہ شکر" دونوں آنچل کے معیار پر پوری نہیں اتر سکیں آپ کا انداز تحریر و موضوع دونوں کمزور ہیں۔ اس لیے دل برداشتہ ہونے کے بجائے اپنا مطالعہ وسیع کریں تاکہ آپ بہتر موضوع کا انتخاب کریں اور اس کے ساتھ لکھنے میں انصاف بھی کرسکیں۔

رومی غفور...... شاہ کوٹ

پیاری رومی! جگ جگ جیو' نگارشات کی اشاعت پر شکریہ کی قطعی ضرورت نہیں یہ آپ کا اپنا ماہنامہ ہے اور معیاری چیز اپنی جگہ خود بنالیتی ہے۔ آپ اپنی تحریر بلا خوف و جھجک بھیج سکتی ہیں' بڑی بڑی مصنفین بھی اس راہ سے گزر کر آج نامور مصنفین میں اپنا نام بنا گئی ہیں۔

حرا قریشی...... ملتان

ڈیئر حرا! پھولوں کی طرح مسکراؤ' آپ کی تحریر "من شر ما خلق" موصول ہوئی' خوب صورت موضوع اور پراثر تحریر نے قبولیت کی سند حاصل کرلی ہے' اب انتظار کے لمحات

آپ کے ہاتھ میں تھما کر ہم کوشش کریں گے کہ جلد از جلد آپ کی تحریر آنچل کے صفحات پر شائع کرسکیں۔

حرا نور...... جڑانوالہ

ڈیئر حرا! آباد رہو آپ کی تحریر "یہ جان تو آنی جانی ہے" آنچل کے معیار پر پوری نہیں اتری اور باقی دو تحریر ابھی پڑھی نہیں گئیں اس لیے ان کے بارے میں کچھ کہنا قبل از وقت ہوگا اچھی امید کے ساتھ انتظار کریں لیکن مطالعہ و مشاہدہ جاری رکھیں۔

رابعہ چوہدری...... ایبٹ آباد

بہن رابعہ! ہنستی مسکراتی رہو نگارشات کی اشاعت پر شکریہ کی قطعی ضرورت نہیں یہ آپ بہنوں کا اپنا ماہنامہ ہے اور آپ سب کی نگارشات سے ہی سجایا جاتا ہے بس ڈاک تاخیر سے موصول ہونے کی صورت میں نگارشات تاخیر کا شکار ہوجاتی ہیں۔ اس لیے آپ کو انتظار کرنا پڑتا ہے آپ کی شاعری متعلقہ شعبہ میں بھیج دی گئی ہے ان شاء اللہ باری آنے پر شامل کرلی جائے گی۔

انعم انصاری چھول...... ای میل

بہن انعم خوشیوں کی بہار اپنے دامن میں سمیٹتی رہو۔ آپ کی تحریر "آغوش محبت" موصول ہوئی پڑھ کر اندازہ ہوا کہ ابھی آپ کو مزید محنت کی ضرورت ہے اس لیے مایوس ہونے کے بجائے اپنا مطالعہ وسیع کریں اور پہلے مختصر موضوع پر طبع آزمائی کریں۔

غزل فاطمہ...... بھکر

پیاری گڑیا غزل! ہمیشہ مسکراتی رہو آپ کی تحریر "کانچ کی چوڑی" موصول ہوئی پڑھ کر اندازہ ہوا کہ ابھی آپ کو مزید محنت کی ضرورت ہے اس لیے مطالعہ کے ساتھ مشاہدہ وسیع کریں جس سے آپ کو لکھنے میں مدد ملے گی۔ امید ہے دل برداشتہ ہونے کے بجائے محنت جاری رکھیں گی۔

فرح رحمان...... ای میل

ڈیر فرح! سدا آباد رہو آپ کی تحریر "گل و خار چنتے چنتے" موصول ہوئی پڑھ کر اندازہ ہوا کہ ابھی آپ کو مزید محنت کی ضرورت ہے اور ہمیشہ پہلے مختصر موضوع پر قلم بند کریں اس کے بعد طویل تحریر کی طرف آئیں تاکہ آپ اس کو سنبھال سکیں۔ طوالت کی وجہ سے ہی آپ کی تحریر میں جھول پیدا ہوگیا ہے اس لیے نامور مصنفہ کے لکھے افسانہ ناول اپنے زیر مطالعہ لائیں تاکہ آپ اپنے منتخب کردہ موضوع سے بہتر طور پر انصاف کرسکیں۔ امید ہے مایوس ہونے کے بجائے کوشش جاری رکھیں گی۔

عائشہ پرویز...... کراچی

پیاری عائشہ! جگ جگ جیو آپ کی تحریر "راہ عمل" موصول ہوئی حجاب کے لیے منتخب کرلی ہے اب حجاب کو بھی آپ بہنوں نے اپنی تحریر و نگارشات سے ہی سجانا ہے ان شاء اللہ آپ کی تحریر جلد ہی حجاب کے صفحات پر جھلملائے گی۔

دیا احمد...... چکوال

ڈیئر دیا! پھولوں کی طرح مہکتی رہو آپ کی تحریر "درد دلوں کے کم ہوجاتے" اور "لال چوڑیاں" موصول ہوئیں پڑھ کر اندازہ ہوا کہ ابھی آپ کو مزید محنت کی ضرورت ہے اس لیے آپ مطالعہ کے ساتھ مشاہدہ وسیع کریں جس سے آپ کو لکھنے میں مدد ملے گی امید ہے کوشش جاری رکھیں گی۔

فروا صنم...... اوکاڑہ

گڑیا فروا! ہمیشہ خوش رہو آپ کی تحریر "محبت کا انجام" موصول ہوئی پڑھ کر اندازہ ہوا کہ ابھی آپ کو مزید محنت کی ضرورت ہے اس لیے دل برداشتہ ہونے کے بجائے امید بہار رکھتے ہوئے محنت و کوشش جاری رکھیں اور مطالعہ کے ساتھ اپنا مشاہدہ بھی وسیع کریں جس سے آپ کو لکھنے میں مدد ملے گی۔

تابندہ شبیر...... ملتان

پیاری بہن تابندہ! جگ جگ جیو آپ کی تحریر "محبت انمول ہیرا ہے" موصول ہوئی پڑھ کر اندازہ ہوا کہ ابھی آپ کو محنت کی ضرورت ہے اس لیے کچھ وقت کے لیے قلم سے رشتہ توڑ کر کتاب سے رشتہ جوڑ لیں اور صرف مطالعہ پر زور دیں اور اپنا مشاہدہ وسیع کریں جس سے آپ کو لکھنے کے لیے نئے موضوع ملنے کے ساتھ ان پر گرفت کرنے میں بھی آسانی ہوگی۔ امید ہے مایوس ہونے کے بجائے کوشش

جاری رکھیں گی۔

دلکش مریم ...... چنیوٹ

پیاری بہن مریم! گل بن کر مہکتی رہو آپ کی دعاؤں سے سجا خط موصول ہوا جس کے لیے جزاک اللہ۔ آنچل میں ابھی سلسلے وار ناول کی جگہ موجود نہیں یا یوں سمجھ لیں کہ جس طرح نئی مصنفہ اپنی تحریر کی اشاعت کی منتظر ہیں اسی طرح نامور مصنفہ بھی سلسلے وار ناول کی باگ دوڑ میں شامل ہونے کے لیے انتظار میں ہیں جیسے ہی جگہ خالی ہوگی ہم آپ کی خواہش کو ضرور پورا کرنے کی کوشش کریں گے۔ باقی آپ اپنی نگارشات آنچل کے پتے پر ارسال کرسکتی ہیں، معیاری ہوئی تو ضرور اپنی جگہ بنالیں گی۔

حنا کلعوان ...... چیچہ وطنی

پیاری بہن حنا! حنا کے رنگ کی طرح مہکو آپ کی تحریر "میرے شام وسحر" موصول ہوئی اور بے جا طوالت کے باعث اور روایتی موضوع پر لکھی تحریر آنچل کے معیار پر پوری نہیں اتری گو کہ آپ میں لکھنے کی صلاحیت موجود ہے اس لیے پہلے مختصر موضوع کو اپنے مزاج کا حصہ بنائیں اس کے بعد طویل تحریر کی طرف آئیں۔ امید ہے مایوس ہونے کے بجائے کوشش جاری رکھیں گی۔

کوثر خالد ...... جڑانوالہ

ڈیئر کوثر! جگ جگ جیو آپ کی شاعری کے ساتھ شکایتی خط بھی موصول ہوا اتنی ناراضگی اچھی نہیں ہوتی بے شک کثیر تعداد میں موصول ہونے والے خطوط کی بنا پر کبھی کبھی پرانے لوگ نظر انداز ہوجاتے ہیں اب نئے لوگوں کو بھی تو آخر جگہ دینی ہے ناں۔ آپ کی شاعری متعلقہ شعبہ میں بھیج دی ہے ان شاءاللہ جلد ہی آنچل کے صفحات پر جگہ بنالے گی امید ہے ناراضگی دور ہوگئی ہوگی۔

ناقابل اشاعت:

ردعمل، شہر آرزو، پہ خون، میں تیری بیٹی ہوں، ہاتھوں کی لکیریں، تیرا شکریہ میرے محسن، اک تیرے آنے سے، سجدہ شکر، درد دلوں کے کم ہوجاتے، لال چوڑیاں، محبت کا انجام یوں بھی ہوتا ہے، جذبہ ایثار، پچھتاوا، میرے مقدر، نہ جینا آئے، تیرے باجوہ، شک، ماں کسی دی نہ مرے، نافق، ماں جی، موت سے زندگی کی طرف، پیا من بھائے، محبت انمول ہیرا، اپنوں میں بے گانے، طشت ازبام، کبھی سوچا نہ تھا، بچھڑنا بھی ضروری تھا، ٹوٹے بکھرے خوابوں کو آخر کب تک، عزت کی چھاؤں، بلاعنوان حصہ اول، ساحل کو اندھیروں کے، واپسی ممنون، خدا کی رضا، صدائے من، حسرت تیری قسمت میری، یہ جان تو آنی جانی ہے، سرخ گلاب، ستاروں کی تلاش میں، انوکھی محبت، شام ڈھلے، وہ اک لمحہ آگہی، بچا کچا، فصیل پاکستان، قسمت، محبت یوں بھی ہوتی ہے، دھوپ سے چھاؤں تک، دسمبر کی اداسی، افلاس دے، نہیں آخری لمحے کی آگاہی، میری راہ کے کانٹے، کانچ کی چوڑی، خوشیوں کے موسم آئے، گل وخار چنتے چنتے، میرا پیغام ہر گھر پہنچے، اڑان، امیر شہراں، ساز من، کشمیر کی بیٹی، آغوش جنت، ڈر، ہدایت کی روشنی، منافق، تیری عنایت یاد رکھیں گے۔

مصنفین سے گزارش

☆ مسودہ صاف خوش خط لکھیں۔ ہاشیہ لگائیں صفحہ کی ایک جانب اور ایک سطر چھوڑ کر لکھیں اور صفحہ نمبر ضرور لکھیں اور اس کی فوٹو کاپی کرا کر اپنے پاس رکھیں۔
☆ قسط وار ناول لکھنے کے لیے ادارے سے اجازت حاصل کرنا لازمی ہے۔
☆ نئی لکھاری بہنیں کوشش کریں پہلے افسانہ لکھیں پھر ناول یا ناولٹ پر طبع آزمائی کریں۔
☆ فوٹو اسٹیٹ کہانی قابل قبول نہیں ہوگی۔ ادارہ نے ناقابل اشاعت تحریروں کی واپسی کا سلسلہ بند کردیا ہے۔
☆ کوئی بھی تحریر نیلی یا سیاہ روشنائی سے تحریر کریں۔
☆ مسودے کے آخری صفحہ پر اپنا مکمل نام پتا خوشخط تحریر کریں۔
☆ اپنی کہانیاں دفتر کے پتا پر رجسٹرڈ ڈاک کے ذریعے ارسال کیجئے۔ 7، فرید چیمبرز عبداللہ ہارون روڈ۔ کراچی۔

السلام علیکم

مشتاق احمد قریشی

اسلام میں غیر مسلموں کو سلام کرنا جائز نہیں ہے۔ اگر کسی غیر مسلم سے ملاقات ہو اور اسے سلام کرنے کی ضرورت پیش آجائے تو پھر وہی الفاظ استعمال کئے جائیں جو وہ لوگ آپس میں ایک دوسرے سے ملاقات کے وقت ادا کرتے ہیں جیسے "نمستے" آداب' گڈ مارننگ وغیرہ۔ لیکن اگر کوئی غیر مسلم آپ سے ملاقات کے وقت خود آپ کو "السلام علیکم" کہہ دے تو اس کے جواب میں صرف "وعلیکم" کہا جائے اور دل میں یہ نیت کرلیں کہ اللہ تعالیٰ تمہیں ہدایت دے اور مسلمان ہونے کی توفیق دے۔ (صحیح بخاری)

سلام کا جواب اتنی بلند آواز سے دینا چاہئے کہ سلام کرنے والا اسے بخوبی سن سکے یہ مستحب اور سنت ہے۔ اگر اتنی آہستہ سے جواب دیا گیا ہو کہ سلام کرنے والا سن ہی نہ سکے تو سلام کا جواب تو ادا ہو جائے گا لیکن مستحب ادا نہیں ہوگا۔

السلام اسماء الہیہ ہونے کے سبب صفت الٰہی بھی ہے اس کے لغوی معنی ہیں۔ سلامت رہنے والا۔ مخلوق کی سلامتی رکھنے والا۔ راحت وسکون پہنچانے والا۔ وہی ذات عالی ہے جو سلامتی دیتا ہے اور اسلام پر چلاتا ہے۔ تفسیر المنار میں اس طرح تفسیر کی گئی ہے۔ سلامتی' دعا' سلام' امان' سالم' اللہ تعالیٰ کا صفاتی نام اور دار السلام جنت کو کہا جاتا ہے جہاں جنتی تمام کلفتوں اور برائیوں' پریشانیوں' عیبوں اور دشمنوں سے محفوظ و سلامت رہے گا اور اہل جنت خلوص ومحبت کے اظہار کے لئے بار بار ایک دوسرے کو سلام کریں گے اور اس لئے بھی جنت کو تعظیماً اللہ تعالیٰ کا گھر کہا گیا ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کے اسماء مبارکہ میں شامل ہے۔ (تفسیر المنار) قرآن کریم میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے انبیاء ورسل پر اپنے اکرام وبشارت کے طور پر اپنے تعلق خاص اور پیار وشفقت کے اظہار کے طور پر استعمال فرمایا۔ سلام علیٰ نوح فی العالمین (سورہ الصفت۔ ۷۹) نوح (علیہ السلام) پر تمام جہانوں میں سلام ہو۔

سلام علیٰ ابراہیم (سورۃ الصفت۔ ۱۰۹) ابراہیم (علیہ السلام) پر سلام ہو۔ سلام علیٰ موسیٰ وھارون (الصفت۔ ۱۲۹) موسیٰ اور ہارون (علیہ السلام) پر سلام ہو۔ سلام علیٰ الیاسین (الصفت۔ ۱۳۰) الیاس (علیہ السلام) پر سلام ہو۔ سلام علیٰ المرسلین (الصفت۔ ۱۸۱) پیغمبروں پر سلام ہو۔ اہل ایمان کو حکم دیا جارہا ہے کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اس طرح سلام کریں۔ "السلام علیک ایھا النبی۔ ایک اور جگہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا گیا ہے کہ جب وہ لوگ آپ کے پاس آئیں جو ایمان لاچکے ہیں تو آپ ان سے کہیں کہ (سورۃ الانعام۔ آیت نمبر ۵۴) یعنی السلام علیکم! تمہارے پروردگار نے تمہارے لئے رحمت کا فیصلہ فرمادیا ہے۔

سلام کوئی معمولی چیز نہیں ہے۔ یہ ایک زبردست دعا ہے اور اسے دعا کی نیت سے ہی کہنا اور سننا چاہئے۔ کیونکہ دنیا وآخرت کی ساری نعمتیں اس سلام کے اندر اللہ تبارک وتعالیٰ نے جمع فرمادی ہیں۔ یہ مختصر سا

کلمہ ''تم پر سلامتی ہو'' اللہ کی تمام تر رحمت و برکت لئے ہوئے ہے۔ دنیا و آخرت کی سلامتی اور انعام الٰہی لئے ہوئے ہے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے کس قدر شفقت فرماتا ہے کہ وہ ہر لحہ ان کی بھلائی و فلاح کا بندوبست خود ان سے ہی کرا رہا ہے اس لئے سلام کو زیادہ سے زیادہ عام کرکے یہ دعا لینی اور دینی چاہئے نہ جانے کس اللہ کے بندے کی دعا ہمارے حق میں مقبول ہو جائے اور ہمارے حق میں مبارک ٹھہرے۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ''لوگو اللہ رحمٰن کی عبادت کرو اور بندگان الٰہی کو کھانا کھلاؤ اور سلام کو خوب پھیلاؤ' تم جنت میں سلامتی کے ساتھ داخل کئے جاؤ گے۔ (جامع ترمذی) حدیث مبارکہ میں تین کاموں کی ہدایت فرمائی گئی ہے' اللہ تبارک وتعالیٰ کی عبادت' جو اللہ کا حق ہے' پورے خلوص سے کی جائے دوسرے محتاج و مساکین کو کھانا کھلایا جائے صدقہ کیا جائے' ہدیہ کیا جائے' اخلاص سے کھلایا جائے' تیسرا اہم نقطہ جو حدیث مبارکہ میں ارشاد ہوا وہ ہے السلام علیکم اور وعلیکم السلام جو اسلامی شعائر ہے اسے خوب پھیلایا جائے۔ اس کی ایسی کثرت کی جائے کہ اسلامی دنیا کی فضا اس سے مہک اٹھے۔ ایک اور حدیث مبارک حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا۔ ''اسلام میں (اسلامی اعمال میں) کیا چیز (کون سا عمل) زیادہ اچھی ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ایک یہ کہ تم اللہ کے بندوں کو کھانا کھلاؤ اور یہ کہ جس سے جان پہچان ہو اس کو بھی اور جس سے جان پہچان نہ ہو اس کو بھی سلام کرو۔ (صحیح بخاری و مسلم)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' تم جنت میں نہیں جاسکتے تاوقتیکہ پورے مومن نہ ہو جاؤ یعنی تمہاری زندگی ایمان والی نہ ہو جائے' اور یہ اس وقت تک نہیں ہوسکتا جب تک کہ تم میں باہم محبت نہ ہو جائے' کیا میں تمہیں وہ عمل نہ بتادوں جس کے کرنے سے تمہارے درمیان محبت و یگانگت پیدا ہو جائے؟ اور وہ یہ ہے کہ تم سلام کو آپس میں خوب پھیلاؤ (صحیح مسلم) حدیث مبارکہ میں اہل ایمان کو تاکید و نصیحت کی جارہی ہے کہ جنت میں داخل ہونے کے لئے ضروری ہے کہ ایمان کو پوری طرح اپنی زندگی میں جاری کرو' باہم میل و محبت اخوت و بھائی چارے سے رہو' ایک دوسرے سے محبت و شفقت کے برتاؤ سے پیش آؤ اور اس محبت' شفقت' بھائی چارے اور خیر خواہی کے اظہار کے لئے سلام کو کثرت سے پھیلاؤ۔ اہل ایمان کے لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تاکید و ہدایت ہے کہ ایک دوسرے کو سلام کرنے اور اس کا جواب دینے سے دلوں میں محبت و اخوت کے جذبے ابھرتے ہیں اور یہ بات بھی اپنی جگہ طے ہے کہ کسی بھی عمل کا تاثر تب ہی ظاہر ہوتا ہے جب اس عمل میں خلوص پوری طرح رچا بسا ہو' ایمان و اخلاص کا صحیح جذبہ ہی ہمارے اعمال کو ایمانی رشتوں میں باندھتا ہے اور دلوں میں باہمی اخوت و محبت کے جذبات پیدا کرتا ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ کا یہ بڑا ہی کریمانہ قانون ہے کہ اس اُمت نبی آخرالزمان صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے اس کا خصوصی انعام و اکرام ہے کہ اہل ایمان کی کی گئی ایک نیکی کا اجر و ثواب اسے دس نیکیوں کے برابر ملتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے اس قانون و اکرام کا اظہار قرآن کریم میں اس طرح فرمایا ہے کہ ''من جاء بالحسنتہ فلہ عشر امثالھا'' اس سے ثابت ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب صرف السلام علیکم کہنے والے کے لئے دس نیکیوں کی نوید دی تو وہ دراصل قانونِ الٰہی کی تعلیم کرنا تھی' اس سے یہ بات بھی واضح ہوگئی کہ سلام کہنے والا

جتنے کلمے ادا کرے گا اسے اتنا ہی اجر وثواب ملے گا۔

حضرت ابو اسامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''لوگوں میں اللہ کے قرب اور اس کی رحمت کا زیادہ حق دار وہ شخص ہے جو سلام کرنے میں پہل کرے۔ (مسند احمد ترمذی۔ ابوداؤد)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''سلام میں پہل کرنے والا تکبر سے بری ہے۔ (شعب الایمان البیہقی) حدیث مبارکہ سے یہ پہلو بھی نکلتا ہے کہ سلام میں پہل کرنا اس بات کی علامت ہے کہ سلام میں پہل کرنے والے کے دل میں تکبر وغرور نہیں ہے۔ اس بات کو یوں بھی سمجھا جا سکتا ہے کہ سلام میں پہل تکبر وغرور کا علاج بھی ہے اور تکبر وغرور کے بارے میں اللہ کے عذاب کی شدید وعید ہے اور سلام کرنا اور اس کا جواب دینا تو ہر مسلمان کا اولین حق ہے جب ملاقات ہو تو سلام کرے۔ (مسلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''جب تم میں سے کسی کی اپنے کسی مسلمان بھائی سے ملاقات ہو تو اسے چاہئے کہ وہ اس کو سلام کرے اور اگر اس کے بعد کوئی درخت یا کوئی دیوار یا کوئی پتھر ان دونوں کے درمیان حائل ہو جائے یعنی کچھ دیر کے لئے وہ ایک دوسرے کی نظروں سے اوجھل ہو جائیں اور پھر سامنے آ جائیں تو آمنا سامنا ہونے پر پھر وہ سلام کریں۔ (سنن ابی داؤد)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ''بیٹا جب تم اپنے گھر والوں کے پاس جاؤ تو سلام کرو یہ تمہارے لئے بھی باعث برکت ہوگا اور تمہارے گھر والوں کے لئے بھی۔ (جامع ترمذی)

حضرت قتادہؒ جو تابعی تھے سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''جب تم کسی گھر میں جاؤ تو گھر والوں کو سلام کرو اور پھر جب گھر سے نکلو اور جانے لگو تو پھر گھر والوں کو وداعی سلام کر کے نکلو۔'' (شعب الایمان البیہقی)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''جب تم میں سے کوئی کسی مجلس میں پہنچے تو اسے چاہئے کہ وہ اہل مجلس کو سلام کرے اگر بیٹھنا چاہے تو بیٹھ جائے اور جانا چاہے تو جائے لیکن جاتے وقت پھر سلام کرے۔ (جامع ترمذی)

اسلام ایک مکمل دین ہے یہ اپنے ماننے والوں کو تہذیب وشائستگی کا درس دیتا ہے۔ اسلامی نظام حیات میں جس طرح ایک دوسرے کی خیر خواہی اور عزت وتکریم کا خیال رکھا جاتا ہے ایسا کسی اور دین میں نہیں ہوتا یہی وجہ ہے کہ سلام جو ہر مسلمان کا دوسرے مسلمان سے ملاقات کے وقت ملاقاتی دعائیہ جملہ ہے اس کے استعمال کے بارے میں گو کہ یہ تاکید بار بار کی گئی ہے کہ ہر مسلمان کوشش کرے کہ سلام کرنے میں وہ پہل کرے لیکن اس کے باوجود سلام کرنے کے کچھ قواعد وضوابط اور احکام بھی وضع کیے گئے ہیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہدایت فرمائی ہے کہ

چھوٹا اپنے بڑے کو سلام کرے اور راستہ سے گزرنے اور چلنے والا بیٹھے ہوئے لوگوں کو سلام کرے اور تھوڑے افراد زیادہ افراد کی جماعت کو سلام کریں (صحیح بخاری شریف) ایک اور روایت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہی ہے کہ سواری پر سوار شخص کو چاہئے کہ وہ پیدل چلنے والے کو سلام کرے۔

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نسبت کر کے بیان فرمایا کہ گزرنے والی جماعت میں سے اگر کوئی ایک شخص بھی سلام کرے تو پوری جماعت کی طرف سے کافی ہے اور بیٹھے ہوئے لوگوں میں سے اگر کسی ایک نے بھی جواب دے دیا تو وہ سب کی طرف سے کافی ہوگا۔ (شعب الایمان)

سلام نماز کا بھی اہم جزو ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم تشہد (یعنی التحیات) سکھاتے تھے جس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم قرآن کی سورۃ پڑھایا کرتے تھے۔ (مسلم) التحیات میں السلام علیک ایھا النبی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے مخصوص ہے اور التحیات ہر نماز کا لازمی جزو ہے۔ ہر نماز میں اگر دو رکعت کی نماز ہے تو ایک قعدہ میں التحیات ایک بار پڑھیں گے اور اگر چار رکعت کی نماز ہے تو قعدہ اولیٰ میں ایک بار اور پھر قعدہ اخیرہ میں ایک بار نماز میں سلام کے ساتھ دُرود پڑھا جاتا ہے اس طرح سلام ہر نماز کا لازمی حصہ ہے نماز میں دوبارہ پھر سلام ادا کیا جاتا ہے یعنی جب نماز مکمل کر لی جاتی ہے تو پہلے دائیں طرف، پھر بائیں طرف چہرہ پھیر کر السلام علیکم ورحمتہ اللہ کہا جاتا ہے، نماز کی تکمیل، سلام پھیرنے سے ہی ہوتی ہے۔ امام شافعی رحمت اللہ علیہ کے مطابق نماز میں تشہد پڑھنا اور اس میں صلوٰۃ علی النبی پڑھنا فرض ہے۔

سورۃ الاحزاب میں اللہ تبارک وتعالیٰ فرما رہا ہے۔

ترجمہ: اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) پر دُرود بھیجتے ہیں، اے ایمان والو تم (بھی) ان پر دُرود بھیجو اور خوب سلام بھیجو۔ (سورۃ احزاب۔۵۶)

تفسیر: اس آیت مبارکہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قدر و منزلت اور مرتبہ کا بیان ہے، جو ملأ اعلیٰ (آسمانوں کی اعلیٰ ترین جماعت) میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل ہے، وہ قدر و منزلت یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ خود اپنے فرشتوں میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ثناء و تعریف بیان فرماتا ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر رحمتیں بھیجتا ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ خود بھی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ وسلام بھیجتا ہے اور تمام فرشتے بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے درجات کی بلندی کی دعا کرتے ہیں۔ اس کے ساتھ ہی اللہ تعالیٰ نے اہل زمین کو حکم دیا کہ وہ بھی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ وسلام بھیجیں تا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر عالم علوی (آسمان والے) اور عالم سفلی (زمین والے) دونوں عالم متحد ہو جائیں۔

(جاری ہے)

شازیہ اختر

ملیحہ احمد

ڈیئر قارئین اور تمام رائٹرز کو میرا محبت بھرا اسلام قبول ہو جی تو ہمارا نام شازیہ اختر ہے لیکن سب پیار سے شاذی کہتے ہیں 6 جون کو اس دنیا میں انٹری دی' میرا تعلق ضلع چکوال کے گاؤں نور پور سے ہے۔ ہم چھ بہن بھائی ہیں' میرا نمبر آخری ہے۔ میرے دونوں بڑے بھائی احمد اور مزمل بھائی شادی شدہ ہیں۔ احمد بھائی کی ایک بیٹی حنا اور مزمل بھائی کا ایک بیٹا معاویہ ہے۔ میری آپی نازیہ بھی شادی شدہ ہیں' ان سے چھوٹے ساجد بھائی اور عابد بھائی اس کے بعد میں ہوں۔ میری تعلیم کچھ خاص نہیں بس گزارے لائق ہے' خوبیاں یہ ہیں کہ کسی کو دکھی نہیں دیکھ سکتی۔ دل کی بہت صاف ہوں جو دل میں ہو وہ منہ پر ہوتا ہے' ہر کسی سے مخلص ہو کر ملتی ہوں جو ایک بار ملے دوسری بار ملنے کی خواہش ضرور کرتا ہے۔ ہنس مکھ ہوں' نماز کی بہت پابند ہوں اور دوسروں کو بھی تاکید کرتی ہوں۔ خامیاں یہ کہ غصہ بہت آتا ہے لیکن اس پر جو غلط کر رہا ہو' تھوڑی جذباتی ہوں' حساس ہوں۔ کلر میں وائٹ اور گلابی بہت پسند ہے جبکہ چھوٹی بھائی کو بلیک کلر پسند نہیں جس پر ہم دونوں کی لڑائی ہو جاتی ہے (مذاق میں)۔ کھانے میں مجھے سب پسند ہے لیکن چنے کی دال بالکل اچھی نہیں لگتی۔ آئیڈیل شخصیت حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں' اللہ تعالیٰ بس ان کی سنت پر عمل کرنے والا بنادے۔ آنچل سے وابستگی کافی عرصے سے ہے' پہلے تو مانگ کر گزارا کر لیتے تھے لیکن اب ہر ماہ اپنا لیتی ہوں۔ ہر قسم کی کتاب پڑھنے کا بہت شوق ہے اگر کسی کے پاس کوئی کتاب دیکھ لوں تو تب تک اسے نہیں چھوڑتی جب تک اس سے کتاب لے نہ لوں۔ اشفاق احمد کی زاویہ اور بانو قدسیہ کی امربیل بہت پیاری ہیں۔ شاعروں میں پروین شاکر' عبداللہ راہی اور وصی شاہ بہت پسند ہیں۔ شاعری مجھے بہت پسند ہے جو شعر اچھا لگے وہ میری ڈائری کی زینت بن جاتا ہے (بقول نرگس کے) تمہارا انتخاب بہت اچھا ہے' دوستیں بنانا بہت اچھا لگتا ہے۔ جہاں بھی جاتی ہوں کوئی نہ کوئی دوست بناتی ہوں لیکن سب سے پیاری دوست نرگس شاہین ہے جو ہم راز ہے۔ نرگس میری طرف سے تمہیں بہت پیار۔ رائٹرز میں نازیہ آپی اور سمیرا آپی بہت پسند ہیں' مجھے نازیہ اور سمیرا آپی سے ملنے کا بہت شوق ہے۔ کاش کہ زندگی میں ان سے کبھی ملاقات ہو جائے۔ اپنے والدین سے بہت پیار کرتی ہوں' قارئین سے گزارش ہے کہ میری امی کی لیے دعا کریں وہ جلد صحت یاب ہو جائیں۔ بچوں سے بہت پیار کرتی ہوں' خصوصاً اپنے کیوٹ سے بھتیجے معاویہ اور بھتیجی حمنی میں تو میری جان ہے۔ میں نے آج تک جو بھی اپنے رب سے مانگا وہ مجھے ملا حتیٰ کہ زندگی کی سب سے بڑی خوشی بھی نصیر احمد کی صورت میں (میرا نکاح ہو چکا ہے لیکن ابھی رخصتی نہیں ہوئی) جس کا ملنا مشکل لگتا تھا وہ مجھے اتنی آسانی سے مل جائے گا شاید میرے رب کا کرم ہے۔ اب اجازت اللہ حافظ۔

سعدیہ خواجہ

ڈیئر آنچل قارئین! السلام علیکم' امید ہے اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے سب بخیر و عافیت ہوں گے' میری اللہ پاک سے دعا ہے کہ آپ سب اس بابرکت ذات کے حفظ و امان میں رہیں' آمین۔ اب اپنا تعارف ہو جائے' مابدولت کو سعدیہ خواجہ کہتے ہیں' تک نیم

سعدی ہے جو گھر والوں کے ساتھ ساتھ فرینڈز میں بھی کامن ہے۔ تاریخ پیدائش 3 نومبر ہے' اسٹار عقرب ہے جس کی تمام خوبیاں اور خامیاں مجھ میں پائی جاتی ہیں۔ ہم چار بہن بھائی ہیں سب سے بڑی شگفتہ آپی جو ہیں اور ایک بہت ہی پیارے سے بیٹے کی ماما ہیں۔ دوسرے نمبر پر انوار بھائی ہیں' انہوں نے ایم بی اے کیا ہے' اس کے بعد تیسرے نمبر پر مابدولت خود ہیں۔ بی ایس سی کیا ہے اور اب ایم اے اسلامیات کررہی ہوں۔ اس کے ساتھ ساتھ گورنمنٹ ٹیچر کی حیثیت سے جاب بھی کررہی ہوں' چوتھے نمبر پر صدام علی ہے جو کہ چھوٹا ہونے کے ساتھ ساتھ سب گھر والوں کا لاڈلہ ہے۔ صدام بی ایس جیولوجی کے 6th سمسٹر میں ہے۔ آزاد کشمیر کے ایک خوب صورت شہر بھیرہ میں رہتی ہوں۔ اب آتی ہوں اپنی پسند وناپسند کی طرف تو کھانے پینے میں سب کچھ پسند ہے کیوں کہ اللہ تعالیٰ کے دیئے رزق میں نکتہ چینی کرنا اس کی ناراضگی کا سبب بن سکتا ہے۔ لانگ شرٹ' چوڑی دار پاجامہ اور لمبا دوپٹہ پسندیدہ لباس ہے۔ حد میں رہ کر ہر فیشن کرتی ہوں' رنگوں میں بے بی پنک' انگوری کلر پسند ہیں۔ میری فیورٹ پرسنالٹی میری ماں ہیں جو کہ اس دنیا میں نہیں رہیں' اللہ تعالیٰ ان کو مغفرت عظیم عطا کرے' آمین۔ فیورٹ بک قرآن مجید اور آنچل ہے' آنچل سے میرا تعلق 2008ء سے ہے۔ دوسروں پر تنقید کرنے والے لوگوں سے نفرت ہے' جھوٹ بولنے والے اور دوسروں کے معاملات میں بے جا دخل اندازی کرنے والوں کو سخت ناپسند کرتی ہوں۔ خوبی یہ ہے کہ صلح جو اور امن پسند ہوں' لڑائی جھگڑے' فالتو بولنا ناپسند ہے۔ بہت کم گو ہوں' اکثر اپنی ذات میں گم رہتی ہوں۔ شوخ و چنچل والدین کی لاڈلی اور بگڑی بیٹی تھی لیکن وقت اور حالات نے اتنا بدل ڈالا کہ اب ہر دیکھنے والا دنگ رہ جاتا ہے کہ یہ وہی سعدیہ ہے جسے ہم جانتے تھے۔ دوستی کے معاملے میں بہت حساس ہوں' زیادہ دوستیں تو نہیں ہیں لیکن جو ہیں وہ جگری ہیں۔ عذرا آفتاب' نورین فاطمہ' عدیلہ بشیر' عدیلہ رفیق' عظمیٰ جبین' صائمہ مشتاق اور فرح سرور' سب ایک سے بڑھ کر ایک ہیں' میرے آنسوؤں میں برابر شریک ہونے والی ہیں۔ تنہا رہنا اچھا لگتا ہے' کبھی دل کرتا ہے خوب روؤں اور کبھی ہنسنے کو دل چاہتا ہے۔ سردیاں بہت پسند تھیں خاص کر لمبی' کالی سیاہ خوفزدہ کردینے والی راتیں لیکن جب سے ان سیاہ لمبی راتوں میں ماما کی ڈیتھ ہوئی تھی تب سے ان سے وحشت ہوتی ہے۔ میں اندر سے بالکل خالی اور کھوکھلی لڑکی ہوں' بہرحال اللہ تعالیٰ سے میرے حق میں دعا کیجیے گا۔ شاعری پسند ہے' پسندیدہ شاعر محسن نقوی اور احمد فراز ہیں۔ آپ سب کو میرا تعارف کیسا لگا بتایئے گا ضرور۔ اللہ حافظ۔

نادیہ جہاں

السلام علیکم! اس ناچیز کا سلام تمام قارئین بہنوں کے نام' آنچل اسٹاف' گول مٹول' قارئین ننھی منی لڑکیوں کیسی ہو؟ میں نے کسی بھی ماہنامے میں کبھی شرکت نہیں گو کہ دل تو بہت چاہا پر کیا کروں ہم ذرا سست الوجود ہیں' دماغ کی بھی گرم ہوں۔ اب آتی ہوں اپنے تعارف کی طرف جو ذرا دل تھام کر اور آنکھیں کھول کر پڑھیے گا' میرا نام نادیہ جہاں تبسم میرے ابو جان نے رکھا تھا' اپنا نام بہت اچھا لگتا ہے۔ ہم چار بہن بھائی ہیں' میرا سب سے بڑا ایک بھائی نوید ہے' ہم تین بہنیں بھائی سے چھوٹی ہیں۔ بہنوں میں میرا نمبر دوسرا ہے ایک بہن چھوٹی تانیہ ہے (اس سے میری بالکل نہیں بنتی) ویسے ہم میں سے کوئی ایک کہیں چلی جائے تو دل نہیں لگتا۔ 25 مئی

کو سال کے گرم مہینے میں اس دنیا میں نازل ہوئی تھی' ضلع سیالکوٹ کے خوب صورت گاؤں میں پیدا ہوئی۔ آنچل پڑھنا بہت اچھا لگتا ہے اور ان شاء اللہ پڑھتی رہوں گی اس سے میرا واسطہ دو تین سال سے ہے۔ کتابیں پڑھنا بہت اچھا لگتا ہے۔ میں نے ماشاء اللہ مدرسہ کا چار سال کا کورس اور ترجمہ تفسیر کیا ہوا ہے' اسکول کی تعلیم بھی میٹرک تک ہے۔ اب آتے ہیں پسند ناپسند کی طرف' رنگوں میں ریڈ' پنک اور وائٹ کلر بہت پسند ہے اور زیادہ تر ریڈ کلر ہی پہنتی ہوں۔ کھانے میں آلو مٹر اور گرمیوں میں بھنڈی کریلے بہت پسند ہیں۔ چاولوں کی تو دیوانی ہوں اور میٹھے کی بہت ہی شوقین ہوں' مجھے غصہ بہت زیادہ اور جلد آتا ہے جب غصہ آتا ہے تو میری دوست نورین مجھے مناتی ہے' میری فرینڈ بہت اچھی ہیں۔ زنیرہ مغل' بشریٰ' شمع' نورین مسکان اور عفیفہ ہیں اور میں ہر ایک پر بہت جلد بھروسہ کرلیتی ہوں۔ اپنی سویٹ سے ابو جان سے بہت محبت ہے' مجھے اپنے بھتیجے عبید اللہ اور بھانجی زینب (زینی) سے بہت پیار ہے اور میری پسندیدہ ہستی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم' حضرت علیؓ و فاطمہؓ حسنؓ و حسینؓ، قائداعظم' علامہ اقبال ہیں۔ رائٹرز میں نازیہ کنول نازی' عمیرہ احمد ان کے ناولز بھی پسند ہیں۔ اپنے اساتذہ سے بھی محبت ہے مجھے جتنے بھی استاد ملے بہت ہی اچھے ملے ہیں' جن میں باجی منیبہ' مس مہوش جبیں اور سر خالد یہ سب سے زیادہ اچھے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو قدم قدم پر کامیابیوں سے نوازے' آمین۔ اللہ تعالیٰ میرے پیارے بھیا نوید کو لمبی زندگی دے' اب میں اجازت چاہتی ہوں' اللہ حافظ۔

ثناء ریاض

پیارے آنچل کے پیارے اسٹاف اینڈ سویٹ سے ریڈرز اینڈ رائٹرز اینڈ آل پاکستان کو میری طرف سے السلام علیکم! کیا حال چال ہیں آپ سب کے؟ امید ہے سب فٹ اینڈ فائن ہوں گے اور میرے بارے میں جاننے کے لیے میرے بالکل سنگ سنگ ہوں گے۔ میرا نام ثناء ریاض ہے اور میں 28 جنوری کے ایک کول سے دن ضلع منڈی بہاؤ الدین کے ایک خوب صورت سے گاؤں بوسال سکھا میں پیدا ہوئی۔ ہماری کاسٹ راجپوت (رانا) ہے' ہم چار بہنیں ہیں' میرا نمبر تیسرا ہے اور میں ایف ایس سی کی اسٹوڈنٹ ہوں' پاپا ڈاکٹر ہیں اور ان کی خواہش ہے میں بھی ڈاکٹر بنوں۔ اللہ تعالیٰ میرے والدین کو صحت اور عزت والی لمبی زندگی عطا فرمائے' آمین۔ ڈریس میں مجھے لانگ شرٹ کے ساتھ چوڑی دار پاجامہ اور بڑا سا دوپٹہ پسند ہے۔ جیولری میں مالا' بین' ٹین رسٹ واچ اور کانچ کی چوڑیاں بے حد پسند ہیں۔ ڈشز میں چکن بریانی' شامی کباب اور سویٹ ڈش میں کھیر پسند ہے (صرف امی کے ہاتھ کی)۔ کلرز میں بلیک' بے بی پنک اور بلیو فیورٹ ہیں۔ بیسٹ ٹیچرز مس نسرین' مس مقدس' مس ساجدہ' سر خالد' سر ممتاز' سر مظہر اور سر ظفر ہیں۔ اللہ تعالیٰ میرے ان تمام ٹیچرز کو ہمیشہ خوش و خرم رکھے' آمین۔ فیورٹ ڈائجسٹ آنچل ہے اور اس کی وجہ "ٹوٹا ہوا تارا" ہے اس لیے میرا آنچل پڑھنے کا سارا کریڈٹ سمیرا شریف طور کو جاتا ہے لیکن آنچل کی باقی سب ہی رائٹرز بھی ماشاء اللہ بہت اچھا لکھتی ہیں جن میں ام مریم' نازیہ کنول نازی' عشنا کوثر سردار اور اقراء صغیر ہیں۔ دعا ہے آنچل دن دگنی' رات چوگنی ترقی کرے' سنگرز میں عاطف اسلم' شفقت امانت علی' ندیم عباس اور ایکٹرز میں عامر خان' سیف علی خان اور ایکٹریس میں کترینہ کیف اور کاجل فیورٹ ہیں۔ اب آتے ہیں ناپسند کی طرف' مجھے ایسے لوگ سخت ناپسند ہیں جو دوسروں سے بلاوجہ جیلس ہوتے ہیں۔ دوسروں کا مذاق اڑانے والے اور طنز کرنے والے لوگ بے حد بُرے لگتے ہیں۔ جی جناب عالی اب خوبیوں اور خامیوں سے بھی پردہ اٹھا دینا چاہیے۔ خوبی یہ ہے کہ حقیقت پسند ہوں' کبھی کسی کا بُرا نہیں سوچا' کبھی کسی کو بُرا نہیں کہا ہر بندہ اپنی ذات میں ٹھیک ہے' بس جھوٹ نہیں بولتی۔ ارے اب اتنی بھی خوبیاں نہیں ہیں مجھ میں' ہاں البتہ خامیاں بہت ہیں۔ سب سے بڑی خامی یہ ہے کہ میں نماز کی پابند نہیں ہوں' اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ مجھے پانچ وقت کا نمازی بنا دے۔ غصہ بہت آتا ہے' ڈھیٹ ہوں اور اپنی مرضی کرتی ہوں (بقول امی کے)۔ برداشت بہت کم ہے' میری بہت زیادہ فرینڈز ہیں جن کے نام سدرہ (بیسٹ فرینڈ) فروا' سعدیہ' ثمرہ' اقراء' نورین' رقیہ اور ندا ہیں۔ ڈیئر قارئین! آپ نے اپنے قیمتی وقت میں سے کچھ وقت نکال کر میرا ساتھ دیا' اس کے لیے بنڈل آف تھینکس' او کے ٹیک کیئر اللہ نگہبان۔

بہنوں کی عدالت

فاخرہ گل

❁ لائبہ میر حضرو سے پہلا سوال پوچھتی ہیں کہ فاخرہ آپ کو کبھی ایسا محسوس ہوا کہ اب اور نہیں لکھ پائیں گی اگر ایسا ہے تو پھر ایسے وقت میں کیا کرتی ہیں؟

بہت پیاری لائبہ آج تک تو کبھی بھی ایسا محسوس نہیں ہوا کہ اب اور نہیں لکھ پاؤں گی میرے نزدیک نہ لکھنا ایک بہت ہی ناقابل یقین سوچ ہے یعنی کہ جس طرح کی معروف لائف گزر رہی ہے اور اس میں، میں اپنے آرام کے وقت کو ختم کر کے اس وقت لکھتی ہوں تاکہ گھر اور دوسری ذمہ داریاں ڈسٹرب نہ ہوں تو ایسے میں اگر یہ کہا جائے کہ میں لکھنا چھوڑ کر مکمل آرام اور اپنی ذات کا خیال رکھا کروں تو یہ میرے لیے شاید ممکن نہ ہو، کیونکہ مجھے لگتا ہے کہ لکھائی اب میرے خون میں گردش کرنے لگی ہے اور اسے چھوڑنے کا میرے نزدیک کوئی تصور نہیں ہے ابھی اس وقت بھی رات کے سوا دو بج رہے ہیں اور پھر فجر کے وقت جاگنا ہے اور دوپہر کو سونا بھی میری روزمرہ کی ڈکشنری میں نہیں تو ایسے میں بھی اگر لکھا جا رہا ہے تو صرف اس لیے کہ اگر لکھوں گی تو سکون رہے گا ورنہ بے چینی سی محسوس ہوتی رہتی ہے۔

❁ آپ کا دوسرا سوال ہے کہ پہلے رف لکھتی ہیں یا پھر نیٹ ہی لکھنے کی کوشش کرتی ہیں؟

ڈیئر شروع کی صرف ایک دو اسٹوریز پہلے رف لکھی تھیں مگر اس کے بعد سے اب تک اللہ کا شکر ہے کہ ڈائریکٹ نیٹ ہی لکھا ہے۔

❁ آپ کے فیورٹ ایکٹر، ایکٹریس اور سنگرز کون ہیں بالی ووڈ سے؟

لائبہ شاید آپ کو اس جواب پر حیرت ہوگی لیکن میں نے آج تک بالی ووڈ کی کوئی فلم یا ڈرامہ نہیں دیکھا، پاکستانی فلموں سے بھی شناسائی نہیں ہے۔ جس کی ایک بڑی وجہ ہے کہ میرے ابو کو فلمز دیکھنا پسند تھا نہ ہی امی کو اور گو کہ ابو تو اپنی جاب پر ہوتے تھے لیکن اس کے باوجود کبھی ڈنڈی مار کر فلم دیکھنے کی کوشش نہیں کی ذہن میں ہمیشہ ایک ہی بات رہی کہ اگر امی ابو کو فلمز نہیں پسند تو یقینی طور پر یہ بات غلط ہی ہوگی اور شاید یہ بھارتی فلمز اور ڈراموں کا واحد ایسا موضوع ہے۔ جس پر میری معلومات زیرو ہیں اسکول کالج یا یونیورسٹی میں جب لڑکیاں مختلف بھارتی ڈراموں اور فلموں کی باتیں کرتی تھیں تو میرا یہی جواب ہوتا تھا کہ نہیں ہم نہیں دیکھتے اور یہی وجہ ہے کہ میں بھارتی ایکٹرز اور ایکٹرسز کو بھی نہیں جانتی ہوں سوائے ان چند کے جو کہ بہت مشہور ہیں دیگر کے تو مجھے نام بھی معلوم نہیں ہیں، لہٰذا وہی بچپن کا مزاج ایسا بنا کہ اب تک کبھی دل نے خواہش ہی نہیں کہ کہ فلم دیکھی جائے کیونکہ میرے لیے فلم میں کوئی اٹریکشن نہیں پورے تین گھنٹے ٹی وی کے سامنے بیٹھے رہنا میرے نزدیک وقت کے ضیاع سے بڑھ کر اور کچھ بھی نہیں ہے۔

❁ ایک دعا جو سب سے زیادہ پسند ہو یعنی دعائیہ کلمات؟

اللہ تعالیٰ آپ کو آپ کے والدین اور اہل خانہ کو دنیا و آخرت کی تمام راحتیں نواز کر آپ سے راضی رہے آمین۔

❁ ادبی کتابوں میں سے کوئی ایک بہترین کتاب جو آپ نے پڑھی ہو اور جس سے بہت کچھ سیکھا ہو۔

لائبہ میں تو ہر کتاب کو پڑھتی ہی اس نظر سے ہوں کہ اس میں سے حاصل کیا ہوگا اور اس ناول مضمون یا تحریر میں میری ذات کے لیے کیا ہے یوں تو ایسی کوئی کتابیں ہیں جن سے کچھ نہ کچھ ضرور سیکھا خواہ وہ اردو زبان میں ہوں یا انگریزی میں لیکن اگر نام صرف ایک ہی کتاب کا لیا جانا ہے تو میرا خیال ہے اشفاق احمد صاحب کی "زاویہ" ایسی کتاب ہے جس میں ہلکے پھلکے اور بڑے ہی سادہ انداز میں بہت کچھ بتانے اور سکھانے کی کوشش کی گئی ہے۔

❁ کوئی ایسا ناول جسے پڑھ کر بہت زیادہ روئی ہوں؟

کچھ ناولز یقینی طور پر ایسے ہوتے ہیں جنہیں پڑھ کر دل بے حد بوجھل ہو جاتا ہے اتنا بوجھل کہ مجھ سے تو پھر کھایا پیا بھی نہیں جاتا لیکن نہیں ایسا تو کوئی بھی ناول آج تک نہیں پڑھا جسے پڑھ کر بہت زیادہ آنسو بہائے ہوں، ویسے بھی میں اس حد تک ٹریجڈک اسٹوریز سے ذرا پرہیز ہی کرتی ہوں۔

❁ کوئی ایک رشتہ جو سب سے زیادہ عزیز ہو؟

صرف ایک نہیں ایسے کئی رشتے ہیں جو میری زندگی کا سرمایہ ہیں جن کے ہونے سے میری زندگی کا توازن برقرار ہے جن کے تصور سے ہی ہونٹ مسکرانے لگتے ہیں اور دل میں سکون سا اترتا محسوس ہوتا ہے۔ ماں، باپ، بہنیں، بچے شوہر وغیرہ کسی کا نام لیا جائے اور کسے نظر انداز کروں سب ہی حاصل حیات ہیں۔

❁ ایک چیز جس سے بہت انسیت ہو؟

میرا ایمان۔

❁ ایک خواہش جس کے پورا ہونے کی کوئی امید نہ ہو؟

ناامیدی تو گناہ ہے اور مجھے اپنے رب پر مکمل بھروسہ ہے اس قدر یقین، اعتماد اور بھروسہ ہے اس کی ذات پر کہ میں نے کبھی یہ سوچا ہی نہیں ہے کہ میں اس سے کچھ مانگوں اور وہ نہ دے یہ میرا ایمان کہتا ہے کہ ایسا ناممکن ہے کیونکہ ستر ماؤں سے بڑھ کر پیار کرنے والا وہ رب جو بن مانگے نوازنے کی عادت رکھتا ہے تو پھر میں یہ کیسے سوچ لوں کہ اگر میں جھولی پھیلاؤں گی تو وہ اپنی رحمت کی نظر مجھ پر نہیں کرے گا۔ وہ کیسے گوارا کرے گا کہ اس کے محبوب کی امت میں سے کوئی سوالی ہو اور وہ اس کا سوال پورا نہ کرے، اس صورت میں کہ جب وہ پتھروں اور بتوں کو سجدہ کرنے والوں کو بھی دیتا ہی چلا جا رہا ہو۔ لہٰذا نہ تو آج تک الحمدللہ ایسا ہوا ہے کہ کوئی خواہش دل میں رہ گئی ہو اور نہ ہی اپنے مالک کی رحمت سے ناامید ہوئی ہوں اور نا کبھی آئندہ ایسا ہوگا۔

❁ ایک عید جسے بہت انجوائے کیا ہو، یادگار عید؟

پاکستان میں امی ابو کے ساتھ گھر پر گزری ہر عید ہی بہت یادگار ہوتی ہے۔

❁ عائشہ نور عاشا گجرات سے لکھتی ہیں فاخرہ آپ لکھنے کے علاوہ اور کیا کرتی ہیں؟

پیاری عائشہ، میں لکھنے کے علاوہ بزنس میں اپنے ہزبینڈ کے ساتھ ہیلپ کرتی ہوں عبدالرحمان اور محمد حمزہ کو مکمل طور پر خود پڑھاتی ہوں اور بس اتنی سی دیر میں دن ختم ہو جاتا ہے۔

❁ اگر میں آپ سے ملنے آؤں اور آٹوگراف مانگوں تو آپ کیا دیں گی؟

ایسے رہا کرو کہ لوگ کریں آرزو
ایسے چلن چلو کہ زمانہ مثال دے

زندہ رہنا ہے تو اپنی زندگی کا مقصد جاننے کی کوشش کرو اور پھر کوشش کرو کہ زندگی ایسے بامقصد طریقے سے گزرے کہ اپنے تو اپنے غیر بھی آپ کے اخلاق، کردار اور شخصیت کی تعریف کرتے ہوئے دعا دینے لگیں۔

❁ میرا آخری سوال کہ میں رائٹر بننا چاہتی ہوں اس کے لیے مجھے کیا کرنا ہوگا؟

ارے واہ یہ تو بہت خوشی کی بات ہے عاشا کہ آپ رائٹر بننا چاہتی ہیں تو پھر دیر کس بات کی ہے فوراً پین پیپر ہاتھ میں لیں اور جو کچھ بھی ذہن میں ہے ایک صفحے پر لکھنا شروع کر دیں۔ کسی بھی موضوع پر ایک دو یا تین مضامین لکھ ڈالیں بالکل اسی طرح جیسے میٹرک کلاس میں لکھا کرتے تھے مختلف ٹاپکس پر مضامین لکھنے سے آپ کے خیالات میں روانی آئے گی اور الفاظ کا بہاؤ بہترین ہو جائے گا اور اس کے بعد کوئی بھی موضوع ذہن میں رکھ کر اگر کہانی لکھنا چاہتی ہیں تو کہانی لکھ لیجیے موضوع منفرد ہوگا تو تحریر چھپنے کے لیے بہت زیادہ انتظار نہیں کرنا پڑے گا۔ تحریری سفر کے آغاز میں کرداروں کی بھرمار کرنے سے گریز برتیں کم کردار چنیں تاکہ آپ ان کے مکالموں، تاثرات اور احساسات کی ترجمانی کے ساتھ بھرپور انصاف بھی کر سکیں۔ کوشش کریں کہ کہانی بامقصد ہو، جسے پڑھ کر قاری لمحہ بھر کے لیے ہی صحیح مگر مثبت انداز میں سوچے کہانی لکھتے وقت یہ ضرور سوچیں کہ یہ کہانی بارہ سے بانوے سال (یا اس سے بھی کم اور زیادہ) کے قارئین نے پڑھنی ہے لہٰذا الفاظ کا چناؤ بے حد احتیاط سے ہو، ذہن میں رہے کہ اگر رومانوی ناول ہے پھر بھی مکالمے یا منظر نگاری اس طرح کی نہ ہو کہ کم عمر بچیوں کا ذہن ڈگمگانے کا امکان ہو اور مچور قارئین کے ذہن کو گراں گزرے۔

مجھے یاد ہے کہ ہمارے گھر میں مختلف ڈائجسٹ وغیرہ آیا کرتے تھے اور فرسٹ ایئر تک مجھے مختصر سلسلوں کے علاوہ کسی میں بھی دلچسپی بھی محسوس نہیں ہوتی تھی ایک دن ایک کلاس فیلو نے یونہی باتوں باتوں میں کہا کہ جو اچھی لڑکیاں ہوتی ہیں ناں میرے ابو کہتے ہیں کہ وہ ڈائجسٹ نہیں پڑھتیں اور میری بہن اپنی دوست سے ادھار لے کر ابو سے چھپ کر پڑھتی ہیں کیونکہ ابو کا خیال ہے کہ ڈائجسٹ لڑکیوں کا ذہن خراب کر دیتے ہیں۔ تب اس کی دونوں باتوں پر میرا دماغ ٹھنکا تھا پہلی تو یہ کہ اگر ابو نے منع کیا ہے تو پھر کتنی بری بات ہے کہ ان کی بات ماننے کے بجائے چھپ کر وہی کام کیا جا رہا ہے۔ جس کی والدین کی طرف سے اجازت نہیں، اس لیے پہلی بات تو یہ کہ ایسی لڑکیاں واقعی اچھی نہیں ہوتیں جو کوئی بھی ایسا کام چھپ کر کریں جن کی اجازت ان کے والدین کی طرف سے نہ دی گئی ہو۔ (خیر اس پر طویل بحث ہو گئی جو ایک الگ موضوع ہے)

اور دوسری بات یہ کہ ہمارے گھر میں تو ناز یہ باجی بڑی آزادی سے ہر اخبار، جریدہ، ماہنامے، ہفتے وار سب میگزین پڑھتی ہیں تو اس کے ابو نے ایسا کیوں کہا، اور آخر ایسی کیا وجہ ہے کہ وہ اپنے ابو سے ڈائجسٹ چھپا کر رکھتی اور پڑھتی ہیں تب

تو اس بات کا جواب شاید اتنا واضح سمجھ نہیں آیا تھا لیکن ہاں اس کے بعد جب میں نے باقاعدہ رسائل پڑھنے کا آغاز کیا تو محسوس ہوا کہ واقعی بعض اوقات اس طرح کی کہانیاں یا کہانیوں میں اس طرح کے سین شامل ہوتے ہیں کہ جنہیں اگر یونہی ورق گردانی کے طور پر گھر میں باپ بھائی پڑھ لیں تو اس ڈائجسٹ کی گھر میں آمد پر پابندی لگانے میں حق بجانب ہوں کے کہ دیگ میں چاول پکائے جائیں تو چاول کے محض چند دانے چکھنے سے ہی پوری دیگ کے بارے میں رائے قائم کرلی جاتی ہے اس لیے یاد رہے کہ جب ہم ہاتھ میں قلم تھامتے ہیں تو ایک بہت بھاری ذمہ داری بھی ہم پر عائد ہوجاتی ہے کہ ہمارا لکھا میرا ایک ایک لفظ پڑھنے والوں کے کردار، ان کی سوچ میں بلندی کا باعث بنے نا کہ گراوٹ کا۔

وہ تمام دوستیں جنہوں نے لکھنے کے حوالے سے پوچھا تھا ان سب کے لیے یہ مختصر ٹپس لکھی ہیں۔ مزید لکھنے سے جواب طویل ہوجانے کا خدشہ ہے لہٰذا ان شاء اللہ باقی باتیں پھر کبھی دعاؤں میں یاد رکھیے گا۔

❀ بنت عائشہ اپنے بے حد خلوص اور محبت کا اظہار کرنے کے بعد لانڈھی کراچی سے پوچھتی ہیں۔ پیاری فاخرہ فیس بک پر آپ کی باتیں پڑھ کر میں آپ کی کہانیوں کے ساتھ ساتھ خوش مزاجی اور اخلاق کی بھی گرویدہ ہوگئی ہوں (وغیرہ وغیرہ اتنی لمبی تعریفیں نہیں لکھ پاؤں گی) پہلا سوال تو میرا یہ ہے کہ آپ فیس بک پر کیسی پوسٹ لائک کرتی ہیں اور کیا صرف دوستوں کی ہی پوسٹ لائک کرتی ہیں جیسا کہ سب کرتے ہیں؟

پیاری دوست میں اکثر اسٹیٹس پڑھتے ہوئے ناموں کی طرف دھیان نہیں دیتی ہوں، کیونکہ پہلی بات تو یہ کہ کبھی ایسا نہیں ہوا کہ مکمل سکون سے بیٹھ کر فیس بک استعمال کی ہو، ہمیشہ پانچ دس منٹ کے وقفے پر ہی دیکھتی ہوں اور شعوری طور پر نام صرف اس صورت میں دیکھتی ہوں جب کوئی پوسٹ بہت امپریسیو ہو اور یا بہت خراب ورنہ کبھی ایسا نہیں ہوتا کہ صرف دوستوں کی پوسٹ لائک کی جائے ویسے بھی جب فیس بک پر کسی کو فرینڈ کے طور پر تسلیم کیا جاتا ہے تو اس کا مطلب دوست ہونا ہی ہوتا ہے نا، اب یہ الگ بات ہے کہ ان میں سے کچھ لوگ اپنی سوچ کمنٹ کرنے کے انداز یا کسی اور طرح سے دل کے قریب لگنے لگتے ہیں مجھے تو نماز کے بعد دعا میں بھی اگر فیس بک فرینڈز کا خیال آجائے تو ان کے لیے دعا کرتی ہوں اور کچھ دوستیں ایسی بھی ہیں جن کو کبھی دیکھا نہیں سنا نہیں، ان باکس میں گپ شپ کرنے کا مجھے ٹائم نہیں ملتا لیکن پھر بھی ان کے ساتھ ایک عجیب سا تعلق محسوس ہوتا ہے۔ نام نہیں لکھوں گی تاکہ دوسرے سب خود کو دور نہ سمجھیں اور جہاں تک بات لائک کی ہے تو اکثر جن کی پوسٹ پر کوئی لائک نہیں ہوتا وہ بے شک میری کتنی ہی دفعہ کی پڑھی ہوئی بات ہو مگر اسے میں ضرور لائک کردیتی ہوں۔

❀ آج تک کتنے لوگوں کو ان فرینڈ کیا اور کیوں؟

پہلے تو باقاعدہ ہر دو تین ماہ میں فرینڈ لسٹ کی صفائی کرتی تھی لیکن اب اتنا ٹائم نہیں ہوتا البتہ ابھی بھی شاید ستمبر میں چھ سات لڑکیوں کو ایک ساتھ ہی ان فرینڈ کیا تھا وجہ صرف اور صرف منفی سوچ تھی کہ "جو دل میں بغض رکھتے ہیں ان اپنوں سے ڈرتی ہوں"

❀ اب آجاتے ہیں آپ کی اصلی پہچان کی طرف پہلے تو یہ بتائیں کہ آنچل کے لیے کوئی قسط وار ناول کب تک لکھ رہی ہیں؟

بنت عائشہ صرف آپ کی دعا چاہیے اگر آپ نے سچے دل سے میرے لیے دعا کی اور مجھے مکمل وقت ملا تو ان شاء اللہ امید تو ہے کہ اگلے سال ضرور اس معاملے میں کچھ کرنا ہے۔

❀ آپ زیادہ تر مڈل کلاس کے متعلق لکھتی ہیں ایسا کیوں ہے حالانکہ خود آپ یورپ کی پرآسائش زندگی گزار رہی ہیں؟

شاید اس لیے کہ مڈل کلاس زندگی، ان کی باتیں، رہن سہن، مسائل اور معاملات سب ہی کچھ حقیقت سے بے حد قریب اور اپنے ارد گرد ہوتا ہوا محسوس ہوتا ہے جبکہ دوسری صورت میں بعض باتیں ایسی بھی ہوتی ہیں جنہیں اکثریت کا ذہن قبول کرنے سے بھی انکار کردیتا ہے کہ نہیں یہ کیسے ممکن ہے یا یہ کیسے ہوسکتا ہے، جبکہ وہ سب کچھ بھی ملک ہی میں موجود ایک طبقے میں روزمرہ کے معمولات میں ہورہا ہوتا ہے۔

بہر حال جو کچھ بھی ہے لیکن ایک بات تو طے ہے کہ اگر ایسا ہے تو یہ سب شعوری طور پر نہیں ہوتا دراصل میری زیادہ تر کہانیاں معاشرتی پہلوؤں پر ہوتی ہیں تو شاید اس لیے ایسا ہوتا ہو۔

❀ آپ شاعرہ بھی ہیں شاعری کی کون سی صنف کو لکھنا زیادہ پسند کرتی ہیں؟

میں نعت لکھنے کو اپنے لیے ایک اعزاز سمجھتی ہوں اور چاہتی ہوں کہ بہت ساری نعتیں اور حمد یہ کلام لکھوں شاید یہی لکھا ہوا ہمارے والدین، اہل و عیال اور خود ہمارے لیے بخشش کا سبب

بن جائے آمین آپ کی محبتوں کی بہت مشکور ہوں۔

❁ سمعیہ ادریس، کوہاٹ سے لکھتی ہیں۔ پیاری فاخرہ آنچل میں آپ کی سب سے پہلی تحریر جو میں نے پڑھی تھی "وہ تیری چاہ میں" تھی ہلکی پھلکی مزاحیہ سی گھریلو تحریر میرے دل میں گھر کرگئی تھی تب سے اب تک جہاں بھی آپ کا نام پڑھتی ہوں ذہن میں وہی "تیری چاہ میں" والی کہانی گھوم جاتی ہے میرے شوہر نے بھی میرے ساتھ ہی آن لائن وہ تحریر پڑھی تھی، ان کا کہنا ہے کہ دیکھو رائٹر نے بھی کتنا ٹھیک لکھا ہے کہ تم لڑکیاں باہر جانے کے لیے تو سر سے پاؤں تک تیار ہوجاتی ہو اور گھر میں شوہروں کے سامنے جیسے کام والی ماسیاں...... پرانی بات ہے لیکن تب کئی دن تک مجھے اسی بات کا حوالہ دیا کرتے تھے۔

❁ آپ سے جو سوال پوچھنا تھے وہ سب پوچھ چکے ہیں اس لیے آپ کے لیے بہت ساری دعائیں اور نیک خواہشات۔

ڈیئر سمعیہ تھینکیو سو مچ آپ نے اتنی بہترین دعاؤں سے نوازا اللہ تعالیٰ آپ کو خوش رکھے۔

❁ روبینہ کوثر جھنگ سے اپنی محبتوں کے اظہار کے بعد پوچھتی ہیں۔ کوئی ایسا لمحہ جس نے زندگی بدل دی ہو، اور کیسے؟

بالکل روبینہ ڈیئر 2012 میں اٹلی میں آنے والے خوف ناک ترین زلزلے نے میری زندگی اور میری شخصیت مکمل طور پر بدل کر رکھ دی۔

مئی کے آخری دن تھے رات کو سوتے سوتے اچانک آنکھ کھلی تو ایسا لگا جیسے ہم بیڈ پر نہیں کسی جھولے میں سو رہے ہیں اور جھولا بھی کس حالت میں جسے جھلا کر چھوڑ دیا گیا ہو ہزبینڈ با آواز بلند کلمہ شہادت کا ورد کرنے لگے اور میں آیۃ الکرسی کا ننھے محمد حمزہ کی آنکھ نہیں کھلی تھی مگر عبدالرحمان جاگ گئے تھے اور بڑے دہشت زدہ انداز میں مجھ سے چمٹے ہوئے تھے ایک دو تین پتا نہیں کتنی مرتبہ آیۃ الکرسی پڑھی یاد نہیں مگر زلزلہ رکنے میں نہیں آرہا تھا۔

زبان پر آیۃ الکرسی تھی کانوں میں ہزبینڈ کے کلمہ شہادت پڑھنے کی آوازیں ذہن میں امی ابو کی پریشان صورتیں اور ساتھ دونوں بچے، کیسی دعائیں مانگیں تو کبھی ورد کیے تب کہیں جاکر وہ زلزلہ تو رک گیا مگر خود احتسابی کا ایک طویل عمل شروع ہوگیا تھا میرے ذہن سے یہ بات نہیں نکل رہی تھی کہ آج اسی لمحے میری زندگی ختم ہوجاتی تو میرے ہاتھ میں کیا تھا، وہ تمام کام جنہیں رب کریم کی طرف سے فرائض کا درجہ دیا گیا ہے ان میں سے کتنے کاموں کو میں نے حقیقتاً اپنے اوپر لازم کیا تھا، اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت کا گن گانا ایک طرف لیکن ان کی تعلیمات میں سے میری زندگی میں کیا کچھ شامل ہے اور ابھی خوف کے ساتھ ساتھ خود احتسابی کی بھی جنگ ذہن میں جاری تھی کہ اس سے بڑھ کر شدید زلزلہ ایک بار پھر آن موجود ہوا، مگر اس مرتبہ زمین جھولی نہیں تھی بلکہ اللہ معاف کرے لگتا تھا کہ پھٹی جارہی ہو، دھڑ دھڑ دھڑ خوف ناک مگر شدید آواز کے ساتھ ہر چیز ہل گئی تھی۔ مرکز کیونکہ ہم سے صرف آٹھ دس کلو میٹر کے فاصلے پر تھا لہٰذا شدت بھی زیادہ محسوس کی گئی۔ زمین دو لخت ہوگئی تھی درخت اکھڑ گئے گھر مسمار ہوگئے اور وہ گھر جنہیں ہر پل سنوارا سجایا جاتا تھا ان گھروں کے اندر داخل ہونے سے بھی خوف آنے لگا مگر دل بدل گیا اور ایسا بدلا کہ جیسے ہر طرف سکون ہی سکون اترتے دیکھا تبھی میں نے حجاب لینا شروع کیا تھا اور سب نے بڑی ہی حیرت سے یہ تبدیلی دیکھی اور مسکراتے ہوئے اکثر دوستوں نے کہا کہ فاخرہ تم اور حجاب، بہت جلد اکتا جاؤ گی بور ہوجاؤ گی زیادہ سے زیادہ ایک ڈیڑھ ہفتے کے بعد تم پھر پہلے کی طرح ہوجاؤ گی حجاب کا وقتی ابال ہے لیکن میں نے اللہ سے اس کا ساتھ مانگا تھا اس سے ثابت قدمی مانگی تھی میں نے خدا سے خود خدا کو مانگا تھا کہ یا اللہ تو میرا بن جا اور مجھے اپنا بنا لے اور الحمدللہ تب سے اب تک یہ ساتھ ایسا ہے کہ کبھی کسی اور کی ضرورت ہی نہیں پڑی۔

اور میں اکثر سوچتی ہوں کہ واقعی اللہ کی کوئی تدبیر حکمت سے خالی نہیں ہوتی اگر وہ کبھی دکھ دیتا ہے تو بھی اس لیے کہ اسے یاد کریں اور اس کے قریب ہوجائیں مگر پھر بھی دعا یہی ہے کہ اے مالک ہمیں بغیر کسی مصیبت پریشانی یا آفت کا سامنا کیے بغیر اپنی رحمت اور محبت سے اپنے نزدیک کرے آمین۔

❁ فیس بک پر آپ اکثر سیاست والوں اور سیاسی پارٹیوں کے بارے میں پر مزاح تنقید کرتی ہیں مگر یہ تو بتائیں کہ آپ کا اپنا تعلق کس پارٹی سے ہے؟

میرا تعلق اس بچہ پارٹی سے ہے جو افطار پارٹی میں بھی چل (Chill) پارٹی کا مزہ لے لیتی ہے۔

❁ زندگی سے کوئی شکایت؟

الحمدللہ کوئی نہیں۔

❁ آنچل میں اتنا کم لکھنے کی وجہ؟

صرف آنچل ہی نہیں مائی ڈیئر کسی بھی میگزین میں بہت زیادہ نہیں لکھ رہی ہوں وجہ صرف اور صرف وقت کی کمی۔

❀ امی اور ابو میں سے کس کے زیادہ نزدیک ہیں یا پھر یوں کہیئے اپنی زندگی میں لازمی تصور کرتی ہیں؟

روبینہ ڈیئر آپ کے سوال سے مجھے ایسا لگا جیسے آپ پوچھ رہی ہوں کہ مجھے دنیا دیکھنے کے لیے دائیں آنکھ کی ضرورت ہے یا بائیں آنکھ کی اور یا پھر یہ کہ زندہ رہنے کے لیے دل کا دھڑکنا لازم ہے یا سانس کا آنا، ظاہر ہے کہ آپ میرا جواب جان گئی ہوں گی کہ نہ امی کے بغیر زندگی کا تصور ہے نہ ابو کے، ہر خوشی کے موقع پر بھی سب سے پہلے آنے والا خیال ان کا ہوتا ہے اور پریشانی میں بھی بلکہ اپنی دعاؤں میں میرے سامی ابو کو بھی یاد رکھیے گا اللہ سب کے والدین کو سلامت و تندرست رکھے آمین۔

❀ اپنا نام نہ لکھنے کی شرط پر قسم دینے کے ساتھ ایک فرینڈ نے ایک دو نہیں بلکہ پورے چار سوالات پوچھے ہیں نام بتانا شرط ہرگز نہیں اور نہ ہی نام کے بغیر جواب دینے میں مجھے کوئی قباحت ہے اگر وہ سوالات مجھ سے میری ذات کے متعلق پوچھے جائیں پیاری بہن آپ کے چاروں سوالات ساتھی رائٹرز کے معاملات ان کے رویے، اور دوسری چیزوں کے متعلق ہیں جن کے جواب دینا تو ظاہر ہے کہ ان کی اپنی ذمہ داری ہے اور بھلا میں کسی کے افعال کی ذمہ دار یا جواب دہ تو نہیں ہوں کہ آپ مجھ سے دوسروں کے معاملات پر رائے مانگیں یا آپ مجھ سے کہیں کہ فلاں رائٹر کو یہ سمجھاؤں اور فلاں کو یہ مشورہ یا نصیحت کروں میں تو خود انسان ہونے کے ناطے مکمل نہیں کچھ خامیاں تو مجھ میں بھی ہوں گی نا اور آپ میں بھی......

تو ایک ایسا شخص جو خود خامیوں سے پر ہو وہ بھلا دوسروں کو کیا نصیحت کرے اور ان کے اعمال و افعال پر کیا رائے دے کیا یہ بہترین نہیں ہے کہ ہم خود سر جھکا کر اپنے گریبان میں جھانکیں اپنی ذات اور شخصیت میں پائی جانے والی خامیاں دور کریں جتنا وقت ہم دوسروں کی غلطیوں کو ڈسکس کرنے اور انہیں اچھالنے میں صرف کرتے ہیں کیا یہ بہتر نہیں ہوگا کہ وہ وقت ہم خود اپنی ذات کو دیں، صبح سویرے جاگنے کے بعد آپ اپنے گھر کی صفائی کرتی ہیں یا آس پڑوس کے گھروں کا کوڑا اکٹھا کرتی ہیں، ظاہر ہے کہ آپ سب اور خود میں بھی اپنے ہی گھر کو صاف کرتے ہیں ناں کیونکہ ہم نے دوسروں کے گھر صاف کرنے کا ٹھیکہ نہیں لے رکھا وہ جانیں اور ان کے گھر لیکن جہاں بات اپنے من کی صفائی کی آتی ہے تو ہم بڑی پھرتی سے لفظوں کا خاردار جھاڑو اٹھائے دوسرے تک جا پہنچتے ہیں، ہمارے اپنے گریبان میں سے چاہے بدبو کے بھبکے اٹھ رہے ہوں لیکن ہم عطر دوسرے کو بھی لگانا چاہتے ہیں، اپنی اصلاح یا درستگی کا سوچنا تو دور کی بات ہے ہم تو اپنے آپ کو غلط ماننے پر ہی تیار نہیں ہوتے بس جو خامیاں برائیاں ہیں دوسروں میں ہی ہیں کیونکہ ہم سب بحیثیت مجموعی خود کو دودھ سے دھلا تصور کرتے ہیں۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے اور ہم سب میں ہی کچھ نہ کچھ خامیاں اور خرابیاں موجود ہیں کچھ کی دنیا کے سامنے آجاتی ہیں اور کچھ کو اللہ کی رحمت پوشیدہ رکھتی ہے۔ اس لیے بہتر ہے کہ الفاظ کا چناؤ ہمیشہ ایسا کیجیے کہ اگر کوئی آپ کے لیے بھی وہی الفاظ استعمال کرے تو آپ ہرٹ نہ ہوں جب سے دنیا بنی ہے وہی الفاظ بولے جارہے ہیں بار بار کئی بار وہی دہرائے جارہے ہیں اور آئندہ بھی دہرائے جائیں گے لیکن فرق صرف بولنے والے کے انداز کا ہے کیونکہ

سیف انداز بیاں رنگ بدل دیتا ہے
ورنہ دنیا میں کوئی بات نئی بات نہیں

امید ہے کہ آج کے بعد آپ کسی کے لیے بھی خواہ وہ کوئی رائٹر ہو آپ کی دوست ہو، محلے دار یا رشتے دار اتنے سخت الفاظ استعمال نہیں کریں گی اللہ تعالیٰ آپ پر ہمیشہ راضی رہے، آمین۔

❀ بشریٰ زبیر سکھر سے پوچھتی ہیں آپی اگر میں کہوں کہ آپ آنچل کے توسط سے کسی سے مخاطب ہوں تو وہ کون ہوگا؟

آنچل کے توسط سے مخاطب کرنے کے لیے جو نام فوراً سے میرے ذہن میں آیا ہے وہ تو پاپا کی لاڈلی کا ہے پچھلے دنوں ان کی ایک خواہش نظر سے گزری تھی کہ کاش مجھے بھی کوئی آنچل میں خط لکھتا، تو لیجیے میں آپ سے مخاطب ہوں بلکہ میں یہاں خیریت سے ہوں اور آپ کی خیریت خداوند کریم سے نیک مطلوب ہے، سردیوں کی آمد آمد ہے کیسے کیسے دن گزر رہے ہیں اور آج کل کیا مصروفیت ہے آپ کے امی ابو کا کیا حال ہے میری طرف سے انہیں بہت سلام دیجیے گا اور دعا کا کہیے گا، ہمیں خوش رہیں۔

❀ جب میں آپ کی تحریریں پڑھتی ہوں تو لگتا ہے کہ آپ بہت سیریز قسم کی ہیں لیکن جب باتیں پڑھتی ہوں تو لگتا ہے جیسے بہت شوخ و چنچل اور زندہ دل ہیں فیصلہ آپ کریں۔

ڈیئر بشریٰ مجموعی طور پر دیکھا جائے تو دوسرا خیال آپ کا بالکل ٹھیک ہے۔

❀ طالب علمی کے زمانے میں کس مضمون سے نفرت تھی؟

نفرت تو کسی بھی مضمون سے نہیں تھی بلکہ میں خوش ہو کر پڑھنے والوں میں سے تھی لیکن اب عبدالرحمان اور محمد حمزہ کو ہوم ورک کراتے وقت میتھس سے سخت الجھن ہوتی ہے کیونکہ یہاں کے طریقہ کار میں اور ہمارے پاکستان کے طریقے میں بہت فرق ہے یوں سمجھ لیں کہ یہ لوگ کراچی سے حیدر آباد ڈھائی گھنٹے میں پہنچنے کے بجائے رستے میں کوٹری، ٹنڈو آدم، دادو وغیرہ جانا بھی ضروری سمجھتے ہیں جس کی کوئی ضرورت ہی نہیں۔

❀ اگر "کون بنے گا کروڑ پتی" میں پہنچ جائیں تو کتنے لاکھ یا کروڑ جیتیں گیں؟

میں نے آج تک نہ تو یہ شو دیکھا ہے اور نہ ہی اس کا فارمیٹ معلوم ہے اس لیے کچھ نہیں کہہ سکتی۔

❀ پسندیدہ لباس؟

چوڑی دار پاجامے کے ساتھ فراک اور بڑے بڑے دوپٹے مجھے گرمیوں میں بہت اچھے لگتے ہیں۔ البتہ سردیوں میں ٹراؤزر اور شرٹ میں ایزی فیل کرتی ہوں۔

❀ آنچل کے بارے میں مختصر ترین الفاظ میں رائے؟

رائٹرز کی نرسری، جہاں سب کے ہنر کو کھلے دل سے پالش ہونے کا موقع دیا جاتا ہے آپ کی دعاؤں کا بہت شکریہ اور ہاں آپ کی خواہش ان شاء اللہ جلد پوری کرنے کی کوشش کروں گی۔

❀ حیدر آباد سے نگہت سلیم پوچھتی ہیں آپی میں سب سے منفرد طریقے سے سوال کرنا چاہتی ہوں جو یقیناً کسی نے نہیں کیے ہوں گے آپ نے ایمان داری سے صرف دو سیکنڈ میں جواب لکھنا ہے۔

❀ چین یا پیسہ؟

صرف چین۔

❀ کیا اہم ہے خوش مزاجی یا خوش لباسی؟

خوش مزاجی۔

❀ زندگی سے کتنے فیصد مطمئن ہیں؟

الحمدللہ سو فیصد۔

❀ کون سا ملک ہے جہاں کبھی نہیں جانا چاہتیں؟

امریکہ، بھارت۔ بھارت کے حوالے سے تو کئی وجوہات ہیں لیکن امریکہ بغیر کسی وجہ کے بھی اچھا نہیں لگتا۔

❀ فیشن کی دلدادہ ہیں یا سادگی کا پیکر؟

ففٹی، ففٹی۔

❀ اپنی کوئی بری عادت؟

حساسیت۔

❀ کوئی ایک اچھی عادت؟

شاید عاجزی۔

❀ زندگی میں کبھی کسی سے محبت ہوئی؟

محبت کے بغیر تو زندگی ہی نہیں زندگی کے ہر لمحے سے محبت ہے اور ان لمحوں میں ساتھ لوگوں سے بھی۔

❀ بغیر ٹال مٹول کے بتائیں آج کل لکھنے والی کوئی رائٹر جس پر رشک آتا ہو؟

میں الحمدللہ تعریف کرنے میں فراخ دل ہوں، صدف آصف کو ہر مہینے مختلف رسائل میں دیکھ کر رشک آتا ہے کہ وہ کتنا لکھ رہی ہیں، اللہ تعالیٰ انہیں بہت سی کامیابیوں کے ساتھ کسی ایسی یادگار تحریر سے نوازے، جو ان کا حوالہ بن جائے۔

❀ آپ کا قد، رنگت، جسامت؟

پانچ فٹ چھ انچ، صاف، اسمارٹ۔

❀ زندگی کیا ہے؟

اللہ کی طرف سے عطا کردہ آزمائشی وقت جس میں وہ کسی کو عطا کر کے آزما رہا ہے تو کسی کو محروم رکھ کر۔

❀ آخر میں میرے شہر حیدر آباد کے بارے میں کچھ رائے؟

حیدر آباد صرف آپ کا ہی نہیں میرا بھی شہر ہے نگہت میرا بچپن حیدر آباد میں ہی گزرا ہے بلکہ اسکول کالج اور پھر یونیورسٹی بھی، اس لیے حیدر آباد کے نام کے ساتھ جو اپنا پن اور انسیت ہے وہ تو ہمیشہ رہے گی وہ رستے، وہ بازار، ہمارا اسکول، کالج ٹیچرز اور دوست بھی یاد آتے ہیں شہر بھی خوب صورت ہے اور شہر والے بھی بہت اچھے ہیں اللہ میرے ملک کے تمام شہروں کی رونقیں سلامت رکھے آمین۔

(جاری ہے)

محبت جیت جاتی ہے
نادیہ احمد

کمال شخص تھا جس نے مجھے تباہ کیا
خلاف اس کے یہ دل ہو سکا ہے اب بھی نہیں
یہ دکھ نہیں کہ اندھیروں سے صلح کی ہم نے
ملال یہ ہے کہ اب صبح کی طلب بھی نہیں

میرون کاٹن کا ڈھیلا سا کرتا جینز پہ پہنے، گلے میں ہم رنگ دوپٹے کو مفلر کی طرح لپیٹے وہ دکان میں داخل ہوئی۔ اس کے کندھے پہ لیدر بیگ لٹک رہا تھا۔ ظفر معراج نے پیشہ ورانہ مسکراہٹ سے اسے دروازے سے اندر آتے دیکھا۔

"خوش آمدید! آج خالی ہاتھ آرہی ہیں سارہ جی!" دکان دار کا لہجہ عامیانہ تھا۔

"تھوڑا کام باقی تھا' پرسوں تک فائنل ہوجائے گا۔" اس کے سنجیدہ لہجے اور نپے تلے جواب پہ ظفر معراج نے بتیسی نکالی۔

"چلو جی کوئی بات نہیں پرسوں کون سا دور ہے۔" اس کی آنکھیں آج بھی اتنی ہی اداس تھیں۔ خواتین گاہکوں سے وہ جلد فری ہوجاتا تھا۔ گاہک کو شیشے میں کیسے اتارنا ہے اسے خوب آتا تھا۔ وہ اس بازار کا پرانا کھلاڑی تھا اور اپنی چرب زبانی کے باعث کافی مشہور بھی تھا مگر اس تئیس چوبیس سال کی لڑکی سے زیادہ بات کرنے کا اس میں آج تک حوصلہ نہ ہوا تھا۔ وہ کئی بار اس کی دکان پہ آچکی تھی مگر اس کے چہرے پہ ہمیشہ کچھ ایسا تاثر ہوتا کہ ظفر معراج جیسا کایاں آدمی بھی اس سے بے تکلف نہیں ہو پاتا تھا۔

"آج پیمنٹ ہوجائے گی؟" سارہ نے مدھم آواز سے پوچھا۔ وہ کاؤنٹر پہ جمی دھول پہ اپنی انگلی سے لکیریں بنا رہی تھی۔

"ہاں جی کیوں نہیں؟ میں تو آپ کا ہی انتظار کررہا تھا۔ یہ رہی آپ کی امانت۔" دراز سے چند نوٹ نکال کر اس نے سارہ کی طرف بڑھائے۔ اس کی آنکھوں میں بازاری چمک تھی۔ سارہ نے ہاتھ بڑھا کر نیلے نوٹوں کو کونے سے تھاما۔

"یہ تو صرف پانچ ہزار ہیں؟" نوٹ گنتے اس نے سر اٹھا کے پوچھا۔

"یہ ہیں چار تصویروں کے پیسے۔ باقی کی ادائیگی آپ کو پرسوں کردوں گا۔ آپ نے آنا تو ہے نا اپنی تصویریں لے کر۔" وہ چالاکی سے بولا۔

"لیکن چار پینٹنگ کے پانچ ہزار تو بہت کم ہیں ظفر صاحب۔ وہ پینٹنگز اس سے کہیں زیادہ مالیت کی تھیں۔" وہ حیرت سے کبھی ظفر معراج کو اور کبھی اپنے ہاتھوں میں تھامے نوٹوں کو دیکھ رہی تھی۔

"اس چھوٹے سے شہر میں اس سے زیادہ کی امید رکھنا حماقت ہے محترمہ۔ یہ تو میں ہوں جو آپ کی ضرورت کو دیکھتے ہوئے آپ کی تصویریں اپنی دکان میں رکھ لیتا ہوں، اب اس چھوٹی سی دکان میں گھریلو سجاوٹ کی معمولی سی چیزوں میں آپ کی انوکھی انوکھی تصویریں تو عجیب ہی لگتی ہیں۔ میں نے تو آپ سے پہلے کہا تھا یہاں اس مال کی قیمت آپ کو وہ نہیں ملے گی جو کسی بڑے شہر میں مل سکتی ہے۔ آپ تو خود کو یہاں اپنی مرضی سے ہلکان کررہی ہیں۔" سارہ کے استفسار پر وہ منہ بنا کر بولا۔

بے بسی سے اس نے ظفر معراج کے پرفریب چہرے کو دیکھا جو اسے اس کی بیش قیمت پینٹنگز کی تھوڑی سی قیمت پکڑا کر اب مختلف توجیہات پیش کررہا تھا۔

"میں چلتی ہوں۔ پرسوں تک اور تصاویر بھی لے آؤں گی۔" روپے کندھے پہ لٹکے سیاہ بیگ میں ڈالتے وہ بوجھل قدموں سے دروازے کی طرف مڑ گئی۔

اپنی سوچوں میں گم سر جھکائے وہ دکان سے باہر نکل رہی تھی کہ اچانک سامنے سے تیزی سے آتے ایک دراز قامت شخص سے جاٹکرائی۔

"معذرت چاہتا ہوں غلطی میری ہے۔ تھوڑا جلدی میں تھا۔" خوب صورت لہجے میں معذرت کرتا وہ کافی شرمندہ لگا۔ سارہ نے سنجیدہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا اور کچھ کہے بغیر تیزی سے دکان سے باہر نکل گئی۔

نووارد نے حیرت سے اسے باہر نکلتے دیکھا اور پھر کندھے اچکا کر دکان میں داخل ہوگیا۔

"واہ جی واہ۔ آج تو ہماری دکان کی قسمت کھل گئی۔ ڈاکٹر صاحب آئے ہیں۔" ظفر کے لہجے میں وہی پیشہ ورانہ چہکار تھی جو گاہکوں کو دیکھ کر ہر دکاندار کے لہجے میں ہوتی۔

"میں یہاں سے گزر رہا تھا تو سوچا آپ سے پتا کروں میرا کام ہوا یا نہیں؟" ڈاکٹر حدید نے ماتھا کھجاتے ہوئے ظفر معراج سے پوچھا۔

"کہاں جی۔ من موجی لڑکی ہے۔ آئے آئے نہ آئے۔ آپ فکر نہ کریں۔ جب آئے گی میں آپ کا پیغام پہنچادوں گا۔" ظفر نے لچرپن سے کہا۔

"میرا کارڈ تو ہے نہ آپ کے پاس؟" ڈاکٹر حدید نے کنفرم کیا۔

"کارڈ ہے آپ کا میرے پاس اور پھر نہ بھی ہو تو آپ جیسی مشہور شخصیت کو یہاں کون نہیں جانتا۔ آپ حوصلہ رکھیں وہ جس دن آئی میں اسے آپ کے پاس بھیج دوں گا۔" ظفر معراج نے عیاری سے کہا۔

"چلیں پھر میں چلتا ہوں۔" ڈاکٹر حدید نے گھڑی دیکھتے ہوئے کہا۔

"جب آتے ہیں خدمت کا موقع ہی نہیں دیتے۔ آج میں آپ کو ایسے نہیں جانے دوں گا۔ ٹھنڈا منگواؤں یا گرم۔" ظفر نے خالص کاروباری لہجے میں کہا۔

"نہیں پھر کبھی۔ اس وقت تو جلدی میں ہوں۔ آپ بس میرا کام یاد رکھیئے گا۔" خوش مزاجی سے کہتا وہ دکان سے باہر نکل گیا۔ اس کی سفید پراڈو دکان کے ریمپ پہ کھڑی تھی۔ ریموٹ سے اس کا سینٹرل لاک کھول کر وہ گاڑی میں بیٹھا اور چند لمحوں میں نظروں سے اوجھل ہوگیا۔

❁……❁……❁
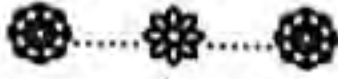
اس سیاحتی شہر کے چھوٹے سے بازار میں یہ اپنی نوعیت کی واحد دکان تھی۔ گھریلو آرائش کی سستی چیزیں، کانچ کے گل دان، پلاسٹک کے پھول، معمولی درجے کے ڈیکوریشن پیس اور چند سستی تصاویر اور پوسٹر یہاں باآسانی مل جاتے تھے۔ اس بازار کی باقی دکانوں کی طرح یہ بھی بہت چھوٹی سی مگر ہینڈی تھی اور ظفر معراج اپنے طبقے کا نمائندہ، انہی خصوصیات کا حامل تھا جیسے اس پیشے سے وابستہ لوگ ہوتے ہیں۔ اپنی چرب زبانی سے گاہکوں کو شیشے میں اتارنے والی فطرت اور دس کا مال پچاس میں فروخت کر کے سو کا مال دس میں خرید لینا۔

چند ماہ پہلے سارہ اس کی دکان میں اپنی چند پینٹنگز لے کر آئی تھی اور اس سے درخواست کی تھی کہ وہ ان تصاویر کو اپنی دکان میں رکھ کر فروخت کرے اور اس کام کے لیے سارہ اسے کل قیمت کا پچیس فیصد ادا کرے گی۔ ظفر کو اس سودے میں خاص دلچسپی نہیں تھی کیونکہ ان پینٹنگز کو ایک نظر دیکھ کر ہی وہ اندازہ لگا چکا تھا کہ وہ بہت قیمتی ہیں اور اس شہر میں ان کا گاہک ملنا مشکل ہے مگر اس بے تحاشہ حسین لڑکی کو انکار کرنے کو اس کا دل نہیں مانا تھا۔ گوری رنگت، دراز قد، تیکھے نقوش اور آنکھوں میں اداسی۔ سستے کاٹن کے کپڑے پہنے بھی وہ کسی اپسرا کا گمان دے رہی تھی۔ اپنے اردگرد سے بے نیاز وہ ہوش اڑانے والے حسن کی مالک تھی۔ ظفر معراج کو اسے دوبارہ دیکھنے کی حسرت ہوئی اور اسی لیے اس نے سارہ کی پینٹنگز اپنی دکان میں رکھ لی تھیں۔ یہ ایک اتفاق تھا کہ اس کی دونوں پینٹنگز کسی ٹورسٹ کو پسند آگئیں اور اس نے ان کے چھ ہزار دیئے تھے۔ ظفر

معراج کو بیٹھے بٹھائے پندرہ سول گئے اور اس نے سارہ کو مزید پینٹنگز لانے کا کہا تھا۔ اگلی بار سارہ چند اور پینٹنگز لائی اور وہ ان پہلی دو پینٹنگز کی طرح زبردست تھیں۔ کسی بڑے شہر کی آرٹ گیلری میں ان تصاویر کی قیمت مصور کو مالا مال کرسکتی تھی۔ اس نے توصیفی نگاہوں سے تصاویر کو دیکھا تھا۔ رنگوں کو اس خوب صورتی سے کینوس پہ بکھیرا گیا تھا کہ ان پہ حقیقت کا گمان ہوتا تھا۔ ان کی قیمت اس وادی میں ملنا مشکل تھی، ظفر معراج یہ بات اچھی طرح جانتا تھا مگر سارہ کو دل برداشتہ کرکے وہ نہیں چاہتا تھا وہ اس کے پاس آنا چھوڑ دے۔ اس لیے اس نے وہ تمام فریم رکھ لیے تھے۔

ڈاکٹر حدید نزدیکی قصبے میں ایک خیراتی ہسپتال کے مالک تھے۔ دارالخیر چیرٹی ہسپتال کے نام سے ابھی چند ماہ پہلے یہ ہسپتال شروع ہوا تھا اور جلد ہی اس علاقے میں ڈاکٹر حدید کا نام زبان زد عام تھا۔ اپنے ہسپتال کے لیے انہیں کچھ سامان خریدنا تھا اور وہ جانتے تھے ان کے مطلب کی چیز اس بازار میں ملنا مشکل ہے پھر بھی ایک نظر دیکھنے کی غرض سے وہ ظفر معراج کی دکان پہ چلے آئے تھے۔ یہاں ان کی نظر ان بیش قیمت تصاویر پہ پڑی جو ہرگز نظر انداز کیے جانے کے قابل نہ تھیں۔

"ویسے یہ کس مصور کی تصویریں ہیں ظفر صاحب۔" پچاس ہزار کا چیک کاٹتے ڈاکٹر حدید نے پوچھا۔

"پتا نہیں ڈاکٹر صاحب! کوئی لڑکی ہے۔ تصویریں میرے پاس رکھوا جاتی ہے اور پھر چند دن بعد آکر پیسے لے جاتی ہے۔" ظفر معراج نے بتایا۔

"آپ کے پاس اس کا کوئی رابطہ نمبر ہے۔" ڈاکٹر حدید نے کریدا۔

"نہیں جی خود ہی آجاتی ہے۔ میں نے تو کبھی نہیں پوچھا کہاں رہتی ہے۔ ویسے آپ کیوں پوچھ رہے ہیں۔" ظفر معراج چونکنا ہوکر بولا۔

"مجھے اس سے کچھ پینٹنگز بنوانی ہیں۔ اب اگر وہ آئے تو برائے مہربانی میرا یہ کارڈ اسے دے دیجیے گا اور کہیے گا اس کے لیے میرے پاس کام ہے۔" ڈاکٹر حدید نے اپنا کارڈ نکال کر ظفر معراج کی طرف بڑھایا۔

ظفر معراج کے ماتھے پہ اک بل پڑا اور اگلے ہی لمحے اس نے چہرے پہ شاطرانہ مسکراہٹ سجاتے ہوئے کہا۔

"آپ فکر ہی نہ کریں ڈاکٹر صاحب۔ آپ کا پیغام میں پوری ایمان داری سے اس تک پہنچا دوں گا۔ کسی غریب کا بھلا ہوجائے تو ہمیں تو جی ثواب ہی ملنا ہے نا۔"

"میں آپ کا احسان مند رہوں گا۔" ڈاکٹر حدید نے مشکور لہجے میں کہا۔

پچاس ہزار میں بکنے والی پینٹنگز کے محض پانچ ہزار دے کر ڈاکٹر حدید کا پیغام وہ سرے سے گول کر گیا تھا۔ یہ سونے کا انڈہ دینے والی مرغی اس کے ہاتھ سے نکل جائے اور وہ ہاتھ ملتا رہ جائے۔ اتنا احمق بہرحال وہ نہیں تھا۔

❁......❁......❁

"کوئی رابطہ نہیں ہوا ظفر صاحب۔" ڈاکٹر حدید آج پھر سارہ کے بارے میں پوچھتا ظفر معراج کی دکان پہ پہنچ گیا تھا۔ گرے شرٹ اور سیاہ پینٹ میں وہ ہمیشہ کی طرح باوقار نظر آرہا تھا۔

"وہ میری ملازمہ نہیں ہے ڈاکٹر صاحب۔ جب کام تیار ہوجاتا ہے لے آتی ہے۔ اب کام نہیں بنایا ہوگا تو نہیں آئی۔" ظفر معراج نے ناگواری سے کہا۔ یہ بندہ اس کے گلے ہی پڑ گیا تھا اور اس سے پیچھا چھڑانے کے لیے کچھ تو کرنا ہی تھا لیکن وہ ایسا مال دار گاہک گنوانے کا متحمل بھی نہیں ہوسکتا تھا۔

"آپ کیوں تکلیف کرتے ہیں ڈاکٹر صاحب! میں نے کہا نہ وہ آئی تو میں آپ کے پاس بھیج دوں گا۔" اپنی ناگواری پہ قابو پاتا اب وہ مکاری سے مسکرایا۔ لیکن اگلے ہی پل اس کی مسکراہٹ غائب ہوگئی۔

"ظفر صاحب! میں یہ ایک اور تصویر لے آئی ہوں۔ وہ کاؤنٹر پہ دونوں فریم رکھ رہی تھی۔ سنجیدہ مگر پرکشش آواز پہ چونک کر ڈاکٹر حدید نے پلٹ کر دیکھا۔ اس دن والی خوب صورت لڑکی شیشے کے کاؤنٹر کے پاس کھڑی تھی۔ سیاہ جینز پہ آف وائٹ ڈھیلا سا کرتا اور سیاہ دوپٹے کو گلے میں لپیٹے

وہ بہت رف سے حلیے میں تھی۔ اس کے سیاہ بال کیچر میں جکڑے تھے اور چند لٹیں کیچر سے نکل کر اس کے دودھیا چہرے کو پریشان کررہی تھیں۔ اس کا چہرہ میک اپ سے مبرا تھا لیکن اس پہ اداسی کا راج تھا، وہ چہرہ ڈاکٹر حدید کو اس دنیا کا سب سے خوب صورت چہرہ لگا۔

"بڑی لمبی عمر ہے سارہ جی! آپ کی۔ ڈاکٹر صاحب ابھی آپ کا ہی پوچھ رہے تھے۔" گھبراہٹ پہ قابو پاتے ظفر معراج نے کھسیانی آواز میں کہا۔

"ڈاکٹر صاحب! یہ ہیں سارہ جی جن کے بارے میں آپ پوچھ رہے تھے۔" ڈاکٹر حدید کو بتا کر اس نے سارہ کے چہرے کو دیکھا جس پہ سوال لکھا تھا۔

"یہ جی ڈاکٹر حدید ہیں۔ دارالخیر ہسپتال والے۔ آپ کی ساری تصویریں انہوں نے ہی خریدی ہیں۔" سارہ نے اپنے ساتھ کھڑے وجیہہ شخص کو دیکھا۔ چھ فٹ قد، چوڑے شانے، گوری رنگت اور آنکھوں میں ذہانت۔ اس کی آنکھوں پہ لگے ڈیزائنر گلاسز اس کی شخصیت کو اور بھی سوبر بنا رہے تھے۔ وہ اب اسی کی طرف دیکھ رہا تھا' یہ وہی تھا جو چند دن پہلے اس سے دکان کے دروازے پہ ٹکرایا تھا۔

"آپ بلاشبہ ایک قابل مصورہ ہیں اور میں آپ سے چند پینٹنگز بنوانا چاہتا تھا اسی سلسلے میں ظفر معراج کو اپنا کارڈ دیا تھا۔ اگر آپ مناسب سمجھیں تو میرے پاس آپ کے لیے ایک پراجیکٹ ہے۔"

"ہم کسی مناسب جگہ بیٹھ کر بات کرسکتے ہیں اگر آپ کو کوئی اعتراض نہ ہو۔" سارہ کو اپنی طرف دیکھتا پاکر ڈاکٹر حدید نے پوچھا۔ سارہ کی آنکھوں میں اجنبیت اور چہرے پہ سنجیدگی قائم تھی۔

"اس میں کیا شک ہے کہ میں ایک قابل مصورہ ہوں لیکن افسوس ہمارے معاشرے میں اپنی آسائشوں پہ لاکھوں خرچ کرنے والے فن کے قدردان ایک آرٹسٹ کے فن کی قیمت چند ہزار لگا کر ان کی مجبوریاں خریدتے ہیں۔" سارہ کے لہجے کی تلخی پہ ڈاکٹر حدید نے حیرت سے پہلے سارہ کو اور پھر ظفر معراج کو دیکھا جو شرمندگی سے اپنا سر کھجا رہا تھا۔

"ظفر صاحب میں پیمنٹ لینے کب آؤں۔" سارہ نے ظفر معراج کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"میں یہ پینٹنگز خریدنا چاہتا ہوں۔ پچیس ہزار میں آپ کو ابھی ادا کرسکتا ہوں۔" اس سے پہلے کے ظفر معراج کچھ کہتا ڈاکٹر حدید نے کہا۔ وہ اب والٹ سے پیسے نکال کر گن رہا تھا۔ سارہ نے پہلے ڈاکٹر حدید کو اور پھر ظفر معراج کی اڑی رنگت دیکھا۔ وہ ساری بات سمجھ چکی تھی۔ سارہ کو پیسے تھما کر ڈاکٹر حدید نے پرسکون نظروں سے کاؤنٹر پہ رکھی پینٹنگز کی طرف دیکھا۔ سارہ اب چند نوٹ ظفر معراج کی طرف بڑھا رہی تھی۔

"آپ کا کمیشن۔" اس نے آہستہ سے کہا اور باقی رقم اپنے سیاہ بیگ میں رکھ کر دروازے کی طرف پلٹی۔

"میری آفر پہ غور کیجئے گا مس سارہ۔ ایک آرٹسٹ کے فن کی قیمت کون ادا کرسکتا ہے یہ چند ہزار تو محض میں نے اس مایہ ناز مصورہ کو نذرانۂ عقیدت پیش کرنے کے لیے ادا کیے ہیں جس نے زندگی کی تلخی کو اتنے حقیقی رنگوں میں قید کیا ہے۔ آپ نے میرے بارے میں غلط اندازہ لگایا ہے میں آسائشوں اور ضروریات کے فرق سے واقف ہوں اور میرے بارے میں کوئی رائے قائم کرنے سے پہلے اگر ایک بار آپ مجھ سے مل لیں تو میں آپ کے اندازے غلط ثابت کرسکتا ہوں۔" سنجیدہ لہجے میں کہتا وہ کاؤنٹر سے فریم اٹھائے دروازے سے باہر نکل گیا۔ اس کا کارڈ کاؤنٹر پہ رکھا تھا۔ سارہ نے کچھ سوچ کر وہ کارڈ اٹھایا اور دکان سے باہر نکل گئی۔

......☆☆☆......

"میں آپ کا شکر گزار ہوں مس سارہ کہ آپ نے وقت نکال کر میری آفر پہ غور کیا۔" کافی کا سپ لیتے ڈاکٹر حدید نے کہا۔ ابھی چند منٹ پہلے سارہ اس کے آفس آئی تھی اور اس پروجیکٹ کا پوچھ رہی تھی جس کے لیے ڈاکٹر حدید اس سے ملنا چاہتے تھے۔ اس چھوٹے سے قصبے میں ہسپتال کی پرشکوہ عمارت دیکھ کر وہ کافی متاثر ہوئی تھی۔

سیاہ کاٹن کے کرتے کے ساتھ ہم رنگ ٹراؤزر پہنے گلے میں سفید دوپٹہ لپیٹے وہ سادہ مگر پرکشش لگ رہی تھی۔ آج اس نے اپنے سیاہ بال کھولے ہوئے تھے جو کندھوں پر بکھرے ہوئے تھے۔ اس کے چہرے پہ آج بھی اداسی تھی۔ شاید وہ لڑکی کبھی نہیں مسکراتی تھی۔

''آپ کو کس ٹائپ کی پینٹنگز بنوانی ہیں ڈاکٹر حدید!'' بے تاثر چہرے سے اس نے سوال کیا۔

''مس سارہ! میں نے یہ ہسپتال چند ماہ پہلے ہی شروع کیا ہے۔ یہ میری اور میرے بابا کی تین سال کی کوششوں کا نتیجہ ہے۔ میرے بابا اس چھوٹے سے قصبے کے رہنے والے تھے اور ان کی زندگی کی بڑی خواہش تھی کہ ان کے آبائی علاقے میں ایک ہسپتال ہو جس میں تمام بنیادی ضروریات مکمل تکنیکی سہولیات کے ساتھ مفت فراہم کی جاسکیں۔ یہ میرے بابا کا خواب تھا اور میں نے اسے اپنی زندگی کا مقصد بنالیا۔ یہ ہماری بدنصیبی ہے کہ ہمارے ملک میں صحت کی بنیادی ضروریات کا فقدان ہے اور ہمارے چھوٹے شہر اور قصبے بالخصوص ان مسائل کا شکار ہیں جہاں نہ جانے کتنی قیمتی اور معصوم جانیں ہر سال کسی ریکارڈ کے بغیر ضائع ہوجاتی ہیں۔ میں اکیلا پورے پاکستان کو نہیں بدل سکتا مگر ہاں اس چھوٹے سے قصبے میں میرا یہ قدم بارش کے پہلے قطرے کی حیثیت ضرور رکھتا ہے۔ ایک بڑا قدم اٹھانے کے لیے شروعات ہمیشہ چھوٹے قدموں سے کی جاتی ہے اور اپنے کام کا آغاز میں نے اپنے بابا کے آبائی علاقے سے کیا ہے۔'' ڈاکٹر حدید کے لہجے میں اعتماد اور چہرے پہ کسی عزم کو پالینے کی خوشی تھی۔

''میں اس سلسلے میں آپ کی بھلا کیا مدد کرسکتی ہوں۔ میں آپ کی فیلڈ سے بالکل ناواقف ہوں۔'' سارہ نے سوچتے ہوئے کہا۔

''مجھے آپ سے اس کام میں کوئی مدد نہیں چاہیے۔ دراصل آپ کی پینٹنگز نے مجھے بہت متاثر کیا ہے۔ پہلی نظر میں ان کو دیکھ کر اندازہ ہوجاتا ہے وہ ایک باکمال مصور کی تخلیق ہیں اور ایک لینڈ اور اس پر حقیقت کے رنگ بھرنا ہر آرٹسٹ کے بس کی بات نہیں۔ میں اپنے ہسپتال کے لیے چند پینٹنگز بنوانا چاہتا ہوں۔ اب تک میں یہاں طبی سہولیات کی جدید انداز میں فراہمی میں مصروف رہا ہوں۔ یہاں جدید مشینری، ماہر ڈاکٹرز اور پیشہ ور مگر پرخلوص اسٹاف میری اولین ترجیح تھی۔ الحمدللہ میں اپنے اس مقصد میں بہت حد تک کامیاب ہوچکا ہوں اور ایک قابل بھروسہ ٹیم یہاں موجود ہے۔ لیکن شاید آپ نے ہسپتال میں داخل ہوتے اندازہ لگالیا ہوگا استقبالیہ اور کوریڈورز کی آرائش باقی ہے۔ میں چاہتا ہوں آپ چند ایسی پینٹنگز میرے اسپتال کے لیے بنا کردیں جو نہ صرف یہاں کی آرائش میں اضافہ کریں بلکہ ان میں کوئی پیغام بھی ہو۔ آپ کی پہلی پورٹریٹس میں یہاں نہیں لگا سکتا کیونکہ ان میں جو ناامیدی اور یاسیت کی جھلک ہے وہ دیکھنے والے کو ڈپریشن کی طرف لے جاسکتی ہے۔'' ڈاکٹر حدید نے تفصیلاً کہا۔

''مگر آپ کو وہ پینٹنگز یہاں نہیں لگانی تھیں تو آپ نے انہیں خریدا کیوں؟'' سارہ نے تجسس سے پوچھا۔

''مس سارہ! دوائیوں، مریضوں اور ایمرجنسی کے علاوہ میری ایک ذاتی زندگی بھی ہے اور مجھے آرٹ کی تھوڑی بہت شدبد بھی ہے۔ میری اپنی دلچسپیاں اور مشاغل ہیں جو میڈیسن سے یکسر ہٹ کر ہیں۔ میری دنیا میں آرٹ اور کتابوں کی بہت اہم جگہ ہے اور آپ کی پینٹنگز دیکھ کر میں انہیں خریدے بغیر رہ نہیں پایا۔ وہ پینٹنگز میں نے اپنے لیے خریدی تھیں کبھی موقع ملا تو آپ کو اپنی وہ چھوٹی سی دنیا دکھاؤں گا جہاں میں اپنے اسٹریس کو کم کرتا ہوں۔'' ڈاکٹر حدید کی مسکراہٹ جان لیوا تھی۔

''اور اب آپ مجھ سے کیا چاہتے ہیں؟'' سارہ نے مختصر پوچھا۔

''آپ کی پچھلی تمام پینٹنگز میں ایک فیکٹر کامن ہے اور وہ ہے درد۔ اداسی، یاسیت، ناامیدی' کہیں اندھیری رات ہے تو کہیں ڈوبتا سورج' کہیں خزاں اور پت جھڑ ہے تو کہیں مردہ جانور کو نوچتے بھیڑیئے طوفان میں ڈوبتی کشتی۔ میں نہیں جانتا اتنی کم عمر میں آپ نے اتنی ناامیدی

اور تنہائی کو موضوع کیوں بنایا ہے لیکن ان میں آپ نے حقیقت کے رنگوں سے جان ڈال دی ہے۔ میں چاہتا ہوں آپ اتنی ہی حقیقت نگاری سے کچھ ایسی پینٹنگز بنائیں جن میں امید ہو، خوشی اور منزل کو پالینے کا جوش ہو لڑنے کی طاقت ہو، زندگی ہو۔ مجھے یقین ہے آپ یہ اتنا ہی امپریسو پینٹ کر پائیں گی جتنا آپ کا پہلا کام میں دیکھ چکا ہوں اور اسے دیکھ کر بیماری سے لڑتے تھکن زدہ مریضوں کو حوصلہ اور تحریک ملے گی۔" ڈاکٹر حدید نے سارہ کے چہرے کو بغور دیکھا جو بہت غور سے اس کی بات سن رہی تھی۔ اس کی آنکھوں کی اداسی اور بڑھ گئی تھی۔ یقیناً یہ شخص آرٹ کی بہت گہری سمجھ رکھتا تھا اس نے سوچا۔

"ٹھیک ہے ڈاکٹر حدید میں آپ کے ہسپتال کے لیے پینٹنگز ضرور بناؤں گی لیکن کیا آپ مجھے وہ ایریا دکھا سکتے ہیں جہاں یہ پینٹنگز لگانی ہیں۔ اس طرح مجھے کچھ آسانی ہوگی۔"

"شیور! چلیے میں آپ کو دکھاتا ہوں۔" اپنی کرسی سے اٹھتے ڈاکٹر حدید نے کہا۔

استقبالیہ اور کاریڈور کی طرف جہاں وارڈز اور ایمرجنسی روم تھے کل چار مقامات انہوں نے منتخب کیے۔ ڈاکٹر حدید کے مطابق یہاں پہ آتے جاتے مریضوں کی نظر پڑے گی اور وہ ان میں ایک مثبت سوچ لائے گی۔

"میں کوشش کروں گی ڈاکٹر حدید ایسے مناظر کی تصویر کشی کرسکوں جو کسی کی زندگی میں خوشی کا پیغام لاسکیں، کسی کو روشنی دکھا سکیں اور اس میں لڑنے کا حوصلہ پیدا کرسکیں۔" وہ بولی تو اس کی خوب صورت آواز میں چھپا درد ڈاکٹر حدید نے محسوس کیا تھا۔ وہ بہت غور سے اس کے چہرے کو دیکھ رہے تھے جس پہ درد کے سائے تھے۔

"ویسے آپ استقبالیہ میں کچھ فریش ان ڈور پلانٹس کا اضافہ بھی تو کرسکتے ہیں ان سے تازگی کا احساس ملتا ہے۔" ڈاکٹر حدید کی نظریں خود پہ مرکوز پا کے اس نے جلدی سے کہا۔ اس کا مقصد فقط ڈاکٹر حدید کا دھیان اپنے پر سے ہٹانا تھا اور وہ اس میں کامیاب ہوچکی تھی۔ وہ دونوں اب

ساتھ ساتھ چلتے اس کے آفس کی طرف جا رہے تھے۔

"کیا خیال ہے معاوضے کی بات کرلیں۔" اب وہ دراز سے چیک بک نکال رہا تھا۔

سارا نے بدقت سر ہلایا۔ اسے اس خیراتی ہسپتال کے لیے پیسے لے کر کام کرنا مناسب نہیں لگ رہا تھا۔ اگر یہ سب آج سے چند ماہ پہلے ہوا ہوتا تو شائد وہ معاوضے سے صاف انکار کردیتی مگر اب وہ جس معاشی بحران سے گزر رہی تھی ایسے میں وہ ڈاکٹر حدید کو پیسوں کے لیے منع نہیں کرسکتی تھی۔

"مجھے مناسب نہیں لگ رہا آپ سے یہ رقم لینا۔" ڈاکٹر حدید سے چیک لیتے اس نے شرمندگی سے کہا۔ "ہسپتال کے فنڈ سے اتنا پیسہ محض انٹیریئر پہ خرچ ہو۔"

"ڈونٹ وری یہ رقم میں آپ کو اپنی جیب سے دے رہا ہوں۔ ہسپتال کے فنڈ یہاں کے ٹرسٹی کی زیر نگرانی ہیں اور یہاں کے اخراجات کے لیے ہمارے پاس بہت سی معقول جیبیں ہیں جنھیں ہم کاٹتے رہتے ہیں۔" ڈاکٹر حدید نے اپنی بات پہ محظوظ ہوتے ہوئے کہا۔

سارہ نے چیک اٹھا کر پرس میں رکھا اور خدا حافظ کہتی کمرے سے نکل رہی تھی لیکن ڈاکٹر حدید نے اسے روک لیا۔

"ویسے میرے پاس آپ کے لیے ایک جاب بھی ہے۔ آپ چاہیں تو ایڈمن ڈیپارٹمنٹ جوائن کرسکتی ہیں۔ ہسپتال کے انتظامی امور اور بلڈنگ کی دیکھ بھال کے لیے مجھے آپ جیسی پڑھی لکھی اور جمالیاتی حس رکھنے والے اسٹاف کی ضرورت ہے۔" سارہ نے اس کی آفر قبول کرلی تھی۔ چند پینٹنگز بنانے کے بعد اسے گزر بسر کے لیے رقم کی ضرورت تھی اور اس علاقے میں اس سے بہتر نوکری ملنا مشکل تھی۔

❀......❀......❀

سرخ اینٹوں سے بنی ٹوٹی پھوٹی اور تنگ گلی سے گزر کر وہ ایک خستہ حال مکان کے بوسیدہ دروازے کا تالا کھول رہی تھی۔ خالی مکان، شکستہ دیواریں جن کا پلستر جگہ جگہ سے اکھڑا ہوا تھا۔ چھوٹے سے صحن سے گزر کر وہ ایک نیچی چھت والے کمرے میں داخل ہوئی۔ اندر اندھیرا تھا۔ اس نے دیوار پہ لگے سیاہ بٹنوں والے بڑے سے بورڈ پہ اندازے سے ہاتھ رکھا اور ایک بٹن دبایا۔ کمرے میں دھندلی سی روشنی ہوگئی' یہاں بہت تنہائی تھی' دل کو بے چین کردینے والی اداسی تھی مگر اسے یہاں سکون ملتا تھا۔ گھنٹوں اس اجاڑ کمرے میں قید رہ کر مایوس تصویریں بنا کر وہ خود کو اذیت دیتی۔ اس کی زندگی کے کینوس پہ بھی اتنی ہی اداسی تھی جتنی اس کی تصویروں میں نظر آتی تھی مگر وہ اس ویرانی سے نکلنا نہیں چاہتی تھی۔ ڈوبتے سورج کو دیکھ کر دل میں اترتی اداسی اور تنہا شامیں اب اس کی زندگی کا حصہ تھیں۔ پرانے پلنگ پہ لیٹی وہ خالی نظروں سے اس خستہ حال چھت کو گھور رہی تھی۔ اسے ایک ہی پوزیشن میں لیٹے بہت دیر ہوگئی تھی۔

"آپ کے فن میں وہ طاقت ہے جو کسی ناامید اور مایوس انسان میں امید کا دیا جلا سکتا ہے۔" ڈاکٹر حدید کے الفاظ کی بازگشت اس نے اپنے قریب محسوس کی۔ یک دم وہ اٹھی اور دھیمے قدموں سے چلتی کمرے کے اس کونے کی طرف آگئی جہاں اس کا ایزل اور پینٹ رکھے تھے۔ کچھ سوچتے ہوئے اس نے پلیٹ میں رنگوں کو مکس کرنا شروع کیا۔ آج اسے اپنے دل کے موسم سے مختلف پینٹ کرنا تھا' آج اسے ایک زندگی سے بھرپور پینٹنگ بنانی تھی۔ جس میں کوشش کی جھلک ہو' کوئی امید ہو۔

❀......❀......❀

"مس سارہ! آپ کا کام شاندار ہے۔" اپنی ملازمت تو وہ اگلے ہی دن شروع کرچکی تھی اور اگلے ہفتے وہ ایک پینٹنگ بھی بنالائی تھی۔ طوفانی لہروں میں گھری کشتی اور اس کو بچانے کی جستجو میں مگن ناخدا کو سارہ نے کمال خوب صورتی سے کینوس پہ اتارا تھا۔ ڈاکٹر حدید کا چہرہ خوشی سے تمتما رہا تھا۔ "میں یہ تو جانتا تھا کہ آپ کچھ بہترین پینٹ کریں گی لیکن وہ اتنا ریئلسٹک ہوگا یہ میری ناقص عقل نے سوچا نہیں تھا۔ سچ میں آپ نے منظر میں جان ڈال دی ہے۔

”میرا خیال ہے اس کو جنرل وارڈ کی انٹرنس میں لگانا مناسب ہوگا۔“ سارہ ڈاکٹر حدید کی باتوں سے مطمئن ہوگئی تھی۔

”آپ جہاں بہتر سمجھیں میں تو ایڈمن ڈیپارٹمنٹ آپ کے حوالے کرچکا ہوں۔“ ڈاکٹر حدید کے ساتھ کچھ دیر رسمی گفتگو کرنے کے بعد وہ اپنے کام پہ لگ گئی تھی۔ استقبالیہ کی کھڑکی سے ہسپتال کے باغ کا منظر نظر آرہا تھا۔ سارہ ایک لمحے کو ٹھٹک کر رکی۔ سورج مکھی کے ڈھیروں پھول وہاں قطار در قطار لگے تھے۔ ہوا کے دوش پہ لہکتے وہ سورج کی طرف رخ کیے اٹکھیلیاں کررہے تھے۔ سارہ کو وہ منظر مبہوت کرگیا۔

”کیا میں یہاں پینٹ کرسکتی ہوں؟“ سارہ نے ڈاکٹر حدید سے پوچھا۔

”آپ اس ہسپتال کے کسی بھی کونے میں اپنا کام کرسکتی ہیں۔آپ کو میری اجازت کی ضرورت نہیں۔“

اگلے دن دس بجے وہ اپنا سارا سامان لے کراس باغ میں پہنچ گئی تھی۔ ڈاکٹر حدید نے اسے اپنے کمرے کی کھڑکی سے دیکھا۔ وہ بہت مگن ہوکر اپنا کام کررہی تھی۔ اس کی سنجیدگی اس کی طبیعت کا حصہ تھی یا پھر اس کے اندر کی اداسی اتنی زیادہ تھی کہ اس کا چہرہ اس کے راز سنبھال نہیں پارہا تھا۔ ڈاکٹر حدید کے لیے یہ ایک پہیلی تھی۔ کچھ ایسا تھا اس لڑکی میں جس نے ایک میچور اور کام کو اپنا نصب العین سمجھنے والے قابل ڈاکٹر کے دل کی دھڑکنوں میں ارتعاش پیدا کردیا تھا۔ ورنہ حسین لڑکیاں تو اس نے بہت دیکھی تھیں۔

تین سال پہلے ڈاکٹر حدید نے امریکا سے اسپشلائزیشن مکمل کیا تھا۔ اس کا تعلق اسلام آباد کے ایک متمول خاندان سے تھا۔ اس کے بابا ڈاکٹر آبص انصاری ایک مشہور کارڈیالوجسٹ تھے۔ ان کی ہمیشہ سے خواہش تھی کہ اپنے چھوٹے سے قصبے میں ایک خیراتی ہسپتال کھولیں اور ڈاکٹر حدید نے وہ خواب پورا کردیا تھا۔ ویسے تو حدید اسلام آباد کے ایک بڑے ہسپتال میں جاب کرتا تھا لیکن آج کل اس کی ساری توجہ اپنے ہسپتال میں مرکوز تھی۔ حدید کی مستقل مزاجی اور نیک نیتی نے اسے ہر مرحلے میں کامیابی دی تھی۔ دو ماہ پہلے ہسپتال کا افتتاح ہوا تھا لیکن اس کے بابا اپنا یہ خواب پورا ہوتا دیکھ نہیں پائے تھے کیونکہ اس سے چند ماہ پہلے ان کا انتقال ہوگیا تھا۔

اگلے دو تین روز ڈاکٹر حدید کے کافی مصروف گزرے تھے۔ ہسپتال میں انتظامی امور سے لے کر بڑی ایمرجنسی تک اس کی نگرانی میں ہوتی تھی۔ ایسے میں کئی کئی دن وہ اسلام آباد بھی نہیں جاپاتا تھا۔

❀......❀......❀
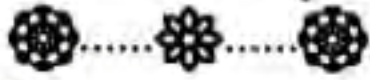
”آپ کے ہاتھ میں جادو ہے سارہ، سمجھ نہیں آرہا اصلی پھول کہاں ہیں۔“ چند لمحے پہلے وہ سارہ کے پیچھے آکھڑا ہوا تھا۔ سارہ اس کی آمد سے بے خبر تھی۔ اس کی آواز پہ چونک کے پیچھے دیکھا تو ہاتھ میں پکڑے برش کا اسٹروک حدید کی آف وائٹ قمیص کو رنگین کرگیا۔ حدید نے چونک کر اپنی قمیص کو دیکھا۔

”معاف کیجیے گا میں نہیں جانتی تھی آپ بالکل میرے پیچھے کھڑے ہیں۔“ وہ نروس ہوئی۔

”آپ کیوں شرمندہ ہورہی ہیں سارہ، غلطی تو میری تھی مجھے آپ کو سرپرائز نہیں کرنا چاہیے تھا ویسے آپ بہت انہماک سے پینٹ کرتی ہیں۔ اردگرد سے بالکل بے خبر ہوکر۔“ سارہ بمشکل مسکرائی اس کی نظریں اب بھی حدید کی مہنگی قمیص پہ لگے رنگین نشان پہ تھی۔

”آپ نے تو بہت جلدی کافی کام کرلیا۔“ حدید نے موضوع بدلا۔

”مگر بھی تو سورج کا رخ بدل چکا ہے۔ آج اس سے زیادہ کام نہیں ہو پائے گا شائد ایک دو دن مزید لگ جائیں۔“ سارہ نے سورج کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

”اسے میرے دفتر میں لگائیے گا۔“ حدید نے عمارت کی طرف پلٹتے ہوئے کہا۔ سارہ اسے جاتا دیکھتی رہی۔

❀......❀......❀
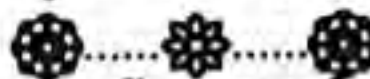
صبح وہ باقی کام مکمل کررہی تھی جب حدید ہاتھ میں کافی کے دو مگ تھامے اس سے کچھ فاصلے پہ آکھڑا ہوا۔

وہ برش کے ساتھ انگلیاں بھی استعمال کررہی تھی۔ چہرے پہ آئی چند لٹوں کو ہٹانے کی ناکام کوشش میں ایک دو چھوٹے سے رنگین دھبے اس کے گالوں پہ لگ گئے تھے۔ اس وقت پوری وادی میں اس سے حسین منظر کوئی نہیں ہو سکتا تھا۔ ڈاکٹر حدید نے مسکراتے ہوئے اس کے چہرے کو دیکھا۔ کچھ تھا جو سارہ نظر انداز نہیں کر پائی۔ سوالیہ انداز میں اس نے ابرو اٹھائے۔

''آپ کے چہرے پہ پینٹ لگا ہے۔'' انگلی اپنے گال پہ رکھ کر اس نے سارہ کو بتایا۔

''اوہ......'' سارہ نے جلدی سے اپنے دوپٹے کو گال پہ رگڑا۔

''ایک بات پوچھوں سارہ؟ اتنی بہترین مصورہ ہوکر آپ یہاں اس قصبے میں کیوں ہیں۔ آپ کسی بھی بڑے شہر میں اپنی تصاویر کی نمائش کروا کر اپنا نام اس ملک کے مشہور مصوروں میں لکھوا سکتی ہیں۔ اچھا خاصہ پیسہ کما سکتی ہیں۔ کیا یہ سب خود کو دوسروں کی نظروں سے پوشیدہ رکھنے کی کوشش ہے؟''

''ڈاکٹر صاحب نہ مجھے شہرت کی تمنا ہے اور نہ مال کی حرص۔ پینٹنگ میرا شوق، میرا جنون ہے اور پیسہ محض ضرورت۔ ان دونوں کو ان کے مقام پہ رکھنا چاہتی ہوں۔ پیسے ضرورت سے زیادہ مل جائیں تو سمجھ نہیں آتا کہاں خرچ کروں۔'' سارہ کے لہجے سے واضح تھا کہ وہ اپنے متعلق بات نہیں کرنا چاہتی۔ اس کے چہرے کے تاثرات نے حدید کو مزید کچھ کہنے سے روک دیا۔

''اس کے بعد کیا بنانے کا ارادہ ہے؟'' حدید سارہ کے لہجے سے جان چکا تھا کہ وہ اپنے بارے میں بات نہیں کرنا چاہتی۔

''سوچ رہی ہوں ایسا لینڈ اسکیپ بناؤں جس میں پہاڑوں کا پس منظر ہو، تھوڑا پانی ہو، دھوپ کا عکس ہو سکون اور تنہائی ہو۔ کاش اس وادی میں ایسا کوئی منظر ہوتا تو مجھے بہت آسانی ہو جاتی۔'' کلائی میں لگے نلکے سے ہاتھ دھو کر وہ اب کافی پی رہی تھی۔

''آپ نے یہ علاقہ دیکھا نہیں؟'' حدید نے حیرت سے پوچھا۔

''نہیں میں یہاں چند ماہ پہلے آئی ہوں۔ زیادہ گھومنے پھرنے کا اتفاق نہیں ہوا۔''

''آج شام ہسپتال کے بعد آپ میرے ساتھ چلیں۔ شائد آپ کو آپ کے مطلب کی جگہ مل جائے۔ پانچ بجے تک تیار رہیے گا۔'' اس کا جواب سنے بغیر حدید ہسپتال کے اندر چلا گیا۔ وہ اسے جاتے دیکھتی رہی۔ بے شک وہ ایک خوب صورت مرد تھا۔ لیکن سارہ کو خوب صورت مردوں سے نفرت تھی۔

❁......❁......❁

قصبے سے نکل کر وہ وادی کے کچے پکے راستوں پہ بہت خاموشی اور توجہ سے ڈرائیو کر رہا تھا۔ چند دن کی ملاقات میں سارہ اس انجان شخص کے ساتھ تنہا ایک نامعلوم مقام کا سفر کر رہی تھی اور دل ہی دل میں خود کو کوس رہی تھی۔ اسے اس شخص کے ساتھ نہیں آنا چاہیے تھا۔

''لیکن یہ ایک قابل بھروسہ شریف انسان ہے۔'' اس کے دل نے گواہی دی۔ ''تمہیں انسانوں کی پہچان ہی کہاں ہے سارہ حفیظ۔'' دماغ نے طنز کیا۔

اپنے اندر کی کشمکش کو اپنے ہم سفر سے چھپاتی وہ باہر دیکھ رہی تھی۔ سفید پراڈو اب ایک پگڈنڈی پہ رک گئی تھی۔ ارد گرد ویرانی تھی دور پہاڑوں کی شبیہہ واضح تھی۔ وہ خاموشی سے گاڑی سے نکل آئی۔ پتھریلی سڑک پہ وہ اس کے قدموں کا تعاقب کر رہی تھی۔ سڑک اب اوپر کو جا رہی تھی۔ وہ بمشکل دس منٹ پیدل چلے ہوں گے کہ سامنے کے منظر کو دیکھ کر سارہ کے قدم رک گئے۔

چھوٹی سی قدرتی جھیل میں پہاڑوں کا عکس تھا۔ ڈوبتے سورج کی نارنجی اور کاسنی کرنیں پہاڑوں پہ بکھری ہوئی تھیں۔ رخصت سے پہلے وہ اس وادی کو خراج تحسین پیش کر رہی تھیں۔ اگلے چند منٹوں میں یہ جگہ اپنے سارے رنگ کھو دے گی لیکن ابھی یہ وادی ایک گمشدہ جنت لگ رہی تھی۔ سارہ نے بے یقینی سے حدید کو دیکھا۔

”کیا خیال ہے اس منظر کے بارے میں؟ کیا آپ اسے تصویر میں قید کرسکتی ہیں؟“ حدید نے اس کے چہرے کو دیکھتے ہوئے پوچھا جہاں سورج کی کرنوں سے زیادہ رنگ تھے۔

”میں اسے صبح میں پینٹ کروں گی۔ ڈوبتا سورج اداسی کی علامت ہے۔ صبح کی دھوپ جب ان پہاڑوں پہ اپنے رنگ بکھیرے گی اس وقت میں اس منظر کو اپنے کینوس پہ اتاروں گی۔“

”ٹھیک ہے، پھر کل صبح پانچ بجے آپ تیار رہیں، ہم کل صبح ہی یہاں آئیں گے۔“

”آپ مجھے کل یہاں لے کر آئیں گے؟ آپ کیوں تکلیف کرتے ہیں یہ میرا کام ہے میں اکیلی آجاؤں گی۔“ سارہ کو مناسب نہیں لگا کہ وہ اسے خوار کرے۔ آخر حدید اسے اس کام کے پیسے دے رہا تھا۔

”ہرگز نہیں یہ جگہ میں نے ڈسکور کی ہے اس لیے اس کے مالکانہ حقوق میرے پاس ہیں۔“ وہ ہنستے ہوئے بولا۔

”شام میں تو اکثر یہاں آیا ہوں دیکھتے ہیں صبح میں یہ منظر ویسا ہی لگتا ہے جیسا آپ نے اسے بیان کیا ہے۔“ سارہ نے اگلی صبح وہاں پہنچ کر اپنے کیمرے سے سب سے پہلے چند تصاویر لی تھیں۔ اس کے بعد سے وہ مسلسل اپنے کینوس پہ جھکی ہوئی تھی۔ شاید وہ یہاں بار بار آکر حدید کو تکلیف نہیں دینا چاہتی تھی اسی لیے اپنے کیمرے سے تصاویر بنا کر اس کا ارادہ اس تصویر کو گھر پہ مکمل کرنے کا تھا۔

”آپ اتنی تنہائی اور اداسی کیوں پینٹ کرتی ہیں سارہ؟“ حدید اس وقت سے اسے سنجیدگی سے کام میں مگن دیکھ رہا تھا۔ اس کی پچھلی پینٹنگ کو سوچتے ہوئے اس نے سارہ سے پوچھا۔

”میں زندگی کی سب سے بڑی حقیقت کو پینٹ کرتی ہوں۔“ اس نے نظریں اٹھائے بغیر جواب دیا۔ وہ ایک پتھر پہ اس کے پاس ہی بیٹھا تھا۔

”میرے خیال میں تو زندگی کی حقیقت کچھ اور ہے۔ زندگی خوب صورت ہے۔ اس جھیل کے پانی کی طرح شفاف اور میٹھی، سورج کی کرنوں سی شوخ اور رنگین، اس وادی سی پرسکون اور......“ اس نے جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔

”اور......؟“ ڈاکٹر حدید کے رکنے پہ اس نے سر اٹھا کر پوچھا۔

”آپ کے چہرے کی طرح دلکش۔“ ڈاکٹر حدید کی آنکھیں اس کے چہرے پہ مرکوز تھیں۔

”زندگی کی جو خصوصیات ابھی آپ نے مجھے گنوائی ہیں یہ فقط نظر کا دھوکا ہیں۔ یہ چڑھتا سورج چند گھنٹوں میں ڈوب جائے گا اور یہ وادی کی پرسکون تنہائی ویرانے میں بدل جائے گی۔ جھیل کے ٹھنڈے پانی کے نیچے چھپے سنگریزے پیروں کو چھلنی کردیتے ہیں ڈاکٹر حدید اور میرا چہرہ بھی اسی فریب کا ایک حصہ ہے۔“ سارہ نے اپنے سامنے بیٹھے پرکشش شخص کو دیکھا اور گردن جھیل کی طرف موڑلی۔

”سورج ڈوب جاتا ہے لیکن ہر روز ہمیں ایک نئے دن کی آس و امید بھی دے جاتا ہے۔ کل پھر اس کی کرنیں اس وادی کو روشنیوں سے بھر دیں گی۔ اس جھیل کے نیچے لاکھ سنگریزے ہوں لیکن اس پہ لب رکھنے والوں کی پیاس بجھتی ہے۔ دشت نوردی کے عذاب بھول جاتے ہیں۔ سکون ملتا ہے، زندگی ملتی ہے اور آپ کا چہرہ بھی تو اس جھیل کی طرح ہے، جسے دیکھ کر سفر ختم ہوجاتا ہے، تھکن مٹ جاتی ہے۔“

”مجھ سے شادی کرو گی سارہ؟“ حدید نے روانی میں کہا۔ وہ دم بخود اس کو دیکھتی رہی۔

”آپ مجھ سے شادی کیوں کرنا چاہتے ہیں ڈاکٹر حدید؟“ اس نے سنبھل کر سوال کیا۔

”کیونکہ میں تم سے محبت کرنے لگا ہوں۔“ ڈاکٹر حدید کا جواب سادہ تھا۔

”ڈاکٹر حدید میں آپ کی عزت کرتی ہوں لیکن میں آپ سے شادی نہیں کرسکتی۔“ وہ سنجیدگی سے بولی۔

”میں پھر بھی تم سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔“ انہوں نے جواب بھی اسی سنجیدگی سے دیا۔

"میں آپ سے محبت نہیں کرتی' کیا آپ ایک ایسی لڑکی سے شادی کرنا چاہیں گے جو آپ سے محبت نہیں کرتی؟" اس کا انداز دوٹوک تھا۔

"میں انتظار کرسکتا ہوں اس وقت کا جب تمھیں مجھ سے محبت ہو جائے۔" ڈاکٹر حدید کے چہرے پہ امید تھی۔

"آپ میرے بارے میں کچھ نہیں جانتے۔" سارہ نے نظروں کا زاویہ بدلا۔

"تمھارا نام سارہ حفیظ ہے، تم بہت اچھی مصورہ ہو میرے ہسپتال میں ملازمت کرتی ہو۔ تمھیں زندگی فریب لگتی ہے اور تمھیں اداس رہنا پسند ہے۔ تم سے میری ملاقات ایک حسین اتفاق ہے اور ہاں تم صرف میری عزت کرتی ہو اور یہ کہ تمھیں مجھ سے محبت نہیں ہے اور کچھ؟"

"لیکن......" وہ کچھ کہنا چاہتی تھی لیکن حدید نے اس کی بات کاٹ دی۔

"جتنا جانتا ہوں اس سے زیادہ جاننے کی خواہش نہیں' اب چلیں؟" حدید اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے پوچھا۔

دو پتھروں کے درمیان پاؤں جماتے اس کے قدم لڑکھڑائے تھے۔

"تم مجھ پہ اعتماد کرسکتی ہو سارہ میں تمھیں گرنے نہیں دوں گا۔" ڈاکٹر حدید نے اپنا ہاتھ بڑھایا۔ سارہ چند لمحے اس کو بغور دیکھتی رہی اور پھر اس نے ڈاکٹر حدید کا بڑھا ہوا ہاتھ تھام لیا تھا۔

❁......❁......❁
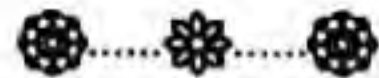
موبائل پہ ایک کال ملا کر وہ دوسری جانب سے کال اٹھائے جانے کا انتظار کررہا تھا۔ اس کے چہرے کا تاثر اس کے اندر کی خوشی بیان کررہا تھا۔

"ہیلو، ممی کیسی ہیں آپ؟" اس نے بہت محبت سے پوچھا۔

"میں ٹھیک ہوں حادی تم کیسے ہو میری جان اس بار ویک اینڈ پہ گھر نہیں آئے۔" وہ بیٹے کی آواز سن کر کھل اٹھی تھیں۔

"ممی! ہسپتال میں کچھ کام زیادہ تھا۔ مجھے آپ کو ایک بہت ضروری بات بتانی ہے۔"

"حادی تمہاری ضروری باتیں ہسپتال سے شروع ہوکر مریضوں پہ ختم ہوجاتی ہیں۔ میرے لیے تو سب سے اہم یہ ہے جب تم مجھے یہ بتاؤ گے کہ تم نے شادی کے لیے کوئی لڑکی پسند کرلی ہے میرے تو کان ترس گئے ہیں تمھارے منہ سے ایسی بات سننے کو۔ مجھے تم نے منع کردیا اور خود خدمت خلق میں الجھ گئے ہو۔" فاطمہ نے اپنی ہمیشہ کی شکائیت دہرائی۔

"ممی! میں نے آپ سے وعدہ کیا تھا جس دن مجھے وہ لڑکی مل جائے گی جسے دیکھ کر مجھے احساس ہوگا یہ میرے لیے بنی ہے میں سب سے پہلے آپ کو بتاؤں گا۔" فاطمہ اس کا یہ جملہ کئی سال سے سن رہی تھیں۔

"حادی کہاں ملے گی وہ لڑکی؟ امریکا تک تو گھوم لیا بیٹا۔" وہ ان کی بات سن کر مسکرایا۔

"ممی! وہ لڑکی مجھے مل گئی ہے۔ یہاں اسی جگہ۔ آپ یقین نہیں کریں گی وہ جتنی خوب صورت ہے اتنی ہی منفرد بھی بس یوں سمجھیں وہ میرے خیالوں کی جیتی جاگتی تصویر ہے۔ آپ کو بتا نہیں سکتا میں اس سے کتنی محبت کرنے لگا ہوں۔" ڈاکٹر حدید کی بات سن کر وہ خوش ہونے کے ساتھ ساتھ حیران بھی ہوئیں۔

"حادی! مجھے حیرت ہے ساری دنیا چھوڑ کے تمھیں ایک گاؤں کی لڑکی شادی کے لیے پسند آئی۔" وہ ان کی تشویش سمجھتا تھا۔

"نہیں ممی! وہ گاؤں کی نہیں ہے۔ چند ماہ پہلے یہاں آئی ہے۔ میں اس کے بارے میں کچھ زیادہ تو نہیں جانتا لیکن بس میں اتنا جانتا ہوں کہ اس کے سوا کسی اور لڑکی کے ساتھ میں شادی نہیں کرسکتا۔"

"کیا تم نے اسے بتایا؟" فاطمہ نے سوال کیا۔

"جی میں نے اسے پرپوز کیا ہے لیکن وہ ابھی شادی کے لیے تیار نہیں مگر مجھے یقین ہے میں جلد اسے راضی کرلوں گا۔" وہ پرامید لہجے میں بولا۔

"اللہ کرے ایسا ہی ہو۔" فاطمہ بیگم نے محبت سے کہا۔

"کیا کہہ رہے تھے بھائی۔" معید انصاری نے کافی کا کپ ٹیبل پہ رکھتے ہوئے پوچھا۔ فاطمہ اور حدید کی باتیں وہ پاس بیٹھا خاموشی سے سن رہا تھا۔

"ممّی کوئی لڑکی پسند آگئی ہے۔ کہہ رہا ہے چند ہفتے پہلے ملا ہے اور شادی کا پیغام بھی دے چکا ہے۔" فاطمہ نے تفصیل بتائی۔

"یہ تو اچھی بات ہے کب سے بھائی شادی کی بات کو ٹال رہے تھے شکر ہے انہیں کوئی لڑکی پسند تو آئی۔" وہ سنجیدگی سے بولا۔

❀......❀......❀

ہسپتال کے انتظامی امور میں سارہ ڈاکٹر حدید کی پوری دل جمعی سے مدد کررہی تھی۔ ڈاکٹر حدید بہت حد تک سارہ پہ ڈیپینڈ کرنے لگا تھا اس دن کے بعد ان دونوں کے درمیان اس موضوع پر بات نہیں ہوئی تھی۔ سارہ چلڈرن وارڈ کے باہر تصویر لگارہی تھی جب ڈاکٹر حدید وہاں آگیا۔

"تمھاری اتنی شان دار پینٹنگز دیکھ کر میرا بھی دل کررہا ہے کہ اپنا ایک پورٹریٹ بنوا ہی لوں۔" ریس میں دوڑتے بچوں میں سے ایک بچہ گر کر سنبھل رہا تھا۔ ایسے جیسے دوبارہ دوڑنے کی پوزیشن میں آرہا ہو۔ سب بچوں کی پشت تھی اور گرتے بچے کی سائیڈ دکھائی گئی تھی۔

"میں فیس پینٹنگ نہیں کرتی۔" سارہ کا لہجہ دوٹوک تھا۔ ڈاکٹر حدید کو لگا وہ اچانک بہت اجنبی ہوگئی ہو۔

"تم نے میرے پرپوزل کے بارے میں کیا سوچا؟" وہ دونوں ایک ساتھ وہاں سے نکلے تھے۔

"میں نے آپ سے کہا تھا کہ میں آپ سے شادی نہیں کرسکتی بلکہ میں شادی کرنا ہی نہیں چاہتی۔" سارہ کا جواب اب بھی وہی تھا۔

"سارہ کیا زندگی میں ایک بار کچھ برا ہوجائے تو کوئی جینا چھوڑ اور خوش رہنا چھوڑ دیتا ہے، اس زندگی اور اس کی خوشیوں، محبت پر تمھارا بھی تو حق ہے پھر تم کیوں اپنے حق سے دستبردار ہورہی ہو؟ ایک بار اعتبار کرکے دیکھو، میں نے کہا تھا نہ میں اعتبار ٹوٹنے نہیں دوں گا۔" سارہ اسے کیسے سمجھاتی وہ اعتبار کرنا ہی نہیں چاہتی۔ وہ ہار ماننے والا نہیں تھا اور بلآخر اس کی مسلسل کوشش کا نتیجہ مثبت نکلا۔ سارہ نے اس سے شادی کے لیے ہاں کردی تھی۔

❀......❀......❀

فاطمہ بیگم صبح سے مصروف تھیں۔ آج حادی گھر آرہا تھا اور اس بار وہ اکیلا نہیں تھا۔ کچن میں زور و شور سے کھانے کا اہتمام ہورہا تھا۔ کل رات ہی حدید نے انہیں یہ خوش خبری سنائی تھی کہ وہ اس لڑکی شادی کے لیے مان گئی ہے۔ کل ہی انہوں نے معید انصاری کو بھی کال کردی تھی کہ آج اسے لازمی اسلام آباد پہنچنا ہے۔ ان کی زندگی کی کتنی بڑی خواہش تھی کہ ان کے دونوں بیٹوں کا گھر بس جائے۔ وہ جانتی تھیں حدید بہت حساس اور زود رنج طبیعت کا مالک ہے وہ اپنے دل تک کسی کو جلد پہنچنے نہیں دیتا اسی لیے انہیں اس بات کی فکر تھی کہ وہ کہیں کسی ایسی لڑکی کا انتخاب نہ کر بیٹھے جو ان کے بیٹے کے جذبات کا خیال نہ رکھ پائے۔ حدید کے مقابلے میں معید انصاری بہت آؤٹ اسپوکن تھا۔ اسے جو پسند ہوتا وہ سب کے سامنے مانگ لیا کرتا تھا۔

❀......❀......❀

"آگئے اے ایس پی صاحب۔" داخلی دروازے سے معید انصاری کو دیکھ کر وہ مسکرائیں۔ معید انصاری نے انہیں گلے سے لگالیا۔ چھ فٹ قد، چوڑا سینہ اور پرکشش نقوش۔ فاطمہ نے محبت سے اس کا ماتھا چوما۔

"آئے نہیں حادی بھائی۔ میں تو سمجھا مجھ سے پہلے پہنچ گئے ہوں گے۔" وہ دونوں لاؤنج کی طرف جارہے تھے۔

"بس آنے ہی والا ہے میری فون پہ بات ہوئی تھی۔ ماشاء اللہ بہت خوش ہے حادی۔" صوفے پہ بیٹھتے ہوئے فاطمہ نے بتایا۔ ان کا چہرہ خوشی سے تمتما رہا تھا۔

"ہاں مجھے بھی کال کی تھی کہہ رہے تھے لازمی پہنچنا اسی لیے میں نے تین دن کی چھٹی لے لی ہے۔" معید نے بتایا۔

"تم بھی اب کوئی لڑکی دیکھ لو تو میں تم دونوں کی اکٹھی

شادی کر دیتی ہوں۔" معید انصاری کے چہرے کی مسکراہٹ یک دم غائب ہوئی تھی۔

"ممی پلیز! آپ پہلے حادی بھائی کی شادی کریں میں فی الحال اس ٹاپک پہ بات نہیں کرنا چاہتا۔" اس کا لہجہ یک دم سنجیدہ ہوا تھا۔

"لیکن مانی کب تک تم اس بات کو دل سے لگا کر رکھو گے۔" فاطمہ ماں تھیں کب تک بیٹے کو دکھی دیکھ سکتی تھیں یہی سوچ کر انہوں نے ایک بار پھر اس حوالے سے بات چھیڑی۔

"ممی! میں فریش ہو کر آتا ہوں۔" وہ کمرے سے نکل گیا۔ فاطمہ بے بسی سے اس کو کمرے سے جاتا ہوا دیکھتی رہیں۔

❁......❁......❁
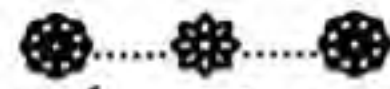
مین گیٹ پہ گاڑی کے ہارن کی آواز آئی۔ فاطمہ تیزی سے صدر دروازے کی طرف لپکیں۔ چوکی دار نے دروازہ کھولا اور حدید کی سفید گاڑی اندر داخل ہوئی۔ حدید گاڑی سے اترا اور اس نے دوسری جانب کا دروازہ کھولا ایک نازک سی لڑکی سیاہ کڑھائی والے لباس میں گاڑی سے اتری۔ حدید نے فاطمہ کو مسکراتے ہوئے دیکھا۔ دونوں نے لاؤنج کے دروازے کی طرف قدم بڑھائے۔ حدید اب سارہ کو فاطمہ کے بارے میں بتا رہا تھا اور فاطمہ نے بغور اس لڑکی کو دیکھا جو حدید کے ہمراہ تھی۔ اس کی مسکراہٹ یک دم پھیکی پڑی۔

"سارہ......" فاطمہ زیر لب بڑبڑائی۔ نادانستہ طور پہ انہوں نے لاؤنج کے اندر نگاہ دوڑائی۔ حدید لپک کے ان کے گلے لگ گیا۔ انہوں نے خود پہ قابو پاتے اس کا ماتھا چوما اور اسے ڈھیروں دعائیں دیں۔

"ممی! یہ سارہ ہے۔ جس کے بارے میں میں نے آپ کو بتایا تھا۔" سارہ نے مسکراتے ہوئے ان کی طرف دیکھا اور سلام کیا۔ فاطمہ نے اسے بھی گلے سے لگا کر دعا دی۔

"مانی کہاں ہے؟" حدید نے گھر میں داخل ہوتے سوال کیا۔

"اپنے کمرے میں ہے ابھی پہنچا ہے فریش ہو کر آتا ہی ہوگا۔" فاطمہ نے گھبراہٹ پہ قابو پانے کی ناکام کوشش کی۔ سارہ بھی ان دونوں کی رہنمائی میں گھر میں داخل ہوئی لیکن ڈرائنگ روم میں داخل ہونے سے پہلے ہی اس کی نظر لاؤنج کی دیوار پہ پڑی اور اسے لگا اسے کسی زہریلے سانپ نے ڈس لیا ہو۔

"یہ میرا بھائی ہے ایس پی معید انصاری۔" دیوار پہ لگی آئل پینٹ سے بنی ایک پورٹریٹ کی طرف سارہ کو دیکھتے پا کر حدید نے کہا۔ "تم نے یہ پینٹنگ دیکھی ہے سارہ اس کے اسٹائل اور ایکسپریشنز کو میں جب بھی دیکھتا ہوں مجھے احساس ہوتا ہے کہ یہ تم نے بنائی ہوگی۔ تمہاری پینٹنگز میں بھی کچھ ایسا ہی ریئلسٹک ٹچ ملتا ہے۔ لیکن تم تو فیس پینٹ کرتی ہی نہیں۔" اس نے خود ہی اپنے شبہے کی توجیح پیش کی۔

"ویسے یہ مانی کو اس کے کسی دوست نے دی تھی اس کی برتھ ڈے پر۔" وہ مزید بولا۔

"سارہ بہت اچھی مصورہ ہے ممی۔ دکھاؤں گا آپ کو اس کی باکمال تصاویر جو اس نے ہسپتال کے لیے بنائی ہیں۔" حدید نے فاطمہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا جو خاموشی سے ان دونوں کو دیکھ رہی تھیں اور آنے والے پل سے پریشان تھیں۔ سارہ بدقت مسکرائی۔

"السلام علیکم حادی بھائی۔ بڑی دیر کی مہرباں آتے آتے۔ کہاں ہے وہ جوہر نایاب جو آپ پہاڑوں سے ڈھونڈ لائے ہیں۔ ہم بھی تو ملیں اپنی ہونے والی بھابی سے۔" بشاش لہجے میں کہتا معید انصاری کمرے میں آ کر حدید سے مل رہا تھا۔ سارہ کا رخ اب تک تصویر کی طرف ہی تھا۔ اس نے پلٹ کر دیکھا۔

معید انصاری پر بم پھٹا تھا۔ پچھلے چھ مہینے سے وہ جس کی تلاش میں مارا مارا پھر رہا تھا وہ آج اس کی نظروں کے سامنے کھڑی تھی۔ وہ اس آواز کو لاکھوں کے مجمعے میں پہچان سکتی تھی۔ کبھی وہ اس لہجے کی دیوانی تھی۔ اس کے سامنے آج وہ کھڑا تھا جسے دوبارہ نہ دیکھنے کی اس نے کتنی دعائیں

کی تھیں۔ وہ اگر اس دنیا کا آخری شخص بھی ہوتا تو سارہ اس پہ تمہارے کو فوقیت دیتی۔ معید انصاری حیرت زدہ سا سارہ کو دیکھ رہا تھا۔ اسی لمحے اس نے فاطمہ کو دیکھا انہوں نے نظریں چرالیں۔

"سارہ! یہ ہے میرا بھائی اے ایس پی معید آبص انصاری اور معید یہ سارہ ہے۔" حدید نے مسکراتے ہوئے تعارف کرایا۔

"دیکھا کر دیا نہ شاک۔ داد دو میری چوائس کی۔ میں شرط لگا کر کہتا ہوں اس سے خوب صورت لڑکی تم نے آج تک نہیں دیکھی ہوگی۔" معید انصاری کو سارہ کی طرف ایک ٹک دیکھتے پا کر وہ شرارت سے بولا۔ معید انصاری نے چونک کر حدید کو دیکھا اور دوسرے ہی پل اس کے چہرے پہ مسکراہٹ در آئی تھی۔

"آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں حادی بھائی میں نے اس سے خوب صورت لڑکی کبھی نہیں دیکھی۔" اس کے لہجے میں کچھ تھا جو سارہ کو اندر تک جھنجھوڑ گیا تھا۔

"یہاں کیوں کھڑے ہو تم لوگ۔ چلو اندر ڈرائنگ روم میں بیٹھتے ہیں۔ آؤ سارہ اندر چلیں۔" فاطمہ نے مداخلت کی۔

سارہ نے کن انکھیوں سے معید انصاری کی طرف دیکھا جو حدید کے برابر بیٹھا بہت غور سے اسی کو دیکھ رہا تھا۔ سارہ اس کی نظروں سے پریشان ہو رہی تھی۔ وہ اس وقت یہاں سے بھاگ جانا چاہتی تھی۔

"تم لوگ فریش ہو جاؤ میں کھانا لگوا رہی ہوں۔ سارہ تمہارا کمرہ سامنے سے بائیں طرف ہے۔" فاطمہ اب اسے گیسٹ روم کا راستہ سمجھا رہی تھی۔

چند منٹوں کے بعد وہ چاروں کھانے کی میز پہ جمع تھے۔ فاطمہ حدید اور معید انصاری کو ان کی پسندیدہ ڈشز سرو کر رہی تھیں ساتھ ہی وہ سارہ کو اچھے سے کھانے کی ہدایت کرتے ہوئے میزبانی کے فرائض نبھا رہی تھیں۔ کھانے کے بعد کافی کا دور چلا۔ ساتھ ساتھ حدید فاطمہ اور معید انصاری کو ہسپتال کے بارے میں کچھ تفصیلات بتا رہا تھا۔

"آپ کو سارہ کیسی لگی ممی۔" حدید نے سارہ کے چہرے کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"سارہ اتنی پیاری ہے اسے کون ناپسند کر سکتا ہے۔ تم میرے بیٹے کی پسند ہو اور مجھے دل و جان سے عزیز ہو۔" فاطمہ نے محبت سے سارہ کے سر پہ ہاتھ پھیرا۔ معید انصاری ان کو سنجیدگی سے دیکھ رہا تھا۔ فاطمہ نے معذرت طلب نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"بس پھر آپ جلد ہی شادی کی تاریخ فائنل کر دیں۔ یہ بہت مشکل سے راضی ہوئی ہے ایسا نہ ہو اس کا موڈ بدل جائے اور یہ انکار کر دے۔" حدید کی بات سن کر سارہ بمشکل مسکرائی۔

"ایکسکیوز می۔ آپ لوگ باتیں کریں مجھے ایک ضروری کال کرنی ہے۔" معید انصاری یک دم معذرت کرتا اٹھا۔

❀......❀......❀

رات کے دس بج رہے تھے۔ نیند اس کی آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔ بستر سے اٹھ کر وہ گلاس ڈور کے پاس آ گئی تھی۔ یہ دروازہ لان کی طرف کھلتا تھا۔ وہ باہر نکل آئی۔ دسمبر کی چودہ تاریخ تھی اسلام آباد کا موسم خوش گوار تھا۔ فضا میں سردی کا احساس اسے سکون دے رہا تھا۔ اس کے کمرے سے لان میں اترنے کے لیے دو اسٹیپ تھے۔ وہ وہیں بیٹھی خالی نظروں سے لان کی سیاہی مائل گھاس کو دیکھ رہی تھی۔ سبزے کے تختے پہ ایک سایہ نمودار ہوا۔ گیلی گھاس اور پھولوں کی بھینی خوش بو میں ایک اور مہک کا اضافہ ہوا۔ اس کلون کی مہک سے اس کی پرانی وابستگی تھی۔

"مجھے تم سے بات کرنی ہے سارہ۔" سایہ کچھ اور قریب آیا۔

"مجھے تم سے کوئی بات نہیں کرنی ہے۔" اس نے سبزے سے نظریں ہٹائے بغیر کہا۔

"تم حادی بھائی سے شادی کیسے کر سکتی ہو؟"

"جب تم وہ سب کچھ کر سکتے ہو تو میں بھی حدید سے شادی کر سکتی ہوں۔" سارہ کے لہجے میں نفرت تھی۔

"تم سزا دے کر چلی گئی۔ مجھے صفائی کا ایک موقع تو دیا ہوتا۔ میں تمہاری غلط فہمی دور کر دیتا۔" اس نے سارہ کا ہاتھ تھاما۔

"غلط فہمی ہی تھی جو تمہارے دھوکے کو محبت سمجھتی رہی۔ اتنے سال جسے زندگی سے بڑھ کے چاہا اس کا اصلی چہرہ بہت دیر سے بے نقاب ہوا ورنہ شاید تکلیف کی شدت کم ہوتی۔" ایک جھٹکے سے اپنا ہاتھ اس کے ہاتھوں سے چھڑا کر وہ اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ آنسوؤں کی لڑیاں اس کے رخساروں کو بھگو رہی تھیں۔

"تم میرا بدلہ حادی بھائی سے نہیں لے سکتی۔ وہ بہت معصوم اور سادہ انسان ہیں۔" معید انصاری کے لہجے میں شکوہ تھا۔

"مجھے افسوس ہوا یہ جان کر کہ تم دوسروں کو بھی دھوکے باز سمجھتے ہو لیکن اس میں تمہارا کوئی قصور نہیں۔ جو سلوک تم دوسروں سے کرتے ہو اس کی واپسی کی امید بھی رکھتے ہو۔" اس کے لہجے میں نفرت تھی۔ "میں اگر یہ جانتی کہ حدید تمہارے بڑے بھائی ہیں تو کبھی اس رشتے کی حامی نہ بھرتی۔ یہ ایک اتفاق ہے کہ میری ان سے ملاقات ہوگئی اور ہاں وہ ایک سچے اور سادہ انسان ہیں تمہاری طرح دھوکے اور فریب کی مٹی سے بنے ہوئے نہیں ہیں۔" اس نے واپس جانے کے لیے قدم بڑھائے۔

"سارہ! تم مسلسل مجھ پہ الزامات لگا رہی ہو۔ ہر وہ بات سچ نہیں ہوتی جو ہم آنکھوں سے دیکھیں یا کانوں سے سنیں۔" معید انصاری غصے سے بولا۔

"مجھے تمہارے حقائق سننے میں کوئی دلچسپی نہیں۔ کوشش کرنا دوبارہ میرے سامنے مت آؤ۔ تمہیں دیکھ کر میں خود سے نفرت کرنے لگتی ہوں۔" غصے سے پیر پٹختی وہ کمرے میں واپس چلی گئی اور معید انصاری لب کاٹتا رہ گیا۔

❁......❁......❁
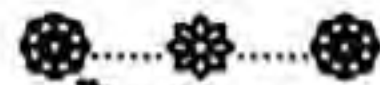
وہ کرن اور صبا کے ساتھ کھڑی تھی اور اپنے چہرے کو دھوپ سے بچانے کے لیے اس نے اس کی بک چہرے کے سامنے کر لی تھی۔ معید انصاری اکنامکس ڈیپارٹمنٹ کی راہداری سے گزر رہا تھا جب اس نے پہلی بار سارہ کو دیکھا۔ سادہ سے حلیے میں وہ اسے بہت اچھی لگی تھی۔ صبا اور کرن کو وہ اچھی طرح جانتا تھا لیکن اس لڑکی کو وہ پہلی بار دیکھ رہا تھا۔

"ہیلو گرلز کیا چل رہا ہے؟" بے تکلفی سے کہتا وہ ان کے قریب آیا۔

"ہیلو معید انصاری کب آئے اسلام آباد سے؟" یہ صبا تھی جو معید انصاری کے بہترین دوست عامر کی منگیتر اور معید انصاری کے ساتھ اس کی کافی بے تکلفی تھی۔ کرن اس کی دوست اور کلاس فیلو تھی۔

"کل رات پہنچا ہوں۔ ابھی پروفیسر طاہر کریم سے ملنے آیا تھا تم لوگوں کو دیکھا تو سوچا حال احوال پوچھ لوں۔"

"یہ ہماری نئی دوست ہے سارہ حفیظ۔ ایم اے پریویس کی اسٹوڈنٹ ہے اور بہت کمال کے اسکیچ بناتی ہے۔ ہماری اس سے فوراً دوستی ہوگئی اور ہاں اس نے ہم سے وعدہ کیا ہے کہ یہ ہمارے بھی اسکیچ بنائے گی۔" کرن نے معلومات میں اضافہ کیا۔

"اور اسی لیے تم نے پارٹی بدل لی۔ اکنامکس ڈیپارٹمنٹ چھوڑ کر فائن آرٹس جوائن کرلیا۔" معید انصاری نے چھیڑا۔ "ہیلو سارہ۔ نائس ٹو میٹ یو۔" معید بے تکلفی سے بولا۔

"مجھے بھی آپ سے مل کر خوشی ہوئی معید انصاری۔" سارہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔ اس کی مسکراہٹ اور لہجہ معید انصاری کو چاروں شانے چت کر گیا تھا۔

معید انصاری نے پچھلے سال یونیورسٹی سے اکنامکس میں پوسٹ گریجویشن اور پورے ڈیپارٹمنٹ میں ٹاپ کیا تھا۔ آج کل وہ سی ایس ایس کے امتحانات کی تیاری کر رہا تھا۔ امتحانات کی تیاری کے سلسلے میں اس کا یونیورسٹی آنا جانا لگا رہتا۔ وہ اسلام آباد کا رہائشی تھا لیکن لاہور میں مقیم تھا۔ ہوسٹل کی بجائے وہ یہاں ایک اپارٹمنٹ میں رہتا۔ عامر اور ریحان اس کے کلاس فیلو اور جگری دوست تھے۔ عامر لاہور کے ایک مشہور سرمایہ دار کا بیٹا تھا جبکہ ریحان کا تعلق نور پور

کے جاگیردار گھرانے سے تھا۔ صبا عامر کی کزن تھی اور چند ماہ قبل ان کی منگنی ہوئی تھی۔ اس کے والدین قطر میں رہتے تھے اور وہ لاہور میں اپنے چچا کے گھر رہتی تھی۔ کرن کے والد صوبائی وزیر تھے۔ ان پانچ لوگوں کا گروپ یونیورسٹی کے اندر اور باہر کافی مشہور تھا۔ اپنی زندگی کے خوب صورت دور کو وہ لوگ خوب انجوائے کررہے تھے۔ سارہ کو یہ تمام معلومات کرن اور صبا کی زبانی پتہ چلی تھیں۔

❁......❁......❁
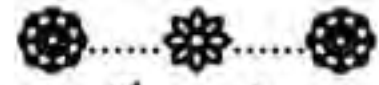
اس دن اسے یونیورسٹی سے نکلنے میں دیر ہوئی اور اس کا پوائنٹ مس ہوگیا تھا۔ اب وہ اگلے پوائنٹ کا انتظار کررہی تھی کہ ایک سیاہ ہنڈا سوک اس کے قریب آکر رکی۔ شیشہ اترنے پہ اسے معید انصاری کا چہرہ نظر آیا۔

''لگتا ہے آپ کی بس مس ہوگئی ہے؟''

''جی آج نکلنے میں تھوڑی دیر ہوگئی تھی۔''

''آئیں میں آپ کو ڈراپ کردیتا ہوں۔''

''نہیں آپ کو زحمت ہوگی اگلی بس آنے ہی والی ہے۔''

''اتنی فارمیلٹی کیوں دکھا رہی ہیں سارہ اگر مجھ پہ کوئی شک ہے تو آپ کی اطلاع کے لیے میں انتہائی سخت قسم کا شریف اور معصوم انسان ہوں۔'' معید انصاری نے معصومیت کے سارے ایکسپریشنز چہرے پہ لاتے ہوئے کہا۔

سارہ سے اپنی ہنسی روکنا مشکل ہورہا تھا۔ گاڑی کا دروازہ کھول کر وہ فرنٹ سیٹ پہ بیٹھ گئی۔ معید انصاری کے متعلق اسے صبا اور کرن سے اتنا کچھ معلوم ہوچکا تھا کہ وہ اس بندے کو ملے بغیر بھی اس پہ یقین کرسکتی تھی۔ وہ جانتی تھی اس کا مقصد محض سارہ کی مدد کرنا ہے۔

''کہاں جانا ہے آپ کو؟''

''وحدت کالونی۔''

''اور یونیورسٹی میں کیسا لگ رہا ہے' پڑھائی کیسی جارہی ہے؟''

''آل از ویل۔'' سارہ نے اعتماد سے کہا۔

''صبا بتارہی تھی آپ سی ایس ایس کی تیاری کررہے ہیں۔''

''ہاں کوشش کررہا ہوں۔ ابھی اسی سلسلے میں یونیورسٹی آیا تھا۔ طاہر صاحب سے کچھ نوٹس لینے تھے۔''

''ویسے کون سا گروپ جوائن کریں گے آپ؟''

''پی ایس پی میری پہلی ترجیح ہوگی۔''

''خاصا بدنام شعبہ ہے اور لوگ عزت بھی نہیں کرتے۔''

''بدنامی والے کام نہیں کریں گے تو کیوں بدنام ہوں گے۔ کسی بھی ادارے کی شہرت اس کو چلانے والوں کی صلاحیتوں اور کردار سے ہوتی ہے۔ اگر پولیس والے بدنام ہیں یا کوئی ان کی عزت نہیں کرتا تو کیا میں یہ سمجھ لوں کسی کو پولیس سروس جوائن نہیں کرنی چاہیے۔'' معید انصاری کی سوچ متاثر کن تھی۔

''آپ کی بات میں وزن ہے۔'' معید انصاری کو اگرچہ پہلی نظر میں خوب صورت لگی تھی تو آج اس سے بات کرتے ہوئے اس کا پراعتماد انداز اسے اس کی شخصیت کی اضافی خوبی محسوس ہوا تھا۔ وہ صرف حسین نہیں اس کی اپنی سوچ ہے، پراعتماد ہے، عام لڑکیوں سے بہت الگ ہے اور معید انصاری کو اس کا الگ ہونا بہت اچھا لگا تھا۔

❁......❁......❁

یونیورسٹی گراؤنڈ میں سب سے الگ تھلگ وہ اپنی اسکیچ بک کھولے بیٹھی تھی۔ اس کے ہاتھ بہت تیزی سے چل رہے تھے۔ سامنے لگے درخت کو بڑی مہارت سے وہ اپنی اسکیچ بک میں ٹریس کررہی تھی۔

''تم تو بہت کمال کی مصورہ ہو۔'' معید انصاری اس کے سر پہ کھڑا اس کا اسکیچ دیکھ رہا تھا۔

''آپ کب آئے؟''

''بس ابھی اور میں تمہیں ہی ڈھونڈ رہا تھا۔ کل سب فرینڈز میری طرف انوائیٹڈ ہیں۔ میں تمہیں بھی انوائٹ کرنے آیا تھا۔''

''کوئی خاص موقع ہے؟''

''کل میری سالگرہ ہے۔''

"کیا کمال کا اتفاق ہے۔ کل میری بھی سالگرہ ہے۔"

"پھر تو پارٹی ہم دونوں کی طرف سے ہونی چاہیے۔ جسٹ کڈنگ، تم کل ضرور آنا۔"

"ایک شرط پہ کیک میں بناؤں گی۔"

"آری کا انتظام میں کرلوں گا۔" دونوں ایک ساتھ قہقہہ لگا کر ہنسے تھے۔

❁......❁......❁
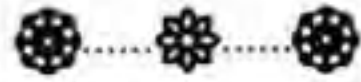
وہ سب دوست معید انصاری کے اپارٹمنٹ میں جمع تھے۔ سارہ کچن میں کیک بنارہی تھی۔ صبا اور کرن دوسرے اسنیک تیار کررہی تھیں۔ یہ سب لوگ اونچے گھروں سے تعلق رکھتے تھے لیکن یہ بے تحاشہ ذہین اور پیارے لوگ تھے۔ سارہ ایک سفید پوش گھرانے کی تھی۔ اس کی والدہ ایک اسکول ٹیچر تھیں۔ زندگی میں انہوں نے بہت سے اتار چڑھاؤ دیکھے تھے۔ لیکن ان کی بہترین تربیت تھی کہ سارہ ایک پُراعتماد اور بلند حوصلہ لڑکی تھی۔ وہ اپنی کلاس کی باقی لڑکیوں کی طرح کسی احساس کمتری میں مبتلا نہ تھی۔ ان تمام لوگوں کی اپنائیت نے سارہ کو ایک لمحہ بھی یہ احساس نہیں ہونے دیا تھا کہ وہ ان کی کلاس کا حصہ نہیں۔ سارا وقت خوش گپیوں اور کھانے پینے میں گزرا۔ اس چھوٹے سے گیٹ ٹو گیدر کے بعد سارہ ان لوگوں کے اور بھی قریب آگئی تھی۔

سات بجے معید انصاری نے اسے اس کے گھر ڈراپ کیا، ساتھ میں ریحان اور کرن بھی تھے۔ سارہ نے انہیں اپنی والدہ سکینہ سے ملوایا۔ چھوٹے سے صاف ستھرے گھر میں سکینہ ان لوگوں سے بہت خلوص سے ملیں۔

اگلے چند ماہ میں وہ ان کے گروپ کا حصہ بن گئی تھی۔ معید انصاری سے اس کی خاص دوستی تھی۔ اس دن یونیورسٹی گراؤنڈ میں بیٹھی وہ صبا کا اسکیچ بنارہی تھی، جس وقت معید انصاری وہاں آگیا۔

"کہاں تھے اتنے دن۔" وہ ان دونوں کے پاس گراؤنڈ میں بیٹھ گیا۔

"اسلام آباد گیا تھا۔" سارہ کے سوال پہ اس نے بتایا۔

"بتا کر نہیں جاسکتے تھے؟" وہ ناراضگی سے بولی۔

"کیوں تم مجھے مس کررہی تھی؟" معید انصاری نے اسے چڑایا۔

"اب اتنے بھی برے حالات نہیں ہیں میرے کہ میں تمہیں مس کروں۔" سارہ نے شرارت سے کہا۔

وقت کے ساتھ ان کے درمیان بے تکلفی بڑھتی جارہی تھی۔ پچھلے چند ماہ میں وہ ایک دوسرے کے لیے لازم و ملزوم بن چکے تھے۔

معید کا اپارٹمنٹ ان سب کا میٹنگ پوائنٹ تھا۔ سب دوست وہاں اکٹھے ہوتے۔ یہاں آنے کے لیے کسی کو معید انصاری کی اجازت کی ضرورت نہیں تھی۔ ان سب کا کوئی نہ کوئی سامان اس اپارٹمنٹ میں موجود رہتا۔ اب اس میں سارہ کے ایزل کا اضافہ ہوچکا تھا۔ یہ اب اس کا اسٹوڈیو بھی تھا۔ اکثر وہ فلیٹ بکھرہ ملتا۔ سارہ کو جب موقع ملتا وہ اس کے اپارٹمنٹ کی صفائی کردیتی۔ سب کی فرمائش پہ کچن میں جاکر کوئی ڈش بنالاتی۔ وہ سب ایسے ہی تھے ایک دوسرے پہ حق جتانے والے ایک دوسرے کا خیال رکھنے والے۔ کہنے کو تو یہ اپارٹمنٹ معید انصاری کا تھا لیکن سب کے پاس اس کی ایک ایک چابی تھی۔ اسائنمنٹس ہوں یا پارٹیاں وہ سب یہیں ملتے اور معید انصاری کی غیر موجودگی میں بھی ان کا وہاں آنا جانا رہتا تھا۔

اس دن سارہ گراؤنڈ میں کھلے پھولوں کو کینوس پہ اتار رہی تھی اور معید انصاری اس کے پاس ہی بیٹھا تھا۔

"یار میں تمہاری مصورانہ صلاحیتوں کا عاشق ہوگیا ہوں۔ کتنا خوب صورت پینٹ کررہی ہو ان پھولوں کو تم۔"

"صرف مصوری کے؟" اس نے ابرو اٹھا کے پوچھا۔

"تم پہ عاشق ہوئے تو مہینوں گزر گئے اب تمہیں ہی احساس نہ ہو تو اس میں بندے کا کیا قصور۔" اپنے سینے پہ ہاتھ رکھ کر اس نے افسردہ ہونے کی اداکاری کی۔

سارہ ہنستے ہوئے اس کی نوٹنکی دیکھ رہی تھی اسی لمحے معید انصاری نے اپنے موبائل سے اس کی تصویر اتارلی۔

"کیا ہے معید! تمہیں دوسرا کوئی کام نہیں۔"

"میں چاہتا ہوں جب تک تمھیں قید نہیں کرلیتا تمھارے ہر ایکسپریشن کو اپنے موبائل میں قید کرلوں۔"
"قید کرنا چاہتے ہو مجھے؟"
"اپنے دل میں۔ شادی کروگی مجھ سے؟"
"تم میرے سوا کسی اور سے شادی کر کے تو دکھاؤ۔" اس نے کھلی دھمکی دی۔

❁......❁......❁
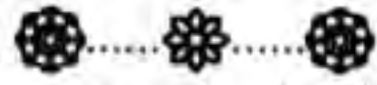
اس کے سی ایس ایس کے امتحانات ہو چکے تھے ان دنوں وہ پورا پورا مہینہ اسلام آباد میں ہوتا اور سارہ یونیورسٹی اور آرٹس کونسل میں مصروف رہتی لیکن وہ ایک دوسرے سے بے پروا نہیں تھے۔ فون پہ بھی ان کا رابطہ کم ہی رہتا لیکن ان کا تعلق ان واسطوں کا محتاج نہ تھا۔ اس دن معید انصاری لاہور میں ہی تھا جب سارہ صبح سویرے اس کے اپارٹمنٹ پہنچی۔

"معید انصاری اٹھو۔" چادر منہ پہ تانے وہ بے خبر سو رہا تھا۔ شور مچاتی وہ اس کے کمرے میں آئی اور چادر کھینچ کر اتار پھینکی۔

"کیا تکلیف ہے تمھیں، صبح صبح کوئی اور نہیں ملا تنگ کرنے کو جو میرے کمرے میں قیامت لے آئی ہو۔" تکیہ منہ پہ رکھ کر اس نے کروٹ بدلی۔ معید انصاری نیند کا رسیا تھا اور یہ سب جانتے تھے کہ اس کے سرہانے ڈھول بھی بجاؤ وہ نہیں جاگے گا۔ اسی لیے وہ لوگ اسے جگانے کے لیے اکثر ایسے ہی حربے استعمال کرتے تھے۔

"تمھارا سی ایس ایس کا رزلٹ آگیا ہے معید انصاری۔" سارہ نے اعلان کیا۔

"تو میں کیا کروں۔" معید انصاری نیند میں بڑبڑایا۔

"تمھاری سیکنڈ پوزیشن آئی ہے۔" سارہ نے تکیہ کھینچتے ہوئے کہا۔ چند لمحے وہ اس کی شکل دیکھتا رہا اور پھر ساری بات سمجھ گیا۔ اخبار اس کے ہاتھ سے لے کر اس نے جلدی سے اپنا رول نمبر دیکھا۔ سارہ کا چہرہ خوشی سے سرخ ہو رہا تھا۔

سول سروس اکیڈمی میں اس کی کامن ٹریننگ شروع ہوئی اور وہ دوبارہ لاہور آگیا۔

"میں ان دنوں شدید کمپلیکس میں ہوں، حادی بھائی جس طرح اپنے مقصد میں ثابت قدم ہیں، اپنے پروجیکٹ میں محنت کر رہے ہیں مجھے لگتا ہے میں ساری زندگی بھی لگا رہوں تو اپنے کام میں اتنا کمیٹڈ نہیں ہوسکتا۔ میری سمجھ میں نہیں آتا وہ ایک ساتھ اتنے سب کام کیسے مینج کرلیتے ہیں مجھ سے تو ایک تم نہیں سنبھالی جا رہی۔" اس نے سارہ کو اپنے بڑے بھائی کا بتایا جو آج کل کسی اہم کام میں مصروف تھے۔ سارہ کو یہ تو معلوم تھا کہ معید انصاری کا ایک بڑا بھائی ہے جو ڈاکٹر ہے لیکن اس سے زیادہ مزید نہ اس نے کبھی پوچھا نہ معید انصاری نے بتایا۔ ان کے پاس ایک دوسرے کو سنانے کے لیے اور بہت سے قصے تھے۔

"انسان اسی وقت کمیٹڈ ہوتا ہے جب اس کا مقصد کلیئر ہو۔ تمھیں بھی خود کو اپنی فیلڈ میں اتنا ہی کمیٹڈ کرنا ہوگا۔ بھیڑ چال سے ہٹ کر، تمام برائیوں میں رہ کر بھی ان سے اپنا دامن بچانا ہوگا، پھر دیکھنا تمھارے حادی بھائی بھی تم پہ اتنا ہی فخر کریں گے جتنا تمھیں ان پر ہے۔ ویسے تم اپنے بھائی سے بہت متاثر ہو۔ ملنا پڑے گا ان سے آخر وہ ہیں کیا چیز۔" سارہ نے شرارت سے کہا۔

"ہرگز نہیں میرا اپنے پاؤں پہ کلہاڑی مارنے کا کوئی ارادہ نہیں ہے۔ وہ اگر تم سے متاثر ہو گئے تو میرا پتا صاف سمجھو۔" معید انصاری نے خوف زدہ ہونے کی اداکاری کی۔

"معید انصاری تم کتنے چیپ ہو۔" سارہ نے کشن اٹھا کر اس کی طرف پھینکا جو معید انصاری نے بڑی شان سے کیچ کرلیا۔

پندرہ اکتوبر کو ان دونوں کی سالگرہ آنے والی تھی اور اس بار معید کو سالگرہ کا تحفہ دینے کے لیے سارہ نے پوری پلاننگ کر رکھی تھی۔

❁......❁......❁

"تم کچھ دیر ملے بغیر نہیں بیٹھ سکتے۔" سارہ جل کے بولی۔ اس کو فری ڈے ملا تو سارہ نے دھر لیا اور اب پچھلے تین

گھنٹے سے وہ اس کی پینٹنگ بنا رہی تھی اور معید کے لیے ایک جگہ بیٹھنا عذاب ہوگیا تھا۔
"تم مجھ سے کس بات کا بدلہ لے رہی ہو۔ دیکھنے بھی نہیں دیتی کیا بنا رہی ہو۔ کہیں بندر کی تصویر بنا دی تو؟"
"اب تم جیسے ہو ویسا ہی بناؤں گی نا۔" سارہ نے کن آنکھیوں سے معید انصاری کو دیکھا۔ اس کا موڈ فل آف تھا۔
"بھاڑ میں جائے تمہاری پینٹنگ، میں نہیں بنوا رہا۔" وہ اب ناراض ہونے کی اداکاری کر رہا تھا۔
"اچھا بابا! سوری۔ لو کان پکڑتی ہوں۔" سارہ نے کان پکڑے۔ "دیکھو میری کتنی تصویریں بناتے ہو لیکن اپنی ایک تصویر کے لیے کتنا واویلا مچا رکھا ہے۔"
"میں تمہیں تین منٹ بھی نہیں انتظار نہیں کرواتا اور تم مجھ پہ پچھلے تین گھنٹے سے جبر کر رہی ہو۔"
"کیا کرتے ہو میری اتنی تصویروں کا معید انصاری۔ کتنے برے برے پوز تم نے میرے اس موبائل میں جمع کیے ہوں گے۔" وہ ہنستے ہوئے بولی۔
"یار جب تم مجھ سے ناراض ہو جاؤ گی تو تمہیں بھلانے کے لیے کوئی بھی بری سی تصویر دیکھ کر دل کو تسلی دوں گا کہ اچھا ہوا ایک بیکار سی لڑکی سے جان چھوٹ گئی۔"
"تم مجھے بھلا پاؤ گے؟" سارہ اچانک افسردہ ہوگئی۔
"یہ دنیا کا سب سے مشکل کام ہے۔ تمہارا ہر روپ اتنا دلکش ہوتا ہے کہ اسے دیکھ کر تم سے محبت اور بھی شدید ہو جاتی ہے۔" معید کی بات نے سارہ کی آنکھوں کی چمک بڑھا دی تھی۔
سارہ نے وہ پینٹنگ معید کو سالگرہ کے تحفے کے طور پہ دی تھی۔ پچھلے دو سال سے وہ دونوں اپنی سالگرہ اکٹھے منا رہے تھے۔ عامر، ریحان، کرن اور صبا سب ان کے لیے گفٹ لائے تھے۔
"کنجوس آدمی تم نے سارہ کو کچھ نہیں دیا۔" یہ ریحان تھا۔
"نکالو میرا گفٹ۔" سارہ نے ہاتھ آگے بڑھایا۔
معید نے جیب سے ایک انگوٹھی نکالی اور جھٹ سارہ کی انگلی میں پہنا دی۔ سب لوگوں نے تالیاں بجائیں اور ان دونوں کو مبارک باد دی۔ سارہ کو یقین نہیں آرہا تھا۔
"بھئی ہمارے رومیو نے آج آفیشلی اپنی جولیئٹ کو پرپوز کر دیا۔" عامر نے اعلان کیا۔ وہ چاروں ان دونوں کی محبت کے گواہ تھے۔
"اس خوشی میں آج کا ڈنر میری طرف سے۔" ریحان نے آفر دی۔
اس کی کامن ٹریننگ ختم ہوئی اور اس نے نیشنل اکیڈمی جوائن کرلی۔ لاہور کے چکر کم ہوگئے۔ آج کل وہ زیادہ تر فون پہ بات کرتے تھے۔

❀......❀......❀

"کون سے زعفران کے کھیت دیکھ لیے ہیں جو ایسے بیٹھے مسکرا رہے ہو۔" معید انصاری کو موبائل اسکرین کی طرف مسکراتا دیکھ کر فاطمہ نے لاؤنج میں داخل ہوتے ہوئے پوچھا۔ وہ معید انصاری سے بہت کلوز تھیں۔ موبائل کی اسکرین ان کی طرف کر کے اس نے انہیں سارہ کی تصویر دکھائی۔
"اچھی لگ رہی ہے۔" انہوں نے تعریف کی۔
"یہ کب اچھی نہیں لگتی ممی۔" معید انصاری نے دل پہ ہاتھ رکھا۔
"مانی میں آج کل بہت جیلس ہونے لگی ہوں اس لڑکی سے۔ لاہور ہوتے ہو تو سارہ نظر آتی ہے اور اسلام آباد آتے ہو تو سارہ یاد آتی ہے میں تو اب تمہیں بالکل یاد نہیں آتی۔ تمہاری شادی کے بعد بڑا روایتی ساس بہو والا رشتہ ہوگا ہمارا۔"
"آپ کا مطلب ہے اسٹار پلس کے تمام سازشی پلانس اگلے چند سالوں میں ہمارے گھر میں شوٹ ہوں گے۔" اس کی شرارت پہ فاطمہ نے اس کے سر پہ ہلکی سی چپت لگائی۔
"کب ملوا رہے ہو؟"
"بہت جلد۔ لیکن آپ پہلے حادی بھائی کا تو کوئی

بندوبست کریں۔"

"وہ میری بات کہاں سنتا ہے۔ پتا نہیں اس لڑکے کا کیا بنے گا۔ سارا وقت اپنے ہسپتال کے چکر میں مصروف رہتا ہے۔ جب شادی کی بات کروں کہتا ہے جب کوئی پسند آئی سب سے پہلے آپ کو بتاؤں گا۔"

"اگر انہوں نے شادی نہ کی تو میرا کیا بنے گا۔" معید انصاری کی بات پہ فاطمہ ہنس دیں۔

❁.......❁.......❁

پچھلے دو سال میں اس کی تصاویر آرٹس کونسل میں ہونے والی نمائشوں کا حصہ تھیں لیکن آج کل وہ اپنی سولو ایگزیبیشن کی تیاریوں میں مصروف تھی۔ موبائل پہ معید کا نمبر دیکھ کے اس نے مسکراتے ہوئے فون اٹھایا۔

"جلدی فلیٹ پہ پہنچو۔" پیچھے خوب شور مچا تھا۔ صاف لگ رہا تھا سب منڈلی وہاں موجود ہے۔ ریحان اور کرن کی شادی آج کا اہم موضوع تھا۔ معید انصاری ریحان کی کلاس لے رہا تھا۔

"یہ دونوں ہمیں رومیو جولیٹ کہہ کے چڑاتے تھے اور خود گھنے میسنے ہماری ناک کے نیچے افیئر چلا رہے تھے۔" شادی کی تقریب لاہور میں تھی لیکن ولیمہ نور پور میں ریحان کے آبائی گاؤں میں تھا۔ اس کا مطلب ہم سب کو نور پور آنا پڑے گا۔ سارہ نے پریشانی سے کہا۔

"آنٹی سے میں بات کرلوں گی۔ ایک رات کی تو بات ہے۔" سارہ کی ہچکچاہٹ پہ کرن نے تسلی دی۔

"کرن، امی کی طبیعت آج کل ٹھیک نہیں ہے۔ وہ مجھے کچھ بتا نہیں رہی لیکن میں جانتی ہوں وہ دن بدن کمزور ہوتی جا رہی ہیں مجھے انہیں اکیلا چھوڑنا مناسب نہیں لگ رہا۔"

"کام بھی اتنا کرتی ہیں۔ تم پریشان مت ہو انہیں ریسٹ کی ضرورت ہے۔ ایک دن سے کیا ہوتا ہے سارہ۔ یہ دن بار بار تو نہیں آئیں گے۔" وہ جانا نہیں چاہ رہی تھی لیکن سکینہ نے بھی اصرار کر کے اسے ان کے ساتھ بھیج دیا۔ شادی کی تقریب اس کی سوچ سے زیادہ شاندار تھی۔

ولیمے کا انتظام فارم ہاؤس کے وسط میں بہت بڑے شامیانے کو دو حصوں میں تقسیم کر کے کیا گیا تھا۔ مردوں کا انتظام خواتین سے الگ تھا۔ لیکن معید انصاری اور عامر، ریحان کی فیملی کے ساتھ وہیں گھومتے نظر آ رہے تھے۔ سارہ کو اس کی فیملی کا ماحول بہت عجیب لگا۔ جو لوگ اس فنکشن میں شامل تھے ان کے رویے ان کا رکھ رکھاؤ اور ان کے لہجوں سے سارہ مطمئن نہیں تھی۔ ریحان ان لوگوں سے قدرے مختلف تھا یا پھر سارہ اسے اتنا ہی جانتی تھی جتنا اسے دکھایا گیا تھا۔ معید انصاری اس کا پرانا اور بہترین دوست تھا ان کے گھر اس کا آنا جانا تھا تو کیا ایسا ممکن تھا کہ وہ ریحان کی فیملی کے بارے میں وہ سب نہ جانتا ہو جو آج یہاں آ کر اس نے محسوس کیا تھا۔

شاید سارہ کی ایسی کسی تقریب میں پہلی شرکت تھی اسی لیے وہ خود کو کمفرٹیبل محسوس نہیں کر رہی تھی۔ ولیمہ کے بعد وہ دونوں فنکشن کی جگہ سے ذرا ہٹ کے بیٹھے تھے۔ آسمان پہ دسمبر کا زرد چاند ماحول میں آشتی پیدا کر رہا تھا۔ سرد رات میں ایک شال اوڑھے وہ نور پور کی ٹھنڈ کو انجوائے کر رہے تھے۔

"وہ لڑکیاں کون ہیں؟" سارہ نے اس عمارت کی طرف اشارہ کیا جہاں مردوں کی رہائش کا انتظام تھا۔

"ریحان کی کزنز ہوں گی۔" معید انصاری نے گول مول جواب دیا۔

"ریحان کی کزنز کا حلیہ عجیب سا نہیں لگ رہا اور میرا خیال ہے میں نے تو انہیں ولیمے کی تقریب میں بھی نہیں دیکھا۔" وہ دونوں اب عمارت کے اندر جا چکی تھیں۔ معید انصاری بھی ادھر ہی دیکھ رہا تھا۔

"سارہ تم میرے ساتھ ٹائم اسپنڈ کرنے آئی ہو یا سی آئی ڈی کرنے؟" اس کے چہرے پہ کچھ تھا جس نے سارہ کو تشویش میں ڈال دیا۔ معید انصاری اس سے کبھی اس ٹون میں بات نہیں کرتا تھا۔

"تم خفا کیوں ہو رہے ہو جانی؟"

"وہ لوگ ریحان کے مہمان ہیں جیسا مرضی حلیہ بنا

کے پھر یں، ہم کیوں اپنا ٹائم ضائع کررہے ہیں۔"
"آدھی رات کو اتنا بیہودہ میوزک کون سن رہا ہے؟" فضا میں بے ہنگم موسیقی کا شور اٹھا۔
"چلو اندر چلتے ہیں۔" اچانک معید انصاری وہاں سے جانے کے لیے اٹھ کھڑا ہوا۔
"تم مجھ سے کچھ چھپا رہے ہو۔ وہاں کچھ ٹھیک نہیں ہورہا ہے نہ؟" معید انصاری نے ایک گہری سانس لی۔
"سارہ ریحان میرا سب سے اچھا دوست ہے۔ ہم ایک دوسرے کو بہت سالوں سے جانتے ہیں لیکن ہر فیملی کا اپنے طور طریقے ہوتے ہیں جو دوسروں کے لیے قابل قبول نہیں ہوتے مگر ہم ان پہ اعتراض نہیں کرسکتے۔ یہ ان کا زندگی گزارنے کا طریقہ ہے۔"
"لیکن معید انسان اپنے دوستوں کی صحبت سے پہچانا جاتا ہے۔" سارہ تشویش سے بولی۔
"میں ریحان کے ساتھ ہر جگہ نہیں چلا جاتا نہ ہی ہر وہ کام کرتا ہوں جو میری اقدار نہیں ہیں اور ایک بات اس کی دوستی سے کبھی میری ذات کو نقصان نہیں پہنچا۔ کیا تمہیں مجھ پہ یقین نہیں؟" اس نے بہت دھیمے لہجے میں پوچھا۔
"تم پہ یقین نہ ہوتا تو اپنا مستقبل تم سے منسوب نہیں کرتی۔" سارہ کی بات سے معید انصاری کو تسلی ہوئی۔ دوبارہ ان کے درمیان اس موضوع پر کوئی بات نہیں ہوئی لیکن سارہ پہ ہونے والے اس نئے انکشاف نے اس کے دل میں ریحان کی شخصیت کو مشکوک کردیا تھا۔

❀......❀......❀
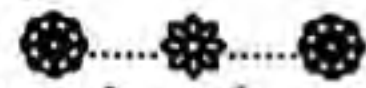
صبا اور عامر کی شادی کی تاریخ طے ہوچکی تھی اور اس سے پہلے سارہ کی سولو ایگزیبیشن ہونے والی تھی۔ معید انصاری خاص طور پر اسلام آباد سے آیا تھا۔ ریحان، عامر کرن اور صبا سب اس کے ساتھ تھے۔ سارہ کو اس کی توقعات سے بڑھ کر ریسپونس ملا تھا۔ اس کے پاؤں زمین پر نہیں ٹک رہے تھے۔ معید انصاری نے واپسی پہ اسے گھر کے باہر ہی ڈراپ کیا اسے ریحان اور عامر کے ساتھ کہیں جانا تھا۔ گھر میں قدم رکھا تو ایک بری خبر اس کی منتظر تھی۔

ساتھ والی نجمہ آنٹی اس کے گھر پہ اس کا انتظار کررہی تھیں۔ انہوں نے اسے بتایا کہ اس کی والدہ کی طبیعت بہت بگڑ گئی تھی اور انہیں ہسپتال لے گئے ہیں۔
"آپ نے مجھے فون کیوں نہیں کیا؟" وہ روتے ہوئے بولی۔
"تمہاری امی نے سختی سے منع کیا تھا وہ جانتی تھیں یہ تمہاری زندگی کا کتنا بڑا دن ہے۔ ایسے میں وہ تمہیں اپنی طبیعت کا بتا کر تمہاری خوشی خراب نہیں کرنا چاہتی تھیں۔" پریشانی اور گھبراہٹ میں وہ ہسپتال پہنچی۔ راستے میں کئی بار اس نے معید انصاری کا نمبر ملایا۔ ہر بار فون بند تھا۔
"میری امی کو کیا ہوا ہے ڈاکٹر صاحب؟"
"مس سارہ آپ کی والدہ اس وقت آئی سی یو میں ہیں، انہیں بریسٹ کینسر ہے جو اس وقت اپنی آخری اسٹیج پہ ہے۔"
"لیکن یہ سب اتنا اچانک کیسے ہوگیا۔"
"کینسر کی تشخیص اچانک ہی ہوتی ہے۔ لیکن آپ کی والدہ کا مرض آج نہیں ایک سال پہلے معلوم ہوگیا تھا۔ ہم کنزرویٹو ٹریٹمنٹ کررہے تھے۔ وہ آپریشن نہیں کروانا چاہتی تھیں۔ مگر ہم اس پہ قابو نہیں پاسکے۔"
"امی نے مجھے بتایا کیوں نہیں۔"
"شاید وہ آپ سے اپنی بیماری پوشیدہ رکھنا چاہتی ہوں۔" اسے یاد آیا کچھ عرصے سے وہ بہت کمزور ہوگئی تھیں۔ تھکنے لگی تھیں اور خاموش بھی تھیں۔ جب بھی سارہ نے انہیں ڈاکٹر کے پاس جانے کا کہا وہ ٹال جاتی تھیں۔ جب سارہ کا اصرار بڑھنے لگا تو ایک دن انہوں نے اسے بتایا کہ وہ ڈاکٹر کے پاس ہو آئی ہیں اور اس نے کوئی خاص وجوہات نہیں بتائی ہیں شائد موسمی اثرات ہیں۔
وہ تمام رات اس نے بنچ پہ روتے ہوئے گزاری۔ وہ اللہ سے رو رو کر اپنی ماں کی زندگی کی دعائیں مانگ رہی تھی جو اس وقت آئی سی یو میں زندگی اور موت کی جنگ لڑ رہی تھیں۔ آدھی رات کو ڈاکٹر نے اسے سکینہ کے کوما میں جانے کی اطلاع دی۔ اس پہ ایک اور قیامت گزری تھی۔

صبح سات بجے تک جب اس کا معید انصاری سے رابطہ نہ ہوا تو وہ اس کے فلیٹ پہ چلی گئی۔ اسے صبح اسلام آباد کے لیے نکلنا تھا اور سارہ کو اس وقت اس کی ضرورت تھی۔ اللہ کے بعد اس کا دوسرا سہارا معید انصاری تھا۔ اس کے کمرے میں داخل ہوئی تو معید انصاری تکیہ منہ پہ رکھے بے خبر سو رہا تھا۔ اگلے ہی پل سارہ کی نظر اس کے قریب لیٹی لڑکی پہ پڑی۔ آسمان سر پہ کیسے گرتا ہے اس کو آج پتا چلا تھا۔

''معید......'' وہ غصے میں چلائی۔

نیند میں چور وہ تھوڑی دیر کسمسایا اور پھر تکیہ ہٹا کر دروازے کی طرف دیکھا۔ سارہ کی آنکھیں رو رو کر سوجی ہوئی تھیں اور وہ اب بھی زار و قطار رو رہی تھی۔

''کیا ہوا سارہ تم رو کیوں رہی ہو۔'' معید گھبرا کر بستر سے اٹھا۔ سارہ کی نظروں کے تعاقب میں معید نے بیڈ کے دائیں طرف دیکھا اور اسے ایک زبردست جھٹکا لگا۔

''آئی ہیٹ یو معید انصاری۔'' اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہتا سارہ نفرت سے کہتی وہاں سے نکل گئی۔ معید اسے روکنے کے لیے اٹھا مگر وہ جا چکی تھی۔

سارہ اپنی محبت کا ماتم کرتی ہسپتال پہنچی تو سکینہ کی موت کی خبر اس کی منتظر تھی۔ ایک رات میں اس کی دنیا اجڑ گئی تھی۔ اس پہ دکھ کا پہاڑ ٹوٹا تھا۔ سکینہ اس کی چھت تھی معید انصاری کو وہ اپنا سائبان سمجھتی تھی۔ سکینہ کو قدرت نے واپس لے لیا اور معید انصاری کو وہ خود چھوڑ آئی تھی۔ وہ کبھی اس کی آواز سننا چاہتی تھی نہ اس کی صورت دیکھنا چاہتی تھی۔ اسے دھوکے اور بے ایمانی سے نفرت تھی اور معید انصاری بھی دھوکے باز تھا۔ اسے معید انصاری سے بھی نفرت تھی۔ اپنی قنوطیت اور ڈپریشن سے نجات کا واحد رستہ فرار تھا۔ سو اس نے اپنا شہر، ابھرتی ہوئی شناخت سب چھوڑ کر فرار میں پناہ ڈھونڈی۔ نہ کوئی مقام تھا نہ منزل۔ ہری پور کی بس میں بیٹھی وہ ایک اجنبی شہر چلی آئی تھی۔ یہاں اسے کوئی نہیں جانتا تھا۔ لیکن تقدیر اسے ایک بار پھر معید انصاری کے سامنے لے آئی تھی۔ اتنی بڑی دنیا میں اسے ملا بھی تو کون؟ معید انصاری کا بھائی اسے قسمت کی ستم ظریفی پہ رونا آرہا تھا۔

❁......❁......❁

معید انصاری کے دماغ میں دھماکے ہو رہے تھے۔ اپنے پہلو میں لیٹی اس واہیات لڑکی کو دیکھ کر وہ پاگل ہو گیا تھا۔

''کون ہو تم اور یہاں کیا کر رہی ہو؟ جلدی بولو ورنہ گولی مار دوں گا۔'' اسے گھسیٹتے ہوئے معید انصاری غرایا۔

''میرا کوئی قصور نہیں، مجھے ریحان نے پیسے دیئے تھے۔'' معید انصاری کے ہاتھ میں پستول دیکھ کر اس نے التجا کی۔

''دفع ہو جاؤ یہاں سے۔'' نفرت سے کہہ کر اس نے موبائل اٹھایا۔ سارہ زیادہ دور نہیں گئی ہوگی جب وہ اسے بتائے گا کہ یہ ریحان کا بے ہودہ مذاق ہے تو وہ سب سمجھ جائے گی۔ سوچتے ہوئے اس نے اپنا فون اٹھایا جو رات سے چارجنگ پہ لگا تھا اور معید انصاری اسے آن کرنا بھول گیا تھا۔ موبائل پہ نیٹ ورک آتے ہی کل رات سے رکے میسجز اسکرین پہ نمودار ہوئے۔ فاطمہ اور حدید کے دسیوں میسجز پڑھتے ہوئے اس کا سر گھوم گیا۔ وہ سارہ کو بھول کر اب جلدی جلدی واپس جانے کی تیاری کر رہا تھا۔

ہوا کے گھوڑے پہ سوار وہ انتہائی تیز رفتاری سے گاڑی چلاتا اسلام آباد جا رہا تھا۔ دو جگہ اس کو اوور اسپیڈنگ پہ ٹکٹ ملا لیکن اسے کسی بات کی پروا نہیں تھی۔ کچھ یاد تھا تو اتنا کہ اس کے اپنوں کو اس کی ضرورت تھی۔

''مانی...... بابا کو ہارٹ اٹیک آیا ہے۔ ہم انہیں ہسپتال لے آئے ہیں تم فوراً گھر پہنچو۔'' حدید کا میسج اس کے ذہن میں گھوم رہا تھا۔

''مانی! تمھارے بابا کی حالت ٹھیک نہیں ہے۔ ڈاکٹر کہہ رہے ہیں ان کے پاس وقت بہت کم ہے۔ ہم کب سے تمھیں کال کر رہے ہیں۔ جتنی جلدی ہو سکے واپس آجاؤ۔'' فاطمہ کا میسج اسے یاد آیا۔

''چار بجے بابا کی ڈیتھ ہوگئی ہے۔ ہم ان کی باڈی لے کر گھر جا رہے ہیں۔'' حدید کا یہ میسج صبح چھ بجے اس کے

موبائل پہ آیا تھا۔ اس کا دل خود کو پیٹ لینے کو چاہ رہا تھا۔ حدید اور فاطمہ اس کو کال کرتے رہے اور وہ بے خبر سوتا رہا۔ اسے خود سے نفرت ہو رہی تھی۔ اپنی بے پروائی پہ غصہ آرہا تھا۔ تین گھنٹے بعد وہ گھر پہنچا تو وہاں اس وقت بہت سے لوگ جمع تھے۔ حدید اس وقت تدفین کے انتظامات میں لگا ہوا تھا۔ وہ اس سے لپٹ گیا۔

''کہاں تھے تم مانی! ہم نے تم سے رابطہ کرنے کی کتنی کوشش کی۔ ریحان اور عامر کو بھی کال کی لیکن کسی سے بات نہیں ہوسکی۔''

''ممی کہاں ہیں۔'' اس نے روتے ہوئے پوچھا۔

''وہ اندر ہیں۔'' حدید کی آواز غم میں ڈوبی ہوئی تھی۔

فاطمہ نڈھال سی لاؤنج میں بیٹھی ہوئی تھیں۔ رشتے دار خواتین ان کے گرد جمع تھیں۔ رو رو کر ان کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں۔ وہ بہت دیر ان کے پاس بیٹھا انہیں تسلی دیتا رہا۔ انہیں سنبھالتے ہوئے وہ خود بھی پھوٹ پھوٹ کر رو رہا تھا۔ اگلے چند دن معید انصاری کے لیے بہت بھاری تھے۔ فاطمہ کی حالت ٹھیک نہیں تھی۔ وہ رات بھر جاگتی رہتیں۔ بڑی مشکل سے حدید انہیں سکون کی گولی دے کر چند گھنٹے سلاتا۔ وہ دونوں فاطمہ کی طبیعت کی وجہ سے اپنا سارا وقت انہیں دے رہے تھے۔ سارہ کو اس نے چند بار کال کی لیکن اس کا موبائل بند تھا۔ عامر اور صبا اس کے گھر کا چکر لگا آئے تھے لیکن وہاں کوئی نہیں تھا۔ اس کی والدہ کی وفات کی اطلاع بھی محلے والوں کی زبانی انہیں معلوم ہوئی۔ معید انصاری نے اسے تلاش کرنے کی بہت کوشش کی لیکن وہ اسے کھو چکا تھا۔ ریحان اس سے کئی بار معافی مانگ چکا تھا۔ لیکن اس نے اسے معاف نہیں کیا تھا۔

اکثر وہ لوگ ایک دوسرے کے ساتھ شرارت کرتے رہتے تھے لیکن اس بار ریحان کی یہ شرارت معید انصاری کو بہت مہنگی پڑی تھی۔ ریحان کے لیے ایسی لڑکیوں سے ملنا جلنا کوئی بڑی بات نہیں تھی لیکن معید انصاری کو ایسے کاموں میں کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ وہ ریحان کو بھی اکثر سمجھاتا تھا کہ اسے اپنا قبلہ درست کرنا چاہیے لیکن ریحان زندگی کو بھرپور انجوائے کرنے میں یقین رکھتا تھا۔ عامر بھی کبھی کبھار اس کے ساتھ ایسی محفلوں میں چلا جاتا لیکن معید انصاری کی موجودگی میں عامر بھی اس کے ہاتھ نہیں آتا تھا۔ ریحان کو معید انصاری کی یہ پاک بازی زچ کرتی اور اکثر اسے چیلنج کرتا تھا کہ ایک نہ ایک دن وہ اسے بھی زندگی انجوائے کرنا سکھا دے گا۔

اس رات معید انصاری ایگزیبیشن کے بعد ان دونوں کے ساتھ تھا اور ریحان نے ہی اس لڑکی کو دس ہزار دے کر اسے معید انصاری کے کمرے میں پہنچایا تھا۔ وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ معید انصاری کی نیند کیسی ہے ایک بار وہ سو جائے تو کمرے میں گھوڑے دوڑا دو وہ نہیں جاگے گا۔ اس کا پلان تھا کہ وہ عامر کے ساتھ اس کے فلیٹ میں آئے گا معید انصاری کی کھنچائی کرے گا۔ عامر بھی اس کے پلان سے لاعلم تھا اور وہ یہ سب کسی ایڈونچر کے طور پہ کر رہا تھا۔ صبح سویرے سارہ وہاں پہنچ جائے گی یہ وہ آخری بات تھی جو اس نے سوچی بھی نہیں تھی۔ فاطمہ پوری بات تو نہیں جانتی تھیں لیکن انہیں اتنا اندازہ تھا کہ سارہ اور معید انصاری کے درمیان کوئی بڑا جھگڑا ہوا ہے اور سارہ کا پچھلے چھ ماہ سے کچھ پتا نہیں تھا۔

❀......❀......❀

وہ تمام رات سو نہیں پایا اور سو تو وہ بھی نہیں پائی تھی۔ فاطمہ نے ملازمہ کو بھیج کر اسے ناشتے پہ بلوایا تو نہ چاہتے ہوئے بھی اسے ڈائننگ روم میں آنا پڑا۔ معید انصاری پہلے ہی وہاں موجود تھا۔ بے دلی سے ناشتہ ختم کر کے وہ اپنے کمرے میں واپس آ گئی تھی۔ حدید نے اسے بلانا چاہا لیکن سارہ کی آنکھوں میں آج وہ اجنبیت تھی جو چند ماہ پہلے حدید نے دیکھی تھی۔ پچھلے چند گھنٹوں سے وہ اپنے کمرے میں بند تھی۔ آج کا دن بہت بھاری تھا۔ پچھلے تین سال سے وہ اس دن کو معید انصاری کے ساتھ سیلیبریٹ کرتی رہی تھی۔

حدید نے دروازے پہ دستک دی تھی۔ وہ اسے شام کو اپنے ساتھ لے جانا چاہتا تھا۔ اس کا کہیں جانے کا موڈ

نہیں تھا، وہ اس وقت صرف واپس جانا چاہتی تھی لیکن یہ بات حدید سے کہنا اتنا آسان نہیں تھا۔ جو کچھ اس کے بھائی نے سارہ کے ساتھ کیا اس کا غصہ اس پہ نکالنا حماقت تھی۔ شام سات بجے وہ اپنے کمرے سے نکلی۔ حدید نے اسے توصیفی نگاہوں سے دیکھا۔

"بہت اچھی لگ رہی ہو، ہمیشہ کی طرح۔" حدید نے سرگوشی کی۔

ڈرائیو وے پہ معید انصاری ان دونوں کا انتظار کررہا تھا۔ اس کا چہرہ بے تاثر تھا۔

"آج مانی کی سالگرہ ہے۔" حدید نے سارہ کو بتایا۔

"تمہاری برتھ ڈے پہ آج کا ڈنر میری اور سارہ کی طرف سے ہے میرا خیال ہے تم تو اپنی سالگرہ بھول ہی گئے تھے۔" میریٹ کی پول سائیڈ پہ بیٹھے وہ تینوں ڈنر کا انتظار کررہے تھے۔ معید انصاری بمشکل مسکرایا۔

"ہیلو سارہ!" صبا کی آواز پہ چونک کے تینوں نے اس کو دیکھا اس کے ساتھ عامر بھی تھا۔

"شکر ہے تم مل گئی کتنا ڈھونڈا ہم سب نے تمہیں۔ یہ تمہارا رومیو کتنا اداس تھا تمہارے بغیر۔ کتنے چکر لگوائے ہیں اس نے میرے اور عامر کے تمہارے گھر۔ شکر ہے تم دونوں ایک بار پھر اپنی سالگرہ پہ اکٹھے ہو۔" صبا ایک سانس میں بولے جارہی تھی۔ عامر اب حدید اور معید انصاری سے مل رہا تھا۔

"ویسے غلط فہمی دور ہوگئی تم دونوں کی؟ ہمیں تو بتا دیتے۔ سارہ ایسی بھی کیا بدگمانی کہ تم بنا کچھ کہے سنے اس طرح غائب ہوگئی۔ تم معید انصاری کو جانتی نہیں ہو وہ تمہارے سوا کسی اور کا سوچ بھی نہیں سکتا اور وہ سب تو ریحان کا بے ہودہ مذاق تھا۔ سچ مانو ہم سب اس دن سے اس سے ناراض ہیں یہاں تک کہ کرن نے تو اسے چھوڑنے کی دھمکی بھی دے دی تھی۔ وہ لڑکی ریحان کی لائی ہوئی تھی اب اسے کیا پتا تھا کہ تم وہاں پہنچ جاؤ گی۔ اس دن ایمرجنسی میں معید انصاری کو اسلام آباد واپس جانا پڑا کیونکہ انکل کا انتقال ہوگیا تھا۔ میں اور صبا کئی بار تمہارے گھر گئے۔" عامر اب اسے تفصیل بتا رہا تھا۔ سارہ کی آنکھوں میں ندامت لہرائی۔

"تمہاری وجہ سے یہ ہماری شادی میں بھی نہیں آیا۔" صبا نے گلہ کیا۔

معید انصاری اس وقت کچھ بھی کہنے کی پوزیشن میں نہیں تھا۔ اس کی نظریں حدید کے چہرے کا احاطہ کررہی تھیں جہاں اس وقت کوئی تاثر نہیں تھا۔

"ہم اب چلتے ہیں اور ہاں اپنی شادی پہ بلانا مت بھولنا۔" صبا اور عامر ان کی ٹیبل پہ ڈنر سرو ہوتا دیکھ کر چلے گئے تھے۔

وہ معید انصاری سے نظریں ملانے کی ہمت نہیں کر پارہی تھی۔ لیکن اس میں اس کا بھی کیا قصور تھا جو کچھ اس نے اپنی آنکھوں سے دیکھا اس کے بعد اس کی جگہ کوئی بھی ہوتا وہ ایسے ہی ری ایکٹ کرتا۔ لیکن وہ تو معید انصاری سے محبت کرتی تھی۔ اسے اس پہ بھروسہ کرنا چاہیے تھا۔ محبت کی تھی تو اعتبار کیوں نہیں کیا۔ اس نے کیسے سوچ لیا اتنے سالوں میں جس شخص نے اسے چھوا بھی نہیں وہ کسی اور لڑکی کے ساتھ انوالو ہوسکتا ہے۔ کتنی بار وہ دونوں فلیٹ میں اکیلے ملے۔ معید انصاری اگر بھنورا ہوتا تو وہ اسے بھی ایسی ہی نظر سے دیکھتا۔ لیکن ایسا نہیں تھا۔ وہ دھوکے باز نہیں تھا۔ اسے خود سے نفرت ہورہی تھی۔ وہ کرسی سے اٹھی اور باہر چلی گئی۔ وہ دونوں اسے جاتے ہوئے دیکھ رہے تھے۔ اگلے ہی پل معید انصاری اس کے پیچھے بھاگا تھا۔ وہ ہوٹل کے دروازے سے باہر نکل رہی تھی جب اس نے اس کا ہاتھ پکڑ کر روک لیا۔

"کہاں جارہی ہو مجھے چھوڑ کے؟ ایک بار تکلیف دے کر تمہارا دل نہیں بھرا جو دوبارہ مجھے تنہائی کی اذیت دینا چاہتی ہو۔ پچھلے چھ ماہ سے پاگلوں کی طرح تمہیں ڈھونڈھ رہا ہوں۔ وہ گناہ جو میں نے نہیں کیا اس کی سزا بھگت رہا ہوں لیکن سارہ تم اگر اب مجھے چھوڑ کے گئی تو میں مرجاؤں گا۔" اس کے آنسوؤں سے بھیگے گالوں کو اپنی انگلی سے صاف کرتے اس نے کہا۔

"تمہارے بغیر میں بھی کہاں زندہ تھی۔ مرجانا میرے بس میں ہوتا تو کب کا خود کو ختم کرچکی ہوتی۔" وہ بچوں کی طرح اس سے لپٹ کر رو رہی تھی۔ حدید دور کھڑا ان دونوں کو خاموشی سے دیکھ رہا تھا۔ گلاسز اتار کے اس نے اپنی آنکھوں کی نمی کو صاف کیا اور مسکراتے ہوئے ان کی طرف قدم بڑھائے۔

❀......❀......❀

سرخ جوڑے میں وہ بے تحاشہ حسین لگ رہی تھی۔ معید انصاری ابھی ابھی کمرے میں آیا تھا اور اس کی تعریف میں زمین آسمان ایک کررہا تھا۔ وہ دونوں بے تحاشہ خوش تھے، آج ان کی محبت کو منزل مل گئی تھی۔ رومیو کو بلاآخر اپنی جولیٹ مل گئی تھی۔ وہ ارمانوں کی رات تھی، محبت کی جیت کا جشن منانے کی رات لیکن کوئی تھا جس کی محبت ہار گئی تھی۔

لان میں اس وقت مدھم سا بلب جل رہا تھا۔ سردی اپنے عروج پر تھی۔ راتیں طویل ہوگئی تھیں ایسے میں تنہائی اور بھی بڑھ جاتی ہے۔ آج اس کے بھائی کی شادی تھی تو اسے خوش ہونا ہی تھا مگر خود کو خوش ظاہر کرتے، مطمئن ظاہر کرتے وہ بہت تھک گیا تھا۔ سارہ نے کہا تھا وہ اس کی عزت کرتی ہے مگر محبت نہیں کرتی لیکن وہ اس سے محبت کرتا تھا اور کرتا رہے گا یہ جانتے ہوئے بھی کہ وہ اس کے چھوٹے بھائی کی بیوی ہے وہ اپنے دل سے ان جذبات کو نوچ کر پھینک نہیں سکتا تھا۔ فاطمہ اس کے پاس آکر کھڑی ہوئیں تھیں۔ انہیں دیکھ کر وہ مسکرایا۔ لیکن اس کی آنکھوں کی اداسی ان سے چھپی نہیں تھی۔

"تم شادی کرلو حادی! کسی بھی لڑکی سے۔ تم کہو تو میں کوئی لڑکی دیکھوں۔" انہوں نے التجا کی۔

"ممی! ابھی نہیں۔"

"حادی! تم اسے بھول جاؤ۔"

"کوشش کروں گا۔" ان کے دونوں بیٹے ان کی دو آنکھیں تھے وہ ان میں سے کسی ایک کو بھی افسردہ نہیں دیکھ سکتی تھیں۔ لیکن یہ کیسا تقدیر کا کھیل تھا کہ جب ایک نے خوشی پائی تو دوسرے کے حصے میں اداسی آئی۔

صبح ناشتے کی میز پہ معید انصاری کا دمکتا چہرہ اور سارہ کا معصوم حسن دیکھنے کے لائق تھے۔ معید انصاری کی رفاقت کا اثر تھا کہ آج وہ کل سے بھی زیادہ خوب صورت لگ رہی تھی۔

معید انصاری کی پوسٹنگ جہلم تھی اور ہنی مون سے واپسی پر وہ دونوں جہلم چلے گئے تھے۔ یہ ان کی زندگی کے حسین ترین دن تھے۔ حدید ایک بار پھر ہسپتال میں مصروف ہوگیا تھا۔ خود کو کام میں مصروف کرکے شائد وہ سارہ کی یادوں سے نجات چاہتا تھا۔ لیکن یہ اتنا آسان نہ تھا کیونکہ اس کی یادیں، ہسپتال کی دیواروں سے لے کر اس وادی تک ہر جگہ بکھری ہوئی تھیں۔

ان کی شادی کو ایک سال ہوچکا تھا۔ سارہ ماں بننے والی تھی۔ فاطمہ کو پتا چلا تو وہ جہلم ان دونوں سے ملنے چلی آئیں۔ حدید نے بھی مبارک باد کی کال کی تھی۔ معید انصاری کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہ تھا۔ دن میں کئی کئی بار وہ اسے فون کرکے اس کی خیریت پوچھتا تھا۔ اس کا بس چلتا تو سارہ کو ایک لمحہ اکیلا نہ چھوڑتا۔

❀......❀......❀

ملازم نے جوس کا گلاس اس کے سامنے رکھا۔ جوس پیتے اس نے ریموٹ سے چینل بدلا۔ نیوز چینل پہ بریکنگ نیوز آرہی تھی۔

"سول لائن پولیس اسٹیشن جہلم پہ خودکش حملہ۔ اے ایس پی معید عابص انصاری اور تین اہلکار موقع پہ جاں بحق۔" جوس کا گلاس اس کے ہاتھ سے گر پڑا تھا۔ وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے ٹی وی اسکرین کی طرف دیکھ رہی تھی۔

اس کا موبائل مسلسل بج رہا تھا۔ حدید کی کال اس کے فون پہ آرہی تھی لیکن وہ اسے اٹینڈ نہیں کررہی تھی۔ اگلے چند منٹوں میں وہ اپنے ہوش وحواس کھو بیٹھی تھی۔

❀......❀......❀

پچھلے دو دن سے ایک نوالہ بھی اس کے حلق سے نہیں اترا تھا۔ معید انصاری کی موت نے اسے پتھر بنادیا تھا۔ وہ اسلام آباد میں تھی اور فاطمہ اپنا غم بھول کر اس وقت اس کے

سرہانے بیٹھی تھیں۔ وہ نہ روئی تھی نہ ایک لفظ بولی تھی۔ ڈاکٹر کو مجبوراً اسے ڈرپ لگانی پڑی۔ فاطمہ نے اسے معید انصاری کا واسطہ دیا۔ اس کے ہونے والے بچے کی زندگی اور صحت کی تشویش ظاہر کی لیکن وہ ٹس سے مس نہ ہوئی۔ جاگ جاگ کر اس کی آنکھیں پتھرا گئی تھیں۔ اگر تھک کر چند منٹ سوتی تو چونک کر اٹھ جاتی۔ معید انصاری کی تصویر کے سامنے گھنٹوں خاموش بیٹھی رہتی۔ فاطمہ کو ڈر تھا کہیں اس کی یہ حالت ہونے والے بچے کی صحت پہ کوئی اثر نہ ڈالے۔ وہ ان کے بیٹے کی آخری نشانی تھا۔ انہیں سارہ سے بھی اتنی ہی محبت تھی لیکن وہ بے بس تھیں۔ وہ اپنا غم چھپائے اس کی دل جوئی کررہی تھیں۔

''تم اس سے بات کرو حادی! مجھے یقین ہے تم اسے سنبھال لو گے۔ وہ مر جائے گی اور اس کے ساتھ میرے مانی کی نشانی بھی۔'' انہوں نے خوف سے روتے ہوئے کہا۔

''ممی! چپ ہوجائیں کچھ نہیں ہوگا۔ میں کچھ غلط نہیں ہونے دوں گا۔'' اس نے انہیں تسلی دی۔

❁……❁……❁
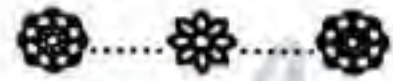
''ممی تمہاری وجہ سے بہت پریشان ہیں۔ تم سارا سارا دن کچھ کھاتی پیتی نہیں ہو اپنی صحت کا خیال نہیں رکھتی اور ان دنوں تمہیں خاص توجہ کی ضرورت ہے۔ ایسا کب تک چلے گا۔'' حدید آج سارہ سے ملنے آیا تھا۔

''میں یہ سب جان بوجھ کر نہیں کرتی۔''

''میں یہ نہیں کہہ رہا کہ تم یہ سب جان بوجھ کر کررہی ہو۔ لیکن تمہیں اب اس فیز سے نکلنا ہوگا۔ وہ صرف تمہارا شوہر نہیں تھا، وہ میرا بھائی بھی تھا اور ممی نے اپنا بیٹا کھویا ہے۔ ہم بھی تو اس کے بغیر جی رہے ہیں۔''

''وہ صرف میرا شوہر نہیں تھا حدید......'' وہ میری زندگی تھا۔ وہ آنسو پیتے ہوئے بولی۔

''وہ اگر زندہ ہوتا تو کیا تم اس کے ہونے والے بچے کے ساتھ اتنی ہی بے پروائی برتتی۔ اس کا بچہ تمہارے پاس اس کی امانت ہے تم اس سے بے پروا کیوں ہو۔ ممی کہتی ہیں تم نہ کچھ کھاتی ہو نہ سوتی ہو، اپنی دوائیاں بھی وقت پہ نہیں لیتی۔'' حدید کی باتوں سے سارہ میں اتنی تبدیلی آئی کہ اس نے دوا اور کھانا بغیر کسی کے کہے کھانا شروع کردیا تھا۔ اگلے چند ماہ میں وہ بہت کمزور ہوگئی تھی۔ اس کا بلڈ پریشر اکثر ہائی رہتا تھا۔ معید انصاری کے بغیر وہ جیسے جینا بھول گئی تھی۔

❁……❁……❁
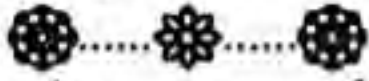
''کیا تم اب بھی سارہ سے محبت کرتے ہو۔'' فاطمہ کے سوال نے حدید کو حیران و پریشان کردیا تھا۔

''کیسی باتیں کررہی ہیں آپ ممی۔'' حدید نے نظریں چرائیں۔

''تم اس سے شادی کرلو۔''

''ممی! وہ مانی کی بیوی ہے۔''

''وہ اس کی بیوہ ہے حادی۔''

''یہ نہیں ہوسکتا۔'' حدید دوٹوک بولا۔

''اس کی عمر ہی کیا ہے وہ کب تک تنہا رہے گی آخر ایک نہ ایک دن کسی سے شادی تو کرے گی پھر تم کیوں نہیں کرسکتے اس سے شادی؟ اور پھر اگر اس نے کسی اور سے شادی کرلی اور مانی کا بچہ بھی اپنے ساتھ لے گئی تو۔'' فاطمہ نے اپنا خدشہ ظاہر کیا۔

''کیا وہ مان جائے گی؟''

''میں اسے منالوں گی۔''

''آپ اس سے ابھی کوئی بات نہ کیجیے گا۔ اس کی ڈلیوری کے دن قریب ہیں ایسی حالت میں اس کا کسی بھی اسٹریس سے گزرنا ٹھیک نہیں۔'' حدید نے اس کی طبیعت کے پیش نظر اپنا خدشہ ظاہر کیا۔ اور وہ دونوں نہیں جانتے تھے سارہ ان کی ساری باتیں پہلے ہی سن چکی ہے۔

❁……❁……❁
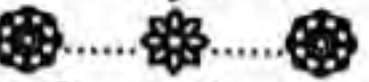
''یہ لوگ مجھ سے اس کی یادیں بھی چھین لینا چاہتے ہیں۔ معید انصاری نہیں رہا تو کیا اس کا نام بھی میرے نام سے جدا کرنا چاہتے ہیں۔ محبت وجود کی محتاج نہیں ہوتی وہ نہیں رہا تو کیا میرے دل میں اس کی محبت بھی نہیں رہی۔''

وہ بے آواز آنسو بہا رہی تھی۔ کمرے میں اسے گھٹن محسوس

ہوئی تو وہ لان میں نکل آئی۔ ماربل کے اسٹیپ پہ کھڑے اسے دو سال پہلے کا وقت یاد آیا۔ وہ یہاں بیٹھی تھی اور معید انصاری گھٹنوں کے بل اس کے سامنے بیٹھا تھا۔ وہ اس سے ناراض تھی اور معید انصاری نے اسے روکنے کی کوشش کی تھی۔ وہ اس کا بڑھا ہاتھ روک کر کے چلی گئی تھی لیکن اس بار وہ معید انصاری کا ہاتھ تھام لینا چاہتی تھی۔ اس نے اس کا ہاتھ تھامنا چاہا، اگلے پل اس کا پاؤں پھسلا اور وہ لان میں پیٹ کے بل گر پڑی تھی۔ اس کی طبیعت بہت خراب تھی۔ اس کی ڈیلیوری میں ابھی وقت تھا لیکن اس کی تشویش ناک حالت کے پیش نظر اس کا آپریشن کرنا پڑا تھا۔

پوتے کی پیدائش کی خبر نے جہاں فاطمہ کو ان کا کھویا ہوا معید انصاری لوٹا دیا تھا وہیں سارہ کی بگڑتی ہوئی حالت ان دونوں کے لیے شدید پریشانی کا باعث تھی۔

''ہم نے بہت کوشش کی لیکن سارہ کی طبیعت بگڑتی جارہی ہے ڈاکٹر حدید۔ گرنے کے باعث اندرونی ٹشوز پھٹنے سے ان کا بہت سا خون بہہ گیا ہے اور انہیں ہیمرج ہوگیا ہے، ان کا بلڈ پریشر ناقابل یقین حد تک لو ہورہا ہے۔ ایسی حالت میں وہ آپ سے ملنے کی ضد کررہی ہیں۔ ہم انہیں زیادہ بات کرنے کی اجازت نہیں دے سکتے لیکن وہ مسلسل آپ سے ملنے کی درخواست کررہی ہیں۔'' ڈاکٹر کی ناامیدی حدید کو پریشان کررہی تھی۔

❁......❁......❁
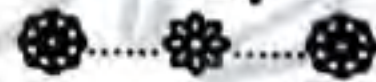
''میں آپ سے کچھ کہنا چاہتی ہوں۔'' وہ بہت تکلیف میں تھی۔ آکسیجن کا پائپ اترنے سے اسے سانس لینے میں بھی پریشانی ہورہی تھی۔

''تمہیں اس وقت آرام کی ضرورت ہے۔ ہم بعد میں بات کرسکتے ہیں۔'' حدید کو اسے دیکھ کر تکلیف ہوئی۔

''شائد پھر وقت نہ ملے۔ آپ سے ایک وعدہ چاہتی ہوں۔'' اسے بولنے میں دقت ہورہی تھی۔

''بولو۔ میں وعدہ کرتا ہوں تمہاری ہر خواہش پوری کروں گا۔''

''معید انصاری اپنے بیٹے کا نام حیدر رکھنا چاہتا تھا میں اس کی ذمہ داری آپ کو سونپ رہی ہوں۔ اسے معید انصاری کی طرح پولیس سروس جوائن کرائیے گا۔ ایک ایمان دار اور فرض شناس پولیس آفیسر!''

''تمہیں کچھ نہیں ہوگا، ہم اسے مل کر پالیں گے۔ سارہ میں تم سے، بہت محبت......'' حدید کی بات مکمل نہیں ہوئی تھی۔ سارہ کا ہاتھ حدید کے ہاتھ سے پھسل کر بستر پہ گر پڑا تھا۔

❁......❁......❁

''تم دونوں کو سال گرہ مبارک ہو۔'' وہ لاؤنج میں لگی سارہ اور معید کی تصاویر کے سامنے کھڑا تھا۔ اس کا لہجہ آج بھی اتنا ہی پرتاثر اور دل میں اترنے والا تھا، اس کے بال کنپٹیوں سے سفید ہوچکے تھے۔ پچپن سال کی عمر میں بھی وہ بہت ہینڈسم لگ رہا تھا، اس کی آنکھوں میں نمی تھی۔ ادھوری محبت زندگی کا سب سے بڑا سانحہ ہوتی ہے۔ یہ آپ کو اپنے حصار میں کچھ ایسے جکڑ لیتی ہے کہ پھر موت ہی آپ کو اس کے پنجے سے چھڑا پاتی ہے۔

''میں تم دونوں جیسا خوش نصیب نہیں تھا جن کو چاہت کی خوشیاں میسر آئیں لیکن سارہ میں نے بھی تم سے اتنی ہی محبت کی تھی۔ تم معید انصاری کے لیے مرگئیں لیکن مجھے تمہارے لیے زندہ رہنا تھا۔ تم سے کیا وعدہ پورا کرنا تھا اور دیکھو میں نے آج اپنا وعدہ پورا کردیا۔ تم مجھے ایک امانت سونپ کے گئی تھیں اس وعدے کے ساتھ کے میں حیدر کو پولیس آفیسر بناؤں۔ اے ایس پی حیدر انصاری آج سے اپنی ڈیوٹی کا چارج سنبھالے گا۔ میں تمہاری محبت جیت نہیں سکا لیکن دوسرے کا پیار پالینا ہی تو محبت کی جیت نہیں ہوتی۔ میری محبت کی جیت یہی ہے کہ آج بھی میرے دل میں صرف تم ہو اور میں اپنی آخری سانس تک تم سے محبت کرتا رہوں گا۔'' اپنے فریم لیس گلاسز کو آنکھوں سے اتار کر ڈاکٹر حدید نے اپنی آنکھوں کے نم گوشوں کو صاف کیا اور کمرے سے باہر نکل گیا تھا۔

☺

موم کی محبت
راحت وفا

اک دل کا کہا مانو، اک کام کر دو
اک بے نام سی محبت میرے نام کر دو
میری ذات پہ فقط اتنا احسان کر دو
کسی صبح ملو اور شام کر دو

گزشتہ قسط کا خلاصہ

دروازہ کھولنے پر عارض کو سامنے دیکھ کر زیبا بے ہوش ہو جاتی ہے صفدر عارض کے ساتھ مل کر زیبا کو ہوش میں لانے کی کوشش کرتا ہے۔ زیبا کے ہوش میں آتے ہی عارض وہاں سے چلا جاتا ہے جبکہ صفدر زیبا کی بے ہوشی کو ایک سازش قرار دے کر اسے قصوروار ٹھہراتا ہے۔ بوبی ایک بار پھر شرمین کو منانے اس کے گھر آتا ہے اور اپنی محبت کا اظہار کرتے ہوئے اسے آفس جوائن کرنے کے لیے منت کرتا ہے۔ جس پر شرمین راضی نہیں ہوتی۔ حاجرہ بیگم (زیبا کی ماں) تنھی سے زیبا کو سمجھانے کے ساتھ دوسری شادی کا کہتی ہیں تو تنھی انکار کر دیتی ہے۔ لیکن حاجرہ بیگم اس کا انکار خاطر میں نہیں لاتی اور اسے سوچنے کا کہہ کر زیبا کی فکر میں مبتلا ہو جاتی ہیں۔ شرمین اذان کے ساتھ خوش رہتی اسے اپنے لیے ایک اچھی مصروفیت اذان کی صورت میں مل جاتی ہے زینت آپا شرمین کو بوبی کے کینیڈا جانے کا بتاتی ہیں شرمین زینت آپا کی تنہائی کا سوچ کر فکر مند ہو جاتی ہے۔ صفدر زیبا کو گھر سے نکالنا چاہتا ہے لیکن جہاں آرا بیگم بیچ میں آ جاتی ہیں۔ جس پر صفدر زیبا پر الزام رکھ کر جہاں آرا بیگم کو زیبا کا طلاق لینے کا مطالبہ بتا کر گھر سے نکل جاتا ہے جہاں آرا بیگم زیبا کو ہی قصوروار ٹھہراتی ہیں صفدر کی سمجھ میں نہیں آ رہا کہ وہ کس طرح عارض سے زیبا کی بے گناہی کی بات کرے جبکہ دوسری طرف عارض زیبا کو پہچاننے سے انکاری ہے۔ آغا جی (عارض کے بابا) عارض سے ناراض ہو کر گھر سے نکلتے ہیں اور راستے میں انہیں ہارٹ اٹیک ہو جاتا ہے۔ عارض صفدر کے ساتھ اسپتال پہنچتا ہے عارض مسلسل خود کو الزام دے رہا ہوتا ہے اور خود کو شرمین کا قصوروار ٹھہراتا ہے جبکہ صفدر اسے تسلیاں دیتا ہے۔ سنجنا نے کینیڈا میں عارض کے فلیٹ پر غیر قانونی کام شروع کر رکھا تھا۔ جس کی وجہ سے منیجر معید صاحب مشکل میں آ گئے تھے مقامی پولیس معید صاحب کو حراست میں لے لیتی ہے۔ عارض کو یہ سب معید صاحب کی مسز فون پر بتا کر ششدر کر دیتی ہیں۔ شرمین آغا صاحب سے ملنے اسپتال آتی ہے عارض اس سے اپنے رویے کی معافی مانگ کر رشتہ دوبارہ سے جوڑنا چاہتا ہے لیکن وہ انکار کر دیتی ہے۔ جس پر صفدر اسے سمجھانے کی کوشش کرتا ہے تب شرمین دوبارہ اسپتال آنے سے بھی معذرت کر لیتی ہے۔

اب آگے پڑھیے

❀......❀......❀

فون آف کر کے وہ ساکت نظروں سے صفدر کو تکنے لگا۔ صفدر کی آنکھوں میں استفہام، تجسس، استفسار اور خدشات تھے آغا جی کے کمرے کے باہر دونوں ایک دوسرے کے سامنے کھڑے تھے۔

"یقیناً کوئی بری خبر ہے۔" صفدر نے سکوت توڑا۔

"معید صاحب برین ہیمبرج کی وجہ سے مر گئے۔" عارض نے سخت مغموم لہجے میں بتایا تو صفدر کی دبی دبی چیخ نکل گئی۔

"کیا......؟"

"ہاں ان کی بیوی دہاڑیں مار مار کر رو رہی تھیں۔"

"لاک اپ میں۔" صفدر بڑبڑایا۔

"یقیناً شاید ٹارچر برداشت نہ کر سکے ہوں۔"

"اب......اب کیا کریں۔"

"میرا ذہن ماؤف ہو گیا ہے اس سچویشن کا کوئی حل نہیں ہے آغا جی چلے جاتے تو شاید ایسا نہ ہوتا۔" عارض شدید بے بسی کے عالم میں بولا۔

"لیکن اب تو ایسا ہو گیا ہے آگے کی سوچو۔"

"بہت برا ہوا معید صاحب کی فیملی کیا کرے گی۔"

"یار یہ تو پہلے سوچتے تمہاری بے وقوفی سے معید صاحب نے یہ سزا بھگتی۔"

"ٹھیک کہہ رہے ہو، جی چاہتا ہے وہ منحوس سنجنا مجھے کہیں مل جائے میں اس کو گولی مار دوں۔"

"چھوڑو بے کار باتیں کسی طرح سے ان کی مدد ہو سکتی ہے تو سوچو۔"

"میں کچھ نہیں سمجھ پا رہا۔"

"حقیقت تو یہ ہے کہ وہاں ریفرنس تو مل جائے گا، مگر سچویشن خراب میں کوئی بھی انوالو ہوا تو وہ بھی پولیس کی تفتیش میں شامل ہو جائے گا۔"

"نہیں، ورنہ وہاں کا نیٹس ہیں۔"

"کچھ بھی ہے آغا جی کو بالکل کچھ پتا نہ چلے۔"

"کبھی بھی پتا نہ چلے۔" عارض نے خوف زدہ ہو کر ہاں میں ہاں ملائی۔

"میرا ضمیر ملامت کر رہا ہے۔ جانے معید صاحب کس تکلیف سے گزرے ہوں گے؟"

"یہ تو ہے، ضمیر کی آواز دیر سے سنائی دیتی ہے۔" صفدر نے طنز کیا۔

"اللہ گواہ ہے میرا سنجنا سے کوئی تعلق نہیں تھا۔"

"میں گیا نا آغا جی منع کرتے رہے اور اب بھی خطرہ تو سر پر ہے۔"

"مجھے شرمین کی آہ لگی ہے۔" اس سے پہلے کہ وہ کوئی جواب دیتا، ڈاکٹر اور سسٹر آغا جی کے کمرے میں جانے کے لیے آ گئے۔

"آپ باہر ہیں، خیریت۔" ڈاکٹر نے ایسے ہی پوچھ لیا۔

"آغا جی سو رہے تھے تو ہم باہر آ گئے۔" صفدر نے بتایا۔

"او کے۔" وہ اندر چلے گئے۔

"تم ایسا کرو کہ آغا جی کا فون اپنے پاس رکھو اب فون آئے تو تسلی سے سمجھا دینا۔ مجھ میں اتنی ہمت نہیں۔"

"تو پھر فون مستقل آف کر دو۔"

"میرا سر درد سے پھٹ رہا ہے۔"

"میں کچھ دیر کے لیے گھر جارہا ہوں، پھر آتا ہوں۔" صفدر نے رسٹ واچ پر نگاہ ڈالتے ہوئے کہا۔
"یار بھائی اور امی کو کہنا دعا کریں۔" عارض نے ایک دم بہت اپنائیت سے کہا تو وہ بری طرح چونکا۔
"بھا...... بی......!" وہ بڑبڑایا۔
"ہاں، پلیز دعا کا کہنا۔"
"عارض دعائیں تو میری دہلیز سے باہر رہتی ہیں میری زندگی میں ایسا کوئی کردار نہیں۔" صفدر نے بحالت مجبوری بہت سنجیدگی سے کہا۔
"کیا مطلب؟"
"لمبی کہانی ہے تم سے شیئر کرنی ہے مگر یہ مناسب وقت نہیں، اللہ حافظ۔" صفدر نے سگریٹ نکالا اور ہونٹوں میں دبا کر بنا جلائے باہر نکل آیا۔ باہر پارکنگ کے قریب پہنچ کر سگریٹ سلگائی اور گاڑی سے ٹیک لگا کر دھواں فضا میں چھوڑنے لگا۔ اندر اور باہر دھواں ہی دھواں تھا۔ روز زندگی کے اس اہم مسئلے پر کوئی پیش رفت کا فیصلہ کرنا چاہتا تھا۔ مگر حالات کچھ کے کچھ ہو جاتے۔ اب آغا جی کی وجہ سے عارض شدید پریشانی میں مبتلا تھا اور پھر معید صاحب کی وفات نے تو اسے مزید ہلا کر رکھ دیا تھا ایسے میں اس سے کوئی بھی ایسی ویسی بات نہیں کی جاسکتی تھی مناسب وقت کی تلاش میں اتنے دن گزر گئے تھے سگریٹ کا آخری کش لے کر آخری حصہ زمین پر جوتے سے مسل کر گاڑی اسٹارٹ کی۔

❁......❁......❁

ایک ملٹی نیشنل کمپنی میں انٹرویو دے کر گھر پہنچی تو قدموں پر جم سی گئی، جو وکیل صاحب صبیح احمد کے دو ڈبے بند رکھوا گئے تھے جنہیں کسی کی مدد کے بغیر اندر لے جانا ممکن نہیں تھا ان میں سے ایک غائب تھا۔ پریشانی کے عالم میں لاک کھولا اور اندر آ گئی۔ انٹرویو کی وجہ سے اذان کو اسکول سے آف کرایا تھا وہ گھر پر موجود تھا۔ اندر کمرے میں نا صرف وہ موجود تھا بلکہ سامان کا ایک ڈبہ بھی کمرے میں ہی موجود تھا کھلا ہوا اس کا سامان کچھ باہر تھا اور کچھ اندر، وہ سوچ میں گم میز پر سر رکھے بیٹھا تھا۔
"اذان...... اذان۔" وہ سب بھول کر اس کی طرف بڑھی۔
"ہنہ۔" اس نے سر اٹھائے بغیر منہ سے کہا۔
"کیا ہوا؟ یہ سب کیا ہے یہ اتنا بڑا ڈبہ اندر کیسے آیا اور آپ نے کیوں کھولا؟" اس نے کئی سوال ایک ساتھ کر ڈالے۔
"ماسی عنایت کے ساتھ مل کے اندر لایا ہوں۔"
"مگر کیوں اور آپ کو کھولنے کی کیا ضرورت تھی؟" ڈبے سے باہر صبیح احمد کے سگار کے کئی ڈبے، پرفیومز، ٹافیاں، شرٹس پھیلی تھیں اور ڈبے کے اندر بھی ڈھیر ساری چیزیں تھیں اس کی اپنی حالت متغیر سی ہونے لگی۔ وہ سب چیزیں صبیح احمد کی یاد دلانے کو کافی تھیں۔ لرزتے ہاتھوں سے فرش پر پھیلی چیزیں اٹھائیں اور ڈبے کے اندر رکھتے ہوئے دو تین فوٹو نے اسے جھٹکا لگایا ایک تصویر تابوت کی تھی۔ ایک قبر کی اور ایک صبیح احمد کی پرانی زندگی کی تصویر تھی۔ بھیجنے والے نے تصویر کی پشت پر مرنے کا وقت، تدفین کا وقت بھی لکھ دیا تھا بے اختیار ہی دل الم سے بھر آیا آنکھیں بھیگ گئیں، پھر ایک دم اسے احساس ہوا کہ اذان کن انکھیوں سے اس پر نظر رکھے ہوئے ہے تو جلدی سے سنبھل گئی۔
"اذان، بیٹا آپ نے یہ نہیں کھولنا تھا چلو اب اٹھو ہاتھ دھو کر کچن میں آ جاؤ ہم کھانا کھاتے ہیں، بہت بھوک لگی ہے۔" مگر اذان ٹس سے مس نہ ہوا۔
"اذان بیٹا جلدی آؤ۔" اس نے سب سامان ڈبے میں ڈالا اور ڈبہ بند کر کے خوش گوار لہجے میں کہا مگر وہ وہاں سے اٹھ

کر باہر چلا گیا۔

"اذان..... اذان کہاں جارہے ہو؟" وہ پیچھے کہتی ہوئی لپکی، وہ برآمدے میں پڑی کرسی پر جاکر بیٹھ گیا تھا۔

"کیا بات ہے؟"

"ڈیڈی اب نہیں آئیں گے؟" وہ سر جھکائے جھکائے بولا۔ اس کا کلیجہ شق ہوگیا۔

"ک..... کس نے کہا؟"

"سارا سامان بھیج دیا اور وہ بکس کیوں بھیجیں۔" اس نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا تو وہ قدموں پر کھڑی نہ رہ سکی۔ عجیب سوال تھا جواب دینا مشکل ترین۔ دل افسردہ سے گویا اشکوں کا سیل رواں تھا جسے قابو کرنا محال تھا۔ بنا جواب دیے کمرے میں آ گئی لیکن وہ جواب چاہتا تھا پلٹ کر آیا جھٹکے سے بیڈ کے دائیں طرف والی ڈراز کھولی اس میں سے مردانہ والٹ نکال کر اس کی بھیگی آنکھوں کے سامنے کردیا۔

"یہ ڈیڈی کا والٹ ہے اس میں آپ کی فوٹو ہے۔" اس نے کہا تو شرمین نے تیزی سے اس کے ہاتھ سے بٹوہ لے لیا۔ وہ سمجھدار ہوگیا تھا صوفے پر جاکر بیٹھ گیا اس نے بٹوہ بنا کھولے اپنی طرف والی سائیڈ ٹیبل کی ڈراز میں رکھتے ہوئے سنبھل کر کہا۔

"اذان آپ نے مجھے کس کام میں لگادیا، بہت بھوک لگی ہے۔"

"آپ کھانا کھالیں۔"

"اور آپ وقت دیکھیں ذرا۔"

"مجھے بھوک نہیں ہے۔"

"یہ کیسے ہوسکتا ہے۔"

"یہ سامان واپس بھیج دیں۔" اس کی سوئی ابھی تک سامان پر اٹکی تھی۔

"یہ سامان انہوں نے اپارٹمنٹ خالی کرنے کی وجہ سے بھیجا ہے۔"

"واپس بھیج دیں۔" وہ اڑ گیا۔

"اوکے، میں ان سے بات کرکے بھیج دوں گی، چلو اٹھو، ماما کی بھوک کا خیال کرو۔" اس نے اسے بہلایا وہ مطمئن نہیں ہوا، البتہ اس کے ساتھ کچن کی طرف چلا آیا۔

❁.....❁.....❁

معمول کے مطابق وہ کرایہ داروں کی طرف کھیلنے نہیں گیا۔ کروٹ لے کر چپ چاپ سوگیا شرمین اس کے احساسات سمجھتی تھی وہ جان چکی تھی کہ اسے سامان دیکھ کر دکھ ہوا ہے۔ وہ صبیح احمد کی آمد چاہتا تھا مگر ان کے نہ آنے کا افسوس وہ اپنے رویے سے ظاہر کررہا تھا۔ شرمین کو اس معصوم کے جذبات کی قدر تھی مگر وہ اسے کیا بتاتی کہ اس کے ڈیڈی اب دنیا میں نہیں ہیں ان کا سامان ان کے کسی دوست نے بھیجا ہے۔ وہ اس معصوم کو یہ بھی نہیں کہہ سکتی تھی کہ ضرورت کی چھوٹی چھوٹی چیزیں کوئی سامان نہیں ہوتا استعمال کرنے والے کی زندگی کا حصہ ہوتا ہے یہ حصہ تب الگ ہوتا ہے جب استعمال کرنے والا جہاں سے رخصت ہوجائے۔ مگر یہ سوچ کر ہی تاسف بھری سرد آہ لبوں سے نکلی اور پھر فضا میں تحلیل ہوگئی۔ دل نے مجبور کیا تو دھیرے سے ڈراز کھول کے صبیح احمد کا بٹوہ نکال لیا ناک کے قریب لے جاکر ایسا لگا جیسے وہ اپنے پسندیدہ پرفیوم میں اس کے قریب ہوں، بٹوہ مہک رہا تھا۔ بڑی دیر وہ اس خوش بو کو محسوس کرکے غمگین ہوتی رہی۔ پھر اسے کھولا اس کے ہر پرت میں، ہر خانے میں صبیح احمد موجود تھے۔ مگر آخری حصے میں ایک تہہ شدہ صفحہ تھا اور وہیں سے اس کی پاسپورٹ سائز

تصویر نکلی اپنی تصویر دیکھ کر وہ حیران رہ گئی۔

"صبیح میری فوٹو ابھی تک......!" لب ہلے اور پھر خاموش ہو گئے اور پھر اس نے پھرتی سے وہ صفحہ کھولا ان کی خوب صورت ہینڈ رائٹنگ سامنے تھی۔

بہت آسان ہے کہنا
محبت ہم بھی کرتے ہیں
مگر مطلب محبت کا
سمجھ لینا نہیں آساں
محبت کھو کے پالینا
یہ ان لوگوں کے قصے ہیں
محبت کے جو مجرم ہیں
جو مل جانے پہ ہنستے ہیں
بچھڑ جانے پہ روتے ہیں
سنو......!
محبت کرنے والے تو
بہت خاموش ہوتے ہیں
جو قربت میں بھی جیتے ہیں
نہ وہ فریاد کرتے ہیں
نہ وہ اشکوں کو پیتے ہیں
محبت کے کسی بھی لفظ کا
چرچا نہیں کرتے
وہ مر کے بھی اپنی چاہت کو
کبھی رسوا نہیں کرتے
بہت آسان ہے کہنا
محبت ہم بھی کرتے ہیں
محبت ہم بھی کرتے ہیں

"اخاہ...... صبیح احمد کس درد کو جگا دیا آپ نے یہ سب کاش ہماری زندگی کی بنیاد بنتا، کاش، سب خواب پورے ہوتے، آپ نے مجھے ایک نئی کہانی میں الجھا دیا ہے انا کے خول کو توڑ کر اپنے گناہ کی تلافی کر لیتے تو میں تنہا نہ ہوتی اور آزمانے کو یہ معصوم نہ حل ہونے والا سوال مجھے سونپ گئے محبت کی قدر کیا ہوتی ہے محبت کے سوا، یہ آپ کی عنایتیں کہاں سنبھال رکھوں؟" اس نے بڑبڑاتے ہوئے کاغذ تہہ کر کے واپس تصویر سمیت بٹوے میں رکھا اور بٹوہ وہیں رکھ دیا۔ تکیے پر سر رکھا تو آنسو آنکھوں سے نکل کر تکیے میں دائیں بائیں جذب ہو گئے کسی اپنے کے مرنے جیسا دکھ اس کے اندر طوفان مچا رہا تھا۔

❁......❁......❁

آغا جی کی طبیعت خاصی سنبھل گئی تھی۔

قرآنی آیات کی عام فهم تفاسیر جنهیں

مشتاق احمد قریشی

نے مستند تفاسیر اور حوالوں سے آراسته کیا هے

کتاب کا نام	
تفسیر سورۃ اخلاص	تفسیر آیات ربنا اتنا
تفسیر معاذ اللہ	تفسیر سورۃ النصر
تفسیر سورۃ العصر	تفسیر سورۃ الهب
تفسیر سورۃ الکفرون	تفسیر آیات اللہ ذوالجلال
تفسیر سورۃ الفاتحہ	تفسیر سورۃ الشمس
تفسیر سورۃ کلمہ طیبہ	تفسیر سورۃ القریش
تفسیر سورۃ معوذتین	لقد خلقنا الانسان
تفسیر سورۃ الکوثر	تفسیر سورۃ القدر
تفسیر آیات السلام علیکم	آسمانی صحیفے اور قرآن
تفسیر آیات یایھا الذین امنو	تفسیر سورۃ الماعون
امام اعظم حیات وفقہی کارنامے	

ملنے کا پتا نئے افق گروپ آف پبلی کیشنز۔ 7 فرید چیمبر عبداللہ ہارون روڈ کراچی

اسلامی کتب خانہ۔ فضل الٰہی مارکیٹ چوک اردو بازار لاہور

مگر عارض صدیوں کا بیمار دکھائی دے رہا تھا آغا جی کی پٹی سے لگا مسلسل اپنے ضمیر کو ملامت کر رہا تھا۔ آغا جی نے ہولے سے آنکھیں کھولیں تو وہ خوش ہو گیا وہ ناخوش سے لگے۔

"فون..... فون میرا!" آغا جی فقط اتنا بولے تو عارض کی روح فنا ہو گئی۔ فون مانگنے کی وجہ بھی سمجھ میں آ گئی۔ وہ یقیناً معید صاحب کا پوچھنا چاہتے تھے۔

"وہ بابا، میں گھر رکھ آیا تھا ڈاکٹر نے آف کرا دیا تھا اور ہم ان شاء اللہ جلد گھر چلے جائیں گے۔" اس نے بھرپور اداکاری کر کے سمجھایا۔

"جاؤ، لے کر آؤ۔" بہت دھیرے سے انہوں نے حکم دیا۔

"آپ کو اکیلے چھوڑ کر نہیں جا سکتا۔"

"ڈرائیور، ڈرائیور کو بھیجو۔" اب وہ اور زیادہ بہتر انداز میں بولے۔

"آپ کو کس سے بات بات کرنی ہے۔"

"معید..... معید صاحب۔" وہ رکے۔

"وہ ٹھیک ہیں۔" اس نے ان کی گردن کے نیچے تکیہ ٹھیک کرتے ہوئے کہا۔

"کیسے۔"

"وہ فون پر پتا چلا تھا۔"

"کس نے بتایا؟" انہیں جیسے کرید لگ گئی۔

"بابا آپ کو زیادہ بولنے سے منع کیا ہے۔"

"میرا..... فو..... فون لاؤ۔" وہ بہت خفگی سے بولے۔

"ٹھیک ہے ابھی صفدر آتا ہے تو میں جاتا ہوں۔"

"نہیں، ابھی جاؤ، تمہیں کیا پتا کہ قید کیا ہوتی ہے، وہ ہمارا پرانا وفادار ملازم ہے۔ تم نے اسے کہاں پہنچا دیا۔" وہ جذباتی ہو گئے۔

"بابا پلیز آپ کی طبیعت خراب ہو جائے گی۔"

"ہو جانے دو، مجھے اس سے بات کرنی ہے۔"

"اوکے میں ابھی جاتا ہوں، خود ان کی خیریت پوچھتا ہوں۔"

"ارے، آپ آپ کیا پوچھو گے؟ منع کرنے کے باوجود اس لڑکی کو نہیں چھوڑا۔" وہ دوسری طرف گردن گھماتے ہوئے بولے۔

"بابا، اللہ گواہ ہے میں نے کبھی اس کی حوصلہ افزائی نہیں کی۔" وہ بہت شرمندہ ہو کر بولا۔

"جاؤ، یہاں سے پھر کسی کی بددعا لگی ہے۔"

"شاید یہ سچ ہو۔"

"شاید نہیں یقیناً۔" وہ گردن موڑے موڑے بولے۔

"بابا میرے اندر بھی دل ہے مجھے افسوس ہے۔"

"جاؤ یار افسوس سے کام نہیں چلتا، میری معید صاحب سے بات کراؤ۔" انہوں نے سخت بے زاری سے کہا وہ بہت پریشان ہو کر باہر آ گیا۔ معید صاحب تو دنیا میں نہیں رہے تھے وہ کس سے بات کراتا یہ صدمہ آغا جی کے لیے ناقابل

برداشت ہوگا، وہ شاید خود زندہ نہ رہ سکیں۔ کیونکہ جس طرح انہوں نے جانے کا فیصلہ کیا تھا اور ہوش میں آنے پر بار بار ان کا ہی تذکرہ کررہے تھے تو وہ کیسے یہ جھیل سکتے تھے کہ معید صاحب برین ہیمبرج کے باعث جیل میں ہی فوت ہوگئے۔

"عارض آخر یہ سچائی، یہ حقیقت کیسے اور کب تک چھپاؤ گے؟" وہ سخت اضطرابی کیفیت میں رو دینے کے قریب تھا کہ حیرت کا سفر شروع ہوگیا شرمین خوب صورت پھولوں کا گلدستہ تھامے آغا جی کی خیریت معلوم کرنے آئی اسے کمرے کے باہر دیکھ کر رکی نہیں، سیدھا کمرے میں چلی گئی وہ شرمین کو دیکھ کر مزید بے کل ہوگیا۔

❁......❁......❁

شرمین کو دیکھ کر آغا جی کے تن مردہ میں جیسے جان پڑ گئی تھی۔ اسے خلاف توقع سامنے پا کر وہ شدت جذبات سے رو دیے۔ شرمین نے ان کی آنکھیں صاف کیں۔

"آغا جی، پلیز آپ کی طبیعت خراب ہوجائے گی۔"

"یہ خوشی کے آنسو ہیں اور ندامت سے بھرے ہیں۔" انہوں نے رقت آمیز لہجے میں جواب دیا۔

"آپ کو نادم ہونے کی کوئی ضرورت نہیں۔" اس نے پیار سے ان کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھا۔

"مجھے تمہیں دیکھ کر بہت خوشی ہورہی ہے۔"

"صفدر بھائی نے بتایا ہوگا میں پہلے بھی آئی تھی آج بھی ان سے فون پر پوچھ کر آئی ہوں۔"

"صفدر نے بہت خدمت کی ہے اللہ خوش رکھے اسے میرا بہت دل چاہ رہا تھا تم سے ملنے کو، مگر عارض نے کسی قابل نہیں چھوڑا۔"

"چھوڑیں اس ذکر کو۔"

"شرمین عارض بڑی پکڑ میں آگیا ہے، بہت شرمندہ ہے، پریشان ہے۔"

"آغا جی آپ ایسی پریشانیاں ابھی قریب نہیں لائیں آپ کو آرام کرنا چاہیے۔" وہ جان بوجھ کر ان کی بات ٹال گئی۔

"یہ میری پریشانی ہی تو میری بیماری ہے عارض میری اکلوتی اولاد ہے مگر وہ اتنا بدل چکا ہے حالت دیکھی ہے تم نے برسوں کا بیمار لگنے لگا ہے۔"

"آغا جی مجھے عارض کے ذکر سے کوئی سروکار نہیں۔"

"شرمین وہ لڑکی فراڈ تھی اس کی حقیقت کھل چکی ہے۔" آغا جی نے یہ سوچ کر کہ شرمین کو سنجنا کے بارے میں علم ہوگا وہ جانتی ہوگی کہ اس کی خاطر عارض نے اسے ٹھکرایا ہے بات کی تو شرمین نے حیرت سے دیکھا۔

"کون لڑکی؟"

"وہ ہندو لڑکی سنجنا۔"

"سنجنا، کیا مطلب؟"

"اس کے بہکاوے میں عارض نے تمہارا دل دکھایا تھا۔" وہ بولتے بولتے کچھ تھک سے گئے سانس پھول گیا، شرمین نے روکا۔

"پلیز آغا جی آپ آرام کریں آپ کے لیے ابھی اتنا بولنا ٹھیک نہیں۔"

"وہ...... وہ ہمارے لیے مصیبت بن گئی، تمہاری بددعا لگ گئی، عارض میرا بچہ برباد حال ہوگیا۔" ان پر بیٹے کی محبت نے رقت طاری کردی۔

"آغا جی، میں نے کبھی کسی کو بددعا نہیں دی۔"

"جانتا ہوں لیکن بددعا کا تعلق خاموشی سے بھی ہوتا ہے۔"
"میری خاموشی میں صرف صبر اور شکر ہوتا ہے آپ فکر نہ کریں میں نے عارض کے لیے کبھی برا نہیں سوچا۔" اس نے بہت سنجیدگی سے کہا۔
"اسے خلوص دل سے معاف کردو۔"
"آغا جی میں خفا ہوں ہی نہیں تو کیسی معافی تلافی۔"
"خفا کی ایک شکل یہ بھی ہوتی ہے کہ آپ لاتعلق ہوجاؤ۔" وہ پھر ہمت کر کے بولے۔
"آپ پلیز اب آرام کریں میں پھر آؤں گی۔" وہ بولی۔
"ٹھیک ہے۔"
"اپنا خیال رکھیے گا۔"
"ہاں انتظار رہے گا۔"
"جی ضرور، اللہ حافظ۔" وہ یہ کہہ کر کمرے سے باہر نکلی تو باہر عارض اور صفدر دونوں موجود تھے وہ لحہ بھر کو ٹھٹکی اور پھر یہ کہہ کر آگے بڑھ گئی۔
"صفدر بھائی آج یا کل میرے پاس آیے گا۔" اس نے صفدر کے جواب کا بھی انتظار نہیں کیا۔ تیزی سے کوریڈور عبور کر گئی۔ یہ جانتے ہوئے بھی کہ عارض کی آنکھوں میں منت اور التجا تھی کہ وہ رک کر اس سے بات کرے، مگر اس نے یہ موقع عارض کو نہیں دیا، آج پہلی بار اس نارسائی کے صدمے میں سنجنا کا نام سن کر اضافہ ہوا تھا ایک لڑکی کی وجہ سے مسترد کرنے کا صدمہ ساتھ لیے جا رہی تھی۔

❁......❁......❁

اسپتال سے واپسی پر وہ مارکیٹ آ گئی۔ اذان کے لیے سفید جرابیں بنیان لینے تھے۔ کاؤنٹر پر بل ادا کر رہی تھی کہ پشت سے نسوانی آواز آئی وہ ایک دم پلٹی۔
"جی۔" پلٹ کر کہا تو پھر مسکرا کر ہاتھ آگے بڑھا دیا لیکن اگلے ہی لمحے مسکراہٹ غائب ہو گئی۔
"کشف تم۔"
"بالکل ویسی کی ویسی ہو طویل عرصے کے بعد مل رہی ہو۔" کشف نے بڑی گرم جوشی کا مظاہرہ کیا۔
"شکریہ آپ پاکستان میں۔" اس کا لہجہ گرم جوشی کا اس طرح اظہار نہ کر سکا۔
"ہاں میں تو ہزبینڈ کی ٹرانسفر کی وجہ سے شہر شہر گھوم رہی ہوں اب جہلم سے یہاں، بھائی جان ہم سے بچھڑ گئے۔ ہم بدنصیب آخری بار مل بھی نہ سکے۔"
"اوہ......" وہ انجان سی بنی رہی۔
"آؤ باہر جوس کارنر کے باہر بیٹھ کر گپ شپ کرتے ہیں۔" کشف نے آفر کی تو وہ ہکلا کر مسترد کر گئی۔
"وہ پھر بھی دراصل میں لیٹ ہو رہی ہوں۔"
"ایسی بھی کیا جلدی، تم سناؤ شادی وادی کی، شوہر بچے۔" کشف اسی طرح کی باتیں کر رہی تھی جیسی وہ ہمیشہ کرتی تھی صبیح احمد کی سب سے چھوٹی بہن جس سے کبھی کبھی ملاقات ہوتی تھی۔
"سب ٹھیک ہے، پھر ملیں گے۔"
"یار شرمین میں بھائی جان کے بیٹے کے لیے بہت روئی ہوں۔" کشف نے کہا تو اس کا دل دھک سے رہ گیا۔

"کہ...... کیا...... مطلب؟"

"بھائی جان، زندگی بھر خفا رہے، بیٹا جانے کہاں چھوڑ گئے؟"

"آپ کیسی بہن تھیں جو بھائی سے لاتعلق رہیں۔" ناچاہتے ہوئے بھی طنز زبان سے پھسل گیا۔

"بس کچھ سے کچھ ہوگیا، خیر اپنا ایڈریس دو، فون نمبر۔" کشف نے کہا تو وہ اور بری طرح پریشان ہوگئی۔

"ہاں، آپ اپنا فون نمبر بتاؤ۔" اس نے اپنے سیل فون کو آن کرتے ہوئے کہا۔

"اوکے۔" کشف نے اپنا نمبر لکھوانا شروع کیا تو اس نے محفوظ کرلیا۔

"اب بیل دو تمہارا نمبر آجائے گا۔" کشف نے کہا تو اسے ایسا ہی کرنا پڑا۔

"اوکے بائے پھر ملیں گے۔" وہ یہ کہہ کر تیز قدموں سے گاڑی کی طرف آگئی۔

"اوہ...... میرے خدا اب کیا ہوگا؟" فکر اور پریشانی کا ایک نیا مرحلہ شروع ہوگیا تھا، اس کی تو آنکھوں کے سامنے اندھیرا سا چھا رہا تھا۔ وہ اسی شہر میں آگئی تھی صبیح احمد کے بیٹے کی حق دار بننے کے لیے چکراتے سر کو تھام کر وہ گاڑی میں بیٹھی، ہاتھ کانپ رہے تھے۔

اذان کو یہ سچ بتانا مشکل تھا، اس معصوم کے لیے اور خود اپنے لیے اب جبکہ اس نے صبیح احمد کی وصیت کے سانچے میں خود کو ڈھال لیا تھا اذان کو یہ یقین دلا دیا تھا کہ وہی اس کی ماں ہے کشف تو حقیقت بتانے میں لمحہ ضائع نہیں کرے گی۔ اس کی اور صبیح احمد کی محبت کے دشمنوں میں صبیح احمد کی بہنیں اور لالچی ماں بھی شامل تھیں۔ ابھی تو کشف سامنے آئی تھی دوسری بڑی بہن کا سامنا باقی تھا۔ اذان کو صرف اس کے نام لکھ کر صبیح احمد نے بہت احمقانہ حرکت کی تھی یا کوئی انتقام لیا تھا۔ یہ پریشانی نہیں بہت بڑی تکلیف اور الجھن بن گئی، دیکھتے ہی دیکھتے لمحوں میں اب ساری دنیا کی نظروں میں اس کی کیا اہمیت رہے گی۔ وہ تو خود کو بھی کھو بیٹھی کچھ بھی تو اپنا نہیں رہا تھا۔

❁...... ❁...... ❁

کب لوٹا ہے بہتا پانی، بچھڑا ساجن روٹھا دوست
ہم نے اس کو اپنا جانا جب تک ہاتھ میں داماں تھا

صبیح احمد کی قبر کی تصویر دیکھتے ہوئے وہ روتی رہی، جانے کیوں؟ صبیح احمد سے محبت ترک ہوجانے کے بعد کیا اس کے لیے آنسو بہائے جاسکتے تھے یا اذان کے کھودینے کا خوف تھا وہ کمپیوٹر گیم کھیلتے اذان کو تک رہی تھی۔ صبیح احمد نہ رہے تھے، نہ لوٹے تھے ان کے لیے یہ سسکیوں کا طوفان نہیں اٹھا تھا بلکہ صبیح احمد کی وصیت نے اذان کو اس کی جھولی میں ڈال کر وہ رخصت ہوئے تھے۔ وہ ان کے بیٹے کو اب خود سے جدا نہیں کرسکتی تھی، مگر یہ کیسے حالات نے اپنا رخ دکھایا تھا اذان تو ڈیڈی کو بے وفا جان کر ان سے ناراض تھا کیا سچ جان کر اس سے خفا نہیں ہوجائے گا۔

"ماما آپ میرے ساتھ گیم کھیلیں نا۔"

"ہاں نہیں میں آپ کا یونیفارم استری کرنے لگی ہوں۔"

"رونے سے ڈیڈی کو فرق نہیں پڑتا۔" وہ کمپیوٹر اسکرین پر نظریں جمائے جمائے بولا۔

"پڑتا ہے ہم نے دوسرا ڈبہ تو کھول کر دیکھا ہی نہیں۔"

"میں نے نہیں دیکھنا۔"

"کیوں؟"

"انہیں واپس بھیج دیں۔"

"نہیں، آؤ دیکھتے ہیں۔"

"ماما! نہیں آپ دیکھیں۔" وہ برے سے انداز میں کہہ کر باہر چلا گیا تو وہ کچھ سوچ کر ڈبے کی طرف بڑھی اس نے ملازمہ سے ڈبے کو اندر تو رکھوا لیا تھا مگر اب تک اسے کھولا نہیں تھا۔

اس نے گھٹنے فرش پر ٹیک کے کچھ دیر بند ڈبے کو دیکھا اور پھر اس کی ٹیپ اتارا ڈبے میں سب سے اوپر ایک کوٹ تھا کچھ کتابیں تھیں۔ تعلیمی سرٹیفکیٹ تھے۔ ایوارڈز تھے اور بھی بہت کچھ تھا۔ اس نے ایک ایک چیز نکال کر اپنے آنچل کے پلو سے صاف کرتے ہوئے باہر نکالیں۔ سب سے نیچے صبیح احمد کے ساتھ اذان کی مسکراتی تصویر تھی۔ اس نے وہ تصویر نکال کر باقی سب چیزیں واپس ڈبے میں رکھ دیں اور تصویر لیتے ہوئے اس کے دماغ میں بس یہی خیال آیا کہ یہ تصویر کمرے میں آویزاں ہو مگر کہاں؟ چاروں اطراف نگاہ ڈالی پھر بیڈ کی سائیڈ ٹیبل ہی مناسب لگی۔ اسے ٹیبل پر رکھا ہی تھا کہ اذان آ گیا تصویر دیکھ کر خوش ہوا اور پھر سنجیدگی سے بولا۔

"ماما، یہ تصویر رکھ دیں۔"

"کیوں بھئی؟ اس میں تو آپ بہت کیوٹ لگ رہے ہو اور آپ کے ڈیڈی بھی۔"

"اور آپ نہیں ہیں۔" وہ برملا کہہ گیا۔ تو اس کی آنکھیں جھک گئیں بنا کچھ کہے واش روم میں گھس گئی۔ جلتی آنکھوں کو پانی ہی سکون دے سکتا تھا، پہلے خوب آنسو بہائے اور پھر ٹھنڈے پانی کے چھینٹے آنکھوں پر مارے، مگر آج بہت اداسی کا دن ثابت ہوا تھا۔ یادیں، آہیں اور سسکیاں جاگ اٹھی تھیں۔

خیال و خواب ہوئی ہیں محبتیں کیسی
لہو میں ناچ رہی ہیں وحشتیں کیسی
نہ شب کو چاند ہی اچھا نہ دن کو مہر اچھا
یہ ہم پہ بیت رہی ہیں قیامتیں کیسی
ہوا کے دوش پہ رکھے ہوئے چراغ ہیں ہم
جو بجھ گئے تو ہوا سے شکایتیں کیسی

منہ دھو کر اچھی طرح خشک کر کے واش روم سے باہر آئی تو اذان خاموش ایک ٹک اسی تصویر کو گھور رہا تھا۔ بڑی پیاس، محبت اور اداسی تھی اس کی آنکھوں میں، وہ صبیح احمد سے بہت محبت کرتا ہے یہ واضح دکھائی دے رہا تھا۔

❁......❁......❁

"ضمیر کا بوجھ باضمیر ہی اٹھا سکتے ہیں، بے ضمیر تو خود اپنے بوجھ تلے دب کے مر جاتے ہیں۔ ان کی بساند زدہ میت کا بوجھ بھی باضمیر ہی اٹھائیں مگر یہ بات تم نہیں سمجھو گے۔" صفدر کے اندر سے کڑواہٹ نکلی اور بھاپ اڑاتے کافی کے کپ میں اتر گئی۔

آغا جی کو اسپتال سے ڈسچارج کر دیا گیا تھا وہ دونوں انہیں افسردہ کسی گہری سوچ میں ڈوبا چھوڑ کر لاؤنج میں آ بیٹھے تھے۔ تب عارض نے آغا جی کی کیفیت کو ضمیر کی خلش قرار دیا تھا۔ صفدر نے موقع پا کر دل کی بات کر دی مگر وہ ناسمجھی کے عالم میں بولا۔

"ایسا نہ سمجھو کہ مجھے معید صاحب کا افسوس نہیں میں بہت مضطرب ہوں۔"

"ایسا ہی ہوتا ہے کسی کی آہیں مضطرب ہی رکھتی ہیں۔"

"تم نے دیکھا شرمین نے مجھ سے بات تک نہیں کی۔ جبکہ آغا جی مصر ہیں کہ شرمین سے معافی مانگ لوں۔"

"سوال تو یہ ہے کہ کیا شرمین معاف کرے گی۔" صفدر نے سگریٹ سلگایا۔
"ہاں اور معید صاحب کی بیوی بھی مجھے معاف کریں گی۔"
"اور بھی سوچ لو، میری بیوی کو بھی اپنے مجرم کی تلاش ہے۔" صفدر نے سگریٹ سلگائی۔
"کیا مطلب؟"
"اس کے اور میرے درمیان ایک گناہ گار آ گیا ہے، یہی وجہ ہے کہ ہم دونوں ہی فاصلوں پر کھڑے ہیں۔"
"تم نے ذکر تو کیا تھا کیا اب تک تم بھابی کو معاف نہیں کر سکے۔"
"گناہ گار مل جائے تو پہلے اس سے دو دو ہاتھ کرنے کی ضرورت ہوتی ہے۔" صفدر نے کہا۔
"یار بھابی کا کیا قصور، کیوں اپنی میرڈ لائف ڈسٹرب کرتے ہو؟" عارض کے لہجے میں زیبا کے حوالے سے ہمدردی اور نرمی ہی نرمی تھی۔ صفدر کو یہی بات حیرت میں ڈالے ہوئے تھی۔ وہ نہ چونکتا تھا، نہ گھبراتا تھا اس وجہ سے اسے زیبا جھوٹی لگتی تھی۔
"خیر میں چلتا ہوں، کوئی کام ہے تو بتاؤ۔"
"یار، بابا مجھ سے سیدھے منہ بات نہیں کر رہے کمرے میں تنہا سوچ میں پڑے ہیں، انہیں کمپنی کی ضرورت ہے ورنہ وہ معید صاحب کو لے کر بہت اپ سیٹ ہیں۔"
"ٹھیک کہہ رہے ہو، لیکن کب تک معید صاحب کی موت کو چھپاؤ گے۔ بہتر تو یہ ہے کہ خود بتا دو۔"
"نہیں، بابا کی طبیعت خراب ہو جائے گی۔"
"عارض نہ بتانے سے معاملات وہیں کے وہیں نہیں رہیں گے، خراب ہو جائیں گے۔"
"سوچنے دو، لیکن پلیز ابھی مت جاؤ۔"
"یار آفس سے چھٹیاں ہو گئی ہیں، امی اکیلی ہیں اور مجھ سے خفا ہیں۔ عبدالصمد کو مس کر رہی ہیں۔" صفدر نے بتایا۔
"اور شر...... شرمین اگر بابا کے پاس آ جایا کرے۔" وہ ہکلایا۔
"مجھے نہیں لگتا کہ ایسا ہو سکتا ہے اس کا بیٹا ہے، وہ جاب کرتی ہے اور پھر تم سے لاتعلق اور اجنبی بھی تو ہے۔"
"ہاں جانتا ہوں لیکن دل نہیں مانتا، کاش وہ ایک بار میری بات سنے۔"
"کاش، مگر میرے دوست یہ کاش جیسے لفظ بھی کبھی کاش کی حسرت سے باہر نہیں نکلتے، میں اتنا مصروف رہا کہ نہ اپنے حالات سدھار سکا اور نہ شرمین بہن سے تفصیلی بات کر سکا، انہوں نے بلایا ہے لیکن جا نہیں پایا۔"
"تو چلے جاؤ۔"
"ہمم، جاؤں گا۔"
"پھر میرے حوالے سے جاننا۔"
"اور وہ بچہ، اس کا کیا ہوگا؟" صفدر طنزیہ بولا۔
"وہ کچھ بھی نہیں تھی میرے یار۔"
"مگر بہت کچھ کیا تم نے اس کے لیے اب وہ کہیں غائب ہو گئی؟" صفدر نے مزید کاٹ دار بات کی۔
"تم نہیں سمجھو گے۔"
"بہتر ہے کہ تم سمجھنے کی کوشش کرو۔"
"اب شرمین بہن کو ان کے حال پر چھوڑ دو۔" صفدر یہ کہہ کر کھڑا ہو گیا۔

”ابھی نہ جاؤ۔“
”پھر آ جاؤں گا۔“
”اچھا ٹھیک ہے۔“
”بابا کو سب بتانے کی کوشش کرو۔“
”نہیں یار یہ ہمت نہیں ہے مجھ میں۔“ وہ کانپ اٹھا، صفدر کندھے اچکا کر باہر چلا گیا۔

❀......❀......❀

وہ گھر پہنچا تو ایک نئی مشکل اس کی منتظر تھی۔
زیبا نے وکیل کے ذریعے خلا کا نوٹس بھیجا تھا اس کے سر پر چھت آ گری۔ اسے زیبا سے یہ امید ہرگز نہیں تھی۔ اتنی جلد بازی کی ضرورت کیا تھی؟ اس کے پتنگے لگ گئے، آؤ دیکھا نہ تاؤ لفافہ لیے آندھی اور طوفان کی طرح کمرے سے باہر نکلا، جہاں آرا ملازمہ سے باورچی خانہ صاف کرا رہی تھیں اسے تیزی سے نکلتے دیکھا تو لپکیں آواز دی۔
”صفدر، صفدر...... رکو۔“ وہ رک گیا۔
”بیٹا غصے سے نہیں تحمل سے کام لینا، اس سے بات کرو، سمجھاؤ۔“ جہاں آرا نے آہستہ آواز میں سمجھایا۔
”نہیں، اب پانی سر سے گزر گیا ہے۔ میں اسے عبدالصمد کی خوشی منانے نہیں دوں گا۔ پہلے حالات جو بھی تھے۔ مگر اب وہ عمر بھر میرے نام کی تختی گلے میں ڈالے بیٹھی رہے گی اور عبدالصمد کو تو میں لے آؤں گا۔“ وہ گھن گرج کے ساتھ سخت غصے میں چلا گیا۔ وہ پھر پیچھے بھاگی۔
”صفدر مجھے ساتھ لے چلو، میں حاجرہ بہن سے بات کروں گی۔“
”امی وہ اس وقت آپے میں نہیں ہے، کسی کی نہیں سنے گی بس میں یہ نوٹس اس کی نظروں کے سامنے پھاڑ کے آؤں گا اور آپ افسردہ نہ ہوں عبدالصمد اب میری ضد ہے۔“ وہ شدید مشتعل سے انداز میں بولا۔
”مجھے معاف کردو صفدر میں نے زیبا کا انتخاب غلط کیا تھا۔“ وہ بہت شرمندہ ہو کر بولیں۔
”چھوڑیں امی، یہ میری قسمت میں لکھا تھا کوئی بات نہیں وہ عمر بھر میرے ہی نام سے جڑی سر پٹختی رہے گی۔ نہ میں رکھوں گا۔ نہ چھوڑوں گا۔“ اس نے فیصلہ کن انداز میں گاڑی اسٹارٹ کی، ذہن میں ایک بھونچال آیا ہوا تھا آنکھوں سے شعلے نکل رہے تھے۔ اس کو صرف یہ اندازہ تھا کہ وہ بنا عارض کی سچائی جانے ایسا کوئی قدم نہیں اٹھائے گی مگر یہ اس کا اندازہ غلط ثابت ہوا تھا۔ وہ تو ہر صورت، ہر ممکن طریقے سے آمادہ جنگ ہو کر سامنے آئی تھی۔ کھولتے دماغ کے ساتھ وہ اسے عبرت ناک سبق سکھانے چلا جا رہا تھا کہ اتنا بڑا قدم اٹھانے والی زیبا اب کوئی گڑگڑانے اور رونے دھونے والی زیبا نہیں رہی تھی بے خوف ہو گئی تھی۔ اس کے لیے اگر کچھ اہم تھا تو فقط عبدالصمد اپنا بیٹا جس کے بنا اس کی زندگی کا تصور محال تھا اور جو اسے کبھی عزیز نہیں تھا مگر اب کچھ عرصے سے وہ اسے یاد کرتا تھا مس کرتا تھا مس تو اکثر وہ اس دشمن جاں کو بھی کرتا تھا اس کی خوش بو اپنے اطراف محسوس کرتا تھا۔
”میں تمہیں اس نوٹس کی ایسی سزا دوں گا کہ تم عمر بھر یاد رکھو گی۔“ اس نے غصے سے سوچا گاڑی معمول سے زیادہ اسپیڈ میں دوڑ رہی تھی۔ اسے کچھ ہوش نہیں تھا کہ وہ ٹریفک کے اژدھام میں سے کیسے گاڑی بھگا رہا ہے۔ کئی جگہوں پر حادثہ ہوتے ہوتے بچا لیکن پھر ہو کر ہی رہا ایک ضعیف بابا جی گاڑی کی زد میں آئے اور لہولہان ہو کر سڑک پر گر گئے۔ وہ سناٹے میں آ گیا گاڑی روک کر باہر نکلا اور پھر تو جیسے وہ مکھیوں کے چھتے میں پھنس گیا۔ مشتعل چند افراد نے اسے مارنا پیٹنا شروع کر دیا وہ بچاؤ کرتا رہا مگر ہمارے ہاں ہجوم کب کسی کی سنتا ہے ٹریفک وارڈن نے پہنچ کر اس کو بچایا اور ایمبولینس بلوائی،

زخمی بابا جی کو پولیس کی گاڑی کے ہمراہ اسپتال لے جایا گیا اور اسے تھانے پہنچا دیا گیا۔

❁.....❁.....❁

اس میں کوئی شک نہیں تھا کہ عارض اس کا جگری اور پیارا دوست تھا اس نے بروقت تھانے پہنچ کر سب معاملات رفع دفع کرائے، پرچہ نہیں کٹنے دیا، بزرگ کی جان بچ گئی تھی۔ عارض نے بیس ہزار کیش بزرگ کی بیوی کے حوالے کیے اور اسپتال کے بھی اخراجات ادا کرنے کی گارنٹی دی، صفدر غصے میں اور لحہ خاموشی میں تھا، گاڑی عارض چلا رہا تھا وہ باہر گھور رہا تھا۔

"اب سب معاملات ٹھیک ہوگئے ہیں، پریشان کیوں ہو؟" عارض نے کہا۔

"ابھی تو معاملات اور دماغ ٹھیک ہونا باقی ہے۔" وہ سنجیدگی سے بولا۔

"یار سچ پوچھو تو مجھے تمہارے جذباتی ہونے کی وجہ سمجھ میں نہیں آئی۔" عارض نے گاڑی چلاتے ہوئے گردن گھما کر پوچھا۔

"یہ..... یہ..... ہے وجہ.....!" صفدر نے ڈیش بورڈ سے وہی رجسٹرڈ لفافہ اٹھا کر اس کے اسٹیئرنگ پر رکھے ہاتھ پر مارا، عارض نے کچھ تعجب سے لفافہ دیکھا اور گاڑی رائٹ سے لیفٹ جا کر روکی۔

"یہ کیا ہے؟" لفافہ کھولتے ہوئے اس نے سرسری طور پر پوچھا۔

"پڑھ لو۔" اس نے بہت غصے سے کہا تو عارض نے تہہ شدہ کاغذ سیدھا کیا، لحہ بہ لحہ اس کے چہرے کے تاثرات بدلتے چلے گئے۔

"یہ بھابی نے بھیجا ہے۔"

"ہاں، ایسا ہونے کے لیے ایسا ہونا ضروری نہیں تھا اس لیے مجھے غصہ ہے۔" اس نے کہا۔

"مجھے یقین نہیں آرہا، اتنا بڑا فیصلہ۔" وہ سخت پریشان ہو کر بولا۔

"میں اس کو سبق سکھانے جا رہا تھا۔"

"ریلیکس، یار غصہ مسئلے کا حل نہیں، بھابی ایسا کیوں کرنا چاہتی ہیں۔"

"اس کی گناہ آلود زندگی میرے لیے بے معنی ہے۔"

"گناہ آلود۔"

"ہاں میں اسے آزاد کردیتا مگر اس کے اس اقدام پر غصہ ہے۔ اب میں عبدالصمد کو چھین کر اسے ہمیشہ کے لیے لٹکا دوں گا، نہ وہ جئے گی نہ مرے گی۔" صفدر نے سب کچھ سچ سچ کہہ دیا۔

"صفدر ایسے نہ سوچو، غلط فہمیاں ہوتی ہیں، بات کرنے سے دور ہو جاتی ہیں۔"

"عارض میری زندگی ایک جہنم بن گئی ہے زندگی کی الجھنوں میں الجھ کر اس جہنم کی تپش سے دور ہو جاتا ہوں باقی تو یہ بڑی تلخ حقیقت ہے۔"

"تمہیں بھابی کے حوالے سے غلط فہمی ہو سکتی ہے۔"

"شادی کی رات ہی اس نے سب کچھ بتا دیا تھا۔ تب سے اب تک نفرتوں، لڑائیوں میں وقت گزرا، اگر کوئی پل خوش گوار بنا تو وہ صرف عبدالصمد کے دنیا میں آنے کی وجہ سے بنا۔"

"اوہ یار بڑے پن کا ثبوت دو، میں بات کرتا ہوں بھابی سے، بلکہ جا کر میں ملتا ہوں، تم تو بات بگاڑ دو گے۔" عارض نے کہا تو صفدر کو پوری شدت سے عارض کی بے گناہی کا یقین آ گیا۔

”تم......!“

”ہاں یہ لیٹر میں خود لے کر جاؤں گا۔“ عارض نے گاڑی اسٹارٹ کی۔

”مگر......!“

”اگر مگر کیا، مجھے دھکے دے کر تو نہیں نکال دیں گی، اگر نکالیں گی تب بھی یار کی خاطر سب قبول ہے۔“ عارض نے اس کی طرف دیکھا ہی نہیں بلکہ اس کے چہرے پر جانے کیا تلاش کرنا چاہ رہا تھا۔

”تم آرام کرو، اب میں خود معاملہ حل کرتا ہوں۔“ عارض نے مسکرا کر کہا تو وہ خاموشی سے اسے دیکھتا رہا، ایک طرح سے تو یہ اچھا ہونے جارہا تھا۔

❀......❀......❀

اذان کو اسکول چھوڑ کر وہ سیدھی زینت آپا کے پاس پہنچ گئی۔ اخبار ان کے سامنے رکھا تھا اسے دیکھ کر وہ سمجھ گئیں کہ وہ اخبار میں چھپنے والا اشتہار دیکھ کر ہی آئی ہے۔

”آپا یہ سب کیا ہے؟“

”شرمین میری صحت کاروبار سنبھالنے کی اجازت نہیں دے رہی ویسے بھی میں نے دولت کا کیا کرنا ہے، چلتا ہوا کاروبار نیلام ہوجائے زیادہ بہتر ہے۔“ انہوں نے کہا۔

”لیکن آپا آپ ناامید کیوں ہوئیں۔“ اسے بہت افسوس ہورہا تھا۔

”کون سی امید بچی ہے بوبی جاچکا ہے میں اکیلی اتنی بڑی کوٹھی میں گھبرا جاتی ہوں۔“ ان کی آواز بھرا سی گئی تھی۔

”سوری آپا میں نے بھی آپ کو تکلیف دی، لیکن آپ خود سوچیں کہ یہاں بوبی کی وجہ سے رہنا محال تھا اور اب اذان بھی ہے۔“

”اب تو بوبی جاچکا ہے اور اذان سے تو میرا بھی دل بہل جائے گا۔“ وہ ایک دم خوشی کے ساتھ بولیں۔

”لیکن اچھا نہیں لگتا بوبی سن کر سوچے گا کہ میں بیٹے سمیت آپ کے پاس آگئی ہوں۔“

”شرمین سب بھول جاؤ، میرے لیے میرے پاس رہو۔“ وہ ایک دم منت آمیز لہجے میں بولیں۔

”آپا شرمندہ نہ کریں آپ میرے ساتھ چل کر رہیں۔“

”اور یہاں یہ سب ملازم، اتنا بڑا گھر چھوڑ کر میں تمہیں تنگ کروں، تم اذان کے ساتھ میرے پاس آجاؤ کاروبار بے شک سیل کردو۔“

”آپا بہت مشکل کام ہے یہ اذان ایڈجسٹ نہیں کرپائے گا بار بار آنا جانا عجیب لگتا ہے۔“

”کچھ عجیب نہیں لگتا بیٹا بیگم صاحبہ اکیلی پریشان رہتی ہیں۔ بھولی کی بھی شادی کررہا ہوں وہ گاؤں چلی جائے گی آپ یہاں آکر رہو۔“ بابا نے سمجھایا۔

”بابا اب میں سیٹ ہوچکی ہوں۔“

”کیسی سیٹنگ، ہم سب سامان گھنٹوں میں لے آئیں گے۔“ بابا نے کہا۔

”اچھا لیکن اذان سے پوچھنا پڑے گا۔“

”پوچھ لو، بابا آپ ناشتہ لاؤ میں شرمین کے ساتھ ناشتہ کروں گی۔“ آپا نے خوشی سے کہا۔

”یہ آپ کی وجہ سے بیگم صاحبہ مسکرائی ہیں اور ناشتہ مانگا ہے۔“ بابا یہ کہتے ہوئے کچن کی طرف چلے گئے۔

”میں سمجھ سکتی ہوں آپ کی بیماری کی وجہ تنہائی اور بوبی کی جدائی ہے۔“

”بوبی کوتو میں نے اللہ کی نگہبانی میں چھوڑ دیا، اللہ اسے ہدایت دے کر خود لے آئے گا، زمانے کے سبق کے بغیر وہ سدھرے گا نہیں۔“

”اللہ اسے ہدایت دے گا ان شاء اللہ۔“

”بس آپ آج ہی آ جاؤ۔“

”آپا اذان سے پوچھوں گی اسے ذہنی طور پر تیار کرنا ہوگا، وہ بہت حساس بچہ ہے۔“

”کرلو بات مگر وہ بھی خوش رہے گا۔“

”اور کاروبار کا یہ اشتہار۔“

”مرضی ہے تمہاری۔“

”چلیں فی الحال اس اشتہار کی معذرت چھپوا دیں اتنی محنت کو کیسے بیچا جاسکتا ہے۔“ اس نے کہا۔

”یہ لو بیٹا گرما گرم ناشتہ۔“ بابا ٹرے میں ناشتہ لے آئے۔

شرمین نے زینت آپا کو رغبت سے ناشتہ کرتا دیکھ کر خوشی محسوس کی، انسان کی خوشی دوسرے انسان کو خوش دیکھنے میں ہوتی ہے، شرمین تو بنی ہی خوشیاں بانٹنے کے لیے تھی۔

❁......❁......❁

اس نے اذان کی پسند کا کھانا پکایا تھا۔ وہ کمرے میں تھا، چینج کر کے آیا اور اندر کمرے میں کھانا لانے کا کہہ گیا۔ وہ جب کھانا لے کر اندر پہنچی تو وہ پراسرار سی مسکراہٹ لبوں پر سجائے بیٹھا تھا وہ چونکی تھی، لیکن ٹرے سینٹر ٹیبل پر رکھنے کے بعد مڑی تو ہونق سی رہ گئی۔ اذان نے جانے کیسے اپنی اور صبیح احمد کی تصویر میں اس کی فوٹو کاٹ کر چپکا دی تھی۔

”یہ کیا...... کیا؟“ اس نے تصویر کی بابت پوچھا وہ خوشی سے کھل کر بولا۔

”کمپلیٹ فیملی۔“

”پر آپ نے کیسے کیا؟“

”میں نے نہیں میرے دوست دانش نے کیا۔“ اس نے بھولپن سے بتایا۔

”مطلب آپ فوٹو اسکول لے گئے تھے۔“

”ہاں۔“

”لیکن ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا۔“

”ماما مجھے آپ کی تصویر بھی لگانی تھی نا۔“

”مگر دیکھو اس طرح آپ نے اپنی اور ڈیڈی کی خوب صورت تصویر خراب کردی۔“ وہ یہی کہہ سکی تھی۔

”نہیں یہ اب خوب صورت ہوئی ہے۔“

”مگر یہ بری لگ رہی ہے۔“

”نہیں آپ کو کیا ہے؟“ وہ اڑ گیا تصویر اٹھا کر سینے سے لگالی۔

”اچھا رکھ دو کھانا کھاؤ۔“ اس نے بحث مناسب نہیں سمجھی۔

”دانش کہہ رہا تھا تمہاری ماما بیوٹی فل ہیں۔“ وہ خوش ہو کر بولا۔

”بیٹا اپنے گھر کی چیزیں ماما کو بتائے بغیر نہیں لے کے جاتے۔“ اس نے پلیٹ میں سالن ڈالتے ہوئے سمجھایا۔

”ماما ڈیڈی آئیں گے تو ہم پھر فوٹو بنوائیں گے۔“ اس نے معصومیت سے کہا تو نوالہ اس کے حلق میں پھنس گیا اس کی

معصوم خواہش اور اس کی بے بسی آمنے سامنے تھیں۔
"کبھی ڈیڈی سے ناراض ہوتے ہو اور کبھی اتنا یاد کرتے ہو۔"
"بس وہ ہمارے پاس کیوں نہیں آتے۔"
"اذان ہم آپ سے ایک بات پوچھنی تھی۔" اس نے موضوع بدلا۔
"ہمم۔"
"ہم نانو کے پاس چل کر رہیں۔"
"کیوں؟"
"اس لیے کہ انہیں ہماری ضرورت ہے اتنا بڑا گھر ہے آپ کو بھی مزہ آئے گا۔" اس نے بڑے قرینے سے بات کی، وہ سوچ میں پڑ گیا۔
"وہ انکل اچھے نہیں ہیں۔"
"وہ...... وہ تو بزنس کے لیے کینیڈا چلے گئے ہیں۔"
"اور ڈیڈی؟"
"کیا ڈیڈی۔"
"وہ کہاں رہیں گے؟"
"وہ، وہ جب آئیں گے تو ہم اپنے ساتھ رکھیں گے۔" اس کا حلق تر ہو گیا وہ کچھ زیادہ ہی صبیح احمد کو یاد کر رہا تھا وہ یہ یاد کیسے مٹا سکتی تھی کوئی بازار سے ملنے والا کھلونا تو نہیں تھا کہ لا دیتی، وہ تو ایسی دنیا کو جا چکے تھے جہاں سے کوئی کبھی لوٹ کر نہیں آیا وہ اسے کیسے یہ سچ بتائے کہ اب اس کے ڈیڈی کبھی نہیں آئیں گے۔
"ماما مجھے سونا ہے۔" اسے سوچ میں گم دیکھ کر وہ ہاتھ دھونے گیا اور پھر آ کر کہا۔
"ٹھیک ہے مگر نانو کے گھر والی بات پر سوچنا ہے۔" اس نے خالی برتن سمیٹے اور کمرے سے چلی گئی وہ بیڈ پر آنکھیں موند کر سوتا بن گیا۔

❁......❁......❁

اسی شام جب وہ اپنے اور صبیح احمد کے درمیان پیدا ہو جانے والے فاصلوں کے درمیان سوچ رہی تھی تو عارض جانے کیسے آ نکلا؟ پہلے تو اس نے چاہا کہ سختی سے جھڑک کر بھیج دے مگر اذان نے اسی وقت خوب صورت گلابوں کا گلدستہ اس کے سامنے کر دیا۔
"ماما یہ انکل لائے ہیں۔"
"واپس کر دیں۔" اس نے سخت برہمی سے کہا۔
"نہیں بیٹا! یہ آپ کے لیے آپ لے جاؤ۔" عارض نے موقع کی مناسبت سے اذان کو کہا۔
"اذان آپ شبانہ آنٹی کی طرف جاؤ۔" اذان نے پھول وہیں عارض کو واپس تھمائے اور خود کرائے دار والے پورشن میں چلا گیا۔
"اندر آنے کا نہیں کہیں گی۔"
"میں آپ سے یہاں آنے کی وجہ جاننا چاہتی ہوں۔" اس نے روکھے پن سے جواب دیا۔
"بابا نے بلایا ہے۔"

"کیوں؟"
"بس کچھ کہنا ہوگا۔"
"کسی وقت چکر لگالوں گی۔"
"ساتھ لانے کو کہا ہے۔"
"نہیں آپ کے ساتھ جانے کا میرا کوئی ارادہ نہیں۔"
"یہ بچہ۔"
"یہ میرا بیٹا ہے اذان۔" اس نے برملا کہا تو غیر یقینی نظروں سے عارض نے اس کی آنکھوں میں دیکھا، جیسے کہہ رہا ہو کہ یہ جھوٹ ہے مگر یہ بات وہ کہہ نہیں سکا۔
"پوچھنے کا حق نہیں ہے تم کہہ رہی ہو تو سچ ہی ہوگا۔"
"جی اور کچھ۔"
"پلیز اندر تو آنے دو۔"
"جی آیئے۔" اس نے راستہ چھوڑ دیا، وہ اندر آ گیا۔
"شکریہ۔"
"کس بات کا؟"
"اندر آنے کی اجازت دی۔"
"اپنے اپنے ظرف کی بات ہے۔"
"شرمین میرا ظرف چھوٹا ہی تھا اور بدگمان بھی تھا مگر پس پشت تمہاری خوشی تھی۔"
"اس بحث میں نہ پڑیے میری خوشی کا نام سجنا تھا آپ بھول رہے ہیں۔" اس نے چبا چبا کر کہا تو وہ چونکا۔
"یہ کس نے کہا؟"
"اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔"
"میں تو آج بھی صرف تم سے محبت کرتا ہوں، مگر میرا مقدر ہی خراب ہے۔"
"آغا جی سے کہیے گا، میں کل شام کو آؤں گی۔"
"نہیں، وہ بہت اپ سیٹ ہیں، پلیز چلو۔"
"میرا بیٹا اکیلا نہیں رہ سکتا اور اسے میں ساتھ لے جانا نہیں چاہتی۔"
"کیوں، بلکہ اچھا ہے کہ آغا جی بہل جائیں گے۔"
"مگر میرے زخم ہرے ہو جائیں گے۔"
"یہ ہی تو کوشش ہے کہ زخم بھر جائیں۔"
"پلیز بے کار بحث نہیں۔"
"جسے بے کار بحث سمجھ رہی ہو وہ میری زندگی کا عنوان ہے۔"
"ہونہہ، مسٹر عارض کون سا عنوان، کون سی زندگی آپ نے ہی سب کچھ بدلا تھا اب میری زندگی اور اس کا عنوان بدل گیا ہے۔" وہ ایک دم بولتی چلی گئی۔
"اچھا فی الحال چلو، اپنے بیٹے کو ساتھ لے لو۔"

"اذان سوال کرے گا۔"

"بابا سنبھال لیں گے۔"

"آپ جاؤ، ہم آ جائیں گے۔" اس نے کہا تو وہ اثبات میں گردن ہلا کر چلا گیا۔

وہ اس کے جانے کے بعد کمرے میں آ کر بیڈ پر بیٹھ گئی۔ مشکل مرحلہ تو اس کے لیے تھا اذان کو بتانا، سمجھانا بہت آسان نہیں تھا۔

"آغا جی نے کیوں بلوایا ہے۔" اس کے دماغ میں یہ سوال کئی دفع آیا مگر مجبوری تھی آغا جی بزرگ تھے بیمار تھے ان کا حکم ماننا ضروری تھا یہ سوچ کر وہ اذان کے کپڑے نکالنے لگی۔

❁......❁......❁

فون کی گھنٹی بجی...... زیبا لپک کر اپنے موبائل فون کی طرف بھاگی، منھی نے دروازے سے مسلسل اس کو نوٹس میں رکھا ہوا تھا وہ مضطرب ہو کر، بے تاب ہو کر ہر فون بیل پر یا پھر بنا بیل کے بھی فون چیک کر رہی تھی اس وقت بھی عبدالصمد کے کپڑے چینج کرا رہی تھی کہ اس کو چھوڑ کر فون کے قریب پہنچی، مگر رانگ نمبر کہہ کر واپس آئی تو منھی نے کہہ ہی دیا۔

"قانونی نوٹس کے بعد فون کی گنجائش کہاں رہتی ہے؟"

"مجھے گنجائش کی ضرورت ہے بھی نہیں۔"

"جھوٹ۔"

"کیسا جھوٹ؟"

"تمہیں یہ آس ہے کہ صفدر بھائی تم سے بات کریں گے۔"

"نہیں وہ بہت ڈھیٹ اور ضدی ہیں۔"

"تو پھر اطمینان سے نوٹس کے جواب کا انتظار کرو۔"

"وہ شخص تو اس کے جواب میں فیصلہ ہی بھیجے گا۔" اس کی آواز بھرا گئی۔

"تو اچھی بات ہے، تم بھی تو یہی چاہتی ہو، تمہیں کون سا ان سے محبت ہے۔" منھی نے بھی تہیہ کر رکھا تھا کہ اسے کھری کھری سنائے۔

"میں، میں محبت کروں بھی تو کیا؟" وہ آنکھوں میں آئے اشک روک نہ سکی۔

"کرتیں تو شاید نتیجہ اچھا نکل آتا۔"

"تمہیں کیا پتا کہ میں کتنی محبت کرتی ہوں مگر ان کی نفرت بھی بہت زیادہ ہے۔"

"وہ نفرت محبت میں بدل جاتی ہے اگر انسان برداشت کرے۔" منھی نے جواب دیا۔

"کتنی برداشت؟"

"جتنی بھی کی جائے کم ہوتی ہے اور خود سوچو صفدر بھائی غلط نہیں ہیں کون مرد اتنا اعلیٰ ظرف ہوتا ہے۔"

"اللہ بھی معاف کر دیتا ہے۔"

"اللہ تو اللہ ہے انسان کا یہ مقام نہیں۔"

"اب تو جو ہونا تھا ہو گیا۔"

"ہاں، مگر اچھا نہیں ہو رہا۔" منھی نے کہا اور اس کے کمرے سے باہر چلی گئی، اسے آنسو بہانے کا موقع چاہیے تھا پھوٹ پھوٹ کر رو دی، صفدر سے محبت کا اعتراف یہ کیا کم تھا کہ وہ اس کے لیے بے قرار تھی۔

صفدر مجھے ضرورت ہے تمہاری...... سخت گرمی میں بارش کی طرح...... دھوپ میں...... محبت کے سائبان کی طرح...... بے چینی میں...... محبت کے حسین احساس کی طرح...... کاش
کاش......! تم جان سکو......!!

❁......❁......❁

اذان کے ہمراہ وہ جس وقت پہنچی آغاجی اپنے بیڈ پر تھے آنکھیں موندر کھی تھیں مگر تسبیح ہاتھ میں تھی اور ہاتھ متحرک تھے لب جنبش کررہے تھے عارض ان دونوں کے ہمراہ ان کے کمرے تک آیا تھا۔

"سورہے ہیں شاید۔"

"نہیں، میں جاگ رہا ہوں۔" آغاجی نے مسکراتے ہوئے آنکھیں کھولیں۔

"السلام علیکم!"

"وعلیکم السلام، جیتی رہو۔" انہوں نے سر پر ہاتھ پھیرا مگر کچھ حیرت سے اذان کو دیکھا وہ اس کا آنچل تھامے اجنبی نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔

"اذان، سلام کرو۔" اس نے اذان سے کہا تو اس نے جھٹ ہاتھ آگے بڑھا دیا مگر اس کی آنکھوں میں سوال تھا آغاجی کے متعلق، عارض کے متعلق اور اس سرخ اینٹ پتھر سے تعمیر شدہ بڑی سی کوٹھی کے متعلق۔

"یہ تو بہت پیارا بیٹا ہے ہمارے پاس آؤ۔" آغاجی نے بہت پیار سے اذان کو کہا تو وہ عالم محویت سے باہر نکلا۔

"بیٹا میں آپ کی آمد کا احسان مند ہوں۔" آغاجی بولے۔

"کوئی بات نہیں آپ بتایئے۔" وہ رسماً بہت اخلاق سے بولی۔

"عارض۔"

"جی بابا۔"

"ذرا کھانا اچھا سا پکواؤ خاص کر اذان بیٹے کے لیے۔" آغاجی نے عارض سے کہا۔

"جی بہتر۔"

"اور ہاں اذان کو ساتھ لے جاؤ پرندے دکھاؤ۔" انہوں نے دانستہ عارض کے ہمراہ اذان کو بھیجنا چاہا اذان نے شرمین کی طرف دیکھا تو شرمین کو کہنا پڑا۔

"جاؤ بیٹا۔"

"ہمارے ننھے مہمان کو آئس کریم بھی کھلاؤ۔" آغاجی نے کہا تو عارض نے مسکرا کر اذان کی طرف دیکھا وہ بھی خوش ہوگیا تھا ان دونوں کے جانے کے بعد وہ آغاجی کی طرف متوجہ ہوئی۔

"جی آغاجی۔"

"میرے دل میں ایک پھانس سی چبھی ہوئی ہے لڑکی کا ذکر میں نے تمہارے سامنے کیا تو انجانے میں تمہیں بہت تکلیف پہنچائی کیونکہ عارض نے مجھے بتایا کہ شرمین اس سنجنا کے بارے میں کچھ نہیں جانتی میرا دل دھک سے رہ گیا کہ......"

"آغاجی سنجنا میرا مسئلہ نہیں، عارض نے کس کے لیے میرے ساتھ ایسا کیا یہ مجھے پتا کرنے کی ضرورت نہیں، بس ایسا ہوگیا، سو ہوگیا۔" اس نے آغاجی کی بات کاٹ کر بڑے تحمل سے انہیں مطمئن کیا۔

"میں سمجھتا ہوں کہ یہی وجہ ہوگی۔"

"کچھ بھی ہو، عارض نے کسی بھی وجہ سے کیا کرتو لیا، میں نے سوچا ہی نہیں، مگر آپ کیوں ہلکان ہورہے ہیں، آپ کو ابھی ٹینشن نہیں لینی چاہیے۔"
"میں بہت کچھ کہنا تو چاہتا ہوں لیکن پیر ریت میں دبے ہیں۔"
"آپ کہیں اگر مجھ سے کچھ ریلیٹڈ ہے تو۔"
"نہیں، کچھ کہہ کر بھی بھرم جاتا ہے۔"
"آغا جی، آپ نے یہ کہنا تھا۔"
"نہیں میں نے کچھ کہنا ہے۔"
"بولیے۔"
"میں نے عارض کو معاف نہیں کیا، اس کی وجہ سے میرا وفادار ملازم جیل کاٹ رہا ہے وہ لڑکی سمجھتا ہے کہ پاکستان آنا چاہتی تھی ایسی صورت حال میں عارض نے مجھے پھنسایا ہے۔ مگر میں پھر بھی عارض کی دلی حالت سے واقف ہوں اور امریکہ جانے سے پہلے اس کی خوشی کی تم سے بھیک مانگنا چاہتا تھا مگر اب حالات اور ہیں۔"
"کون سے حالات؟"
"یہ بچہ.....؟" وہ ذرا سا رک کے۔
"آغا جی یہ میرے جینے کا مقصد ہے میرے کسی ایسے اپنے کی نشانی ہے جسے میں یاد بھی رکھنا نہیں چاہتی تھی مگر ایسا کرنے پر مجبور ہوگئی ہوں یہ مجھے ماں اور میں اسے بیٹا ہی سمجھ چکے ہیں۔" اس نے اشارے میں سب کہہ سنایا۔
"اور آپ کی اپنی زندگی۔"
"آغا جی، یہ آپ پوچھ رہے ہیں جو ملازم کی تکلیف پر پریشان ہو کر امریکہ جانا چاہتے ہیں یہ تو پھر معصوم تنہا بچہ ہے۔"
"ملازم کی تو بات ہی کیا کروں، میرا فون بقول عارض کہیں گم ہوگیا اور ڈاکٹر ابھی مجھے سفر کی اجازت نہیں دے رہا۔ مگر جیل بہت بھیانک جگہ ہوتی ہے وہ بھی ایک ادھیڑ عمر شخص کے لیے عارض کچھ چھپا رہا تھا لیکن میں کچھ کہہ کر جانا چاہتا ہوں۔"
"کیا؟"
"اگر میں جا کر زندہ نہ لوٹ سکوں تو تم اس گھر کو آباد کرو گی۔"
"آغا جی، فی الحال تو آپ ہرگز نہ جائیں اور کسی طریقے سے اپنے ملازم کی خیریت پتا کریں۔"
"ماما، ماما بارش ہو رہی ہے چلیں نا دیکھیں نا۔" اسی لمحے اذان بہت خوشی سے بھاگتا ہوا آ کر بولا تو وہ گھبرا گئی، اٹھ کھڑی ہوئی۔
"ارے بارش شروع ہوگئی، چلو فوراً۔"
"بارش بہت تیز ہے اولے بھی پڑ رہے ہیں فوراً جانا مناسب نہیں ہوگا۔" عارض نے اسی وقت آ کر کہا لیکن اس نے سنی ان سنی کر دی۔
"نہیں آغا جی اجازت دیجیے، اذان کو ٹھنڈک لگ جائے گی۔" وہ آغا جی سے براہ راست مخاطب ہوئی۔
"ارے بیٹا آپ جنگل میں نہیں ہو کچھ نہیں ہوتا اذان کو اور بارش رک ہی جائے گی تو چلی جانا ورنہ اپنا گھر ہے میرے ساتھ والے کمرے میں رہو۔" آغا جی نے بڑی اپنائیت سے کہا تو وہ ہکلا کر بولی۔
"نہیں وہ آغا جی پلیز۔"

''بیٹا میری خاطر اذان میرے پاس ہی سوئے گا کیوں اذان بیٹا؟'' آغا جی نے کہا تو اذان نے معصومیت سے شرمین سے پوچھا۔

''ماما میں انہیں کیا کہوں؟''

''نانا..... نانا جان..... اب چلو.....!'' وہ پرس اٹھا کر کھڑی ہوگئی۔

''کھانا تیار ہے۔'' عارض نے اطلاع دی۔

''بیٹا کھانا میرے ساتھ کھانا، تب تک بارش رک جائے گی۔'' آغا جی نے کہا تو وہ رد نہ کرسکی دوبارہ بیٹھ گئی لیکن اسے اچھا بالکل نہیں لگ رہا تھا بلکہ افسوس ہو رہا تھا کہ کیوں چلی آئی؟

❀...... ❀...... ❀
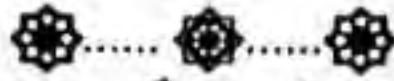
پرتکلف کھانا بھی آغا جی کے کمرے میں کھایا، قہوہ بھی پی لیا مگر بارش تو اتر سے جاری تھی۔ اذان آغا جی سے بہت بے تکلف ہوچکا تھا عارض کی چور نگاہوں کا تعاقب وہ خود کررہی تھی، اس کی آنکھوں میں بے پناہ منت تھی، محبت تھی، التجا تھی، بے بسی اور ندامت تھی۔ وہ جبکہ بہت مضطرب تھی اڑ کر بھاگ جانا چاہتی تھی۔ اٹھ کر بارش کا جائزہ لینے کے لیے باہر نکل آئی آسمان میں تو جیسے چھلنی لگی تھی پورا لان جل تھل کا منظر پیش کررہا تھا بارش کی طاقت سے بہت سے نازک پھول ٹوٹ کر پانی کا حصہ بن گئے تھے۔

''یہ بارش جلدی رکنے والی نہیں، مجھے آغا جی سے اجازت لینی چاہیے۔'' وہ یہ سوچ کر پلٹی تو عارض سینے پر ہاتھ باندھے پشت پر کھڑا تھا وہ ٹکراتی ٹکراتی بچی۔

''سوری۔'' بے اختیار ہی اس کے منہ سے نکلا تو اس نے جرأت کی۔

''بارش اچھا سائن ہوتی ہے۔''

''ہر انسان کا مختلف تجربہ ہوتا ہے۔''

''میں نے محبت کرنے والوں کی بات کی ہے۔''

''مجھے اس کا تجربہ نہیں۔'' وہ آگے بڑھنا چاہتی تھی کہ وہ آگے آ گیا۔

''معلوم ہے تم نے مجھ سے محبت نہیں کی۔''

''راستہ چھوڑو میرا۔''

''میں نے یہی تو پوچھا تھا کہ مجھ سے محبت کرتی ہو اور پھر یہ جواب نہیں آیا۔''

''اور پھر تمہیں اپنی فلرٹ ہابی پر بھی تو نئی فوٹو لگانی تھی۔'' اس نے بہت سرد لہجے اور سپاٹ انداز میں کہا۔

''تمہارے بعد کوئی فلرٹ ہے نا شمیر۔''

''اچھا، پلیز مجھے یہ سب نہ بتائیں، دیر ہو رہی ہے۔'' وہ آگے بڑھ کر بولی۔

''ابھی بارش نہیں تھمی، مت گھبراؤ میں تمہاری اصل محبت کے بارے میں نہیں پوچھوں گا کیونکہ میں جانتا ہوں۔''

''کیا مطلب؟''

''مطلب یہ کہ معافی کے دروازے تو اللہ بھی ہمیشہ کھلے رکھتا ہے۔''

''پلیز آپ ایسی باتیں نہ کریں۔''

''ایسا موسم پہلے بھی ہماری زندگی میں آیا تھا یاد ہے تمہارے گیلے بالوں سے ٹپکتا پانی میں نے اپنے لبوں سے چھوا تھا۔ تم دھل کر نکھر کر نرم و نازک گلاب کی کلی لگ رہی تھیں۔'' وہ ماضی کے خوب صورت کسی منظر میں کھو گیا۔

"ہنہہ، آپ کا دماغ چل گیا ہے، میں نے آ کر بہت بڑی غلطی کی۔" اسے غصہ آ گیا۔
"شرمین، مجھے غلط نہ سمجھو پلیز۔"
"غلط کو غلط ہی سمجھتے ہیں ویسے مجھے آپ کو نہیں سمجھنا" وہ سختی سے کہہ کر واپس آغاجی کے کمرے میں پہنچ گئی، اس کے جانے کے بعد وہ پُرملال سا برآمدے کے ستون سے ٹیک لگا کر صرف اسی کے لیے سوچتا رہا یہ سچ تھا کہ وہ آج کل اس کے اعصاب پر طاری تھی۔ جس قدر دور بھاگ رہی تھی۔ وہ اتنا ہی اس کے قرب کے لیے مچلا جا رہا تھا۔
"شرمین کتنے سلجھے ہوئے طریقے سے تم نے مجھے الجھا دیا آخر۔" یہ تمہارا نفرت آمیز انکار بھی تو اقرار میں بدلے گا تمہارے اس سلوک کا میں مستحق ہوں۔" وہ یہ سوچ کر کمرے میں آ گیا۔

انکار جیسی لذت اقرار میں کہاں
بڑھتا ہے عشق غالب اس کی نہیں نہیں سے

❀......❀......❀

اذان کو تو سمجھا بجھا کر مطمئن کر دیا۔
سارے راستے اس نے اتنے سوال کیے کہ وہ سخت الجھن کا شکار ہو گئی سڑکوں پر پانی تھا آسمان سے برستا پانی ایسے میں وہ گاڑی لے کر نکل تو آئی تھی لیکن بہت برے حالات تھے احتیاط کی اشد ضرورت تھی۔ ویسے تو عارض اس کی گاڑی کے پیچھے اپنی گاڑی چلا رہا تھا، آغاجی نے اس کی ایک نہ سنی تھی اسے زبردستی بھیجا تھا گیٹ تک چھوڑ کر وہ پلٹ گیا وہ دونوں بھاگ کر اپنے پورشن میں پہنچے۔
"ماما ہم نانا جان کے پاس ہی سو جاتے۔"
"نہیں بیٹا، صبح آپ نے اسکول جانا ہے۔"
"نانا جان کہہ رہے تھے کہ وہ یونیفارم ڈرائیور سے منگوا لیں گے۔"
"اچھا نہیں لگتا بیٹا ہم ملنے گئے تھے اور بس۔"
"وہ عارض انکل بھی کہہ رہے تھے۔"
"کیا؟" وہ چونکی۔
"کہ رات یہیں رک جاؤ، میں آپ کا انکل ہوں۔"
"چلو کپڑے چینج کر کے بستر پر آ جاؤ، میں دودھ لاتی ہوں۔" اس نے ٹالا۔
"ماما نانو یہاں کیوں نہیں رہتیں؟"
"کہاں؟" اس نے بے دھیانی میں پوچھ لیا۔
"نانا جان کے گھر۔"
"آپ نہیں سمجھو گے زیادہ باتیں نہیں کرتے۔" وہ یہ کہہ کر گئی کچھ ہی دیر میں واپس آئی دودھ کا گلاس اس کی طرف بڑھایا مگر وہ وہی تصویر آنکھوں سے لگائے بیٹھا تھا۔
"اذان، تصویر رکھ دو، دودھ پی لو۔"
"نانا جان اور انکل نے میرے ڈیڈی کا ذکر تک نہیں کیا، سب ڈیڈی سے خفا ہیں۔"
"کوئی خفا نہیں ہے آپ کے ڈیڈی ہم سب سے خفا ہو گئے ہیں۔"
"ماما ہم انہیں منانے چلیں؟"

"ہاں آپ کی چھٹیاں ہوں گی تو پروگرام بنائیں گے۔"
"ہم نانا کے گھر جائیں گے کیا؟"
"کیوں؟"
"نانا جان نے وعدہ لیا ہے کہ میں روزان سے ملنے آیا کروں۔" اذان نے دودھ پیتے ہوئے جواب دیا۔
"کوئی ضرورت نہیں ہے ہمارے پاس اتنا وقت نہیں ہے۔"
"عارض انکل آیا کریں گے وہی چھوڑیں گے۔"
"اذان۔" اس نے سختی سے پکارا تو وہ خاموش ہوگیا۔
"اذان، ہمیں کسی کو تنگ نہیں کرنا اور پھر پڑھائی بھی کرنی ہوتی ہے۔" اس نے کچھ سوچ کر نرم لہجے میں کہا اور اس کے بالوں میں پیار سے انگلیاں پھیریں وہ دودھ پی کر لیٹ گیا اس نے مین لائٹ آف کی خود اس کے سرہانے بیٹھ کر زندگی کو اول روز سے دہرانے لگی۔ کتاب زیست کے صفحے پھڑ پھڑا کر بدلتے رہے آنکھوں سے شبنم برستی رہی آپ ہی آپ صبیح احمد کی موت کا افسوس اور عارض کی موجودگی کا احساس صرف اس کی بے بسی کا سامان تھا۔ چاہ کر بھی نہ صبیح احمد کو روک سکی تھی اور نہ عارض کے لیے کچھ کرسکتی تھی۔
"بہت دیر ہوگئی پچھلے ساون کو بیتے دیر ہوگئی تم اب کیوں وہ لمحے یاد کرتے ہو؟" اس نے عارض سے گویا خود کلامی کی کتنا وجیہہ لگ رہا تھا سرمئی شلوار سوٹ میں دل میں سما جانے والے اسی پرانے انداز میں۔

❀......❀......❀

بارش کی شدت کافی کم ہوچکی تھی۔ وہ اپنے کمرے کی کھڑکی کھول کر باہر دیکھنے لگا کچھ دیر پہلے وہ باہر کے منظر کا حصہ تھی۔ قریب، بہت قریب کھڑی تھی۔ اس کے لان سے وہی مخصوص بھینی بھینی سی خوش بو آرہی تھی۔ حسن کی رعنائی آج بھی اسی طرح برقرار تھی بس اس میں اداسی شامل ہوگئی تھی اجنبیت سی آگئی تھی۔
"کاش شرمین تم ایک بار ہی میری آنکھوں میں اپنے لیے محبت دیکھتیں مگر تم تو اور سرابوں میں لپٹ گئی ہو، میں نے جس شخص کے لیے فاصلہ بڑھایا وہ تو تمہارے قریب اب دکھائی بھی نہیں دیتا اور مجھے نہیں معلوم کہ اس کا اب تمہاری زندگی میں کیا رول ہے یہ اذان کون ہے، تمہارے ساتھ اس کا حقیقی رشتہ ہے یا نہیں، میں صرف یہ جاننا چاہتا ہوں کہ صبیح احمد تمہاری ہے اگر تم اسی کی محبت ہو تو میں صرف معافی مانگنا چاہتا ہوں کہ مجھے معاف کردینا لیکن شرمین ایسا نہیں تو مجھے بتاؤ سچ کیا ہے جھوٹ کیا ہے میں کہیں غلط ہوں تو کہیں صحیح بھی ہوں میں اس وقت الجھا الجھا، بکھرا بکھرا ہوں میں نے دانستہ اذان سے کچھ نہیں پوچھا کچھ نہیں کہا کہ مبادا تم غلط سمجھو مگر میرے اندر جو جوار بھاٹا ابل رہا ہے وہ برداشت سے باہر ہے۔" سوچتے سوچتے ذہن تھک سا گیا تو بیڈ پر آڑا ترچھا آلیٹا، عین اسی وقت صفدر کا فون آگیا وہ بہت ڈسٹرب تھا اس کی امی بیمار ہوگئی تھیں پوتے کی جدائی میں اسے فون اٹینڈ کرتے ہی اس نے بتایا اور ساتھ میں پوچھ لیا۔
"ہاں کیا بنا، میرے کام کا؟"
"وہ، میں نہیں جاسکا بارش کی وجہ سے اور شرمین کی وجہ سے۔" اس نے بتایا۔
"کیا مطلب؟"
"مطلب، شرمین اور اس کا بیٹا اذان آئے ہوئے تھے۔"
"خیریت سے۔"
"بابا نے بلایا تھا، یار سب معمہ ہے تم تم نے بھی پتا نہیں کیا، شرمین کا بیٹا کہاں سے آگیا اور وہ اس کی پہلی محبت کہاں

گئی؟" اس نے اپنی جھنجلاہٹ اس پر انڈیل دی۔
"پہلی، دوسری، یہ فضول باتیں پوچھنے والی ہیں۔"
"ہاں، اس کے میرے درمیان سب واضح ہونا چاہیے۔"
"اگر وہ تمہارے اور اپنے درمیان ایسا چاہے گی تو تم نے سنجنا کی وجہ سے چھوڑا یا کوئی اور وجہ تھی یہ یقین کرنا بھی تو بہت مشکل ہے۔"
"صفدر سنجنا جھوٹ ہے فیک اسٹوری۔"
"تو پھر تمہارے ماغ میں پھوڑا نکلا تھا اس وجہ سے شرمین سے معذرت کر لی تھی۔"
"مذاق نہیں کرو۔"
"یار مذاق نہیں ہے، شرمین پوچھ سکتی ہے نا۔"
"میں سب بتادوں گا سب کہہ دوں گا۔"
"تو آج کہہ دیتے۔"
"وہ بات ہی نہیں کرتی۔"
"سلسلہ ملاقات جاری رکھو، کرلے گی۔"
"سوری میں کل ہی جاؤں گا۔"
"ٹھیک ہے ورنہ یا آر یا پار، میں نے بھی سوچ لیا ہے۔" صفدر نے فیصلہ کن انداز میں کہا تو اس نے روکا۔
"نہیں نہیں کوئی جلد بازی نہیں، تو نس ہی آیا ہے، اس پر بات ہو سکتی ہے۔" اس نے سمجھایا۔
"آغا جی ٹھیک ہیں نا۔"

بیتے لمحے

ماہنامہ آنچل نے آپ بہنوں کے لیے جنوری 2016ء میں سروے کا اہتمام کیا ہے سروے میں شامل ہونے کے لیے اپنے جوابات سات دسمبر تک ارسال کردیں۔
(۱) 2015ء میں آپ کی ذات میں رونما ہونے والی تبدیلی جس نے آپ کی زندگی کو بدل کر رکھ دیا؟
(۲) اس سال پیش آنے والا ایسا خوشگوار واقعہ جسے یاد کرکے اکثر مسکراتی ہیں؟
(۳) 2015ء میں منائے جانے والے تہواروں میں کسی شخص کی کمی کو شدت سے محسوس کیا؟
(۴) آنچل کی رائٹرز نے 2015ء میں اپنی تحریروں سے آپ کو کس حد تک مطمئن کیا اور آپ نے ان تحریروں سے کیا سبق حاصل کیا؟
(۵) 2015ء میں کسی رائٹرز کی تحریر میں آپ کو اپنی جھلک نظر آئی۔
(۶) گزشتہ سال کون سی کتابیں آپ کے زیر مطالعہ رہیں؟
(۷) گھر والوں کی جانب سے کن باتوں پر عموماً تنقید کا سامنا کرنا ہوتا ہے اور کن باتوں پر تعریفی کلمات سننے کو ملتے ہیں؟
(۸) نئے سال کے آغاز اور گزشتہ سال کے اختتام پر کیا خود احتسابی کے عمل سے خود کو گزارتی ہیں اور اپنی ذات کو کہاں دیکھتی ہیں؟
(۹) گزشتہ سال پیش آنے والا کوئی ایسا لمحہ جس نے آپ کو اپنے رب سے قریب کردیا ہو۔
آپ اپنے جوابات ہمیں ای میل بھی کرسکتے ہیں۔
info@aanchal.com.pk

"ہاں وہ تلوار بھی سر پر لٹک رہی ہے، انہوں نے جانے کی رٹ شروع کردی ہے اور میں خوف زدہ ہوں۔"
"یہ تو ہے کہ انہیں بہت صدمہ اور جھٹکا لگے گا۔"
"مجھے ان کی صحت کی فکر ہے۔"
"ہونی بھی چاہیے۔"
"چلو پھر کل ملاقات ہوتی ہے۔" صفدر نے یہ کہہ کر فون بند کردیا تو وہ پھر سے آنکھیں موند کر صرف اور صرف شرمین کے بارے میں سوچنے لگا۔
"تمہاری محبت بے شک صبیح احمد ہوں مگر میری پہلی اور آخری محبت صرف تم ہو۔" اس نے خیال میں شرمین سے کہا۔

❀......❀......❀

بارش کے بعد کھلی کھلی سی دھوپ میں خوش گوار دن کا آغاز اس نے بھرپور ناشتے کے ساتھ کیا آغا جی بہت خوش گوار موڈ میں اخبار پڑھتے ہوئے بات کررہے تھے زیادہ تر اذان کی اور شرمین کی باتیں۔
"آج کے پروگرام کیا ہیں آپ کے؟"
"ابھی ایک کام سے جانا ہے۔" عارض نے بتایا۔
"تو دو کام ہمارے بھی کرآنا۔"
"بتائیے۔"
"ایک تو نیویارک کی سیٹ کنفرم کراؤ دوسرا آفس میں نیویارک کے کوئی نہ کوئی نمبر ہوں گے۔"
"آغا جی آفس بند ہوچکا لوگ دائیں بائیں چلے گئے اور معید صاحب۔" عارض کی پیشانی پر گھبراہٹ کے باعث پسینہ آگیا۔
"اخاہ، سب کھیل آپ کی وجہ سے بگڑ گیا، نہ آفس، نہ آفس والے، بے چارے معید صاحب جیل میں سڑ رہے ہیں۔"
"میں رابطے کی کوشش کروں گا۔"
"چھوڑو بس سیٹ کنفرم کراؤ اور ہاں اذان بیٹے کو لیتے آنا۔"
"بابا ڈاکٹر نے ابھی سفر سے منع کیا ہے اور سب ٹھیک ہوجائے گا۔" وہ نہیں چاہتا تھا اس لیے پوری کوشش سے مخالفت کی۔
"عارض یہ سنگین مسئلہ ہے وہ معصوم مجرم بنے ہوئے ہیں۔"
"اچھا ٹھیک ہے کچھ کرتا ہوں۔"
"اذان کو ضرور لانا۔"
"بابا شرمین نہیں بھیجے گی۔"
"بھیج دے گی اور پھر اس بہانے تمہاری ملاقات ہوجائے گی ملتے رہنے سے گرہیں کھلتی جائیں گی۔"
"اوکے۔"
"اسے رام کرو، مجھے اس روز خوشی ہوگی جب تم اور شرمین ہنستے مسکراتے آؤ گے۔"
"اچھا۔" وہ اٹھ کھڑا ہوا۔
اسی وقت آفس سے ایڈمن آفیسر امتیاز صاحب فائلیں اور ڈاک سنبھالے آ گئے، عارض انہیں آغا جی کے پاس چھوڑ کر

اپنے کمرے میں آیا۔ صفدر والا لفافہ اٹھایا اور باہر نکل آیا مگر گاڑی اسٹارٹ کرتے ہوئے پہلے اس نے صفدر سے فون پر زیبا کے گھر کا پتا سمجھا اور پھر دل چاہا کہ شرمین کو اذان کو تیار کرنے کے بہانے فون کیا جائے۔ کافی دیر بیل جاتی رہی اور پھر شرمین نے فون اٹینڈ کرلیا۔

"عارض صاحب میں شکریہ ادا کرکے آئی تھی۔" اس نے تلخی سے کہا۔

"کیا مطلب؟"

"آپ کے کھانے کا، آپ کی کمپنی کا؟"

"بہت افسوس کی بات ہے۔" عارض کا دل دکھا۔

"کام کی بات کریں۔"

"وہ بابا نے کہا تھا کہ اذان کو لے کر آنا۔"

"اذان تو اسکول میں ہے اور ویسے بھی وہ روز تو نہیں جاسکتا۔" اس کے کھرے جواب کی توقع تھی اسے۔

"دراصل اپنوں کے ساتھ وقت کا پتا نہیں چلتا۔" اس نے کہا۔

"لیکن وقت کے ساتھ اپنوں کا پتا چل جاتا ہے۔" جوابی حملہ شرمین نے کیا۔

"اندازے غلط بھی ہوتے ہیں۔" عارض بولا۔

"جیسے کہ میرے۔" وہ بولی۔

"اس پر بات کریں۔"

"ضرورت نہیں، میں اس وقت میٹنگ میں ہوں۔" شرمین نے ٹکا سا جواب دیا اور فون کاٹ دیا۔ اس کا دل بجھ سا گیا۔ جانا کہیں تھا پہنچ کہیں گیا صفدر نے جو پتا سمجھایا تھا اس سے کہیں دور نکل آیا۔

"اوہ شٹ۔" اس نے اسٹیئرنگ پر مکہ مارا، گاڑی واپس موڑی اور پھر پوچھتا پچھاتا مطلوبہ محلے میں پہنچ ہی گیا۔ اصل مسئلہ گھر ڈھونڈنا تھا۔

❁......❁......❁

تنگ اور چھوٹی گلیوں میں عارض کو پیدل چلنا پڑا۔ مگر پھر پرچون فروش سے گھر کی نشانی بتا کر گھر ڈھونڈ ہی لیا۔

گھر تو کشادہ گلی میں تھا اس نے دروازہ کھٹکھٹایا دوسری تیسری دستک پر دروازہ کھولا گیا اور بزرگ خاتون سامنے کھڑی تھیں۔

"جی بیٹا۔"

"السلام علیکم۔"

"وعلیکم السلام۔"

"آنٹی میں صفدر کا دوست ہوں۔"

"اوہ اچھا اچھا آؤ اندر آؤ صفدر تو ٹھیک ہے۔" حاجرہ بیگم کے شدت جذبات کے باعث وہ دروازے کے اندر داخل ہوگیا۔

"جی صفدر ٹھیک ہے لیکن اس کی امی بیمار ہیں عبدالصمد کی وجہ سے۔" اس نے ان کے ساتھ چلتے ہوئے بتایا۔

"اوہ یہ تو اچھی بات نہیں، بیٹھو۔" انہوں نے بڑی محبت سے اسے صحن میں کرسی پر بٹھایا۔

"صفدر تو غصے میں تھا۔"

"اس کا غصہ بجا ہے بیٹا، میری بیٹی نے میرا سر جھکا دیا ہے میں تو روز سمجھاتی ہوں کہ اپنے گھر جاؤ، مگر ضد پکڑ کر بیٹھی ہے۔" انہوں نے سامنے تخت پر بیٹھتے ہوئے کہا۔
"تو آپ چاہتی ہیں کہ بھابی اپنے گھر جائیں، ان کا اپنا فیصلہ۔"
"بے وقوفی ہے وقتی ناراضگی ہے۔"
"تو پھر سمجھائیں۔" عارض نے لفافے کی چھوٹی سی تہہ کرلی۔
"بہت سمجھاتی ہوں آئے گی تو پھر سمجھاؤں گی، بیٹا آپ بھی صفدر کو سمجھاؤ ذرا نرمی سے پیش آیا کرے۔"
"جی ضرور، میں کہتا ہوں بھابی کہاں ہیں۔"
"بیٹا وہ اور اس کی سہیلی کہیں مینا بازار لگا ہے وہیں گئی ہیں۔"
"اوہ چلیں پھر آپ انہیں سمجھائیے گا کہ بیٹے کو گھر لے جائیں خالہ جان اداس ہیں۔"
"میں کہوں گی بلکہ میری طرف سے جہاں آرا بہن کی خیریت پوچھنا۔"
"جی ضرور، اب اجازت دیجیے۔" وہ اٹھ کھڑا ہوا۔
"نہیں میں چائے بنا کر لاتی ہوں، بہت خوشی ہورہی ہے صفدر خود بھی اچھا ہے اور دوست بھی بہت اچھا۔"
"ہاہا شکریہ، تکلف کی ضرورت نہیں۔"
"اچھا بیٹا صفدر کا غصہ ٹھنڈا کرنا۔"
"جی، جی ابھی اس کے پاس جاتا ہوں۔" وہ لفافہ جیب میں ٹھونس کے واپس آگیا سمجھ گیا کہ نوٹس سے متعلق وہ کچھ نہیں جانتیں انہیں نہ بتانے میں ہی فائدہ تھا۔

❁......❁......❁

صفدر سخت ذہنی خلفشار کا شکار تھا۔ اسے عارض کی واپسی کا شدت سے انتظار تھا۔ بہت اضطراب تھا جس کی وجہ سے وہ بے شمار سگریٹ پھونک چکا تھا مگر عارض کی طرف سے کوئی فون میسج نہیں مل رہا تھا اسے عجیب عجیب وسوسے آرہے تھے کہ کیا ہوا ہوگا؟ زیبا دست وگریباں ہوگئی ہوگی۔ عارض کے منہ پر تھپڑ مارے ہوں گے۔ یا ایسا کچھ بھی نہیں...... زیبا اپنے جھوٹ کی وجہ سے بول ہی نہ سکی ہو شرمندہ ہوکر رو رہی ہو، اے کاش میرا دوست شرمندہ نہ ہو زیبا کا بہتان ہو اس کا جھوٹ ہو، اس کا فریب ہو، پھر کہہ سکوں کہ تم اپنا گناہ میرے جگری دوست پر ڈال کر مطمئن تھیں نا۔ دیکھو! کیسے تمہیں مات ہوئی، میں نے عارض تمہارے سامنے کھڑا کردیا تم نظر بھی نہیں ملا پائی ہوں گی۔
صفدر صاحب اور اگر عارض نے اپنا گناہ قبول کرلیا تو تب کیا کرو گے؟ اپنے ہی سامنے دوستی کا بھرم ٹوٹتے کیسے دیکھو گے؟ کیا کرو گے دوست کا گلا دبا دو گے جان سے مار دو گے اس پر تھوکو گے ماتم کرو گے دوستی کا، زیبا کی بے گناہی پر یقین کرلو گے یا چھوٹے دل سے اسے نکال باہر کرو گے یہ تو سچ ہے کہ یا تو دونوں رشتے ختم ہوجائیں گے یا پھر ایک بچ جائے گا۔ مگر کون سا۔
یا خدا وقت گزر کیوں نہیں رہا وہ سوچتے سوچتے چلا اٹھا مگر عارض کی کوئی خبر نہ تھی۔

(ان شاءاللہ تعالیٰ باقی آئندہ ماہ)

تیرے عشق نچایا
نگہت عبداللہ

در و دیوار کس کے منتظر
حریم جسم و جاں تک روشنی ہے
وہ گزرے ہیں ابھی اس راہ گزر سے
مکاں سے لا مکاں تک روشنی ہے

〈گزشتہ قسط کا خلاصہ〉

احسن کے جانے کے بعد نشا محسن کی تیمارداری با احسن طریقے سے کرتی ہے۔ جبکہ اسی دوران بلال احمد اپنی بیگم اور ایک بیٹی کے ہمراہ وطن واپس لوٹ آتے ہیں۔ لیلیٰ بیگم کو نشا کا یوں محسن کی طرف التفات پسند نہیں آتا محسن کے ساتھ اس کی ہمدردی کا ناجائز فائدہ اٹھاتے جلال احمد بھی نشا کی شادی محسن سے کرنے کا ارادہ کرلیتے ہیں جبکہ ساجدہ بیگم محسن کے جذبات کا خیال کر کے شاکڈ رہ جاتی ہیں جبکہ اس سارے معاملے سے نشا کو بے خبر رکھا جاتا ہے بلال احمد اسے اپنے ہمراہ نئے گھر لے آتے ہیں۔ یہاں اس کے لیے ایک اور شخص کا پروپوزل بھی آتا ہے جسے اس نے اپنے کالج کے باہر بھی دیکھا تھا دوسری طرف وہ خاتون بھی نشا میں ثریا کی مشابہت سے کافی متاثر ہوتی ہیں۔ راحیلہ خاتون اپنے بہنوئی کی خراب حالت کا سن کر چند دنوں کے لیے وہاں چلی جاتی ہیں جب ہی جاذب اپنی محبت کا اظہار صبا کے لیے کر کے سلیم احمد کی حمایت حاصل کرنا چاہتا ہے لیکن اپنی بیگم کے سامنے اس بات کا ذکر کرتے وہ بھی کتراتے ہیں۔ دوسری طرف راحیلہ خاتون اپنے بھانجے سے صبا کا رشتہ خود ہی طے کر لیتی ہیں اور اچانک گھر پہنچ کر سب کو اس بات سے آگاہ کرتی ہیں صبا کے لیے یہ صدمہ ناقابل برداشت ہوتا ہے جب ہی وہ دن کا انتظار کیے بغیر رات کو ہی جاذب سے اس سارے معاملے کو ڈسکس کرتی ہے ایسے میں راحیلہ خاتون اچانک وہاں پہنچ کر سارا معاملہ بگاڑ دیتی ہیں اور صبا پر الزامات کی بوچھاڑ کر دیتی ہیں جبکہ جاذب اپنی بزدلانہ طبیعت کے پیش نظر خاموش رہ جاتا ہے۔ بنٹی کافی حد تک صبا سے مانوس ہو جاتا ہے جب ہی خان جنید صبا کو مستقل طور پر یہاں رکھنے کی غرض سے اسے اپنا پروپوزل پیش کرتے ہیں جبکہ ان کی اس بات پر صبا دنگ رہ جاتی ہے۔ بلال احمد کی دوسری بیٹی مریم ہوتی ہے جبکہ لیلیٰ اس کی سوتیلی ماں ہے وہ ایک کم گو اور حساس لڑکی ہے یہاں پاکستان پہنچ کر بھی اس کا یہی رویہ رہتا ہے جب ہی اس کے نمبر پر کسی انجان آدمی کی کالز کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے جبکہ مریم اس صورت حال پر کافی متفکر رہتی ہے۔

〈اب آگے پڑھیے〉

❁ ❁ ❁

وہ انجانے خدشوں میں گھری بے حد مضطرب پھر رہی تھی اور چاہتی تھی کہ کوئی ہمدرد، ہم نوا ہو جسے وہ اپنی بے چینیوں کا احوال سنا سکے، پھر اسے محسن کا خیال آیا لیکن ایک جھجک مانع آ گئی تو وہ اسے فون کرنے کا خیال چھوڑ کر کچن میں آ گئی۔ بی بی ٹرے میں چائے کے ساتھ دوسرے لوازمات سجا رہی تھیں۔

"یہ کس کے لیے بی بی؟" اس نے ٹرالی پر نظر ڈالتے ہوئے پوچھا۔

"تمہارے تایا تائی آئے ہیں بیٹا۔" بی بی نے بتایا تو وہ حیران ہوئی۔

"ہیں تائی امی کب آئیں؟"
"کچھ دیر ہوئی۔"
"مجھے کیوں نہیں بتایا لائیے ٹی پاٹ رکھیں یہ میں لے جاتی ہوں۔" اس نے ٹرے اٹھاتے ہوئے کہا تو بی بی ٹی پا ٹ اٹھا کر ٹرے کو دیکھنے لگیں جس میں جگہ نہیں تھی۔
"چلیں' یہ آپ لے آیئے گا۔" وہ کہتے ہوئے کچن سے نکل کر ڈرائنگ روم میں داخل ہوئی تو جلال احمد کہہ رہے تھے۔
"احسن اگلے مہینے آ رہا ہے' میرا خیال ہے منگنی ابھی کر دیتے ہیں شادی احسن کے آنے پر......" وہ جلدی سے ٹرے میز پر رکھ کر وہاں سے چلی آئی۔ زندگی میں کچھ لمحے بے پناہ خوشی سے ہم کنار کر جاتے ہیں۔ اس کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا تھا۔ اور جو انجانے خدشے سر ابھارنے لگے تھے سب اپنی موت آپ مر گئے اگر کوئی کسک رہی بھی تو وہ اس وقت دور ہو گئی جب جاتے وقت ساجدہ بیگم نے اس کے کمرے میں آ کر اسے انگوٹھی پہنائی پھر اس کا چہرہ ہاتھوں میں تھام کر کتنی دیر اسے دیکھتی رہیں۔ پہلے تو وہ نظریں جھکائے رہی پھر ذرا سی پلکیں اٹھا کر دیکھا' ساجدہ بیگم کا وہی سپاٹ چہرہ پتا نہیں انہیں اظہار کرنا نہیں آتا تھا یا وہ اظہار کرنا نہیں چاہتی تھیں' اب بھی وہ سمجھ نہیں سکی کہ وہ اس بندھن سے خوش ہیں یا ناخوش۔
"سکھی رہو۔" ساجدہ بیگم کے ہونٹوں سے بس یہی دو لفظ نکلے پھر وہ اس کی پیشانی چوم کر کمرے سے نکل گئیں۔ کوئی اور وقت ہوتا تو وہ ان کے شروع سے اب تک کے رویے پر غور کرتی لیکن اب انگلی میں پڑی جگمگاتی انگوٹھی اور اس کے خیال میں جس کے حوالے سے پہنائی گئی تھی اس کا خیال ہی اتنا زور آور تھا کہ کوئی اور بات سوچی ہی نہ گئی۔ اس کا دل چاہا کوئی ہو جس سے وہ ڈھیر ساری باتیں کرے۔ وہ سارے حسین خواب جو اس نے اپنی پلکوں پہ سجائے تھے وہ ساری خوب صورت باتیں جو اس کے حوالے سے سوچی تھیں اور اسے حیرت ہوئی کہ اس کی کوئی دوست نہیں تھی' اسکول کالج میں پڑھنے کے باوجود کسی سے اتنی دوستی نہیں ہوئی کہ اپنے دل کی بات کہی جا سکے۔

رات جب سونے لیٹی تو نیند بالکل نہیں آ رہی تھی۔ کچھ دیر تک ایک میگزین کی ورق گردانی کرتی رہی پھر اکتا کر اسے سائیڈ پر رکھ دیا۔ گھڑی کی طرف دیکھا گیارہ بجنے والے تھے۔ اس کا ذہن آپ ہی آپ اس نگر کی طرف چلا گیا جہاں اسے واپس جانا تھا۔
"مونی' آج تایا اور تائی امی کے ساتھ مونی نہیں آیا' اس نے سوچا اور اسے اپنے آپ پر حیرت ہوئی کہ اس وقت سے اس نے یہ بات محسوس کیوں نہیں کی۔ جبکہ اسے اسی وقت مونی کا پوچھنا چاہیے تھا۔ اس نے سیل فون اٹھا کر محسن کا نمبر پش کیا۔ ڈر بھی رہی تھی کہ کہیں وہ سو نہ رہا ہو لیکن پہلی بیل پر ہی محسن نے کال ریسیو کی تو اسے حیرت ہوئی۔
"ارے مونی' میرا خیال تھا تم سو چکے ہو گے۔" اس نے حیرت اور اشتیاق سے کہا تو ادھر سے وہ شوخی سے بولا۔
"اب نیند کہاں؟"
"کیا مطلب تم نے دوا نہیں لی؟" وہ یہی سوچ سکی تھی۔
"دوا کو چھوڑو یہ بتاؤ اس وقت کیسے فون کیا' سب خیریت تو ہے ناں؟" محسن نے بے پروائی کا مظاہرہ کرتے ہوئے پوچھا تو وہ جھجک کر بولی۔
"ہاں بس تم سے بات کرنے کو دل چاہ رہا تھا۔"
"اچھا۔" وہ ہنسا۔ "یہی خواہش میری بھی تھی۔"
"یہ بتاؤ تم شام میں کیوں نہیں آئے تایا ابو اور تائی امی کے ساتھ؟" اس نے پھر یاد آنے پر پوچھا۔
"کیا مجھے بھی آنا چاہیے تھا؟" محسن الٹا اس سے پوچھنے لگا۔
"کیوں تمہیں یہاں آنا منع ہے کیا؟" سوال واضح تھے جواب مبہم۔
"نہیں بس اب اکٹھے ہی آؤں گا تمہیں لینے۔" وہ خاموش رہی تو کہنے لگا۔
"سنو ابھی احسن بھائی کا فون آیا تھا' بہت مبارک باد دے رہے تھے۔"

"کسے؟" اس نے مسکراہٹ دبا کر پوچھا۔

"مجھے۔"

"تمہیں کیوں؟"

"بھئی تمہیں دیں یا مجھے ایک ہی بات ہے۔"

"اچھا۔" وہ ہنس دی پھر بے اختیار پوچھا۔ "کب آرہے ہیں احسن؟"

"کہاں، پاکستان یا بارات کے ساتھ۔" محسن نے چھیڑا تو وہ جھینپ کر بولی۔

"مونی، میں فون رکھ رہی ہوں۔"

"ایک منٹ، تم خوش تو ہو ناں۔" اس نے روک کر پوچھا۔

"پتا نہیں؟"

"تمہیں نہیں پتا لیکن مجھے پتا ہے نشاء کہ میں بہت خوش ہوں۔" وہ جیسے کھو گیا تھا۔ "تمہیں یاد ہے ایک بار میں نے کہا تھا کہ بجھتے ہوئے دیئے کو کچھ دیر اور روشن رکھنے کی خاطر ہاتھ کی اوٹ میں لے لیا جاتا ہے اور اب مجھے لگ رہا ہے جیسے مجھے کچھ برس اور زندہ رہنے کی خاطر تمہارا......"

"مونی پلیز۔" وہ فوراً ٹوک گئی۔ "ایسی باتیں مت کرو، تمہیں زندہ رہنا ہے۔"

"ہاں اب تو خود میرے اندر بھی زندہ رہنے کی خواہش جاگنے لگی ہے اور یہ یقیناً تمہاری دواؤں، دعاؤں اور محبتوں کا اعجاز ہے کہ مجھ جیسا مایوس بندہ بھی زندگی سے پیار کرنے لگا۔"

"یہ اچھی بات ہے مونی، زندہ رہنے کی خواہش اور زندگی سے پیار انسان کو بہت مضبوط بنا دیتا ہے اور اب ان شاء اللہ تم اپنی بیماری کو شکست دینے میں کامیاب ہو جاؤ گے۔"

"ہاں......احسن بھی یہی کہہ رہے تھے۔"

"اور کیا کہا انہوں نے؟" وہ اپنے حوالے سے کوئی بات سننا چاہتی تھی۔

"زیادہ بات نہیں ہو سکی کیونکہ اچانک لائن کٹ گئی تھی۔" اس نے بتایا تو وہ قدرے مایوس ہوئی پھر اسے شب بخیر کہہ کر سیل آف کر دیا۔

❀......❀......❀

احسن کا صرف ذہن ہی نہیں پورا وجود آندھیوں کی زد میں تھا۔ ان کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ یہ سب کیوں اور کیسے ہو گیا؟ نشاء ان کی محبت تھی اور یہ بات ساجدہ بیگم بھی جانتی تھیں پھر وہ محسن کے ساتھ کیسے منسوب ہو گئی۔ انہیں جلال احمد نے فون کر کے بتایا تھا۔

"خوشی کی خبر سنو احسن، ابھی ہم محسن کی منگنی کر کے آرہے ہیں نشاء کے ساتھ۔ محسن بہت خوش ہے۔ تم آجاؤ تو پھر اس کی شادی کریں۔ ابھی تم اسے منگنی کی مبارک باد دے دو۔"

"محسن، نشاء....." ان کے ذہن میں جھکڑ چلنے لگے تھے۔ یقین بھی نہیں آرہا تھا پھر یقین کی خاطر ہی انہوں نے محسن کو فون کیا تو اس کی کھنکتی ہوئی آواز جسے سننے کو ان کی سماعتیں ترس گئی تھیں۔

"بھائی آپ کو پتا چل گیا؟"

"ہاں، بہت مبارک ہو۔" وہ بالکل ہی ڈھے گئے۔

مونی خوش ہے اور کون جانے نشاء بھی خوش ہو۔ پھر وہ کس سے کیا کہیں۔ سینے میں دل شور مچا رہا تھا۔ احتجاج کر رہا تھا اور وہ بے بسی کی تصویر بنے خود سے بے گانہ ہو گئے تھے۔

"کتنے دن گزر گئے، ان کا کسی بات کسی کام میں دل نہیں لگ رہا تھا۔ ان کے لیے دنیا اندھیر نگری بن گئی تھی۔ سوچتے بیٹھتے تو ذہن ماؤف ہو جاتا۔ سیل فون کی ٹون بجتی تو خالی خالی نظروں سے اسکرین پر روشن نام دیکھے جاتے۔ زیادہ نشاء ہی انہیں کال کر رہی تھی۔ جب وہ کچھ سوچنے کے قابل ہوئے تب نشاء کی کال آنے پر انہوں نے سوچا۔

"نشاء کیوں کال کر رہی ہے، کیا یہ بتانے کے لیے کہ اس نے کسی اور کے نام کی انگوٹھی پہن لی ہے یا اسے زبردستی پہنائی گئی ہے۔" دوسری بات پر وہ خود ہی ٹھٹکے تھے اور پھر اسی نہج پر سوچتے ہوئے انہوں نے تصدیق یا تردید کے لیے نشاء کی کال لینے کی خاطر سیل فون اٹھا لیا تھا کہ سماعتوں

میں محسن کی کھنکتی آواز گونجی۔
"بھائی آپ کو پتہ چل گیا۔"
"نہیں۔" ان کے ہاتھ سے سیل فون چھوٹ گیا۔
"نشاء خوش ہے یا ناخوش مجھے مونی کی خوشی عزیز ہے۔ اس کی خاطر تو میں جان بھی دے سکتا ہوں۔" پھر کتنے دن لگے انہیں خود کو سمجھانے میں اس کے بعد بھی خود کو کڑے پہروں میں مقید کر کے انہوں نے ساجدہ بیگم کو فون کیا تھا۔
"مونی خوش ہے ناں امی۔" انہوں نے جو باتیں ذہن میں ترتیب دیں تھیں ان میں یہ بات تو کہیں نہیں تھی۔
"ہاں بیٹا مونی خوش ہے لیکن میں تم سے بہت شرمندہ ہوں۔" ساجدہ بیگم کا لہجہ ان کی بات کی گواہی دے رہا تھا۔
"کیوں...... کیوں امی؟" وہ بے چین ہوئے۔
"کیونکہ تم مجھے اپنی خواہش بتا کر گئے تھے۔" ساجدہ بیگم نے کہا تو وہ فوراً بولے۔
"میں ایسی ہزاروں خواہشیں مونی پر قربان کر سکتا ہوں امی آپ بالکل پریشان نہ ہوں۔"
"لیکن بیٹا تم......" ساجدہ بیگم جانے کیا کہنے جارہی تھیں کہ وہ بول پڑے۔
"میں ٹھیک ہوں امی۔ مجھے کوئی ملال نہیں' مونی کی خوشی میری خوشی ہے۔ اور آپ بھی خوشی خوشی اس کی شادی کی تیاری کریں۔"
"تم آؤ گے تو تیاری کروں گی ناں۔"
"نہیں امی' میں نہیں آؤں گا' میں نہیں آسکوں گا۔ آپ مجھے مجبور مت کیجیے گا اور ہاں ابھی مونی کو مت بتایئے گا کہ میں نہیں آسکوں گا۔ وقت پر میں خود کوئی بہانہ کردوں گا' آپ میری بات سمجھ رہی ہیں ناں۔" انہوں نے زور دے کر کہا اور جواب میں ساجدہ بیگم کی خاموشی کا بوجھ دل پر محسوس کرتے ہوئے فون بند کردیا تھا۔

❀......❀......❀

مریم ابھی کالج سے لوٹی تھی۔ ڈریس چینج کر کے واش روم سے نکلی تو اس کا سیل بج اٹھا۔ اس کے ذہن میں اس وقت کوئی سوچ نہیں تھی جب ہی اس نے معمول کی طرح فون اٹھالیا تھا۔
"ہیلو......"
"کیسی ہو؟" اس کی آواز سن کر وہ الجھ کر بولی۔
"آپ ہیں کون؟"
"ریان...... آئی مین میرا نام ریان ہے۔" اس نے آرام سے اپنا تعارف کرایا۔
"میں نے آپ کا نام نہیں پوچھا۔" وہ روٹھے انداز میں بولی۔
"پھر......؟" وہ اس کے روٹھے انداز پر محظوظ ہوا۔
"آپ کیوں مجھے فون کرتے ہیں؟" اس نے کہا تو وہ روانی سے بولا۔
"کیونکہ تم مجھے اچھی لگتی ہو' میں تم سے ملنا چاہتا ہوں۔ بتاؤ کب مل رہی ہو؟"
"ایسا تو نہیں سوچا میں نے۔" وہ اپنی سادگی و معصومیت سے مات کھائی تھی۔
"حیرت ہے' یعنی اتنے دنوں سے ہم بات کررہے ہیں اور تمہارے اندر ملنے کی خواہش نہیں جاگی۔" اس کے اکسانے پر وہ افسردگی سے بولی۔
"میرے اندر کوئی خواہش نہیں ہے۔"
"عجیب لڑکی ہو' خواہشوں کے بغیر کیسے زندہ ہو۔"
"میں زندہ ہوں' پتا نہیں۔" اس نے خود کلامی کی' جسے سن کر ہی اس نے حیرت کا اظہار کیا۔
"مائی گاڈ' کہیں میرا واسطہ کسی روح سے تو نہیں پڑ گیا۔" پھر سوچنے کی ایکٹنگ کرتے ہوئے بولا۔ "نہیں دیکھنے میں تو تم انسانوں جیسی ہی لگتی ہو۔"
"آپ نے مجھے کہاں دیکھا؟" اس نے بے اختیار پوچھا۔
"یہ جب تم ملو گی تب بتاؤں گا' اب بتاؤ کب' کہاں مل رہی ہو' کہو تو تمہارے گھر آجاؤں۔"
"نہیں......" اس نے گھبرا کر سیل فون آف کردیا۔ لیکن پھر بھی اس کی گھبراہٹ اور پریشانی کم نہیں ہوئی کہ کہیں وہ آ تو نہیں رہا' ایسی ہی کبھی ہوئی وہ نشاء کے بلانے پر کھانے

کی نیبل پرآئی تھی۔
"اب آنٹی نے یہ میری ڈیوٹی لگائی ہے کہ میں تمہیں کھانا اپنے ساتھ کھلایا کروں۔" نشاء نے اس کی پلیٹ میں سالن نکالتے ہوئے کہا پھر اسے دیکھ کر مسکراہٹ اس کے ہونٹوں تک آتے آتے رہ گئی۔
"کیا ہوا ہے تمہیں؟ آئی مین تم پریشان لگ رہی ہو؟"
"نن..... نہیں....." وہ نفی میں سر ہلانے لگی۔
"کالج میں کوئی پرابلم ہے؟" نشاء نے نرمی سے پوچھا۔
"نہیں....." وہ خائف تھی۔
"اچھا چلو کھانا کھاؤ۔" نشاء نے کہہ کر کھانا شروع کردیا تب وہ بھی آہستہ آہستہ کھانے لگی۔
اور پھر رات کے تین بجے ریان نے فون کیا تھا۔ اس وقت وہ بے خبر سورہی تھی۔ نیند میں ہی ادھر ادھر ہاتھ مار کر اس نے سیل فون اٹھایا تھا۔
"ہیلو۔" اس کی آواز بھی نیند میں ڈوبی ہوئی تھی۔
"سنو مجھے بہت بھوک لگ رہی ہے۔" ریان نے کہا۔
اس کی خاک سمجھ میں نہ آیا۔
"کون؟"
"نیند میں ہو جب ہی معاف کرتا ہوں۔ جاگتے میں اب نہ پہچاننے کی غلطی مت کرنا۔" ریان کی وارننگ پر اس نے ایک دم آنکھیں کھولیں تو سامنے وال کلاک پر نظر پڑی۔
"آپ..... رات کے تین بجے؟"
"کیا کروں بہت بھوک لگ رہی ہے۔ خالی پیٹ نیند نہیں آرہی۔" ریان نے اتنی مسکینی سے کہا کہ وہ فون بند نہیں کرسکی۔
"تو کچھ کھالیں۔ کھانا یا کچھ اور۔"
"کچھ نہیں ہے۔ فریج خالی پڑا ہے۔ صرف دو انڈے رکھے ہیں۔" اس نے مجبوری بتائی تو وہ عاجز ہوئی۔
"پھر میں کیا کرسکتی ہوں؟"
"کم از کم آملیٹ بنانے کا طریقہ تو بتا سکتی ہو۔" وہ جانے کیا چاہ رہا تھا۔
"آملیٹ..... مجھے نہیں پتا میں نے کبھی نہیں بنایا۔" وہ بے بسی سے بولی۔
"شٹ چلو پھر میں بھوکا ہی سوجاتا ہوں۔" ریان مایوس ہوا تو وہ فوراً بولی۔
"نہیں نہیں میں پوچھ کر بتاتی ہوں۔"
"کس سے؟" وہ پوچھ رہا تھا لیکن وہ عجلت میں اٹھی اور بے خبر سوئی ہوئی بی بی کو جھنجوڑ ڈالا تھا۔
"بی بی..... بی بی اٹھیں۔"
"کیا ہوا؟" بی بی ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھیں۔
"جلدی بتائیں آملیٹ کیسے بنتا ہے؟"
"بھوک لگی ہے بیٹا۔ میں ابھی بنادیتی ہوں۔" بی بی اٹھنے لگیں کہ اس نے روک دیا۔
"نہیں بس آپ ریسپی بتادیں مطلب کیسے بنتا ہے۔"
"بہت آسان ہے۔ انڈے پھینٹ لو۔" بی بی کے ساتھ ساتھ وہ دہرائی گئی اور ادھر وہ ہنس رہا تھا۔

❀.....❀.....❀

راحیلہ خاتون کو ثریا اور صبا کے خلاف پروپیگنڈہ کرنے کے لیے گو کہ کسی موقع کی تلاش نہیں رہتی تھی۔ وہ جب جس وقت چاہتیں انہیں ذلیل کرتی تھیں لیکن اب تو ایک ٹھوس وجہ ان کے ہاتھ آگئی تھی اور اس سے بھرپور فائدہ اٹھانا چاہتی تھیں۔ اس وقت وہ مکاری سے سوچ رہی تھیں کہ بات کہاں سے شروع کریں کہ ان کے میاں سلیم احمد جو بغور انہیں دیکھ رہے تھے بظاہر ہلکے پھلکے انداز میں پوچھنے لگے۔
"کیا بات ہے بیگم یہ صبح ہی صبح کس کے خلاف سازش سوچ رہی ہو؟"
"میں تو صرف سوچتی ہوں میاں میری جگہ آپ ہوتے تو اسی وقت نکال باہر کرتے ماں بیٹی کو۔" وہ تنک کر بولیں تو سلیم احسان کا اشارہ سمجھ کر بوکھلا گئے۔
"ہیں..... یہ تم کس کی بات کررہی ہو؟"

”آپ کی چہیتی بہن اور بھانجی کی۔ بس اب میں مزید برداشت نہیں کرسکتی۔ پانی سر سے اونچا ہوگیا ہے سلیم احمد۔“ راحیلہ خاتون کا تنفر عروج پر تھا۔ وہ زچ ہوگئے۔

”اوہو...... پتا بھی تو چلے کیا ہوا ہے؟“

”کیا نہیں ہوا‘ میں چار دن گھر سے دور کیا رہی اُدھر ماں بیٹی کو موقع مل گیا۔ رات آپ کی بھانجی جاذب کے کمرے میں تھی۔“ راحیلہ خاتون نے انہیں چکرا دیا تھا۔

”یہ...... یہ تم کیا کہہ رہی ہو؟“

”وہی جو اپنی آنکھوں سے دیکھا لیکن آپ کہاں میری بات کا یقین کریں گے۔ آپ تو......“ سلیم احمد جلدی سے ان کی بات کاٹ کر بولے۔

”ساری زندگی تمہارا ہی یقین تو کیا ہے۔ جو تم نے کہا مان لیا پھر بھی تمہیں شکایت ہے۔ ابھی بتاؤ کیا کرنا ہے۔“

”کرنا کیا ہے‘ میں بہن کو فون کرتی ہوں چار آدمی لے کر آجائے اور دو بول پڑھا کر رخصت کریں بھانجی کو۔“ راحیلہ خاتون کو اسی بات کی جلدی تھی۔

”لیکن بیگم میں تو کچھ اور سوچ رہا ہوں۔“ سلیم احمد نے کچھ ہمت باندھی۔

”کیا...... کیا سوچا ہے آپ نے؟“ راحیلہ خاتون نے تیز لہجے میں ٹوکا تو وہ رک رک کر کہنے لگے۔

”میں سوچ رہا ہوں بیگم کہ گھر کی لڑکی گھر میں ہی رہے تو ہمارے لیے اچھا ہے۔ میرا مطلب ہے اگر ہم باہر رشتہ ڈھونڈنے کی بجائے جاذب اور صبا کی شادی کردیں تو......؟“

”سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔“ راحیلہ خاتون دھاڑی۔ ”آپ نے یہ سوچا کیسے‘ میں جتنا اس لڑکی سے پیچھا چھڑانا چاہتی ہوں آپ اتنا ہی اسے مجھ پر مسلط کرنے کی سوچ رہے ہیں۔“

”اوہو تم بات سمجھو تو......“ سلیم احمد جھنجلائے تھے۔

”کیا سمجھوں۔ کیا سمجھانا چاہتے ہیں آپ مجھے۔“

”دیکھو لڑکی تمہارے سامنے پلی بڑھی ہے پھر تمہارے کہنے میں بھی ہے۔ گھر داری بھی کرلیتی ہے باہر سے لڑکی لاؤ گی جاذب کے لیے تو جانے کس مزاج کی ہو ہمیں کچھ سمجھے نہ سمجھے۔“ سلیم احمد نے انہیں نئی سوچ دینی چاہی لیکن راحیلہ خاتون کہاں سننے‘ ماننے والی تھیں۔

”ایسے ہی نہ سمجھے۔ بڑے گھروں کی لڑکیاں سلجھی ہوئی تمیز دار ہوتی ہیں۔ میں اپنے جاذب کے لیے ایسے ہی گھر سے دلہن لاؤں گی۔“

”لیکن بیگم......“

”بس رہنے دیں۔ مجھے سمجھانے کی کوشش نہ کریں۔ میں صبا کا رشتہ طے کرآئی ہوں اس کی شادی وہیں ہوگی۔“ راحیلہ خاتون دوٹوک انداز میں کہتے ہوئے ان کے پاس سے اٹھ آئیں۔ پتا نہیں کس مٹی سے بنی تھیں‘ شروع دن سے جو ثریا کے خلاف دل میں گرہ باندھی تو وقت اور حالات بھی اسے کھولنے میں ناکام رہے تھے۔ حالانکہ ثریا کی صورت انہیں ایک مفت کی نوکرانی مل گئی تھی۔ پھر بھی وہ اس سے اور اس سے زیادہ اب صبا سے خار کھاتی تھیں۔ کیونکہ اپنی لالچی فطرت کے باعث انہوں نے جاذب اور نگار کے لیے بڑے اونچے پلان بنائے ہوئے تھے۔ اس لیے پہلے وہ صبا کو راہ سے ہٹانا چاہتی تھیں اور اب تو انہوں نے ٹھان لی تھی کہ وہ اسے رخصت کرکے ہی دم لیں گی۔

❀......❀......❀

وہ دل گرفتہ اور مایوس سی ڈھیلے ڈھیلے ہاتھوں سے منہ پر پانی کے چھینٹے مار رہی تھی‘ یوں لگ رہا تھا جیسے اس کے ہاتھوں و بازوؤں میں جان ہی نہ ہو۔ وہ وقت اور حالات سے لڑتے نہیں تھکی تھی‘ خود سے لڑنے میں پہلے مقام پر ہی ہار رہی تھی۔ اور کیسے نہ ہارتی‘ یہ کوئی دو چار دن کی بات تو نہیں تھی‘ لڑکپن کی عمر سے ہی جس شخص نے اس کا ہاتھ تھام کر اس کے دل میں اپنی محبت کا بیج بویا تھا وہ اپنے وعدوں اپنی قسموں میں لاکھ سچا سہی اسے تحفظ نہیں دے سکتا تھا اور وہ ہمیشہ کی عدم تحفظ کا شکار اسی ایک بات پر اسے اکساتے اکساتے تھک گئی تھی اور اب وہ جو بھی کرلے وہ اس سے بات نہیں کرے گی۔ اس نے سوچ لیا اور واش بیسن کا نل بند کرکے اس نے بہتے دھاروں کے ساتھ گویا اپنے

جذبوں پر بھی بند باندھ لیا تھا۔ پھر واش روم سے نکل آئی۔
ثریا گم صم بیٹھی تھی' اس نے بالوں میں برش کرتے ہوئے اسے نوٹس کیا پھر برش رکھ کر اس کے سامنے آ بیٹھی۔ بولیں کچھ نہیں تھی۔ ثریا چند لمحے اسے دیکھتی رہیں پھر کہنے لگیں۔
''تم نے ٹھیک کہا تھا مجھے تمہیں بھی تمہارے باپ کے پاس چھوڑ دینا چاہیے تھا۔ کم از کم وہ تمہارے ساتھ تو برا نہ کرتا۔ جو تم چاہتیں تمہیں مل جاتا۔''
''نہیں ملا تو میری قسمت۔'' وہ دکھ سے بولی۔
''تو اب جو مل رہا ہے اسے بھی قسمت کا لکھا سمجھ کر قبول کرلو۔'' ثریا نے اس کی بات پر گرفت کر کے منت کی تو یکلخت اس کی تمام حسیات سمٹ کر آنکھوں میں آ گئی تھیں۔
''کیا مل رہا ہے مجھے' کیا قبول کرلوں؟''
''وہ تمہاری مامی جی......''
''مامی جی کا نام مت لیں' میں ان کی کوئی بات نہیں مانوں گی۔'' اس کا تنفر عود کر آیا۔
''اس کے سوا کوئی چارہ نہیں صبا۔'' ثریا نے عاجزی سے کہا۔ ''بھابی نے تمہاری شادی طے کردی ہے۔ جمعہ کو ان کی بہن آ رہی ہیں۔''
''ضرور آئیں' نگار بیٹھی ہے ناں اس کا نکاح کر کے رخصت کردیں بہن کے ساتھ۔'' اس نے کہا تو ثریا رو دینے کو ہوگئیں۔
''تم سمجھتی کیوں نہیں صبا۔''
''آپ کیوں نہیں سمجھتیں لیکن نہیں آپ نہیں سمجھیں گی۔ مجھے مامی جی کو ہی سمجھانا پڑے گا۔'' وہ کہتے ہوئے ایک دم اٹھ کر کمرے سے نکلی تھی۔
''صبا......'' ثریا پریشان ہوکر اس کے پیچھے بھاگیں' لیکن لاؤنج میں سلیم احمد' راحیلہ خاتون اور جاذب کو بیٹھے دیکھ کر وہیں رک گئیں' جبکہ صبا راحیلہ خاتون کے سر پر جا کھڑی ہوئی تھی۔
''یہ کیا تماشا بنا رکھا ہے آپ نے مامی جی۔'' اس نے سارے لحاظ بھلا دیئے تھے۔ ''میری شادی کی اتنی فکر کیوں ہے آپ کو۔ میں کوئی یتیم لاوارث نہیں ہوں' نہ ہی آپ پر بوجھ ہوں' جسے آپ اتار پھینکنا چاہتی ہیں۔ فکر کرنی ہے تو اپنی بیٹی کی کریں۔''
''تم......'' راحیلہ بیگم ایک لحظہ کو اس پر پھنکاری تھیں پھر فوراً ہی سلیم احمد سے مخاطب ہوگئیں۔ ''دیکھ رہے ہو سلیم احمد' اس گز بھر کی چھوکری کی زبان' نیکی کا یہ صلہ دے رہی ہے۔ ذرا اس سے پوچھو کس نے اسے اتنی جرأت دی کہ یہ میرے مقابل آن کھڑی ہوئی ہے۔''
''میں بتاتی ہوں' مجھے یہ جرأت آپ کے بیٹے نے دی۔ اس بیٹے نے۔'' وہ جاذب کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بالکل ہی آپے سے باہر ہوگئی۔ ''پوچھئے اس سے یہ جو آپ کے سامنے بھیگی بلی بنا بیٹھا ہے' اس نے مجھ سے محبت کی قسمیں کھائیں' شادی کے وعدے کیے' اس کے کہنے پر میں اب تک ہر رشتے سے انکار کرتی رہی ہوں۔ پوچھیں اس سے...... پوچھیں۔''
''جاذی......'' راحیلہ خاتون نے کڑے تیوروں سے جاذب کو دیکھا۔ ''یہ کیا کہہ رہی ہے؟'' جاذب میں اتنی ہمت ہوتی تو یہ نوبت ہی کیوں آتی۔ اس کا تو حلق تک خشک ہوگیا تھا۔
''میں کیا پوچھ رہی ہوں جواب دو۔'' راحیلہ خاتون دھاڑیں تو وہ مدد کے لیے سلیم احمد کو دیکھنے لگا۔
''کیا ہوگیا ہے بیگم۔''
''تم چپ رہو سلیم احمد' یہ لڑکی میرے بیٹے پر بہتان لگا رہی ہے۔'' راحیلہ بیگم نے فوراً سلیم احمد کو ٹوک کر کہا تو وہ چیخ پڑی۔
''میں بہتان نہیں لگا رہی۔ جاذی تم بولتے کیوں نہیں' بتاؤ انہیں سچ کیا ہے؟ بتاؤ انہیں کہ تم مجھ سے شادی کرنا چاہتے ہو۔''
''اچھی زبردستی ہے' ترس کھا کر گھر میں رہنے کی جگہ کیا دی یہ تو مالک بننے کے خواب دیکھنے لگی۔ اوقات میں رہو لڑکی' میرا بیٹا تم جیسیوں کو گھاس نہیں ڈالنے

والا۔ چلو جاذب تم اپنے کمرے میں جاؤ۔'' راحیلہ خاتون نے اسے سناتے ہوئے جاذب کو مشکل سے نکالا تھا۔ وہ فوراً اٹھ کھڑا ہوا۔

''یہ کیا گھاس ڈالے گا۔ میں خود ہزار بار لعنت بھیجتی ہوں اس پر۔ اس جیسے میرے باپ کے جوتے صاف کرتے ہیں۔'' محبت رسوا ہو کر نفرت کی انتہا پر جا پہنچی تھی۔ وہ جو منہ میں آیا کہتی گئی۔ بپھری ہوئی راحیلہ خاتون نے اسے بالوں سے پکڑ کر گھسیٹ لیا۔

''نکل جا میرے گھر سے۔ بلا اپنی ماں کو۔ میں اب تم دونوں کو ایک منٹ برداشت نہیں کر سکتی۔''

''بھابی۔'' ثریا نے آ کر صبا کو ان سے چھڑانا چاہا۔ ''بھیا روکیں بھابی کو۔''

''بیگم ہوش میں آؤ۔'' سلیم احمد نے راحیلہ خاتون کو کلائی سے پکڑ کر کھینچا لیکن ان کی زبان نہیں روک سکے۔ ہر بات کے اختتام پر وہ ثریا اور صبا کو یہاں سے نکل جانے کو کہہ رہی تھیں۔

سلیم احمد نے ثریا کو وہاں سے ہٹ جانے کا اشارا کیا تو وہ صبا کو کھینچتے ہوئے کمرے میں لے آئی اور دروازہ اندر سے بند کر لیا تھا۔

❁......❁......❁

رات نصف سے زیادہ سفر طے کر چکی تھی اور اپنی اپنی جگہ وہ دونوں ہی جاگ رہی تھیں۔ ثریا حد درجہ خائف تھیں اور خود اس کے اندر ایسا الاؤ دہک رہا تھا جو سب کچھ بھسم کر دینا چاہتا تھا۔ کوئی ایک دکھ نہیں تھا' سمجھ میں نہیں آ رہا تھا وہ کس کس بات کا ماتم کرے گو کہ جاذب سے اس نے کوئی بڑی امیدیں نہیں باندھ رکھی تھیں لیکن جس طرح وہ اس کے گرد محبت کا حصار کھینچ کر اسے خود پر بھروسہ کرنے کو کہتا تھا تو وہ سچ مچ اس کا اعتبار کر لیتی تھی' اور اسی نے یقین دلایا تھا کہ وہ وقت آنے پر ضرور اسٹینڈ لے گا۔ اسٹینڈ لینا تو دور کی بات وہ اس کے حق میں ایک لفظ نہیں کہہ سکا تھا۔ وہ اس وقت اتنی شاکڈ تھی کہ راحیلہ خاتون کے تابڑ توڑ حملوں کا احساس تک نہیں ہوا تھا۔ اسے صرف یہ یاد تھا کہ جاذب دم دبا کر بھاگ رہا تھا۔

''تف ہے تم پر۔'' اس نے دانت پیسے پھر ایک دم اٹھ بیٹھی تو ثریا گھبرا کر اسے دیکھنے لگیں کہ وہ پھر تو کوئی تماشا کرنے نہیں جا رہی۔

''کیا ہوا؟'' ثریا کی آواز پر اس کے بال سمیٹتے ہاتھ رک گئے۔

''آپ سوئیں نہیں؟'' جواب ندارد۔ اس نے آرام سے بال سمیٹے پھر ثریا کو دیکھ کر بولی۔

''باپ بیٹا ایک ہی جیسے ہیں۔'' ثریا کا ذہن اس وقت کچھ بھی سمجھنے سے قاصر تھا جب ہی نا سمجھی میں اسے دیکھے گئی تو وہ سلگ کر بولی۔

''ماموں اور جاذب۔'' ثریا نے آنکھیں بند کر لیں تو وہ چڑ گئی۔

''کبوتر کی طرح آنکھیں بند کرنے سے کچھ نہیں ہوگا۔''

''تم چاہتی کیا ہو؟'' ثریا کے حلق سے گھٹی گھٹی آواز نکلی۔

''آپ فکر مت کریں اب وہی ہوگا جو میں چاہوں گی۔'' اس کے تنفر میں بلا کا یقین تھا۔ ثریا دہل گئیں۔

''خدا کے لیے صبا ہمارا کوئی اور ٹھکانا نہیں ہے۔''

''تو آپ اس بات سے ڈرتی ہیں کہ مامی جی نے نکال دیا تو ہم کہاں جائیں گی۔ تو میری ماں آپ سن لیں مامی جی نکالیں نہ نکالیں میں خود اب یہاں نہیں رہوں گی۔ اور یہاں والوں کو بھی چین سے اس گھر میں رہنے نہیں دوں گی' کیونکہ یہ صرف ان کا گھر نہیں ہے آپ برابر کی حصہ دار ہیں۔'' اس کے ارادے سن کر ثریا اٹھنے لگی تھیں کہ اس نے روک لیا۔

''بس اب سو جائیں آرام سے' مجھے بھی نیند آ رہی ہے۔'' اپنی بات کہتے ہی اس نے لیٹ کر سر تک چادر اوڑھ لی تھی۔ یہ الگ بات تھی کہ سوئی نہیں وہ آئندہ کی پلاننگ کرنا چاہتی تھی لیکن اس کا ذہن یکسو نہیں ہو پا رہا تھا۔ جب ہی وہ کسی ایک سوچ پر گرفت کر ہی نہیں سکی آخر تھک کر سو گئی۔

رات دیر سے سونے کے باوجود صبح وہ معمول سے پہلے ہی اٹھ گئی' کیونکہ وہ نہیں چاہتی تھی کہ اس کی ماں آنکھ کھلتے ہی گھر کے بکھیڑوں میں لگ جائے۔ وہ اب اسے نوکرانی نہیں بننے دے گی' یہ اس نے طے کرلیا تھا۔ جب ہی اٹھتے ہی واش روم میں بند ہوگئی۔ منہ ہاتھ دھو کر نکلی تو ثریا کو اٹھتے دیکھ کر فوراً ٹوک کر بولی۔

''کیوں اٹھ رہی ہیں' لیٹیں آرام سے' میں ناشتہ یہیں لے آؤں گی۔''

''تمہیں آفس جانا ہے۔'' ثریا نے اس پر بات رکھی' وہ چڑ گئی۔

''کہیں نہیں جانا مجھے۔ آپ سن لیں اگر آپ کمرے سے نکلیں تو میں کل سے بڑا ہنگامہ کروں گی۔'' اس نے دھمکی دی اور ثریا کو خائف چھوڑ کر کچن میں آگئی۔

وہ جانتی تھی اس وقت ثریا سب سے پہلے چائے بنا کر سلیم احمد اور راحیلہ خاتون کے کمرے میں پہنچاتیں پھر سب کے لیے ناشتہ بنانے میں لگ جاتیں اور اس نے چائے کا پانی رکھا ضرور لیکن آنچ دھیمی کر کے اپنے اور ثریا کے لیے ناشتا بنانے لگی۔ سلائس' گرم کیے پھر انڈا فرائی کر رہی تھی کہ راحیلہ خاتون آندھی طوفان کی طرح آن نازل ہوئیں۔ اسے دیکھ کر ایک لحظہ کو رکیں پھر پاٹ دار آواز میں بولیں۔

''وہ مہارانی سو رہی ہے کیا ابھی تک؟''

''جی۔'' اس نے اپنے کام میں مصروف رہ کر سہولت سے جواب دیا۔

''کیوں ناشتا کون بنائے گا؟''

''مہارانیاں ناشتا کیا کوئی بھی کام نہیں کرتیں۔'' اس نے سلائس اور انڈے کی پلیٹیں ٹرے میں رکھتے ہوئے کہا پھر دو مگ رکھ کر ان میں چائے ڈالنے لگی۔

''بہت زبان چلنے لگی ہے تمہاری۔'' راحیلہ خاتون تیز ہو کر اس کے قریب آئیں۔ اس نے جواب نہیں دیا ٹرے اٹھا کر سیدھی کمرے میں آگئی۔

''مجھے نہیں یاد کہ ہم نے کبھی ساتھ ناشتہ کیا ہو؟'' وہ ٹرے ثریا کے سامنے رکھ کر بیٹھتے ہوئے بولی پھر ثریا کو دیکھا اس کے چہرے پر واضح ناراضگی پھیلی تھی۔

''کیا ہوگیا ہے امی! ایسے کیوں دیکھ رہی ہیں۔ میں نے کچھ غلط نہیں کہا۔'' اس نے ٹوک کر کہا تو ثریا پوچھنے لگیں۔

''بھیا اور بھابی کو چائے دے دی؟''

''صرف چائے ہی نہیں ناشتا بھی دے آئی ہوں۔ کہیں تو یہ ٹرے بھی اٹھا کر دے آؤں۔'' اس نے جل کر کہا پھر سر جھٹک کر پہلا نوالا لیا کہ راحیلہ خاتون کے چلا چلا کر بولنے کی آواز آنے لگی۔ ثریا ایک دم پریشان ہوگئیں جبکہ وہ آرام سے ناشتے میں مصروف رہی جیسے سدا کی بہری ہو۔ پھر چائے کا کپ لے کر اٹھتے ہوئے بولی۔

''آپ ناشتا کریں امی' مامی جی تو اب یونہی چلایا کریں گی۔'' ثریا نے غصے سے اسے دیکھا۔ پھر دروازے کھولنے کے ارادے سے اٹھی تھیں کہ وہ بھاگ کر دروازے سے لگ کر کھڑی ہوگئی۔

''مامی جی نے آپ کو مہارانی کا صرف خطاب دیا ہے اور میں آپ کو مہارانی بناؤں گی۔''

❀......❀......❀

محسن بے حد خوش تھا۔ اس نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا کہ اس کی زندگی میں کوئی خوش گوار موڑ آسکتا ہے' وہ سوچنے بیٹھتا تو اسے لگتا جیسے وہ کوئی خواب دیکھ رہا ہے' پھر وہ خود کو سرزنش کرتا اور اس میں ایک بڑی تبدیلی آئی تھی کہ وہ خود اپنا بہت خیال رکھنے لگا تھا۔ پہلے جو وہ ذرا سی تکلیف کو خود پر طاری کرلیتا تھا تو اب اس میں برداشت کی ہمت پیدا ہو رہی تھی اور یہ سب نشاء کی محبت کا اعجاز تھا۔ ساجدہ بیگم نے اس سے یہی کہا تھا کہ نشاء اس سے محبت کرتی ہے اور اس کے نام کی انگوٹھی پہن کر بہت خوش ہے اور خوش تو وہ بھی تھا جب ہی تو چاہتا تھا کہ وقت کو پر لگ جائیں اور نشاء اس کے پاس آجائے۔ اس وقت اس کا بہت دل چاہ رہا تھا کہ وہ اسے سامنے بٹھا کر اس سے ڈھیروں باتیں کرے اور اس نے اپنی خواہش دبائی نہیں' اسے فون کر کے آنے کو کہا تو وہ سوچتے ہوئے بولی تھی۔

''ہم بھی...... ابھی کیسے آسکتی ہوں۔''

''جیسے بھی' بس آجاؤ' ورنہ میں ناراض ہوجاؤں گا۔''
اس نے کہا تو وہ فوراً بولی۔

''ہائے نہیں مونی' ناراض نہ ہو۔''

''تو پھر آرہی ہوناں؟''

''آرہی ہوں بابا آرہی ہوں۔'' نشاء نے فون بند کیا تو وہ مسکراتا ہوا کچن میں آگیا' جہاں بوا رات کے کھانے کی تیاری میں مصروف تھیں۔

''کھانے میں کیا کیا ہے بوا؟'' اس نے پوچھا تو وہ الٹا اس سے پوچھنے لگیں۔

''تم کیا کھاؤ گے بیٹا؟''

''میں تو کچھ بھی کھالوں گا' آپ نشاء کے لیے کوئی اچھی ڈش پکالیں۔''

''نشاء آرہی ہے؟'' بوا بھی خوش ہوگئیں۔

''جی آپ کو تو پتا ہوگا وہ کیا شوق سے کھاتی ہے۔'' اس نے کہا تو بوا ہنس کر بولیں۔

''لو مجھے نہیں پتا ہوگا تو کسے پتا ہوگا؟''

''وہ چلیں آپ جلدی سے کھانا پکائیں۔'' وہ کہتے ہوئے کچن سے نکل کر ساجدہ بیگم کے پاس آبیٹھا۔ اندرونی خوشی اس کے چہرے پر چھلک رہی تھی۔ ساجدہ بیگم نظریں چراتے چراتے بھی پوچھ گئیں۔

''کیا بات ہے' بہت خوش نظر آرہے ہو؟''

''ہم چھا'' وہ جھینپ کر ہنسا۔

''نشاء سے بات ہوئی ہے؟'' ساجدہ بیگم نے خود ہی قیاس کیا۔

''جی اور میں نے اسے ابھی آنے کو کہا ہے۔'' اس نے بتایا تو ساجدہ بیگم نے بے ساختہ ٹوکا۔

''کیوں......'' پھر یک دم سنبھلتے ہوئے کہنے لگیں۔

''بیٹا اب تو کچھ ہی دنوں کی بات ہے' تمہیں اسے نہیں بلانا چاہیے' بلال برا مانے گا اور لبنیٰ بھی باتیں بنائے گی۔''

''لیکن امی اب تو وہ آرہی ہے۔'' وہ ان کی بات سمجھ کر قدرے خائف ہوا تھا۔

''ٹھیک ہے لیکن اسے زیادہ دیر مت روکنا۔''

''جی۔'' وہ ڈھیروں باتیں کرنے کی خواہش دل میں دبائے اٹھا کھڑا ہوا۔

☆☆☆☆☆
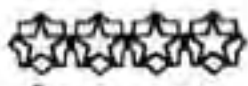
وہ دس منٹ میں تیار ہوکر نیچے آئی کہ لبنیٰ اسے دیکھ کر پوچھنے لگیں۔

''نشاء میں مارکیٹ جارہی ہوں چلوگی؟''

''مارکیٹ تو نہیں آنٹی آپ مجھے تایا ابو کے گھر چھوڑ دیجیے گا۔'' اس نے کہا تو لبنیٰ کی پیشانی پر بل پڑ گئے۔

''تایا کے گھر' نہیں اب تمہارا وہاں جانا ٹھیک نہیں۔''

''میں خود مناسب نہیں سمجھتی آنٹی لیکن مونی نے بلایا ہے' نہیں جاؤں گی تو ناراض ہوگا۔'' اس نے جز بز ہوکر کہا تو لبنیٰ ناگواری سے بولیں۔

''چند دن صبر نہیں کرسکتا وہ' تو تمہیں خیال کرنا چاہیے' دلہن بننے والی ہو اس کی۔''

''کس کی؟'' اسے جیسے سننے میں غلطی ہوئی۔

''محسن کی اور کس کی۔''

''محسن کی؟'' اس کا ذہن بری طرح چٹخا۔ ''یہ محسن کہاں سے آگیا آنٹی؟''

''اچانک تو نہیں آیا' ہمیشہ سے تمہارے ساتھ ہے' خیر میں جارہی ہوں۔'' لبنیٰ اسے زلزلوں کی زد میں چھوڑ کر چلی گئیں۔ وہ بمشکل خود کو گھسیٹتی ہوئی صوفے تک آئی کہ اس کے سیل فون کی ٹون بجنے لگی۔ خود کو صوفے پر گراتے ہوئے اس نے بلا ارادہ کال ریسیو کی تھی۔

''کتنا انتظار کرواؤ گی؟'' ادھر محسن تھا۔

''خدا کرے تمہارا انتظار کبھی ختم نہ ہو۔'' اس نے کہہ کر ادھر سیل بند کیا ادھر آنسوؤں نے سارے بند توڑ ڈالے تھے۔

اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا یہ اس کے ساتھ کیا ہوگیا ہے؟ محسن کے ساتھ اس کی وابستگی کو غلط رنگ کس نے دیا...... جلال احمد اور ساجدہ بیگم نے...... بلال احمد اور لبنیٰ...... احسن اور محسن؟ کون ہے اس کی کومل خواہشوں اور

آرزوؤں کا دشمن یہ سب تو اس کے اپنے تھے پھر......؟ اس کے سر میں شدید ٹیسیں اٹھ رہی تھیں جبکہ دل جیسے سہم کر خاموش ہوگیا تھا۔

اپنے کمرے میں آ کر وہ ایک پل چین سے نہیں بیٹھ سکی۔ مسلسل ادھر سے ادھر چکرا رہی تھی اسی حساب سے اس کے ذہن میں ان گنت سوچیں گڈمڈ ہو رہی تھیں۔ کبھی احسن کا ٹھوس لہجہ۔

"اپنے اندر کونفیڈینس پیدا کرو نشاء زندگی کوئی کھیل نہیں ہے جسے تم اس چار دیواری کے اندر آرام سے گزار دوگی اگر آگے کی جستجو نہیں ہے تب بھی اپنا دفاع کرنا سیکھو یا یونہی ہر ایک کے سامنے ہتھیار ڈال کر رونے کھڑی ہو جاؤ گی...... نہیں۔" اس نے سختی سے آنکھیں میچیں تو سماعتوں پر محسن کی آواز دستک دینے لگی۔

"اب تو خود میرے اندر بھی زندہ رہنے کی خواہش جاگنے لگی ہے اور یہ یقیناً تمہاری دواؤں دعاؤں اور محبتوں کا اعجاز ہے کہ مجھ جیسا مایوس بندہ بھی زندگی سے پیار کرنے لگا ہے۔" اس نے ایک دم آنکھیں کھول دیں۔ بیڈ پر رکھا اس کا سیل بج رہا تھا۔ اسے پہلا خیال یہی آیا کہ محسن کال کر رہا ہوگا' یکلخت اس کے ذہن میں ایک سوچ ابھری تھی کہ اس نے تیر کی سی تیزی سے سیل فون اٹھالیا اور ریسیو کا بٹن پش کرتے ہی زہر خند سے بولی۔

"تم کسی خوش فہمی میں مت رہو مونی' میں کبھی بھی تم سے شادی نہیں کروں گی' بتادو تائی امی کو کہ میں......"

"نشاء......" بھاری بوجھل پکار نے اسے مزید بولنے سے روک دیا تھا۔ وہ ابھی سمجھنے کی کوشش کر رہی تھی کہ احسن ٹوٹے لہجے میں بولے تھے۔

"ایسا مت کرو نشاء' مونی مر جائے گا۔ کیا تم اسے مرتے ہوئے دیکھ سکتی ہو۔" اس کا دل کسی اتھاہ گہرائی میں ڈوبنے لگا۔

"نہیں' میں جانتا ہوں تم ایسا تصور بھی نہیں کر سکتیں' پھر بھی تمہیں میری قسم' تمہیں اپنی محبت کی قسم مونی سے اس کی خوشی مت چھینو' تمہاری محبت کے احساس نے اس کے اندر جینے کی امنگ پیدا کی ہے' اس سے یہ احساس مت چھینو نشاء۔" وہ ٹوٹ کر بول رہے تھے اور وہ گم صم کھڑی تھی۔

"مجھ سے وعدہ کرو' تم جیسے اب مونی کا خیال کرتی ہو شادی کے بعد اس سے بھی زیادہ......"

"نہیں......" وہ ہذیانی انداز میں چیخ پڑی۔ "میں کوئی وعدہ نہیں کروں گی۔ میں اب کوئی وعدہ نہیں کروں گی۔"

"نشاء...... نشاء...... میری بات سنو۔" انہوں نے پکار کر کہا لیکن اس نے سیل فون آف کر دیا تھا۔

❁......❁......❁

گزشتہ دنوں وہ جتنی خوش تھی اب اسی قدر آزردگیوں میں گھر گئی تھی اور فطری بات تھی کہ اس مقام پر اسے اپنی ماں یاد آنے لگی تھی' کہ اگر وہ ہوتی تو کبھی اس کے ساتھ یہ ظلم نہ ہونے دیتیں۔ اس وقت اپنی ماں کے بارے میں سوچتے ہوئے اچانک اسے وہ خاتون یاد آئیں جو اس کا پرپوزل لے کر آئی تھیں اور اسے ثریا کی بیٹی کہہ رہی تھیں۔ ان کے بارے میں سوچتے ہوئے وہ لبنیٰ کے پاس آ گئی۔

"آنٹی وہ آپ سے ایک بات پوچھنی تھی۔" اس نے کہا تو لبنیٰ سوالیہ نظروں سے اسے دیکھنے لگیں۔

"وہ جو اس روز خاتون آئی تھیں اپنے بیٹے کا پرپوزل لے کر......" اس نے ابھی اسی قدر کہا تھا کہ لبنیٰ جانے کیا سمجھ کر بول پڑیں۔

"ہاں انہیں تو میں نے بلال کے کہنے پر منع کر دیا تھا کیونکہ اگلے روز ہی تمہارے تایا تائی آ گئے تھے۔"

"آپ نے خود جا کر انہیں منع کیا تھا؟" اس نے اس خیال سے پوچھا کہ گھر کا ایڈریس معلوم کر سکے گی۔

"نہیں...... میں نے فون کر دیا تھا۔" لبنیٰ نے مشکوک نظروں سے اسے دیکھا پھر پوچھنے لگیں۔

"تم کیوں پوچھ رہی ہو' کوئی کام ہے ان سے؟"

"جی' آپ مجھے ان کا فون نمبر دے دیں۔" اسے ڈھیٹ بننا پڑا۔

"فون نمبر۔" لبنیٰ سوچتے ہوئے بولیں۔ "دیکھو شاید میں نے وہاں ڈائری میں لکھا تھا۔"

''کس نام سے؟'' اس نے فوراً پوچھا۔
''مسز شاہ' لیکن دیکھو کوئی ایسی حرکت مت کرنا۔''
لبنیٰ نے انگلی اٹھا کر اپنی تنبیہ مکمل کی تو وہ کوئی بھی جوابی تاثر دیئے بغیر پلٹ آئی اور ڈائری سے نمبر نوٹ کر کے اپنے کمرے میں آتے ہی اس نے اپنے سیل فون سے نمبر ملایا تھا۔
تیسری بیل کے بعد خاتون کی آواز سنائی دی تھی۔
''ہیلو......''
''آنٹی میں نشاء بول رہی ہوں۔'' اس نے فوراً تعارف کرایا۔ ''نشاء بلال احمد۔ ثریا کی بیٹی۔''
''ارے بیٹا' کیسی ہو۔'' شفقت سے پوچھا گیا۔
''ٹھیک ہوں' آپ سے ملنا چاہتی ہوں آنٹی۔'' اس نے مدعا بیان کرنے میں بھی جلدی کی۔
''ضرور بیٹا' جب چاہو تم آسکتی ہو یا میں آجاؤں۔'' انہوں نے پوچھا تو اب وہ سہولت سے بولی۔
''میں آجاؤں گی آنٹی' آپ ایڈریس بتادیں۔'' اس نے ایڈریس نوٹ کیا پھر انہیں جلدی ملنے کا کہہ کر فون بند کرتے ہی جانے کیا کچھ سوچنے لگی اور کوئی اچھی سوچ نہیں تھی' کیونکہ دل پر ایسی چوٹ پڑی تھی جس نے اسے سب سے متنفر کردیا تھا۔
اور پھر اگلے روز ہی وہ مسز شاہ کے پاس پہنچ گئی تھی۔ وہ اس سے بہت محبت سے ملیں تو اس نے پہلا سوال اپنی ماں کے بارے میں کیا تھا۔
''آپ میری امی کو کیسے جانتی ہیں آنٹی؟''
''ثریا میری دوست تھی بیٹا۔'' انہوں نے بتایا تو اسے دھچکا لگا۔
''تھی مطلب؟''
''ارے بیٹا تم کچھ غلط مت سمجھو۔'' انہوں نے سمجھ کر اس کا چہرہ اپنے ہاتھوں میں لے لیا۔ ''میرا مطلب ہے کہ اب مجھے نہیں پتا وہ کہاں ہے۔ بہت سال پہلے ہم یوں بچھڑے کہ پھر ملاقات ہی نہیں ہوئی۔''
''پھر آپ نے مجھے کیسے پہچانا کہ میں ثریا کی بیٹی ہوں؟'' اس نے پوچھا تو وہ بے ساختہ مسکرائیں پھر کہنے لگیں۔
''ایسا ہے بیٹا کہ تمہارے ابو کے نام سے مجھے شبہ ہوا تھا پھر تمہیں دیکھ کر تو یقین ہوگیا کہ تم ثریا کی بیٹی ہو کیونکہ تم ہو بہو اپنی ماں کی تصویر ہو۔ اب کہاں ہے تمہاری ماں؟'' آخر میں انہوں نے پوچھا تو وہ مایوسی سے بولی۔
''مجھے نہیں پتا آنٹی' میں تو خود آپ سے پوچھنے آئی ہوں۔''
''کیا مطلب......؟'' وہ حیران ہوئیں۔ ''تمہیں تمہارے ابو نے نہیں بتایا؟''
''نہیں' میں نے خود ابو سے نہیں پوچھا' اصل میں میں ابو کے ساتھ نہیں رہی' ابو مجھے تایا ابو اور تائی امی کے پاس چھوڑ کر خود باہر چلے گئے تھے اور اتنے سالوں بعد اب واپس لوٹے ہیں۔'' اس نے بتایا تو وہ پوچھنے لگیں۔
''تمہارے تایا تائی نے تمہیں پالا؟''
''جی۔'' وہ اپنے ناخن دیکھنے لگی۔ سمجھ میں نہیں آرہا اب کیا بات کرے تو قدرے رک کر مسز شاہ کہنے لگیں۔
''بہر حال ثریا کے ساتھ بہت زیادتی ہوئی' میں ان دنوں کوئٹہ میں تھی جب مجھے ثریا کا خط ملا۔ اس نے لکھا تھا کہ بلال احمد نے اسے گھر سے نکال دیا ہے اور چھوٹی بچی نشاء بھی اس سے چھین لی ہے شاید وہ صبا کو بھی چھین لیتا لیکن؟''
''صبا......'' اس نے چونک کر بے اختیار پوچھا۔
''تمہاری بہن......'' مسز شاہ نے کہا تو اسے حیرت کا شدید جھٹکا لگا۔
''میری بہن' مجھے تو تائی امی نے کبھی نہیں بتایا کہ میری بہن بھی ہے۔''
''انہوں نے تو تمہیں ثریا کے بارے میں بھی نہیں بتایا۔'' مسز شاہ کے شاکی انداز پر وہ انہیں دیکھتی رہ گئی تھی۔

❁......❁......❁

کتنے دن ہوگئے تھے ریان کا فون نہیں آیا تھا۔ پہلے وہ لاشعوری طور پر منتظر تھی' پھر باقاعدہ سوچنے لگی اور انتظار

الگ۔ دن میں ہی نہیں رات میں بھی نیند سے اٹھ اٹھ کر سیل فون چیک کرتی کہ شاید اس کی کال آئی ہو۔ اس وقت اسے سوچتے ہوئے وہ رہ نہیں سکی اور خود اس کا نمبر پش کر دیا تو دوسری بیل پر ہی کال ریسیو تو ہوگئی لیکن وہ بولا نہیں تھا۔

"ہیلو۔" وہ جھجک رہی تھی' نروس بھی تھی اور وہ خاموش رہ کر اسے محسوس کر رہا تھا۔

"ہیلو ریان۔" اس کی خاموشی سے گھبرا کر مریم نے پکارا تب وہ بولا۔

"سوری...... میں کھو گیا تھا۔"

"کہاں کھو گئے تھے اتنے دنوں سے فون نہیں کیا؟" اس نے سادگی سے ٹوک کر کہا تو وہ جیسے انتظار میں تھا۔

"تمہیں میرے فون کا انتظار تھا؟"

"ہاں...... نہیں...... آئی مین......" وہ کنفیوز ہوئی۔

"ایک بات کہو ہاں یا ناں۔ وضاحتیں مت دو۔" ٹھہرا ہوا لہجہ تھا' وہ کشمکش میں پڑ گئی۔

"میں تمہارے جواب کا انتظار کر رہا ہوں۔ بتاؤ تمہیں میرے فون کا انتظار تھا۔" اس نے پھر پوچھا تو وہ چند لمحات بعد بولی۔

"ہاں۔"

"تھینکس۔ تم نے مجھے زندگی دے دی۔" ریان نے لمبی سانس کھینچی تھی۔

"یہ...... یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟"

"سچ کہہ رہا ہوں' میری سانسیں رک گئی تھیں کہ کہیں تم ناں نہ کہہ دو' اب پوچھو میں نے اتنے دن فون کیوں نہیں کیا۔" ریان نے وضاحت کے ساتھ کہا تو اب وہ سوچتے ہوئے بولی تھی۔

"آپ بتا دیں۔"

"یہی جاننے کے لیے کہ تم مجھے مس کرتی ہو کہ نہیں اور میں چاہتا تھا تم مجھے فون کرو۔ تم سے زیادہ میں نے تمہارے فون کا انتظار کیا ہے۔ ہر روز ہر پل۔" وہ بہت دھیرے دھیرے اس کے دل کے تاروں کو چھیڑ رہا تھا' یوں کہ برسوں سے وہ جس خول میں بند تھی وہ چٹخ رہا تھا۔ بے ترتیب دھڑکنوں میں امنگوں کے ساتھ جستجو بھی انگڑائیاں لے رہی تھی اور یہ جستجو ہی تھی کہ وہ اس سے ملنے پر آمادہ ہوئی اور اگلے دن جہاں اس نے کہا وہاں پہنچ بھی گئی لیکن بہت نروس تھی۔

"تم کیوں اتنی تنہا اور بیزار ہو۔" ریان کے پوچھنے پر وہ یوں دھیرے دھیرے بولنے لگی جیسے اس نے ٹیپ کا بٹن دبا دیا ہو۔

"میری اسٹیپ مدر ہیں' شاید اس لیے ان کے اور میرے درمیان ہمیشہ فاصلہ رہا اور پاپا اپنے بزنس میں مصروف' اس لیے میں تنہائی فیل کرتی ہوں' آپ سوچیں سارا دن آپ سے کوئی بات کرنے والا نہ ہو' دیواروں کو تکنا پڑے' بے جان تصویروں پر نظریں جمائے یہ سوچنا کہ یہ ابھی بولنے لگیں گی' ایسے میں کوئی کیسے نارمل رہ سکتا ہے۔"

"مجھے دیکھو' کیا میں تمہیں نارمل نہیں لگ رہا۔" ریان نے کہا تو وہ نا سمجھنے کے انداز میں اسے دیکھنے لگی۔

"ہاں' میں...... میں نارمل ہوں کیونکہ میں نے اس بات کو خود پر طاری ہی نہیں کیا کہ میرا کوئی نہیں ہے اور سچ تو یہ ہے کہ اب کوئی کسی کا نہیں ہے ہر شخص اپنی زندگی جی رہا ہے۔ پھر تم نے کیوں خود پر زندگی تنگ کر رکھی ہے۔" ریان نے اپنے بارے میں بتا کر کہا تو وہ بے بسی سے بولی۔

"میں کیا کروں' مجھے کچھ اچھا نہیں لگتا۔"

"تم کسی چیز میں دلچسپی لوگی تو اچھا لگے گا۔ دنیا اتنی بے رنگ نہیں ہے' اپنے خول سے باہر نکل کر دیکھو تو......"

"کیا دیکھوں؟" مریم گلاس وال سے باہر دیکھنے لگی پھر ایک طرف اشارہ کر کے بولی۔ "وہ......" ریان نے اس کے اشارے کی طرف دیکھا' ایک بوڑھی عورت بھاری سامان اٹھائے بمشکل چل رہی تھی بلکہ خود کو گھسیٹ رہی تھی۔

"وہ......" مریم نے دوسری سمت اشارہ کیا تو ریان کی نظریں اس سمت اٹھ گئیں' دو آدمی ایک دوسرے کا گریبان پکڑے جھگڑ رہے تھے۔ وہ نفی میں سر ہلا کر اسے دیکھنا چاہتا تھا کہ نظر دو بہت چھوٹے بچوں پر پڑی' ایک لڑکا ایک لڑکی

کندھوں پر اسکول بیگ لٹکائے ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑے چل رہے تھے۔

''نہیں وہ۔'' ریان نے فوراً ان کی طرف اشارہ کیا تو اس سمت دیکھتے ہوئے مریم کے چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ چمکی تھی اور جب تک بچے نظروں سے اوجھل نہیں ہوگئے وہ انہیں دیکھتی رہی پھر ریان کو دیکھ کر بے ساختہ پوچھا تھا۔

''آپ کون ہیں؟''

''تمہارا دوست۔'' ریان نے کہا تو وہ قدرے الجھی۔

''میرا مطلب ہے آپ مجھے کیسے جانتے ہیں' آپ نے کہا تھا کہ آپ نے میرا نمبر میرے سیل فون سے چرایا تھا..... کیسے؟''

''وہ تو میں نے یونہی کہہ دیا تھا۔'' وہ محظوظ ہو کر مسکرایا تھا۔

''پھر؟''

''پھر یہ کہ میں اپنے بارے میں بعد میں بتاؤں گا' آئی مین نیکسٹ ملاقات میں۔ ابھی کھانا کھاؤ۔'' ریان نے خوب صورتی سے آئندہ ملاقات طے کر کے اس کی توجہ کھانے کی طرف دلائی تھی۔ اور پھر اس نے بھی اصرار نہیں کیا۔ شاید وہ اسے کھونا نہیں چاہتی تھی۔ وہ جو اسے زندگی اور اس کی خوب صورتیوں سے روشناس کرا رہا تھا اس سے وہ دوبارہ اور شاید بار بار مل سکتی تھی۔ بہر حال جب وہ گھر لوٹی تو بہت مگن سی تھی' سیدھی اپنے کمرے کی طرف بڑھ رہی تھی کہ لبنیٰ کے پکارنے پر چونک کر انہیں دیکھنے لگی۔

''آج سارا دن کہاں رہی ہو؟'' لبنیٰ نے پوچھا۔ ''بی بی بتا رہی تھیں تم دوپہر میں گئی تھی۔''

''جی دوپہر میں گئی تھی۔'' وہ اندر سے خائف ہوئی تھی۔

''کہاں؟'' لبنیٰ کا انداز سرسری تھا۔

''جی فرینڈ کے پاس۔'' یہ جھوٹ نہیں تھا پھر بھی اسے بولنے میں دقت ہوئی تھی۔

''اچھی بات ہے جایا آیا کرو' کوئی نئی فرینڈ ہے؟''

''جی۔''

''تو کیسا رہا آج کا دن' نئی فرینڈ کے ساتھ انجوائے کیا۔'' لبنیٰ کو شاید اس کی تبدیلی اچھی لگ رہی تھی۔

''جی۔''

''گڈ۔'' لبنیٰ سراہ کر آگے بڑھ گئی تب اس نے گہری سانس کھینچی پھر سیڑھیاں پھلانگتے ہوئے اپنے کمرے میں آ گئی تھی۔

❀......❀......❀

جانے قسمت میں کیا لکھا تھا کہ وہ اپنی ہر کوشش میں ناکام ہو رہی تھی۔ اسے مسلسل مایوسی کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا۔ گو کہ کسی اور جگہ جاب کی کوشش تو وہ اسی روز سے کر رہی تھی جب خان جنید نے اسے شادی کی آفر کی تھی۔ اس نے سوچا تھا وہ انہیں کوئی جواب دیئے بغیر آرام سے الگ ہو جائے گی' اس لیے وہ پریشان بھی نہیں تھی لیکن اب جس طرح راحیلہ خاتون نے اس کا اور اس سے زیادہ اس کی ماں کا جینا حرام کر دیا تھا تو وہ جتنا چاہ رہی تھی کہ جلد سے جلد ماں کو لے کر اپنا کہیں الگ انتظام کرلے تو اسی قدر اسے مشکلات کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا۔ ایک دو جگہ اس نے دو کمرے کا فلیٹ دیکھا بھی' کرایہ تو مناسب تھا لیکن ایڈوانس کی مد میں جمع کرانے کے لیے جو رقم بتائی گئی اتنی تو وہ اپنی چھ مہینے کی تنخواہ جمع کر کے بھی ادا نہیں کر سکتی تھی۔ مزید اچھی جاب کے لیے اس نے کتنی جگہوں پر اپلائی کر رکھا تھا تو کسی طرف سے بھی کوئی جواب نہیں آ رہا تھا۔ اگر اس کی ماں کے دل میں راحیلہ خاتون کا اتنا خوف نہ ہوتا تو شاید وہ پریشان نہ ہوتی' اور سہولت سے اپنا الگ انتظام کر سکتی تھی لیکن راحیلہ خاتون تو سر پر ڈنڈا لیے کھڑی تھیں کہ ابھی نکل جاؤ۔ وہ تو سارا دن گھر پر نہیں ہوتی تھی عتاب اس کی ماں پہ نازل ہوتا تھا۔ وہ جب گھر لوٹتی ثریا کی سہی ہوئی شکل اور آنکھوں میں ایک ہی سوال......

''کچھ بنا......؟'' وہ نظریں چرا جاتی' یہ بھی نہیں کہہ سکتی تھی کہ آپ کیوں پریشان ہوتی ہیں کیونکہ وہ خود پریشان تھی اور یہ تو نہیں تھا کہ یہ پریشانی اس کی اپنی پیدا کردہ تھی' وہ اگر اسٹینڈ نہ لیتی تو راحیلہ خاتون اسے اپنے بھانجے کے ساتھ

رخصت کردیتیں اس کے بعد ثریا مکمل ان کے رحم وکرم پر ہوتی۔ بہر حال یہ مشکل وقت کسی طور کٹ ہی جاتا تھا اگر جو سلیم احمد بیوی کی زبان نہ بولنے کھڑے ہوجاتے۔

"ثریا' میں تنگ آ گیا ہوں روز روز کے جھگڑوں سے تمہاری بیٹی کی بدلحاظی نے مجھے راحیلہ خاتون کے سامنے شرمندہ کر کے رکھ دیا ہے اب میں اس سے کچھ کہہ بھی نہیں سکتا۔ بہتر ہے تم بیٹی کو لے کر یہاں سے چلی جاؤ۔" ثریا تو مارے صدمے کے کچھ بول ہی نہیں سکی اور وہ بھی بمشکل بولی تھی۔

"میں کوشش کررہی ہوں ماموں جی۔"

"کیا کوشش کررہی ہو؟" تروٹھے پن کی انتہا تھی۔

"یہی کہ کہیں سر چھپانے کی جگہ مل جائے۔"

"مفت میں کہیں جگہ نہیں ملے گی۔" انہوں نے جتا کر جیب میں ہاتھ ڈالا اور چند نوٹ نکال کر اس کی طرف بڑھائے۔ "یہ لو۔" اسے اگر رشتے اور عمر کا خیال نہ ہوتا تو نوٹ لے کر ان کے منہ پر دے مارتی' بمشکل ضبط سے بولی تھی۔

"یہ آپ رکھیں ماموں جی' اور فکر نہ کریں' ہم جلدی یہاں سے چلے جائیں گے۔"

"ہاں جلدی' میں راحیلہ سے کہہ دیتا ہوں بس ایک ڈیڑھ ہفتے کی بات ہے۔" سلیم احمد خود ہی اسے ایک ڈیڑھ ہفتے کی مہلت دے کر چلے گئے تو ثریا نے اس کا بازو تھام لیا۔

"کیا ہوگا؟ اب کہاں جائیں گی ہم اسی دن کے لیے منع کرتی تھی' مت زدم دکھاؤ۔ اب بتاؤ کون ہے ہمارا؟ کہاں سر چھپائیں گی ہم...... یا اللہ۔" ثریا اپنے پیچھے پلنگ پر ڈھے کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی اور دل تو اس کا بھی چاہ رہا تھا چیخ چیخ کر آسمان سر پر اٹھالے لیکن جانتی تھی کہیں شنوائی نہیں ہوگی' کتنی دیر وہ ثریا کو سسکتے ہوئے دیکھتی رہی اتنی ہمت نہیں تھی کہ ان کے آنسو پونچھ سکے۔ ذہن الگ ماؤف' کچھ بھی سوچنے سے قاصر تھا۔

"کیا کروں؟" دل میں اٹھتی درد کی لہر دباتے ہوئے اس نے آنکھیں بند کی تھیں کہ اچانک ذہن میں جھماکا ہوا تھا اور پھر اس نے کچھ نہیں سوچا اپنا سیل فون لے کر واش روم میں بند ہوگئی تھی۔ تقریباً پندرہ منٹ بعد وہ واش روم سے نکلی اور عجلت دکھاتے ہوئے ثریا سے مخاطب ہوئی۔

"اٹھیں امی' ہمیں ابھی یہاں سے جانا ہے۔"

"کہاں؟" ثریا رونا بھول کر اسے دیکھنے لگیں۔

"یہ سوال جواب بعد میں بس آپ جلدی سے جو ضروری چیزیں لینی ہوں لے لیں۔" اس نے کہتے ہوئے بیگ نکالا اور اس میں اپنی ضروری چیزیں رکھنے لگی تو ثریا اٹھ کر اس کے پاس آگئیں۔

"صبا مجھے بتاؤ' ہم کہاں جائیں گی۔"

"گھر...... گھر مل گیا ہے' کہیں روڈ پر نہیں بٹھاؤں گی آپ کو۔ اب خدا کے لیے جلدی کریں گاڑی آنے والی ہے۔" اس نے زچ ہوکر کہا تو ثریا مزید الجھ گئیں۔

"گاڑی؟"

"میرے آفس کی گاڑی ہے' ہمیں گھر پہنچادے گی۔" وہ مزید تیزی دکھانے لگی۔

جلدی جلدی بیگ میں چیزیں ٹھونس کر زپ بند کی پھر سوٹ کیس میں اپنے اور ثریا کے کپڑے رکھنے لگی۔ تب ثریا نے جو سمجھ میں آیا سوٹ کیس میں ڈال دیا۔ پھر گاڑی آنے کا فون سن کر وہ بیگ اور سوٹ کیس گھسیٹتے ہوئے کمرے سے نکلی تو ثریا نے پوچھا نہیں تھا شاید اپنا ارادہ ظاہر کیا تھا۔

"بھیا کو بتادوں۔"

"کوئی ضرورت نہیں۔ وہ خود ہی دیکھ لیں گے۔" اور واقعی لاؤنج میں سلیم احمد اور راحیلہ خاتون بھی موجود تھیں۔ راحیلہ خاتون نے تو نخوت سے منہ موڑ لیا البتہ سلیم احمد ہک دک انہیں جاتے ہوئے دیکھ رہے تھے۔ ثریا کے قدم رک رک کر اٹھ رہے تھے۔ وہ ایک بار پہلے ماں باپ کے گھر سے وداع ہوئی تھیں اور اب نکالی جارہی تھیں۔ بس گھروں کا فرق تھا' لیکن تھا تو یہ بھی اس کے باپ کا گھر۔ ماں باپ نہیں رہے تھے ماں جایا تو تھا۔ کاش سر پر ہاتھ ہی رکھ دیتا۔ وہ اسی انتظار میں دہلیز پر رکی تھیں کہ شاید لیکن صبا نے

سامان ڈرائیور کے حوالے کیا اور اسے کھینچ کر گاڑی میں بٹھایا تھا۔

گاڑی جانے کن کن راستوں پر دوڑ رہی تھی ثریا تو کیا خود اسے خبر نہیں تھی۔ اس کا ذہن ان راستوں پر بھٹک رہا تھا جو اس کا ماضی بننے جا رہے تھے۔ گھنٹے بھر میں اس نے اپنی اب تک کی زندگی کا سفر طے کرلیا تھا' جب گاڑی رکی تب اس نے چونک کر دیکھا۔ سی ویو کے قریب خوب صورت اپارٹمنٹ تھا۔

''چلیں امی۔'' اس نے اپنی طرف کا دروازہ کھولتے ہوئے ثریا کو دیکھا وہ اپنے آنسو پونچھ رہی تھیں۔ اس نے ہونٹ بھینچ کر خود کو کچھ بھی کہنے سے باز رکھا۔ پھر وہ ثریا کا ہاتھ تھامے ہوئے ڈرائیور کے پیچھے سیکنڈ فلور پر اپارٹمنٹ کے دروازے پر رک گئی۔ ڈرائیور نے پہلے ان کا مختصر سامان اندر رکھا پھر اپارٹمنٹ کی چابی کے ساتھ ایک لفافہ اسے تھما کر بولا تھا۔

''کسی چیز کی ضرورت ہو تو میں نیچے موجود ہوں۔'' اس نے سر ہلانے پر اکتفا کیا اور ثریا کے ساتھ اندر داخل ہو کر دروازہ بند کرلیا۔

''یہ...... یہ کس کا گھر ہے صبا؟'' ثریا سب بھول کر نئی پریشانی میں مبتلا ہوگئی۔

''آپ کا...... پہلے ڈرائیور کو فارغ کردیں پھر آرام سے دیکھیے گا۔'' اس نے قصداً سرسری انداز اختیار کیا اور جلدی سے بیگ میں سے پین اور پیپر نکال کر خصوصاً کچن کے لیے فوری ضرورت کی اشیاء لکھ کر ڈرائیور کو فون کیا تو وہ فوراً ہی آگیا۔ وہ پرچہ اسے تھما کر واپس آئی تو ثریا بت بنی کھڑی تھی۔

''اف امی...... آپ بیٹھ تو جائیں۔'' اس نے ثریا کو کندھوں سے تھامنا چاہا لیکن وہ فوراً پیچھے ہٹ کر بولیں۔

''نہیں' پہلے بتاؤ یہ سب کیا ہے؟''

''کیا ہے' گھر ہے اتنے دنوں سے کوشش کر رہی تھی کہ کہیں ٹھکانا مل جائے اور اب ٹھکانا مل گیا ہے تو آپ پریشان کیوں ہو رہی ہیں؟''

''پریشان اس لیے ہو رہی ہوں کہ یہ ہماری اوقات سے بڑھ کر ہے' ہم تو کسی پسماندہ علاقے میں دو کمرے کا مکان افورڈ نہیں کرسکتے کہاں یہ......'' ثریا نے تڑخ کر کہا تو وہ درد دبا کر بولی۔

''یہ میرے باس کی عنایت ہے۔''

''کیا مطلب؟'' ثریا کی نظریں اسے اندر تک چھلنی کر گئی تھیں۔

''مطلب میں نے باس کو بتایا کہ میں اس وقت بہت پرابلم میں ہوں مجھے فوری رہائش کی ضرورت ہے' تو انہوں نے میری پرابلم سولو کردی۔ اب یہاں رہ کر میں اطمینان سے اپنی حیثیت کے مطابق رہائش تلاش کرسکوں گی۔'' اس نے سہولت سے بات بنائی تھی۔

''تم سچ کہہ رہی ہو؟'' ثریا غیر یقین تھیں۔

''اس میں جھوٹ کیا ہے؟'' اس نے کہہ کر گلاس وال سے پردہ کھینچا تو سورج اپنی آخری کرنیں سمیٹتا دور سمندر میں اتر رہا تھا اس کی آنکھیں یکلخت پانیوں سے بھر گئیں اور پھر وہ رو پڑی۔

''سب جھوٹ ہے امی' سب جھوٹ ہے' میں بھی جھوٹی ہوں۔''

''سچ کیا ہے؟'' ثریا کی آواز کہیں دور سے آئی تھی۔

❁......❁......❁

وہ مقدر سے یوں ہاری کہ اس کے اندر دور تک سناٹا پھیل گیا تھا۔ نہ احسن کی دی قسمیں یاد رہیں نہ محبتوں کے واسطے' سارے احساسات جیسے برف کی سلوں تلے منجمد ہوگئے تھے۔

''نکاح کے لیے لوگ آرہے ہیں تم پلیز رونا مت ورنہ میک اپ خراب ہوجائے گا۔'' لبنیٰ نے اس کے سر پر آنچل جما کر کہا تو اس نے چپ چاپ پیشانی گھٹنوں پر ٹکالی اور اندر آتے قدموں کی چاپ سننے لگی پھر کوئی اس کے بیڈ پر بیٹھا تھا' ہر طرف خاموشی اور خاموشی کا سینہ چیرتی صرف ایک آواز۔

''نشاء بلال احمد تمہیں محسن جلال احمد سے نکاح قبول

ہے۔" دوسری اور پھر تیسری بار دہرایا گیا تو یکلخت اس نے ساری شرم ساری مصلحتیں بالائے طاق رکھ کر سر پر ٹھہرا لبنیٰ کا ہاتھ جھٹک کر سر اونچا کیا۔ عین سامنے بلال احمد اور جلال احمد کھڑے تھے دونوں کے چہرے روشن اور چمکتے ہوئے کہیں کوئی پشیمانی نہیں، کہیں کسی دھوکے کا شائبہ نہیں ایک وہ جس نے اس کی ماں کو دربدر کیا، دوسرا وہ جو اپنے بیمار بیٹے کو کچھ برس اور زندہ رکھنے کی خاطر اس کے آنچل کی پناہ دینا چاہتا ہے ان چمکتے چہروں نے اس کے اندر آگ لگادی دل چاہا نہیں کی صورت اتنی زور سے چیخے کہ اس کی آواز دنیا کے اِس سرے سے اُس سرے تک سنی جائے اور کائنات کا ذرہ ذرہ گواہ ہو۔

"ہاں کہو۔" لبنیٰ نے پھر اس کے سر پر ہاتھ رکھا اور دباؤ ڈال کر اس کا سر جھکاتے ہوئے سرگوشی میں بولی تو وہ سسک پڑی۔

"ہاں...... ہاں...... ہاں۔" کمرے کی خاموش فضاؤں میں مبارک سلامت کا شور اٹھا جس میں اس کی سسکیاں دب کر رہ گئیں، پھر اس کے بعد جامد خاموشی، ہونٹ آپ ہی آپ سل گئے، کانوں پر دبیز پردے آگرے اور آنکھیں سارے سپنے کھو کر ویران ہوگئیں یوں کہ محسن جلال احمد کے سنگ دوبارہ اس گھر میں آ کر بھی اس کے اندر نئی زندگی کی کوئی ہلکی سی امنگ بھی نہیں جاگی تھی اور اس کے برعکس محسن کی خوشی کا ٹھکانا نہیں تھا، وہ اپنی خوشی میں مست اس کا ہاتھ تھام کر کہنے لگا۔

"میرے گمان میں بھی نہیں تھا کہ کبھی میری زندگی میں بھی بہار آسکتی ہے۔ تمہاری محبت نے تو اچانک ایسے پھول کھلائے ہیں کہ میں صرف چند برس نہیں بلکہ برسہا برس جینے کی تمنا کرنے لگا ہوں۔"

"میری محبت......" اس نے سوچا اور دل چاہا زور زور سے ہنس کر اس کا مذاق اڑائے لیکن وہ ہونٹ بھینچے بیٹھی رہی اور وہ کہتا رہا۔

"مجھے ہمیشہ افسوس رہے گا کہ میں نے در دل پر تمہاری محبت کی دستک سننے میں بہت دیر کی۔ کاش میں اسی روز جان جاتا جس روز تم نے کہا تھا کہ تم سب کچھ بھول سکتی ہو یہاں تک کہ اپنے آپ کو بھی لیکن مجھے نہیں۔"

"اف......" اس نے سختی سے آنکھیں بند کی تھیں۔

"اور پتا ہے نشاء میں تو اس کے بعد بھی نہیں جان پایا وہ تو جب ابو نے میری اور تمہاری شادی کی بات کی تو میں بہت حیران ہوا کہ یہ کیسے ممکن ہے اور میں نے امی ابو سے کہا کہ تم مجھ سے شادی پر رضامند نہیں ہوگی، اس پر ابو بہت ہنسے اور کہا کہ وہ لڑکی جو اتنی محبت سے تمہارا خیال رکھتی ہے، وہ تم سے شادی کیوں نہیں کرے گی اور اس روز جب میں نے تمہارے بارے میں نئے انداز سے سوچا تو احساس ہوا کہ تم تو ایک عرصے سے میرے دل کے دروازوں پر دستک دے رہی تھیں میں ہی بے خبر تھا۔" محسن یہ ساری باتیں اس روز اس سے کرنا چاہتا تھا جس روز وہ آنے کا کہہ کر نہیں آئی تھی۔

"واقعی محبت میں بڑی طاقت ہے۔ مردوں کو زندہ کردیتی ہے۔ مجھے دیکھو میں جو ٹوٹا ہوا شکستہ اور اپنے آپ سے حد درجہ مایوس انسان تھا تمہاری محبت کا احساس ملتے ہی جی اٹھا ہوں۔" پھر اس کی آنکھوں میں دیکھ کر شرارت سے بولا۔

"تم ناحق مجھے دوائیں پلاتی رہی، اگر اول روز ہی اظہار کردیتیں تو میں اسی وقت بھلا چنگا ہوجاتا...... ہے ناں۔" نشاء نے کرب سے آنکھیں بند کیں اور وہ اپنی خوشی میں مست اٹھ کھڑا ہوا اور دونوں بازو دائیں بائیں پھیلا کر کہنے لگا۔

"دیکھو، یہ وہی کمرہ ہے جہاں مایوسیوں کا راج تھا۔ اب کیسا روشن لگ رہا ہے۔ زندگی مجھ پر مہربان ہوگئی ہے۔ میں بہت خوش ہوں نشاء بہت خوش۔" وہ خوشی کا اظہار دونوں بازو پھیلائے گول گول گھومتے ہوئے کررہا تھا کہ اچانک چکرا کر لڑکھڑایا اور سنبھلنے کی کوشش میں اس کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا تھا۔

"نشاء......" وہ اس کے سامنے اوندھے منہ یوں گرا کہ وہ خوف زدہ ہو کر چیخ پڑی تھی۔

"مونی......!"

❁......❁......❁

جلال احمد تو محسن کو ٹریٹ منٹ ملنے کے بعد اپنا اطمینان کر کے گھر چلے گئے تھے اور وہ اولین شب کی دلہن تنہا رہ گئی تھی۔ کھڑکی کی چوکھٹ سے سر ٹکائے ایک ٹک محسن کو دیکھتے ہوئے اس کی آنکھیں جیسے پتھرا گئی تھیں۔ دن کا اجالا پھیل رہا تھا اور وہ ابھی تک اندھیروں میں بھٹک رہی تھی۔ ڈاکٹر تانیہ اور نرس کے آنے کا اسے پتا ہی نہیں چلا تھا۔

"یہ......یہ ڈاکٹر احسن کے بھائی ہیں۔" ڈاکٹر تانیہ نے محسن کو دیکھ کر اس سے پوچھا۔ تب چونکنے کے ساتھ اس کا سر خود بخود اثبات میں ہلا۔

"اور آپ ان کی کون ہیں؟" محسن کی نبض چیک کرتے ہوئے ڈاکٹر تانیہ پھر اسے دیکھنے لگی۔

"وائف۔" اس کے حلق میں کڑواہٹ گھل گئی تھی جبکہ تانیہ کے ہونٹ او کے انداز میں سکڑے پھر پوچھنے لگی۔

"آپ کے ساتھ اور کون ہے؟"

"کوئی نہیں جو بھی بات ہے آپ مجھ سے کہہ سکتی ہیں۔ میں سب سن سکتی ہوں۔ یہ بھی کہ یہ چند گھڑیوں کے مہمان ہیں۔" وہ کہہ کر تیزی سے روم سے نکل آ گئی۔ اس کا دل دکھ سے بھر گیا تھا۔ کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا' راہداری میں تیز قدموں سے چلتی ہوئی وہ آخری سرے تک جا پہنچی پھر پلٹ کر دیکھا ڈاکٹر تانیہ اور اس کے پیچھے نرس محسن کے روم سے نکل کر دوسری سمت جا رہی تھی۔ وہ کچھ دیر وہیں کھڑی رہی پھر سست قدموں سے واپس روم میں داخل ہوتے ہی رک گئی۔ محسن بیڈ کی بیک سے ٹیک لگائے بیٹھا تھا۔ آہٹ پر گردن موڑ کر اسے دیکھا پھر زبردستی مسکرا کر بولا۔

"وہاں کیوں کھڑی ہو' یہاں میرے پاس آؤ۔" وہ ایسے ہی سست روی سے بیڈ کے قریب آ کھڑی ہوئی اور بے حد خاموش نظروں سے اسے دیکھے گئی۔

"ایسے کیا دیکھ رہی ہو۔ زندہ ہوں' مر نہیں گیا۔" محسن نے اس خیال سے کہا کہ پہلے کی طرح وہ بے ساختہ اس کے ہونٹوں پر ہاتھ رکھے گی لیکن وہ ساکت کھڑی رہی۔

"کیا سوچ رہی ہو؟ میں نے تمہیں پریشان کر دیا۔ اصل میں تمہیں پا کر میرا سچ مچ مر جانے کو دل چاہا تھا۔" وہ اس کا ہاتھ تھام کر بولا تب بھی اس میں کوئی حرکت نہیں ہوئی۔

"کیا بہت ناراض ہو۔" محسن نے اس کا ہاتھ ہلایا۔ "کچھ کہو ناں' تمہاری خاموشی مجھے احساس جرم میں مبتلا کر رہی ہے۔"

"آ......آپ کو زیادہ باتیں نہیں کرنی چاہئیں۔" وہ بہت دقتوں سے بولی تھی۔

"نہیں کروں گا لیکن تم پر تو ایسی کوئی بندش نہیں ہے۔" محسن نے فوراً کہا وہ پھر خاموش ہو گئی۔

"لگتا ہے تم شاکڈ ہو۔" وہ خود ہی کہنے لگا۔ "ہونا بھی چاہیے رات ہماری شادی ہوئی اور اب میں یہاں پڑا ہوں۔ لیکن تم یہ بھی تو جانتی ہو نشاء کہ میرے ساتھ کسی بھی وقت کچھ بھی ہو سکتا ہے۔"

"لیکن میں یہ نہیں جانتی تھی کہ میرے ساتھ ایسا بھی ہو سکتا ہے۔" وہ بے ساختہ بولی تھی۔

"کیا مطلب؟" وہ سمجھا نہیں۔

"آپ واقعی انجان ہیں یا بن رہے ہیں۔" اس نے سلگتی نظر اس پر ڈالی۔

"میں تمہاری بات نہیں سمجھ رہا' اگر تم وضاحت کرو تو شاید میں جواب دے سکوں۔" وہ واقعی سادہ تھا نشاء نے کچھ کہنے کے لیے منہ کھولا تھا کہ جلال احمد کے آنے پر نچلا ہونٹ دانتوں میں دبا لیا۔

"کیسے ہو بیٹا؟ ڈاکٹر نے تو گھر جانے کی اجازت دے دی ہے۔ تم کیا کہتے ہو۔" جلال احمد نے آتے ہی مژدہ سنا کر پوچھا تو وہ فوراً بولا۔

"چلتے ہیں ابو۔"

"گڈ۔" جلال احمد نشاء کی طرف دیکھنے سے گریز کر رہے تھے۔ شاید ان میں ہمت نہیں تھی۔ محسن کا ہاتھ پکڑ کر اٹھایا تو وہ خاموشی سے ان دونوں کے پیچھے چل پڑی۔

گھر آتے ہی وہ سیدھی اپنے کمرے میں آ گئی۔ اس کی سیج ویران پڑی تھی۔ خالی خالی نظروں سے کمرے کی سجاوٹ دیکھتے ہوئے اچانک اس کے اندر ابال اٹھا تھا۔ تیزی سے بڑھ کر سیج کی لڑیاں نوچنے لگی تب ہی محسن کمرے میں آتے ہی ایک لحظہ کو ٹھٹکا لیکن پھر عقب سے اس کے کندھوں پر ہاتھ رکھ کر نرمی سے بولا۔

''یہ کیا کررہی ہو...... ابھی تو......''

''مجھے الجھن ہورہی ہے۔ دم گھٹ رہا ہے میرا۔'' وہ بے دردی سے لڑیاں نوچ رہی تھی۔ محسن دل گرفتہ سا ہوکر اس کے ساتھ لڑیاں اتارنے لگا' پھر اسے خوش کرنے کی خاطر بولا۔

''واقعی اب کھلا کھلا لگ رہا ہے۔'' پھر بیڈ کارنر پر رکھے گفٹ پیکٹ کو دیکھ کر''آؤ دیکھیں احسن بھائی نے ہمیں شادی پر کیا گفٹ بھیجا ہے۔''

''احسن بھائی خود نہیں آئے؟'' اس نے اچانک ایک خیال کے تحت ناگواری سے پوچھا۔

''نہیں......'' محسن کی توجہ گفٹ پر تھی۔

''کیوں' تایا ابو تو کہہ رہے تھے احسن کے آنے پر شادی ہوگی۔''

''ہاں' ارادہ تو یہی تھا اور احسن بھائی کا آنا بھی کنفرم تھا لیکن پھر پچھلے ہفتے ان کا فون آیا کہ وہ نہیں آسکتے۔'' محسن پیکٹ کا ریپر اتارتے ہوئے بتارہا تھا۔

''حیرت ہے وہ اپنے اتنے پیارے بھائی کی شادی میں شریک نہیں ہوئے۔'' اس کا طنز محسن نے محسوس ہی نہیں کیا۔

''ہاں انہیں بھی اس بات کا بہت ملال ہے۔'' اس نے کہا تب ہی موبائل فون کی ٹون بجنے سے اس کی توجہ گفٹ پر سے ہٹ گئی۔ موبائل اٹھاتے ہی خوش ہوکر بولا۔

''احسن بھائی کا فون ہے۔'' پھر کال ریسیو کرتے ہی احسن سے کہنے لگا۔ ''بڑی عمر ہے بھائی آپ کی' ابھی ہم آپ کو ہی یاد کررہے تھے۔''

''پہلے یہ بتاؤ تم کیسے ہو؟'' احسن پریشان تھے غالباً انہیں رات اس کے ہاسپٹل جانے کی اطلاع مل گئی تھی۔

''میں بالکل ٹھیک ہوں بھائی آپ پریشان نہ ہوں۔ اب یہ چھوٹے موٹے اٹیک میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔'' وہ ان سے کہتے ہوئے نشاء کو دیکھ کر مسکرایا تھا۔

''کیا شادی کرکے طرم خان بن گئے ہو؟'' انہوں نے چھیڑا۔

''یہی سمجھ لیں۔ لیجیے نشاء سے بات کریں۔'' اس نے سیل فون نشاء کی طرف بڑھایا تو وہ پریشان ہوگئی۔

''لو ناں۔'' محسن کے اصرار پر ناچار اس نے سیل فون لیا۔

''ہیلو۔''

''کیسی ہو نشاء۔'' ان کی گہری سنجیدگی پر وہ کچھ بول ہی نہیں سکی۔

''مونی ٹھیک ہے ناں؟'' انہوں نے پھر پوچھا۔

''جی۔''

''ہاں اس کا خیال رکھنا کیونکہ......'' وہ جانے کیا کہنے جارہے تھے کہ وہ بول پڑی۔

''میں جانتی ہوں مونی آپ کو بہت پیارا ہے' اپنے آپ سے بڑھ کر' اور اس کی خاطر آپ سب کچھ قربان کرسکتے ہیں۔'' اس کے ساتھ ہی اس نے سیل فون آف کردیا تھا۔

❁......❁......❁

ثریا اس کے منہ سے سچ سن کر سناٹے میں بیٹھی تھی۔

''امی مجبوری کے فیصلے ایسے ہی ہوا کرتے ہیں۔ پھر بھی یہ اس سے بہتر ہے جو مامی جی میرے ساتھ کرنے جارہی تھیں۔'' وہ عاجز ہوکر ثریا کو قائل کرنے کی سعی کرنے لگی۔

''آپ خود سوچیں مامی جی کے بھانجے سے شادی کرکے کیا میں خوش رہ سکتی تھی۔ وہاں بھی مامی جی مجھے چین سے نہ رہنے دیتیں اور آپ کو الگ تنگ کرتیں۔ اب کم از کم ہم اپنی مرضی سے تو جی سکیں گے۔ یہ گھر آپ کا ہے' بہت جلد ہی میں آپ کے لیے ایک کل وقتی ملازمہ کا انتظام

کردوں گی' یوں آپ اکیلی نہیں رہیں گی۔ اب خدا کے لیے آپ پچھلی ساری باتیں بھول جائیں اور خوش رہیں۔"

"تم خوش ہو؟" ثریا نے اچانک پوچھا تھا۔ اس کا دل کسی اتھاہ گہرائی میں ڈوب تھا۔ ثریا کے دونوں ہاتھ تھام کر اپنی آنکھوں سے لگا لیے۔

"میرے لیے خوشی کا مفہوم بدل گیا ہے امی' دل خالی ہوجائے تو پھر خوشی اور ناخوشی کوئی معنی نہیں رکھتی۔ آپ میری فکر نہ کریں۔"

"کیسے تمہاری فکر نہ کروں۔ تم ابھی اتنی بڑی نہیں ہوئی جتنا بڑا فیصلہ کرلیا۔" ثریا کا بس نہیں چل رہا تھا' اسے ساری دنیا سے چھپالے۔

"وقت بڑا ظالم ہے امی کچھ لیے بغیر ٹلتا نہیں ہے۔"

"تمہارا تو سب کچھ لے لیا۔" ثریا بے حد آزردہ تھی۔

"نہیں میرا سب کچھ آپ ہیں۔ آپ خوش رہیں اور میرے لیے دعا کریں۔ میں ان شاء اللہ اپنے فیصلے پر بھی نہیں پچھتاؤں گی۔" وہ کہہ کر اٹھ کھڑی ہوئی پھر جاتے جاتے بولی۔

"میں کھانا نکال رہی ہوں۔ آپ جلدی سے فریش ہوکر آجائیں۔" پھر کھانے کے دوران وہ ثریا کو خان جنید اور ان سے زیادہ بنٹی کے بارے میں بتانے لگی کہ وہ معذور بچہ اس سے کتنا مانوس ہوگیا ہے اور قصداً اس نے بنٹی کی تنہائی کا ایسا نقشہ کھینچا کہ ثریا کو بھی اس پر ترس آنے لگا تھا۔ یوں وہ ثریا کو اپنے حق میں ہموار کر کے ہی اٹھی تھی۔

اور اب اسے آفس تو جانا نہیں تھا' اس لیے اگلے دن وہ آرام سے اٹھی اور ثریا کے ساتھ دوپہر کا کھانا کھانے کے بعد اس نے ڈرائیور کو فون کیا پھر اس کے ساتھ خان جنید کے بنگلے پر آئی تو بنٹی منہ پھلائے بیٹھا تھا۔ وہ سمجھ گئی اس کے دیر سے آنے پر ناراض ہے۔

"سوری فرینڈ مجھے دیر ہوگئی۔" اس نے بنٹی کا گال چھونا چاہا لیکن وہ اس کا ہاتھ جھٹک کر بولا۔

"میں آپ سے بات نہیں کروں گا۔ آپ چلی جائیں۔"

"ارے...... وہ بنٹی کے سامنے بیٹھ گئی۔ "میں تو سوچ رہی ہوں' ہمیشہ کے لیے تمہارے پاس آجاؤں اور تم جانے کا کہہ رہے ہو؟"

"آپ ہمیشہ کے لیے کیسے آسکتی ہیں؟" بنٹی ایک دم اس کی طرف متوجہ ہوا۔

"کیوں نہیں آسکتی' اگر تم چاہو تو میں یہاں رہ سکتی ہوں۔" اس نے کہا تو وہ فوراً بولا۔

"ٹھیک ہے آپ یہیں رہ جائیں۔"

"ایسے نہیں' میرا مطلب ہے ایسے کیسے رہ سکتی ہوں۔" وہ پوری پلاننگ سے اسے تیار کررہی تھی۔

"پھر؟" بنٹی سوالیہ نشان بن گیا تو اس نے سوچنے کی ایکٹنگ کی پھر کہنے لگی۔

"ایک طریقہ ہوسکتا ہے' تم اپنے پاپا سے کہو مجھ سے شادی کرلیں پھر میں یہاں آجاؤں گی۔" بنٹی فوراً کچھ نہیں بولا' بس اسے دیکھے گیا تو وہ خجل سی ہوگئی۔

"سوری۔" پھر بات بدلنے کی غرض سے پوچھنے لگی۔

"تم نے کھانا کھایا؟" بنٹی نے جواب نہیں دیا تو اس نے رک کر پوچھا۔

"کیا تمہیں میری بات بری لگی؟"

"نہیں' میں سوچ رہا ہوں پاپا سے کیسے کہوں؟" بنٹی نے کہا تو یہ معرکہ سر ہونے پر وہ مطمئن سی ہوگئی تھی۔

❁......❁......❁

خان جنید خود نہیں آئے تھے انہوں نے فون پر ہی ثریا سے سب معاملات طے کر کے کہا تھا کہ ٹھیک پندرہ دن بعد وہ نکاح کر کے صبا کو لے جائیں گے اور جب یہ طے تھا کہ صبا کی شادی ان ہی کے ساتھ ہونی ہے تو پھر ثریا کیا کہہ سکتی تھیں' جیسا کہ صبا نے کہا تھا کہ۔

"دل خالی ہوجائے تو پھر خوشی اور ناخوشی کوئی معنی نہیں رکھتی۔" اور یہ بات ثریا پر بھی صادق آگئی تھی۔ پھر بھی بیٹی کی شادی کے لیے اس کے کچھ ارمان تھے اور اب کوئی کی بھی نہیں تھی۔ وہ اپنے ارمان پورے کرسکتی تھیں۔ اس وقت اس نہج پر سوچتے ہوئے اس نے صبا کو پکارا۔

”جی امی۔“ صبا پہلی پکار پر بھاگی آئی تھی۔
”بیٹا! تم اپنی شاپنگ کرلو۔“ اس نے کہا تو صبا فوراً پوچھنے لگی۔ ”آپ چلیں گی؟“
”میں...... ہاں میں بھی چلوں گی۔“ ثریا کی جھجک فطری تھی کیونکہ اس کے لیے تو باہر کی دنیا خواب وخیال ہی ہوگئی تھی۔
”ٹھیک ہے میں چینج کرلوں پھر چلتے ہیں۔“ صبا فوراً واپس پلٹی کہ کہیں ثریا کا ارادہ بدل نہ جائے اس لیے وہ دس منٹ میں تیار ہوکر آ گئی۔
پھر اس نے مختلف شاپنگ مالز میں ثریا کو گھمایا اس کی پسند کی شاپنگ کی‘ مقصد اسے باہر کی دنیا سے متعارف کرانا تھا کیونکہ وہ برسوں سے چار دیواری میں محدود رہی تھیں اور ثریا واقعی سراسیمہ تھیں‘ دنیا کتنی بدل گئی تھی پھر شام ڈھل رہی تھی جب وہ دونوں شاپنگ مال سے نکلیں‘ صبا نے شاپنگ بیگز ڈرائیور کو تھما کر ثریا کے لیے گاڑی کا دروازہ کھولا تھا کہ ایک دم جاذب اس کے اور ثریا کے درمیان آ گیا۔
”پھپو۔“ وہ اسے مخاطب کرنے کی ہمت نہیں کرسکا۔
”آپ کہاں چلی گئیں پھپو؟“
”بس بیٹا۔“ ثریا اسی قدر کہہ سکی۔
”میں نے اتنے فون کیے روز کال کرتا ہوں لیکن میرا فون کاٹ دیا جاتا ہے۔“ وہ اسے سنا رہا تھا۔ ثریا نے اسے دیکھا وہ غالباً راستے کا خیال کرکے خود پر ضبط کررہی تھی۔
”اچھا بیٹا......“ ثریا اس ڈر سے کہ کہیں اس کا ضبط جواب نہ دے جائے فوراً گاڑی میں بیٹھ گئیں تو اس نے بیٹھتے ہی ڈرائیور کو چلنے کا کہہ دیا۔ اپنے تئیں وہ جاذب کو پیچھے چھوڑ آئی تھی لیکن اپارٹمنٹ میں داخل ہوئی تو وہ ثریا کے پیچھے اندر گھسا چلا آیا۔ ایسی دیدہ دلیری وہ راحیلہ خاتون کے سامنے دکھاتا تب تو بات بھی تھی۔ اب وہ بری طرح سلگ گئی محض ثریا کی خاطر اسے نکل جانے کو نہیں کہا اور پیر پٹختی ہوئی اپنے کمرے میں بند ہوگئی تھی۔
”بیٹھو بیٹا۔“ ثریا نے کہا تو وہ جو اس کو دیکھ رہا تھا‘ چونک کر بیٹھ گیا۔
”میں تمہارے لیے چائے لاتی ہوں۔“ ثریا جانے لگیں کہ جاذب نے اس کا ہاتھ پکڑلیا۔
”نہیں پھپو آپ میرے پاس بیٹھیں۔“
”گھر میں سب ٹھیک ہیں۔ بھیا بھابی؟“ ثریا نے بیٹھ کر پوچھا تو وہ جز بز ہوکر بولا۔
”کیوں پوچھ رہی ہیں آپ ان کا۔ امی ابو نے آپ کے ساتھ اچھا نہیں کیا۔“
”چھوڑو بیٹا ان باتوں کو مجھے کوئی ملال نہیں۔“
”مجھے تو ہے۔“ وہ فوراً بولا۔ ”میرا دل نہیں لگتا آپ کے بغیر۔ اپنا گھر اجنبی لگنے لگا ہے۔ آپ واپس آجائیں پھپو۔“
”نہیں بیٹا‘ اب یہ ممکن نہیں...... صبا نے واپسی کے راستے بند کردیئے ہیں۔ وہ شادی کرکے اپنے گھر چلی جائے گی تب بھی مجھے تمہارے ہاں نہیں جانے دے گی۔“ ثریا نے منع کرتے ہوئے کہا۔
”صبا کی شادی۔“ وہ ٹھٹکا۔
”ہاں میں اس کی شادی کررہی ہوں اگلے ہفتے۔“ وہ شاکڈ ہوکر ثریا کو دیکھے گیا جو پوری تفصیل بیان کررہی تھیں۔

❁......❁......❁

پہلے بھی وہ اسی گھر میں رہتی تھی کوئی روک ٹوک کوئی پابندی نہیں تھی اور نہ اس کے اندر کسی تشنگی کا احساس یا کوئی کسک تھی اور اب جبکہ وہ ہر شے کی بلا شرکت غیرے مالک بن گئی تھی تو بے پناہ تشنگی کا احساس ہونے لگا تھا گوکہ اب بھی اس کی روٹین وہی تھی جو پہلے ہوا کرتی تھی لیکن خود اس میں وہ بات نہیں رہی تھی۔ پہلے وہ ہر کام شوق اور لگن سے کیا کرتی تھی اور اب جیسے فرض نبھانا ہو وہ بھی ناگوارکی ساتھ۔ طبیعت میں بیزاری جو اس کے چہرے اور لہجے سے بھی چھلکنے لگی تھی۔
”محسن دوا لے لیں۔“ یہ بات کہتے ہوئے اس کی پیشانی پر شکنیں پڑ جاتیں اور جب وہ دوا کی بجائے اس کا ہاتھ تھام لیتا تو وہ چڑ جاتی۔

''چھوڑیں میرا ہاتھ مجھے اور بھی کام کرنے ہیں۔'' پھر ایک جھٹکے سے ہاتھ چھڑا کر چلی جاتی اور محسن اسے محبت کا انداز سمجھتا۔

سارا دن تو ادھر ادھر کے کاموں میں الجھی رہتی رات میں بھی جان بوجھ کر اپنے آپ کو کچن میں دیر تک مصروف رکھتی۔ وہ چاہتی تھی جب کمرے میں جائے تو محسن سو چکا ہو اور اکثر اس کا انتظار کرتے کرتے وہ سو چکا ہوتا اور کبھی نیند کو شکست دے کر اس کے انتظار میں بیٹھا رہتا۔ اس وقت بھی وہ اپنے طور پر اس کے سو جانے کا یقین کر کے کمرے میں آئی تھی لیکن وہ دروازے پر نظریں جمائے بیٹھا تھا۔ اسے دیکھا تو ہلکے سے مسکرایا۔ کوئی شکوہ شکایت نہیں۔ اس کے برعکس جب وہ اپنی جگہ آ کر بیٹھی تو کہنے لگا۔

''امی سے کہو کسی اور ملازمہ کا انتظام کردیں بلکہ میں خود ہی کہوں گا۔''

''نہیں آپ ایسی کوئی بات نہیں کریں گے۔'' اس نے فوراً منع کیا۔ ''گھر کا کام کوئی اتنا زیادہ نہیں ہوتا۔''

''پھر بھی تم سارا وقت مصروف تو رہتی ہو۔ میرے پاس دو گھڑی بیٹھنے کی بھی تمہیں فرصت نہیں ہوتی۔'' کسی بھی طرح سہی شکوہ لبوں پر آ ہی گیا تھا۔

''آپ کے پاس ہی تو بیٹھی ہوں۔'' وہ اس کا دل رکھنے کی خاطر مسکرائی تھی۔

''ہاں اس وقت جب میں تمہاری راہ تکتے تکتے تھک گیا ہوں۔ میرے اعصاب جواب دے چکے ہیں۔ میری آنکھیں دیکھو نیند سے بند ہوئی جارہی ہیں تمہیں ڈھنگ سے دیکھ بھی نہیں پارہا۔''

''کیا کریں گے مجھے دیکھ کر جیسی تھی ویسی ہی ہوں کوئی نئی بات نہیں۔''

''نشاء......!'' محسن نے محبت سے اس کا ہاتھ تھاما۔ ''تمہیں دیکھ کر تو میں جی اٹھتا ہوں۔ تم نے یہ کیسے کہہ دیا کہ تم میں کوئی نئی بات نہیں۔ اپنے آپ کو میری نظر سے دیکھو۔''

''اچھا کبھی فرصت ملی تو دیکھوں گی۔ اب پلیز آپ سو جائیں ورنہ آپ کی طبیعت......'' وہ اکتا کر بول رہی تھی کہ اس نے ٹوک دیا۔

''اوں ہوں۔ ہمیشہ یہ کہہ کر بات ختم کرنے کی کوشش مت کیا کرو کہ میری طبیعت خراب ہوجائے گی۔ ذرا سی باتیں کرلینے سے کچھ نہیں ہوگا۔ بلکہ تمہارے ساتھ باتیں کرتے ہوئے تو میں اپنے آپ کو بہت بہتر محسوس کرتا ہوں۔ کیا تمہیں میری باتیں یا میرا بولنا اچھا نہیں لگتا۔'' آخر میں اس کی طرف دیکھ کر پوچھا تو وہ سنبھل کر بولی۔

''ایسی بات نہیں ہے محسن' میں تو صرف اس خیال سے کہتی ہوں کہ زیادہ بولنے سے آپ تھک جاتے ہیں۔ آپ کی سانس......''

''پھر تم ہی کچھ بولا کرو' خاموشی سے مجھے وحشت ہونے لگتی ہے۔'' وہ اس کی بات کاٹ کر بولا۔

''اچھا کل سے میں بولوں گی۔''

''ابھی کیوں نہیں۔''

''ابھی مجھے نیند آرہی ہے۔'' وہ اپنے پیچھے تکیہ سیدھا کر کے لیٹ گئی۔

''چلو تم سو جاؤ' ویسے بھی بہت تھک گئی ہو۔''

''اور آپ؟''

''میں ابھی نہیں سوؤں گا۔ احسن بھائی نے آج فون کرنے کا کہا تھا۔ میں ان ہی کے فون کا انتظار کررہا ہوں۔'' محسن نے کہا تو اس نے ہونٹ بھینچ کر آنکھیں بند کرلیں۔ وہ اس سلسلے میں کچھ نہیں کہنا چاہتی تھی لیکن پھر رہ نہیں سکی۔

''اتنی رات ہوگئی ہے میرا خیال ہے وہ بھول گئے ہوں گے۔''

''رات تو یہاں ہے وہاں تو نہیں ہوگی۔ یقیناً کسی کام میں مصروف ہوں گے جیسے ہی فارغ ہوں گے ضرور فون کریں گے۔ کیونکہ وہ کوئی بات کہہ کر بھولتے نہیں ہیں۔''

''اچھا۔'' وہ تلخی سے ہنسی۔ ''اتنے یقین سے کیسے کہہ رہے ہیں آپ؟''

''وہ میرے بھائی ہیں' میں انہیں اچھی طرح جانتا

ہوں۔ تم بھی تو ان کی عادت سے واقف ہو۔" وہ جواب نہیں دینا چاہتی تھی اور اچھا ہوا اسی وقت موبائل کی ٹون بجنے لگی تھی۔ محسن نے فوراً موبائل فون اٹھایا اور اس نے آنکھیں بند کرلی تھیں لیکن سماعتوں کے در کیسے بند کرتی' محسن بہت لاڈ سے بات کررہا تھا اور بار بار انہیں جلدی واپس آنے کا کہہ رہا تھا۔ اسے الجھن ہونے لگی تو آنکھیں کھول دیں۔ پھر شاید لائن کٹ گئی تھی' محسن نے موبائل رکھ کر اسے دیکھا۔

"تمہیں نیند آرہی تھی' ہم بھائیوں نے تمہیں ڈسٹرب کردیا۔" وہ اس کے بالوں میں انگلیاں پھنسا کر بولا تو اس نے آہستگی سے پلکیں موند لیں۔

"کبھی کبھی مجھے شدت سے احساس ہوتا ہے کہ میں تمہارے لیے کچھ بھی نہیں کرسکتا۔ کاش میں اس قابل ہوسکوں کہ اگر بڑی نہیں تو چھوٹی چھوٹی خوشیاں ہی تمہارے دامن میں ڈال سکوں۔" وہ ذرا سی آنکھیں کھول کر اسے دیکھنے لگی۔ اس کے چہرے پر کئی رنگ ایک ساتھ اتر آئے تھے۔ اپنی بے بسی کا دکھ' حسرت' لاچاری اور جانے کیا کچھ...... اس کا دل بیٹھنے لگا۔ وہ اگر اس سے محبت نہیں کرسکتی تھی تو نفرت بھی نہیں تھی اور پھر اس کا دل اتنا سخت ہرگز نہیں تھا کہ کوئی مجبور ولاچار اس کے سامنے آزردہ ہو اور دل تڑپے نا اور محسن کوئی نہیں اس کا شوہر تھا اس نے تڑپ کر اپنے بالوں میں حرکت کرتا اس کا ہاتھ تھام لیا اور ہونٹوں سے لگا کر بولی۔

"میرے لیے سب سے بڑی خوشی یہ ہے کہ مجھے آپ کا ساتھ میسر ہے اس سے زیادہ کی مجھے آرزو نہیں۔"

"پھر بھی نشاء میرا دل چاہتا ہے۔"

"کہ آپ ہر وہ کام کریں جس سے آپ کو منع کیا گیا ہے۔" وہ اس کی بات کاٹ کر بولی تو اپنی بات یاد کرکے وہ ہنس پڑا۔

❁......❁......❁

اس کا بلاوجہ خود کو غیر ضروری کاموں میں مصروف رکھنا اور محسن سے کترانا ساجدہ بیگم کی نظروں سے پوشیدہ نہیں تھا۔ پھر بھی فوراً انہوں نے اسے نہیں ٹوکا بلکہ اسے اس کے حال پر چھوڑ دیا کہ خود ہی ٹھیک ہوجائے گی لیکن جب کافی دن گزر گئے اس کے رویے میں ذرا بھی تبدیلی نہیں آئی تب اسے پاس بٹھا کر کہنے لگیں۔

"بیٹا اگر تمہیں ہم سے کوئی شکایت ہے تو مجھ سے کہو۔"

"کیا کہوں؟" وہ الٹا انہی سے پوچھنے لگی۔

"جو بھی شکایت ہے۔"

"کوئی شکایت نہیں۔" وہ بیزار لہجے میں اکتا کر بولی جیسے بات کو یہیں ختم کردینا چاہتی ہو اور اٹھ کر جانا بھی چاہتی تھی کہ ساجدہ بیگم نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔

"پھر تمہیں کیا ہوا ہے؟ چلو ہماری بات چھوڑو خود اپنی حالت دیکھی ہے تم نے۔ تین دن سے یہی کپڑے پہنے ہوئے ہو۔ بالوں میں کنگھی تک نہیں کی آخر کیوں؟"

"کس کے لیے کروں یہ سب؟" وہ اچانک سارے لحاظ بھول گئی۔

"اپنے لیے کرو' ماشاء اللہ شادی شدہ ہو' تمہارا شوہر ہے۔"

"اچھا۔" وہ استہزائیہ ہنسی۔ "تائی امی جب میرا شوہر اپنی بیماریوں سے نکل کر خود اپنے ہاتھوں چار پیسے کما کر میرے لیے کچھ کرے گا تب میں بھی اس کے لیے ہار سنگھار ضرور کروں گی۔"

"نشاء۔" ساجدہ بیگم یک دم سناٹے میں آگئیں۔

"میں نے کوئی غلط بات نہیں کی تائی امی۔" وہ ذرا بھی اپنی بات پر نادم نہیں تھی۔

"ٹھیک ہے تم نے غلط بات نہیں کی لیکن تم اچھی طرح جانتی ہو کہ محسن محنت مشقت کے قابل نہیں۔"

"جانتی ہوں لیکن آپ نے جانتے بوجھتے بھی انجان بن کر اس کے سر پر بیوی کا بوجھ لاد دیا۔" وہ دوبدو سوال جواب کررہی تھی۔

"بوجھ کیوں بیٹا' کیا تمہارے تایا ابو پورا نہیں کرتے۔" ساجدہ بیگم حتی الامکان نرمی سے بات کررہی تھیں شاید یہ ان کی مجبوری تھی۔

"کب تک کب تک تائی امی ہر شخص کو ہمیشہ نہیں رہنا۔ کبھی آپ نے سوچا۔ تایا ابو کے بعد ہمارا کیا ہوگا؟" ساجدہ بیگم کے دل پر گھونسہ پڑا تھا۔

"خدا سے خیر مانگو بیٹی۔"

"خیر ہی مانگتی تھی اور دن رات جن کی خیر مانگتی تھی انہوں نے ہی......" اس کا گلا رندھ گیا۔ آواز ساتھ چھوڑ گئی آنکھیں جل تھل ہوئیں تو وہ ان کے پاس سے اٹھ کر اپنے کمرے میں آتے ہی بیڈ پر اوندھے منہ گر کر سسکنے لگی۔ محسن نے دیکھا تو فوراً اس کے پاس چلا آیا۔

"کیا بات ہے نشاء ٹھیک تو ہو تم۔"

"ہاں میں ٹھیک ہوں۔" وہ پھٹ پڑی۔ "مجھے کیا ہونا ہے تم میری فکر میں مزید ہلکان مت ہو۔"

"نشاء......!" وہ بے حد پریشان ہوا تھا۔ آہستگی سے اس کا کندھا چھو کر پکارا۔

"مت چھیڑو مجھے۔ میں کچھ نہیں سنوں گی، کچھ نہیں کہوں گی، بس مجھے تنہا چھوڑ دو۔" وہ جھٹکے سے اٹھی اور اسے دھکیل کر کونے میں رکھی کرسی پر جا بیٹھی تو وہ اس کے لہجے اور انداز پر الجھتا ہوا اپنی جگہ پر لیٹ گیا کیونکہ اب اس میں کھڑے رہنے کی سکت نہیں رہی تھی۔ دو تین بار بے چینی سے کروٹ بدلی پھر اوندھا ہوگیا۔ اس کے سینے میں سانس اٹک رہی تھی جس کی وجہ سے اس کے منہ سے مخصوص آواز نکلنے لگی۔ پھر وہ اٹھ بیٹھا اور دونوں بازو گھٹنوں پر رکھ کر ان پر پیشانی ٹیک لی۔

وہ بہت خاموشی سے اس کی بگڑتی حالت دیکھ رہی تھی اور اس کے لیے یہ کوئی نئی بات نہیں تھی۔ ہمیشہ تو ایسے وقت میں وہ اس کے لیے ایک پیر پر کھڑی رہتی تھی، کبھی پیٹھ سہلاتی، کبھی پانی کا گلاس اس کے ہونٹوں سے لگاتی، کبھی دوا اور کبھی چائے کا پوچھتی لیکن اس وقت وہ سنگ دلی کی انتہا کر گئی۔

اصل میں وہ بھول گئی تھی کہ وہ اس کا شوہر ہے۔ یہ بھی بھول گئی کہ کبھی احسن نے اس کا خیال رکھنے کا کہا ہی نہیں وعدہ بھی لیا تھا۔ بس اتنا یاد رہا کہ اس کے ساتھ ظلم ہوا ہے اور ظلم کرنے والا کوئی ایک نہیں سب ہیں اور سب اس کے اپنے۔

❁❁❁❁❁
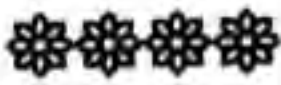
اس نے اپنی کلائیوں میں پڑی درجن بھر سونے کی چوڑیوں کو دیکھا پھر ذرا سا سر اونچا کر کے کمرے کا جائزہ لینے لگی۔ ہر شے نہایت قیمتی اور خوب صورت تھی اور سچ تو یہ ہے کہ خود اس نے بھی کبھی تصور نہیں کیا تھا لمحہ بھر کو یوں لگا جیسے وہ کوئی خواب دیکھ رہی ہو لیکن پھر خود ہی ہنس پڑی عجیب سی ہنسی...... کہ یہ خواب نہیں شاید اس کے خوابوں کی قیمت تھی۔ اس کے دل میں ٹیسیں اٹھنے لگی تھیں کہ دروازہ کھلنے کی آواز پر وہ فوراً سنبھل کر بیٹھ گئی۔

"سوری ہنی میں ذرا لیٹ ہوگیا۔" خان جنید تیز قدموں سے اندر داخل ہوئے اور آتے ہی یوں بولے جیسے کسی میٹنگ میں پہنچنے میں دیر ہوگئی ہو۔

"کم آن ڈیئر، تم ابھی تک ایسے ہی بیٹھی ہو جاؤ چینج کر کے آؤ۔" ان کے لہجے میں بے زاری محسوس کر کے وہ انہیں دیکھنے لگی۔ یہ صحیح ہے ان کی صحت قابل رشک تھی اور پیسے کی فراوانی نے چہرے پر گزرتے ماہ و سال کی لکیریں بھی نہیں کھینچی تھیں لیکن جذبات میں وہ لہریں نہیں تھیں جو ان چھوٹی کلی کو دیکھ کر سرکشی پر آمادہ ہو جاتی ہیں۔ اس کے برعکس ایسا دریا جو سارے طوفانوں سے گزر کر اب اس مقام پر ٹھہر گیا تھا، پرسکون ہوگیا تھا یا پھر بوڑھا اور کمزور کہ طوفانوں سے لڑنے کا حوصلہ تو تھا لیکن وہ جوش نہیں جو ایام جوانی میں اکساتا ہے۔

"لیزی گرل، اس طرح کیا دیکھ رہی ہو۔" اس کی آنکھوں کے سامنے ہاتھ لہرایا تو وہ چونکی۔ سر جھٹک کر بیڈ سے اتری اور سیدھی ڈریسنگ روم میں چلی گئی۔ ذہن اچانک یوں ماؤف ہوگیا تھا کہ وہ کچھ سوچ ہی نہ سکی تھی۔

(جاری ہے)

وہ خود فنا کے سفر میں تھا

نزہت جبین ضیاء

کچھ دن تو بسو مری آنکھوں میں
پھر خواب اگر ہوجاؤ تو کیا
ایک وہم ہے یہ دنیا اس میں
کچھ کھوؤ تو کیا اور پاؤ تو کیا

میری شادی کو بیس سال گزر جانے کے بعد...... کٹھن اور خاردار طویل سفر کرنے کے بعد آج...... آج میں جس مقام پر اور جس حیثیت سے کھڑی تھی...... میں نے جو کچھ پایا تھا' جس تکلیف دہ حقیقت کا ادراک مجھ پر ہوا تھا' وہ سب کچھ سن کر میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ میں پھوٹ پھوٹ کر روؤں یا پاگلوں کی طرح ہنسوں؟ میں کچھ پالینے کی کھوج میں' جس منزل کی چاہ کر رہی تھی جس کانٹوں بھری گزر پر چلتی ہوئی یہاں تک آئی تھی اور...... اور یہاں پہنچ کر میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا میں اس سوال میں الجھ کر خود سے ہی سوال کر رہی تھی کہ میں نے کیا کھویا...... کیا پایا؟

اپنی اوقات کا ادراک تو میری روح کو چھلنی کیے دے رہا تھا اور ساتھ پچھتاوا و دکھ بھی تھا۔ اس بھیانک حقیقت کو جان کر اپنی آنکھوں سے اس حالت میں دیکھ کر میرا دل خون کے آنسو رو رہا تھا۔ نہ جانے یہ کیسی آزمائشیں' کیسا امتحان تھا؟ کتنا دشوار گزار اور کٹھن سفر تھا؟ اور آج...... ان آزمائشوں میں دکھ' پچھتاوا' اپنا یوں بے وقعت ہوجانا' کرب مسلسل کی طرح میرے دماغ پر

کچوکے لگا رہا تھا۔ میرا سارا وجود ہتک کے احساس سے لرزنے لگا تھا۔ بے چینی اور اضطراب تھا کہ سیل رواں کی طرح بڑھتا چلا جارہا تھا' جلے پاؤں کی بلی کی طرح میں لاؤنج میں ادھر سے اُدھر چکر لگا رہی تھی۔ سوچنے سمجھنے کی صلاحیتیں جیسے سلب ہوتی جارہی تھیں۔ اولڈ ہوم میں جو دیکھا وہ میرے لیے دکھ اور تکلیف کا باعث تھا تو ساتھ ہی توہین کے احساس سے میرا روم روم اذیت کا شکار تھا۔ میں گرنے کے انداز میں صوفے پر بیٹھ گئی اور دونوں ہاتھوں سے اپنا سر تھام لیا۔

❀.....❀.....❀
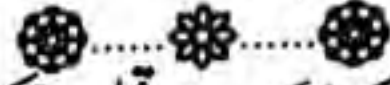
''نمرہ! کان کھول کر سن لو یہ قطعی ناممکن ہے۔'' نائلہ بیگم نے سخت لہجے میں اپنا فیصلہ سنایا۔

''کیوں مما! ایسا کیوں نہیں ہوسکتا؟'' میں نے بھی اسی انداز میں سوال کیا۔

''اس سوال کا کیا مطلب ہے تمہارا؟ تمہیں خود اندازہ نہیں ہے اس کی اور اپنی حیثیت کا؟ زمین اور آسمان کا فرق ہے اور تمہارے پاپا کسی صورت اس رشتے پر راضی نہیں انہوں نے تمہارا رشتہ اپنے دوست کے بیٹے واثق سے طے کرنے کا فیصلہ کرلیا ہے اس لیے بہتری اسی میں ہے کہ تم اس لڑکے کو بھول جاؤ اور پیپرز ختم ہوتے ہی شادی کی تیاریوں میں میرا ہاتھ بٹاؤ۔''

''اوہ نو مما!'' میں نے بے ساختہ کہا۔ ''واثق آوارہ مزاج اور بگڑا ہوا لڑکا ہے پاپا اپنی دوستی کے لیے مجھے قربان نہیں کرسکتے۔''

''بگڑا ہوا نہیں ہے پیسے کی زیادتی سے تھوڑا سا لاأبالی ہے اور شادی کے بعد سب ٹھیک ہوجاتے ہیں اور..... اور تم کون سی حور پری ہو کہ تمہیں کوئی شہزادہ ملے گا؟'' مما کے طنزیہ جملے پر میرے چہرے پر دکھ نمایاں ہوگیا اور میری نظر بے ساختہ ڈریسنگ ٹیبل کے بڑے سے شیشے پر ٹھہری۔ دبلی پتلی' سانولی رنگت اور مناسب نقوش' مجھ میں کچھ خاص اور متاثر کردینے والی کوئی چیز بھی نہیں تھی جب کہ میرے پاپا اور مما کافی خوب صورت تھے۔

مجھ سے بڑے میرے عاشر بھائی تھے۔ پاپا کا بزنس نہ صرف کراچی بلکہ دوسرے شہروں میں بھی خوب چمک رہا تھا' میں ہسٹری میں ماسٹرز کررہی تھی میرے ساتھ یونیورسٹی میں جاذب پڑھتا تھا۔ جاذب غریب فیملی سے تعلق رکھتا تھا جو بہت مشکل اور محنت کے بعد تعلیم حاصل کررہا تھا کیوں کہ اس کے والد فوت ہوچکے تھے اور وہ اپنی بیوہ ماں کے ساتھ رہتا تھا۔ جاذب پڑھائی میں کافی اچھا تھا' میں اکثر پڑھائی میں اس کی ہیلپ لے لیتی تھی۔ وہ شرمیلا سا' خاموش طبع اور کافی گڈ لکنگ تھا۔ میں دل ہی دل میں صبور کو پسند کرنے لگی تھی۔ شاید وہ بھی مجھے پسند کرنے لگا تھا لیکن وہ میری اور اپنی حیثیت جانتا تھا۔ میں لمبی سی گاڑی میں ڈرائیور کے ہمراہ یونیورسٹی آتی' میرے کپڑے' شوز اور میرا بیگ سب بیش قیمت ہوتے' وہ پوائنٹ سے آتا جاتا معمولی کپڑے اور معمولی گھڑی استعمال کرتا اور شاید اسی طبقاتی فرق کو محسوس کرتے ہوئے وہ آج تک مجھ سے اپنے دل کی بات نہ کہہ پاتا۔ میں بے شک مالی لحاظ سے مستحکم تھی لیکن صورت شکل کے لحاظ سے جاذب مجھ سے کئی گناہ بہتر تھا۔

ہم دونوں غیر محسوس طریقے سے ایک دوسرے کے نزدیک آگئے تھے لیکن دونوں ہی چپ تھے میں تو لڑکی تھی اس لیے فطری حجاب مانع تھا اور وہ شاید میری حیثیت سے مرعوب تھا۔ ہم دونوں شاید اسی طرح ہی اپنی پڑھائی سے فارغ ہوکر اپنی اپنی راہوں پر چل دیتے لیکن اس روز ہم لوگوں کا لاسٹ پیپر ہوچکا تھا۔ ہم سب فرینڈز بیٹھ کر باتیں کررہے تھے کہ اچانک لفظ ''محبت'' چھڑ گیا سب محبت کے بارے میں اپنی اپنی رائے دے رہے تھے جیسے محبت زندگی ہے' محبت جینے کے لیے ضروری ہے' محبت کے بنا زندگی ادھوری ہے' محبت دردِ دل ہے' محبت روگ ہوتی ہے' محبت سوزِ غم ہے' محبت المیہ ہے' محبت برباد کرتی ہے' جب جاذب کی باری آئی تو جاذب نے ایک لمحہ کے لیے آنکھیں بند کیں اس کے چہرے پر کچھ عجیب سا رنگ آیا تھا۔ اس کی آنکھوں میں گہری اداسی تھی۔

''محبت ایسا جذبہ ہے جس پر ہمارا اختیار نہیں یہ خود بخود پرورش پانے والا ایسا پودا ہے جو بنا دکھاد پانی کہ نہ جانے کب تناور درخت بن جاتا ہے اس کی خبر بھی نہیں ہوتی۔ یہ محبت اونچ نیچ اور ذات پات کی قید سے بالاتر وہ جذبہ ہے جو کہ واقعی اندھا ہوتا ہے۔'' جملہ مکمل کرکے صبور نے ایک لمحے کے لیے مجھے جن نظروں سے دیکھا اور درپردہ اپنے دل کی بات بھی کہہ ڈالی اس کے لہجے میں احساسِ کمتری اور کم مائیگی کا احساس تھا۔ میں نے چونک کر اس کی آنکھوں میں دیکھا اور...... اور اس نے جلدی سے نگاہیں جھکالیں لیکن ایک لمحے میں...... میں اس کی کیفیت سے اس کے ان کہے جذبوں اور اس کی خاموش آنکھوں میں چھپے پیغام سے واقف ہوچکی تھی۔ تھوڑی دیر بعد تمام فرینڈز اٹھ کر چلے گئے تھے میں اور جاذب وہیں بیٹھے رہے۔

''جاذب تمہارے ان کمنٹس کا مطلب؟'' میں نے ایک لمحے کے توقف کے بعد اس سے سوال کیا۔

''آں...... کچھ...... کچھ نہیں۔'' اس نے چونک کر مجھے دیکھا پھر گھبرا کر جلدی سے بولا۔

''جاذب ادھر میری طرف دیکھ کر بات کرو۔'' جاذب کو نیچے گھاس کی طرف دیکھتے پاکر میں نے اس کو دوبارہ مخاطب کیا اس نے نگاہ اٹھائی۔

''نمرہ! سچ تو یہ ہے کہ میں...... تم سے محبت کرنے لگا ہوں پلیز میری بات کا برا مت ماننا۔ محبت غیر اختیاری اور منہ زور جذبہ ہے جسے روکنا یا اس کو قابو کرنا ہم انسانوں کے بس کی بات نہیں بلکہ ہم خود اس کے آگے اتنے بے بس ہوجاتے ہیں کہ وہ ہم پر حاوی ہوجاتی ہے میں بھی تمہاری اور اپنی حیثیت بھول کر محبت کی گرفت میں آچکا ہوں۔ میں جانتا ہوں تم امیر باپ کی بیٹی ہو تمہارے پرس میں روز اتنے پیسے آتے ہیں کہ جتنا میرا مہینہ کا خرچہ ہے مگر...... دل کم بخت ایسی تاویلوں کو کہاں مانتا ہے اس نے تو جرم کر ڈالا۔'' جاذب کے لہجے میں احساس کمتری اور بے چارگی نمایاں تھی اور میرے دل میں جلنے والی وہ دبی دبی سی چنگاری جس کی ہلکی ہلکی تپش محسوس کررہی تھی اچانک سے وہ چنگاری بھڑک اٹھی تھی۔

''جاذب! محبت کا گناہ جو تم نے کیا ہے اس کے تم اکیلے قصوروار نہیں ہو میں بھی اس جرم میں برابر کی شریک ہوں۔'' میرے اعتراف پر اس نے حیرانی سے مجھے دیکھا اس کی آنکھوں میں اچانک ہی خوشی نمایاں ہوئی تھی دفعتاً اس کی خوشی یک دم غائب ہوگئی تھی اس نے مایوس نظروں سے مجھے دیکھا۔

''نمرہ تمہیں معلوم ہے ناں کہ میرے ابو نہیں ہیں' بس میری ماں ہیں۔ میرے ابا کی مختصری پنشن آتی ہے ایک دکان کا مختصر سا کرایہ جس سے ہمیں بمشکل اپنے اخراجات پورے کرنے پڑتے ہیں۔ میں بچوں کو ٹیوشن پڑھا کر اپنے اخراجات پورے کرتا ہوں' ہمارے مہینے کے اخراجات تمہارا ایک دن کا خرچہ ہوگا اور......''

''جاذب......!'' میں نے اس کی بات کاٹی۔ ''میری نظر میں یہ باتیں کوئی اہمیت نہیں رکھتیں۔ محبت ان سب چیزوں سے بالاتر ہوتی ہے مجھے ان باتوں سے کوئی فرق

نہیں پڑتا اور میں...... میں ہر قسم کے حالات سے مقابلہ کرنے کی ہمت رکھتی ہوں۔" میرے پرعزم اقرار پر اس کی بجھتی آنکھوں میں ایک بار پھر روشنی کی چمک دکھائی دینے لگی۔

"اور تمہارے والدین......؟" سوالیہ نگاہوں سے مجھے دیکھا۔ "وہ مجھے لالچی نہ سمجھیں' خدا گواہ ہے نمرہ! مجھے صرف اور صرف تمہاری چاہت ہے تمہارے اسٹیٹس سے نہیں۔"

"مما اور پاپا کو ماننا پڑے گا۔" میں نے فیصلہ کن انداز میں کہا' وہ سر ہلا کر رہ گیا۔

میں خود بھی تھوڑی حسن پرست تھی' مجھے جاذب سے واقعی محبت ہوچکی تھی۔ حسین ہم سفر کے ساتھ کی تمنا ہر کسی کو ہوتی ہے' میں نے دو دن بعد ہی جاذب کو گھر بلوایا تاکہ وہ مما سے مل لے۔ مما نے دل بھر کے اس کی ہتک کی' فیملی' آمدنی' خاندان اور گھر کے رقبے کے بارے میں سوالات کرکے اس کو شرمندہ کرتی رہیں۔ وہ بے چارہ گلٹی ہوتا رہا اور میں بھی شرمندگی محسوس کررہی تھی مما سے مل کر جاذب کوئی خاص اچھا تاثر لے کر نہیں لوٹا تھا۔

"مما! جب میں نے آپ کو جاذب کے بارے میں سب کچھ صاف صاف بتادیا تھا تو پھر کریدنے کی کیا ضرورت تھی۔" مجھے مما پر بہت غصہ آرہا تھا تب ہی جاذب کے گھر سے نکلتے ہی میں نے مما سے پوچھا۔

"وہ سوال کرنا ضروری تھے۔" مما نے ناگواری سے کہا۔

"کسی انسان کو شرمندہ کرنا اچھی بات ہے کیا؟" میں نے بھی اسی لہجے میں سوال کیا۔

"نمرہ چپ کرو تم...... ابھی تم بچی ہو' تمہیں زمانے کا اندازہ نہیں ہے۔ میں نے جان بوجھ کر ایسا کیا ہے کہ وہ خود تم سے کنارہ کرے' وہ تمہارے لائق نہیں ہے۔ اس لیے آئندہ تم بھی اس کا نام مت لینا۔" مما کی بات پر میرے پیروں تلے زمین نکل گئی۔

"مما! یہ قطعی ناممکن ہے کیوں کہ ایسا کسی صورت نہیں ہوسکتا نہ وہ پیچھے ہٹے گا اور نہ میں' اس لیے بہتر یہی ہے کہ آپ اور پاپا اپنے رویے میں لچک پیدا کریں۔" میں نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔

"نمرہ! تمہارا فیصلہ جذباتی ہے' تم کو اندازہ نہیں ہے کہ آگے چل کر کن کن کٹھنائیوں سے گزرنا پڑے گا۔ تمہاری ایک سینڈل کی قیمت میں وہ ماں بیٹا دو ماہ اپنے کھانے کے اخراجات پورے کرتے ہوں گے۔"

"مما پلیز!" میں مما کی اس مثال پر تڑپ کر بولی۔ "آپ زیادتی کررہی ہیں' اگر ہم امیر ہیں یا وہ غریب ہے تو اس میں اللہ کی رضا اور فیصلہ شامل ہے اور پھر پاپا نے کون سا یہ سب کچھ محنت اور جانفشانی سے کمایا ہے۔ کیا مجھے اندازہ نہیں ہے کہ پاپا نے یہ پیسہ کس طرح کمایا ہے۔ آج ہم کروڑ پتی ضرور ہیں مما لیکن ان لوگوں سے بدتر ہیں' جو اپنا پسینہ بہا کر چند سو روپے کماتے ہیں۔ حلال اور محنت کی کمائی سے روکھی سوکھی کھا کر اللہ کا شکر ادا کرتے ہیں' مما آپ رشتوں کو پیسے کے ترازوں میں تول رہی ہیں اور میں...... میں محبت کی نظر سے۔"

"بکواس بند کرو نمرہ! تم پاگل ہوگئی ہو' تم نے دیکھا ہی کیا ہے ابھی تم میں فیصلہ کرنے کی صلاحیت کہاں ہے؟ تم بظاہری خوب صورتی کے پیچھے غلط فیصلہ کررہی ہو' یہ سب افسانوی باتیں ہیں جب حقیقت میں زندگی کی تلخیوں کا عملی زندگی میں آکر تمہیں پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑے گا ناں تو ساری محبت رشتوں کا تقدس' احترام اور یہ لفاظی سب ہوا ہوجائیں گے تب تم بہت پچھتاؤ گی اس وقت تم اپنے غلط فیصلے پر خود ہی نادم ہوجاؤ گی لیکن اس وقت تم کچھ کرنے کے قابل نہیں رہو گی تمہیں اس وقت احساس ہوگا جب تمہیں رکشہ اور ٹیکسی کے پیچھے بھاگنا پڑے گا' بسوں میں دھکے کھانے پڑیں گے۔ گرمیوں میں لائٹ جانے پر اندھیرے اور مچھروں بھرے صحن میں راتیں گزارنی پڑیں گی جب گرمیوں کی شدتیں ہوں گی اور ٹین کی تپتی چھتیں ہوں گی جب تمہیں عام سے سودے سلف کے لیے شاپرز لیے مارکیٹوں میں

گھومنا پڑے گا تب احساس ہوگا کہ دو اور دو چار کیسے ہوتے ہیں۔'' مما نے حقارت سے مجھے لمبا چوڑا لیکچر دے ڈالا۔

''مما! وہ لوگ بھی ہماری طرح انسان ہیں جو یہ ساری باتیں برداشت کرتے ہیں وہ بھی تو جیتے ہیں ناں؟ ان کی بھی تو فیملیاں ہیں ناں...... کیا وہ انسان نہیں ہیں؟ ہم میں کون سی الگ بات ہے کہ ہمیں یہ آسائشیں اور ان لوگوں کو زندگی کی تلخیاں ملی ہیں۔ مما اگر خدانخواستہ آپ کو کل یہ سب کچھ سہنا پڑے تو کیا آپ خودکشی کرلیں گی؟ بس میں اب ایسا کچھ نہیں کروں گی نہ آپ سے مدد مانگوں گی جو میرے نصیب میں ہوگا اس پر شکر ادا کروں گی۔'' میں نے اپنے لہجے میں قطعیت شامل کرلی تھی۔

''نمرہ تم...... تصویر کا ایک رخ دیکھ رہی ہو وہ لڑکا یقیناً ہمارا اسٹیٹس دیکھ کر تم کو اپنے جال میں پھنسانے میں کامیاب ہوگیا ہے۔ محبت وحبت محض ڈرامہ ہے۔''

''پلیز مما! ایسی بات مت کریں اگر ایسا ہے تو آپ اور پاپا بھی تو خاندانی روایات توڑ کر یوں شادی نہ کرتے۔ وہ بھی آپ دونوں کی محبت ہی تھی ناں۔'' میری بات پر مما لاجواب ہوکر کھڑی رہ گئیں، میں نے عین وقت پر بڑی پتے کی بات کی تھی۔ ''اس لیے آپ پاپا سے کہہ دیں کہ میں آپ دونوں کی ہی بیٹی ہوں اور میں بھی اپنے راستے سے پیچھے نہیں ہٹوں گی، مجھ میں تو ڈبل ضد ہے۔'' میں نے اپنی بات مکمل کی اور بنا کچھ سنے تیزی سے کمرے سے نکل گئی۔ نتیجہ عین میرے توقع کے مطابق ہوا تھا رات کو ہی پاپا کے سامنے میری پیشی تھی، اس وقت وہاں عاشر بھائی بھی موجود تھے۔

''نمرہ! تم نے ایک کم حیثیت اور ادنیٰ لڑکے کے لیے اپنی مما سے بدتمیزی کی ہے؟'' پاپا نے ایک گہری نظر مجھ پر ڈال کر تفاخر سے کہا۔

''سوری پاپا! وہ کم حیثیت ضرور ہے لیکن ادنیٰ نہیں ہے، کیوں کہ وہ حلال اور محنت کی روزی کماتا ہے۔'' میرے لہجے میں چھپا طنز کسی سے پوشیدہ نہ تھا۔

''نمرہ! تم حد سے زیادہ بدتمیز گستاخ اور منہ پھٹ ہوگئی ہو۔ تمہیں شرم نہیں آتی کہ میرے ساتھ ساتھ تم کو اپنے پاپا کا خیال ہے نہ بڑے بھائی کا۔'' میری بات مما کے دل پر جا لگی تھی تب مما نے نہایت غصیلے لہجے میں کہا۔

''سوری مما! مگر یہی سچ ہے۔'' میں نے نگاہیں جھکا کر دھیمے لہجے میں کہا۔

''سچ تو یہ ہے کہ تم ہمارے گھر کی بیٹی ہو ہمارا نام ہے عزت ہے۔ ایک مقام ہے اور ہم تمہیں اپنے جیسے لوگوں میں ہی بیاہیں گے۔'' اس بار عاشر بھیا نے کہا تھا۔

''جی بھیا مگر یہ روپیہ پیسہ، عزت گاڑی، بنگلہ یہ سب کہاں سے آیا اور کب تک رہے گا۔ کیا اس بات کی گارنٹی آپ دے سکتے ہیں؟'' میرے سوال پر بھیا تڑپ کر رہ گئے۔

''پاپا یہ لڑکی حد سے زیادہ بدتمیز اور خودمختار ہوگئی ہے یہ اس حد تک بگڑ چکی ہے کہ اس کو رشتوں کی اہمیت کا بھی اندازہ نہیں ہے اس سے کوئی بعید نہیں ہے کہ کل کو یہ خود اس دو ٹکے کے انسان کے ساتھ رشتہ جوڑ کر ہمارے منہ پر کالک مل دے۔ اس سے بہتر یہی ہے کہ ہم خود اس کا نکاح کرکے اسے خاموشی سے رخصت کردیں۔'' عاشر بھائی آپے سے باہر ہو رہے تھے۔

''بھائی! انسان دو ٹکے کا اپنے اعمال اور بی ہیور سے ہوتا ہے اس لیے یہ لفظ صبور کے لیے قطعی نامناسب ہے۔'' میرے اندر نہ جانے اتنی کڑواہٹ، اتنی ہمت اور طاقت کہاں سے آ گئی تھی۔ اتنا غبار جو گزشتہ کئی سالوں سے بھائی اور پاپا کی بے اعتنائی اور سرد مہری کی صورت میں میرے روم روم میں بھر چکا تھا۔ وہ آج قطرہ قطرہ کرکے نکلتا چلا جارہا تھا، مما نے مجھ سے لاڈ کیا تھا، محبت کی تھی۔ میرا خیال کیا تھا لیکن پاپا نے کبھی بھی مجھے اہمیت نہ دی تھی بس ان کا نام میرے نام کے ساتھ تھا ان کے لیے تو سب کچھ عاشر بھائی تھے وہ بیٹے جو تھے۔ بیٹیوں کی ان کی نظر میں اہمیت نہ تھی۔

''ٹھیک ہے تم کل ہی اس لڑکے کو بلوالو میں نے جو

کچھ تمہیں دینا ہے دے دلا کر تمہیں رخصت کر کے اس کے ساتھ بھیج دوں گا اور یہ بات کان کھول کر سن لو کہ پھر اس کے بعد ہمارا تم سے کوئی رابطہ نہ ہوگا۔ ہمارے گھر کے دروازے تمہارے لیے ہمیشہ کے لیے بند ہو جائیں گے کیوں کہ میں ہرگز یہ برداشت نہیں کر پاؤں گا کہ ایک عام سا لڑکا میرے داماد کی حیثیت سے میرے گھر آئے اب فیصلہ تمہارے ہاتھ میں ہے تمہیں عیش و عشرت کی آرام دہ زندگی چاہیے یا پھر سسکتی ترستی اور محروم زندگی؟ اب تم جاسکتی ہو۔''

''ارے ارے آپ یہ کیا کہہ رہے ہیں' میں نے سوچا تھا کہ آپ اسے سمجھائیں گے مگر اتنا بڑا فیصلہ......؟'' میں نے نم آنکھوں سے مما کو دیکھا جو پاپا کی اس بات پر حیران اور پریشان تھیں اور پاپا کے سامنے سراپا سوال تھیں۔

''سعدیہ! میں نے اپنا فیصلہ سنا دیا ہے آگے کوئی بات نہیں ہوگی اب فیصلہ تمہاری بیٹی کے ہاتھ میں ہے۔'' پاپا نے ہاتھ اٹھا کر گمبھیر اور فیصلہ کن لہجے میں مجھے اپنی بیٹی بھی نہ کہا۔ میں نے ایک نظر چٹان جیسی سختی والے پاپا کے چہرے پر ڈالی' سفاک اور پھر عاشر بھائی کے چہرے پر اور مما کے بے بس اور افسردہ چہرے کو دیکھا' مجھے نہ جانے کیوں رونا آ گیا میں تیزی سے پلٹی اور تیز تیز قدموں سے کمرے سے باہر نکل گئی اور اس رات میں نے فیصلہ کر لیا اور جاذب کو بھی بتایا۔ جاذب یہ سن کر پریشان ہوگیا اس کی اماں بھی گھبرا گئی تھیں لیکن مجھے ہر حال میں یہ سب کرنا تھا۔ مجھے اپنا کمرہ دیکھ کر بہت رونا آ رہا تھا شادی کے بعد لڑکیوں کا میکے سے ناطہ ختم تو نہیں ہو جاتا لیکن میرا ختم ہو جانے والا تھا۔ اس گھر سے' اپنے کمرے سے اپنے رشتوں سے' ماں باپ اور بھائی سے وہ لوگ میرے معاملے میں کتنے کٹھور اور سنگ دل بن گئے تھے۔ مجھے بھی اپنی زندگی اپنی مرضی سے گزارنے کا حق تھا سو فیصلہ میں نے اپنے حق میں ہی کیا۔ دروازے پر ہلکی سی دستک ہوئی اور مما اندر آ گئیں' میں اٹھ کر بیٹھ گئی۔ نہ چاہتے ہوئے بھی میری آنکھیں نم ہو گئیں۔

''اب جن حالات میں تمہاری شادی ہو رہی ہے اس میں تو تیاری کی ضرورت ہے نا ہی وقت تو یہ کچھ پیسے ہیں یہ تم رکھ لو۔ اپنی مرضی سے ضرورت کی چیزیں خرید لینا۔'' مما نے نوٹوں کی بھاری گڈی میرے سامنے رکھتے ہوئے کہا۔ میں نے زخمی نظروں سے مما کو دیکھا دل چاہا کہ کہہ دوں کہ اس عنایت کی ضرورت نہیں لیکن مجھے اندازہ تھا کہ صبور بھی ابھی کسی اچھی پوزیشن میں نہیں تھا ہمیں پیسوں کی ضرورت بھی تھی' میں نے خاموشی سے پیسے تھام لیے۔

''ہاں کل عصر کے بعد تمہارا نکاح گھر میں ہوگا اس لیے تم اس لڑکے کو کہہ دو ٹائم پر عصر کی نماز کے بعد آ جائے۔'' مما نے کہا اور اٹھنے لگیں۔ ''اور ہاں......'' جاتے جاتے وہ پلٹیں۔ ''اپنے روم سے جو لے کر جانا چاہو لے کر جاسکتی ہو۔''

''نہیں مما! میں جو کچھ اس گھر سے لے کر جاؤں گی وہ ہی بہت ہوگا۔ میری ساری زندگی کے لیے اور ہاں مما! آپ دیکھ لینا آپ لوگ جس کو حقیر سمجھ رہے ہیں ایک نہ ایک دن وہ آپ لوگوں کے برابر ہوگا' اپنی محنت اور حلال کی کمائی سے ان شاء اللہ۔'' میرا لہجہ نہ چاہتے ہوئے بھی پہلے تلخ اور پھر پُراعتماد ہو گیا تھا۔ مما نے ایک نظر مجھے دیکھا نہ جانے ان کی نظروں میں کیا تھا کہ میں ایک لمحے کے لیے ڈول گئی مگر دوسرے لمحے ہی مما منہ بنا کر پلٹ کر دروازے کی جانب بڑھ گئیں اور میں سوچتی رہ گئی۔

مما کیسی ماں ہیں' ماں کا دل تو بہت نرم ہوتا تھا اور مما اپنی بیٹی کے لیے کوئی قدم اٹھا سکتی تھیں۔ میرے حق میں کچھ تو بول سکتی تھیں مائیں تو بیٹیوں کے دکھ پر دکھی ہو جاتی ہیں۔ میں نیچی نگاہ کیے سوچتی رہی' مما نے ایک نیا جوڑا لا کر میرے کمرے میں رکھ دیا تھا کہ کل پہن لینا۔ کچھ دیر بعد میں اٹھی ضرورت کی کچھ چیزیں ایک بیگ میں رکھیں' مما کے دیئے ہوئے پیسے اور وہ اچھا خاصا زیور جو کہ میرا اپنا تھا وہ سب کچھ رکھ لیا۔

دوسرے دن جاذب اپنے چند دوستوں کے ہمراہ آیا

وقت مقررہ پر پاپا قاضی صاحب کو لے آئے اور چند لوگوں کی موجودگی میں میرے جملہ حقوق جاذب کے نام کردیئے گئے۔ میں لکھ پتی باپ کی بیٹی جس کے نکاح پر کھجور کے ساتھ بس سوفٹ ڈرنک سرو کی گئی' عاشر بھائی اور پاپا نے تو سر پر ہاتھ رکھنے کی زحمت تک نہ کی۔ ہاں مما کی آنکھوں میں' میں نے نمی دیکھی تھی' میرا دل بھی ایک لمحے کے لیے ان کے لیے تڑپا تھا میں اور جاذب پاپا کی جانب بڑھے تھے کہ شاید پاپا کے دل میں ہمارے لیے کوئی محبت' کوئی جذبہ جاگ جائے مگر پاپا نے نہایت حقارت سے ہمیں دیکھا اور کہا۔

''نمرہ آج تمہارے لیے یہ آخری موقع ہے تم یہاں سے جو چیز چاہے لے سکتی ہو' کیوں کہ آج کے بعد میرے گھر کے اور میرے دل کے دروازے تم پر بند ہوچکے ہیں۔''

''نہیں پاپا! میں جو کچھ لے کر جارہی ہوں وہ میرا حق ہے اس کے علاوہ مجھے کچھ نہیں چاہیے اور ہاں۔'' میں ایک لمحے کو رکی اور پلٹ کر کہا۔ ''پاپا ان شاء اللہ ایک نہ ایک دن میں بھی جاذب کو اس مقام پر لے آؤں گی کہ آپ فخر سے اسے داماد کہہ سکیں گے' یہ میرا آپ سے وعدہ ہے۔'' جملہ مکمل کرکے میں نے جاذب کا ہاتھ تھاما پاس رکھا بیگ اٹھایا اور تیز تیز قدموں سے باہر کی طرف نکلتی چلی گئی اور میکے کی دہلیز ہمیشہ ہمیشہ کے لیے چھوڑ دی۔ گھر کے باہر ٹیکسی کھڑی تھی میں نے ٹیکسی میں بیٹھ کر آخری بار اپنے عالی شان محل نما گھر کو دیکھا اور جاذب کے کاندھے پر سر رکھ دیا دو آنسو میری آنکھوں سے پھسل کر میرے گالوں تک آگئے۔

......☆☆☆......

جاذب کی والدہ نے بہت والہانہ انداز میں ہمارا استقبال کیا' چھوٹا سا صاف ستھرہ دو کمروں اور چھوٹے سے صحن پر مشتمل یہ گھر مجھے پرسکون لگا جہاں جاذب کی بے پناہ محبتوں اور اماں کی محبت بھری دعاؤں کے ساتھ میں نے اپنی زندگی کا آغاز کیا۔ میں نے بڑے عزم اور سوچ بچار کے بعد خود کو اس ماحول میں ڈھالنے کا فیصلہ کیا تھا اور ساتھ ساتھ میں نے کچھ کرنے کا بھی فیصلہ کرلیا تھا میں جلد از جلد اس گھر کو جاذب کو اور خود کو اعلیٰ مقام پر لے جانا چاہتی تھی۔ اس کے لیے ہر قسم کی قربانی دینے کا سوچ رکھا تھا کیوں کہ اب یہ میرا گھر تھا۔ جہاں مجھے زندگی بھر ماں کی محبت بھری چھاؤں اور جاذب کے سچے پیار کے ساتھ رہنا تھا' جاذب کو ایک فرم میں جاب بھی مل گئی تھی۔ تین چار دن تو یونہی مجھے گھر کو سمجھنے میں گزر گئے' چوتھے دن میں نے جاذب سے کہہ دیا۔

''بس بہت چھٹی کرلی' کل سے آپ دوبارہ سے جاب پر جانا اسٹارٹ کردیں۔''

''ارے ابھی تو دن ہی کتنے ہوئے ہیں ابھی تو میں نے ڈھنگ سے تمہارے لاڈ بھی نہیں اٹھائے ہیں۔'' جاذب نے میرے ہاتھ تھام کر محبت پاش لہجے میں مجھ سے کہا۔

''جی جناب یہ لاڈ اور نخروں کے لیے ساری زندگی پڑی ہے لیکن آپ کی نئی نئی جاب ہے اس لیے اس کے بارے میں پہلے سوچنا ہے۔ ہمیں اپنی ذمہ داریوں کا احساس پہلے کرنا ہوگا۔'' میری بات پر جاذب نے تشکر بھری نظروں سے مجھے دیکھا۔

''یار نمرہ! لڑکیاں تو شادی کے بعد یہ چاہتی ہیں کہ ان کا شوہر ہر وقت یہاں ان کے پاس ہی رہے لیکن تم...... تمہاری سوچ اور خیالات کتنے بلند اور پوزیٹو ہیں' سچ میں' میں خوش نصیب ہوں کہ مجھے تم جیسی عقل مند بیوی ملی ہے۔'' میرے ماتھے پر پیار کرتے ہوئے جاذب نے فخریہ لہجے میں کہا تو میں مسکرادی۔

اماں بے چاری انتہائی سیدھی سادی اور معصوم سی تھیں' اب مجھے بڑی پلاننگ اور سمجھ داری کے ساتھ گھر کے معاملات سنبھالنا تھے کہ کیسے اور کس طرح سے حالات بہتر اور بہتری کی جانب جائیں۔ میرے پاس اچھی خاصی رقم تھی' میں نے سب سے پہلے اس رقم سے کچھ پیسے نکال کر ضرورت کی کچھ چیزیں منگوائیں اور باقی رقم

بینک میں جمع کروادی۔ مجھے کوئی کام کرنے کی عادت تو تھی نہیں صبح اٹھ کر ناشتا کرتی' یونیورسٹی چلی جاتی' آتی تو کھانا تیار ہوتا' ٹیبل سجا ہوا ملتا' میں فریش ہو کر کھانا کھاتی اور سو جاتی۔ گھر کے مسائل اور الجھنوں سے دور دور کا واسطہ نہ تھا۔ مجھے اس طرح سے شادی کی امید کب تھی' یہاں ہر چیز نئی نئی اور ہر کام وقت طلب لگتا۔ یہاں آ کر مجھے احساس ہوا تھا کہ زندگی تو اب شروع ہوئی ہے۔ صبح صبح اٹھ کر جب میں چھوٹے سے کچن میں جاتی تو میرا دم گھٹنے لگتا۔ میری طبیعت عجیب سی ہونے لگتی۔

"کیا ہوا؟ تم باہر آ جاؤ۔ میں ناشتا باہر سے لے آتا ہوں۔" میری حالت دیکھ کر جاذب پریشان ہو جاتے۔

"ارے نہیں ایسی کوئی بات نہیں گرمی ہے تو گرمی تو لگے گی ناں۔" میں شرمندہ ہو جاتی۔ مجھے اندازہ تھا کہ باہر سے ناشتا منگوانے کا مطلب ہے کم از کم 3 سے 4 سو روپے تک کا خرچہ ہوگا اور ہمیں ایسے اخراجات سے گریز کرنا تھا۔ اماں گھبرا جاتیں آ کر میرے ساتھ میرا ہاتھ تو بٹانے لگتیں' میرے منع کرنے کے باوجود وہ میرے ساتھ ساتھ مصروف رہتیں۔ اماں کو احساس تھا کہ میں کیسے گھر سے آئی تھی؟ میرا لائف اسٹائل کیا تھا اور مجھے یہاں کیا کرنا پڑ رہا ہے وہ مجھے ہر وقت دعائیں دیتی رہتیں۔ اماں کی نظر میں بھی میری عزت بڑھتی جا رہی تھی جب کہ جاذب تو باقاعدہ میرے قصیدے پڑھتے تھے۔

میں ذہنی طور پر تیار تھی اور مجھے اندازہ تھا کہ خود کو کسی مقام تک لانے میں' گھر کے حالات بدلنے میں مجھے کتنی دشوار ہوگی؟ کیسی کیسی کٹھنائیوں سے گزرنا ہوگا؟ کس کس طرح سے ایڈجسٹمنٹ کرنا ہوگا۔ ایک ایک پیسے کو بچانا ہوگا اور اسی تگ ودو میں یونہی کرتے کرتے میری گود میں سہام اور اجیہ بھی آ گئے اس وقت بھی میں نے گھر میں کسی کام والی کو رکھنے کی بات مسترد کر دی۔ اماں اچھا خاصا ہاتھ بٹا رہی تھیں پھر کیا ضرورت تھی کہ اچھے خاصے پیسے کام والیوں کو دوں' وہی پیسے بچا کر کسی اور کام میں لا سکتے تھے۔ ان سالوں میں میں نے بچت کر کے کمیٹیاں ڈال کر گھر کو خاصا بہتر بنا لیا' اوپر کا پورشن بھی کرائے پر دے دیا تھا اور کرائے کی جو رقم آتی اس سے ایک اور بڑی کمیٹی میں حصہ دار بن گئی' گھر کی حالت بھی بہتر ہو گئی کچن بھی بڑا اور کھلا بنا لیا اور ساتھ ساتھ آمدنی کا ذریعہ بھی بن گیا۔

جاذب ڈیوٹی کے ساتھ ساتھ اوور ٹائم بھی کرنے لگے اس لیے راتوں کو دیر سے آتے۔ مجھے گھر کا سودا سلف بھی لانا پڑتا' بجلی گیس کے بل بھی میں ہی جمع کرواتی۔ ساتھ ساتھ بچوں کو سنبھالتی لیکن سہام اور اجیہ کی زیادہ تر ذمہ داری اماں پر تھی۔ میں بچوں کو اماں کے پاس چھوڑ کر بازار چلی جاتی' پیچھے مجھے بچوں کی فکر نہ ہوتی۔ کبھی کبھی بستر پر لیٹتی تو اچانک سے مجھے مما کی یاد آ جاتی مما کی آنکھیں یاد آ جاتیں مجھے لگتا تھا کہ مما کی آنکھوں میں کچھ تو تھا۔

❀......❀......❀

اچانک سے شہر کے حالات خراب ہو گئے' جاذب کا آفس گھر سے اچھا خاصا دور تھا' وہ بس سے جاتے تو تقریباً دو گھنٹے آنے اور جانے میں لگ جاتے تھے۔ حالات خراب ہوئے تو سارا شہر ہی مفلوج ہو کر رہ گیا۔ دکانوں' بازاروں کے ساتھ ٹریفک بھی بند ہو گیا' سڑکیں ویران ہو گئیں۔ جاذب آفس سے نکلے تو گھر آنے کے لیے کوئی سواری کوئی رکشہ' ٹیکسی کچھ بھی میسر نہ تھا ان کے ساتھ اور بھی دوست تھے آخر کار مجبوراً ان لوگوں کو آفس میں رات گزارنی پڑی کیوں کہ قریب میں کوئی بھی نہیں رہتا تھا۔ ادھر جاذب سخت ٹینشن اور پریشانی کا شکار تھے' ہم لوگوں کو لے کر بہت فکر مند تھے۔ ساری رات کرسی پر بیٹھ کر گزارنی پڑی تھی اور ادھر میں نے اور اماں نے ساری رات جاگ کر گزاری تھی۔ ایک طرف جاذب کی فکر تھی گو کہ ان سے فون پر رابطہ تھا مگر پھر بھی وہ گھر سے کوسوں دور تھے اور ہم لوگ پہلی بار جاذب کے بنا رات گزار رہے تھے۔ بہت الجھن اور پریشانی کا سامنا تھا' دوسرے دن جب حالات معمول پر آئے تو رات بھر کے جاگے ہوئے تھکے ہارے جاذب گھر پہنچے۔ وہ فریش ہو کر آئے تو میں نے جلدی سے کھانا لگایا' کھانا کھا کر گرم گرم چائے پی کر

جاذب کی تھکن کچھ کم ہوئی۔ اس روز مجھے جاذب کو دیکھ کر رونا آ گیا کتنی محنت کر رہے تھے وہ صرف ہم لوگوں کو اچھی زندگی دینے کے لیے سارا سارا دن آفس میں مغز ماری کرتے اور پھر بسوں میں دھکے کھاتے ہوئے لمبا سفر طے کر کے گھر واپس آتے۔ کام سے فارغ ہو کر کمرے میں آئی تو جاذب جاگ رہے تھے۔

"ارے آپ سوئے نہیں؟" میں نے ان کو جاگتا دیکھ کر پوچھا۔

"نہیں آج تم سے بہت ساری باتیں کرنے کا موڈ ہے۔" ان کا لہجہ خاصا فریش اور خوش گوار تھا۔

"اچھا جی کریں بات۔" میں ان کے پاس بیڈ پر ٹکتے ہوئے شوخ لہجے میں بولی۔

"نمرہ! خدا کی قسم تم...... تم میرے لیے' میرے گھر اماں اور بچوں کے لیے عطیہ خداوندی ہو۔ تم جس گھر سے آئی ہو اور آ کر تم جن حالات سے گزر رہی ہو اتنی جانفشانی سے تم سب کچھ کرتی ہو کہ دل کرتا ہے تمہارے قدموں میں سارے جہانوں کی خوشیاں لا کر رکھ دوں۔ جب تم کو اس طرح سے عام سے کپڑوں میں گھر کے دھندوں میں الجھا دیکھتا ہوں تو بہت گلٹی ہوتا ہوں کہ میں نے تم کو کیا سے کیا بنا دیا۔" جاذب کے لہجے میں اداسی تھی میرے دونوں ہاتھ تھام کر آنکھوں سے لگا کر بولے۔

"جاذب آپ کا یوں مجھے مان دینا' بے انتہا پیار کرنا' اماں کی لاکھوں کروڑوں کی دعائیں' میرے معصوم بچوں کی ہنسی' ہمارے گھر کا پرسکون ماحول' ہمارے آپس کے تعلقات یہ سب مجھے چاند تاروں اور ہیرے جواہرات سے بڑھ کر ہیں۔ مجھے نہ کبھی تھکن ہوتی ہے نہ کبھی اپنے کیے پر کوئی پچھتاوا مجھے کچھ نہیں چاہیے اور میں جو یہ سب کچھ کر رہی ہوں ناں تو صرف اس لیے کہ اگر کبھی مما پاپا کا سامنا ہو تو میں فخر سے کہہ سکوں کہ دیکھیں میرا انتخاب غلط نہ تھا۔ اس لیے آپ کو گلٹی ہونے کی ضرورت نہیں بس دعا کریں کہ میں وہ مقام پالوں جس کی مجھے خواہش ہے۔" میں نے جواباً ان کے ہاتھ تھام کر جذب اور پُراعتماد لہجے میں کہا تو انہوں نے مجھے سینے سے لگا کر میرا ماتھا چوم لیا۔

"ہاں ایک بات کرنی تھی آپ سے۔" میں نے ان کے موڈ کا فائدہ اٹھاتے ہوئے کہا۔

"جی ضرور" انہوں نے شریر لہجے میں کہا۔

"سہام اور اجیہ کے اسکول میں ایڈمنسٹریشن کے لیے ٹیچر کی ضرورت ہے اگر آپ کہیں تو میں اپلائی کروں۔"

"نہیں نمرہ! تم پہلے کم مصروف ہو کیا' خود کو دیکھو ذرا اتنی مصروف اور الجھی ہوئی رہتی ہو اب یہ جھنجھٹ پالنے کی ضرورت نہیں۔" میری توقع کے عین مطابق جواب تھا۔

"ارے یار کیسی جھنجھٹ چند گھنٹوں کی تو بات ہے' بچے بھی ساتھ ہوں گے' سارے کام نپٹا کر جاؤں گی۔ شہلا آنٹی سے کہہ دوں گی کہ اماں کا خیال رکھیں' اچھی خاصی سیلری دے رہے ہیں وہ' ٹھیک ہے اگر ایڈجسٹ نہ کر پائی تو چھوڑ دوں گی۔" میں نے مصالحت والے انداز میں کہا۔

"ٹھیک ہے اگر تم کرنا چاہتی ہو تو کرلو مجھے تمہاری ہی فکر ہے۔" جاذب نے پیار سے میری آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

"او تھینکس جانو!" میں بچوں کی طرح خوش ہوگئی۔ دراصل مجھے اپنے اس پلاٹ پر گھر بنانا تھا جو کچھ عرصے پہلے لیا تھا اور اس کے لیے کافی بڑی کمیٹی کا بندوبست کرنا تھا اور مجھے یہ سیلری سے وہ کمیٹی ارینج کرنی تھی۔

ظاہر ہے اب میرے لیے مزید محنت اور وقت کی ضرورت تھی سو میں نے سلیقے سے اپنا روٹین ٹائم ٹیبل بنا لیا۔ فجر کے وقت اٹھتی' سب ہی جاگ جاتے۔ اماں اتنی صبح ناشتا نہیں کرتی تھیں' نماز پڑھ کر وہ ایک گلاس دودھ پی کر کچھ دیر قرآن پاک کی تلاوت کرتیں اور پھر سو جاتیں نو دس بجے کے بعد اٹھ کر ناشتا کرتی تھیں۔ میں نماز سے فارغ ہو کر پہلے اماں کو دودھ دیتی پھر سب کے لیے ناشتا بناتی' بچوں کے لیے ٹفن تیار کرتی۔ ناشتا کر کے بچے تیار ہو جاتے میں اور جاذب بھی تیار

ہو جاتے۔ جاذب آفس کے لیے نکل جاتے، میں نکلتے نکلتے اماں کا ناشتا بنا کر رکھ دیتی پھر ہم تینوں بھی اسکول کے لیے نکل جاتے۔ اماں کا ناشتا ہاٹ پاٹ میں چائے مائیکروویو میں ہوتی۔

ہم اسکول سے واپس آتے تب تک اماں سبزی وغیرہ لے کر اسے کاٹ کر رکھ دیتیں۔ رات کا سالن ہوتا میں جلدی سے چاول پکا لیتی، ہم سب ظہر کی نماز پڑھ کر لنچ کرتے پھر بچے اماں کے ساتھ جا کر لیٹ جاتے اور میں بھی کچھ دیر آرام کر لیتی۔ شام کو اٹھ کر میں چائے بناتی، بچے اور اماں بھی جاگ جاتے۔ میں شام کو سالن پکا لیتی مغرب کی نماز کے ساتھ روٹیاں پکاتی جب تک جاذب بھی آ جاتے۔ ہم سب مل کر کچھ دیر باتیں کرتے، کھانا کھا کر بچے ہوم ورک کرتے، جاذب ٹی وی دیکھتے اور میں صبح کی تیاریاں کرتی۔ رات کو جلدی سو جاتے اس طرح سے زندگی میں ٹھہراؤ سا آ گیا تھا، چھٹی والے دن میں ہی بچوں کو لے کر کہیں چلی جاتی، جاذب کو فرصت کم ملتی تھی۔ اس رات میں کاموں سے فارغ ہو کر روم میں آئی تو جاذب جاگ رہے تھے اور کچھ پریشان سے لگ رہے تھے۔

''کیا ہوا جاذب! طبیعت تو ٹھیک ہے ناں آپ کی؟'' میں نے ان کو بغور دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

''آں...... ہاں......؟'' وہ میری آواز پر چونکے۔

''ہاں ہاں ٹھیک ہوں۔'' جلدی سے بولے۔

''کوئی مسئلہ ہے، آفس کی کوئی پرابلم......؟'' میں نے ان کے پاس بیٹھ کر غور سے ان کو دیکھتے ہوئے کریدا۔

''نہیں یار! آفس کی پرابلم نہیں ہے۔'' انہوں نے کہا۔

''پھر......؟'' میں نے کریدا۔

''یار ایک بہت اچھی آفر ہے میرا دوست شاہ زیب ہے ناں اس کا گارمنٹس کا کافی اچھا بزنس ہے اب وہ چاہتا ہے کہ کراچی سے باہر بھی بزنس کر سکے اس کے لیے اسے چھوٹے سے اماؤنٹ کی ضرورت ہے وہ میرے بارے میں اچھی طرح سے جانتا ہے اس نے کہا ہے کہ تم تھوڑا سا اماؤنٹ دے کر میرے پارٹنر بن سکتے ہو۔ میں اگر قرضہ بھی لے لوں تو اتنا نہیں لے سکتا اور پھر وہ قرضہ سود سمیت واپس کرنا مجھے کچھ اچھا نہیں لگ رہا حالانکہ آفر بہت اچھی ہے۔'' جاذب نے آہستگی سے کہا۔

''کتنا اماؤنٹ درکار ہے؟'' میں نے پوچھا۔

''فی الحال صرف پانچ لاکھ کیوں کہ وہ میرے حالات سے واقف ہے، بہت اچھا دوست ہے میرا۔'' جاذب نے کہا۔

''ہمم...... اگر آپ سمجھتے ہیں کہ آفر اچھی ہے تو قبول کر لینی چاہیے لیکن پانچ لاکھ۔'' میں نے کہا۔

''جاذب بیٹا! میری دوا لے کر آئے تھے؟'' اماں کی آواز پر جاذب جلدی سے اٹھ گیا۔

''افوہ دیکھو یاد ہی نہیں رہا مجھے اماں کو نیند سے اٹھ کر آنا پڑا۔'' وہ شرمندہ سا ہو کر جلدی سے دوا لے کر باہر کی طرف چلے گئے اور اچانک ہی میرا ذہن دور تک چلا گیا اگر آفر اچھی ہے تو ہمیں ضرور کچھ نہ کچھ کرنا ہوگا اور میں کسی حد تک مطمئن ہو گئی۔

دوسرے دن حسب معمول لنچ کے بعد اماں بچوں کو لے کر لیٹ گئیں تو میں نے اماں سے کہا کہ میری ایک ساتھی ٹیچر کی مما ہسپتال میں ہیں انہیں دیکھ کر آتی ہوں اور اپنا بھاری پرس سنبھال کر چادر اوڑھی اور اللہ کا نام لے کر گھر سے نکل گئی تقریباً گھنٹے بعد واپس آئی تو بچے اور اماں ابھی تک سو رہے تھے، میں بھی لیٹ گئی۔ جب آنکھ کھلی تو اماں کچن میں تھیں، میں ہڑبڑا کر کچن کی جانب گئی۔

''ارے اماں! آپ کیا کر رہی ہیں؟''

''سر میں درد ہو رہا تھا تو چائے بنانے آ گئی۔ تم جاؤ آرام کرو تمہیں بھی آرام کی ضرورت ہے۔'' اماں نے مجھے دیکھ کر محبت سے کہا۔

''آرام کر لیا میں نے، چلیں آپ جا کر لیٹیں میں

ابھی چائے بنا کر لاتی ہوں‘ آپ کے لیے بھی اور اپنے لیے بھی۔“ میں نے اماں کا ہاتھ پکڑ کر ان کو کمرے میں پہنچایا اور دوبارہ کچن میں آ گئی‘ چائے بنا کر دو سلائس بھی سینک دیئے کیونکہ لنچ کو کافی ٹائم گزر چکا تھا اور اماں کو دوائی بھی کھانی تھی۔

رات کو حسب معمول میں کاموں سے فارغ ہو کر روم میں آئی تو جاذب جاگ رہے تھے۔ میں نے الماری کھولی اور ایک شاپر لا کر جاذب کے سامنے رکھ دیا۔

”یہ کیا ہے؟“ جاذب نے پہلے شاپر کو اور پھر مجھے حیرانی سے دیکھا۔

”کھولیں تو......“ انہوں نے شاپر کھولا تو اندر پانچ پانچ ہزار کے ڈھیر سارے نوٹ دیکھ کر یوں اچھلے جیسے بچھو نے ڈنک مار دیا ہو۔

”یہ...... یہ سب کیا ہے...... کہاں سے آئے ہیں؟“ حیران ہونے کے ساتھ ساتھ وہ پریشان بھی تھے۔

”جاذب یہ آپ کے لیے ہیں میرے اپنے پیسے ہیں‘ ہمارے کاروبار میں لگانے کے لیے۔ میں نے اپنا زیور فروخت کر دیا ہے‘ ہمارے فیملی جیولرز کے ہاں۔“

”کیا...... کیا...... تم پاگل ہو گئی ہو کیا؟ وہ زیور جو تمہاری مما کی نشانی تھا‘ وہ...... وہ کیوں بیچا تم نے؟“ جاذب مجھ پر چلائے۔

”جاذب پلیز...... میری اور آپ کی چیز الگ الگ نہیں ہے‘ پھر وہ زیور جب میری ضرورت میں نہیں تھا تو میرے لیے اس کا ہونا نہ ہونا برابر تھا اور ایک بار ان شاء اللہ تعالیٰ کاروبار سیٹ ہو جائے گا تو پھر ہم اور بنا لیں گے اور اس وقت ہمارے لیے اس زیور سے اہم یہ بات ہے کہ ہمیں ایسے اپنے آپ کو اونچے مقام تک لانا ہے اور جب آپ کو ایک اچھی آفر ہمارے نصیب سے مل رہی ہے تو ہمیں تو خدا کا شکر ادا کرنا چاہیے کہ تھوڑے اماؤنٹ میں بڑا حصہ ملنے والا ہے۔ بس آپ اللہ کا نام لے کر یہ پیسے شاہ زیب بھائی کو دے دیں اور اللہ پر بھروسہ اور یقین کے ساتھ کاروبار میں حصہ لے لیں۔“

”وہ سب ٹھیک ہے نمرہ! مگر تم نے پہلے ہی کیا کچھ نہیں کیا اس گھر کے لیے‘ ہمارے لیے......؟“ وہ کہتے کہتے رک گئے ان کی آواز بھرا گئی۔

”پلیز جاذب! یہ گھر میرا یا آپ کا نہیں بلکہ ہم دونوں کا ہے اور ہم دونوں کو مل کر ہی اسے بہتری کی جانب لانا ہے اور ابھی تو ہمیں پلاٹ پر تعمیر بھی شروع کروانی ہے۔“ میری بات پر جاذب نے بغور مجھے دیکھا۔

”نمرہ میرے پاس وہ لفظ نہیں جس سے کہ میں تمہارے بارے میں کچھ کہہ سکوں‘ نہ جانے تم میری کون سی نیکی کا صلہ ہو۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا بولوں؟“

”بس بس اب کچھ مت بولیں‘ رات کافی ہو گئی ہے چپ چاپ سو جائیں اور کل ہی جا کر شاہ زیب بھائی سے بات کر لیں۔“ میں نے لائٹ آف کر کے شرارت سے کہا اور ان کو بیڈ پر لٹا کر خود بھی ان کے برابر میں لیٹ گئی انہوں نے مجھے سینے سے لگا لیا اور میں نے آنکھیں موند لیں۔

اماں کو جب اس بات کا پتا چلا تو وہ مجھ سے باقاعدہ

ناراض ہوگئیں اور میری ٹھیک ٹھاک کلاس بھی لی اور بات نہیں کرنے کی دھمکی دی تو میں نے ہاتھ جوڑ کر اور کان پکڑ کر اماں کو منالیا اور اماں مجھے سینے سے لگا کر رو پڑیں میری آنکھیں بھی نم ہوگئیں۔

ادھر جاذب نے کاروبار اسٹارٹ کیا' ادھر میں نے بھی ٹیوشنز بھی دینی شروع کردی۔ ٹیوشنز اور سیلری سے میں نے بڑی بڑی کمیٹیاں ڈال لیں۔ جاذب اپنے کاروبار میں بے حد مصروف ہوگئے۔ یہ وقت زیادہ ٹائم اور محنت کا تھا تو جاذب گھر پر بالکل بھی ٹائم نہ دے پاتے۔ تھکے ہارے رات گئے لوٹتے اور صبح پھر نکل جاتے۔ میں بچوں کے ساتھ ان کی ضروریات بھی پوری کرتی اور میری کوششوں سے میری آنکھیں چھلک پڑیں' ہماری کامیابی کی طرف پہلا قدم تھا ادھر میں نے پلاٹ پر بھی کام شروع کروادیا تھا اور ایسے موقعوں پر میں شکرانے کے نوافل ضرور ادا کرتی۔

جاذب کی مصروفیات حد سے زیادہ بڑھیں تو میری ذمہ داریاں بھی بڑھتی چلی گئیں۔ اماں کی طبیعت خراب ہوتی مجھے ہی ہسپتال لے کر بھاگنا ہوتا۔ بچوں کے اسکول کے مسائل میں نپٹنائی' گھر کے کاموں کے ساتھ ساتھ مجھے پلاٹ پر بھی مسلسل ٹائم دینا پڑتا۔ ساتھ ساتھ ہمیشہ مجھے جاذب کے معاملے میں الرٹ رہنا پڑتا کہ انہیں کبھی بھی کبھی شہر سے باہر جانا پڑجاتا تو اس کی تیاری مکمل رکھنی ہوتی۔ شاہ زیب بھائی بہت ہمدرد اور اچھے انسان تھے وہ جاذب کو اتنی ہی اہمیت دیتے جیسے کہ وہ برابر کے پارٹنر ہوں۔ تب ہی جاذب بھی نہایت محنت اور جانفشانی سے کاروباری امور نپٹاتے۔ ماشاء اللہ کچھ سال گزرنے تک ہماری آمدنی میں خاطر خواہ اضافہ ہورہا تھا۔ بچے بھی بڑے ہورہے تھے' ان کی ضروریات اور مصروفیات بھی بڑھ گئی تھیں۔ میری انتھک محنت سے گھر کے حالات میں سدھار پر سدھار آتا چلا جارہا تھا۔ گھر اور گھر ہستی کے چکر میں' کچھ کر دکھانے کے چکر میں میں خود کو فراموش کرچکی تھی۔ اپنے آپ کو بھول کر اپنے سکھ' چین اور آرام کو پس پشت ڈال کر صرف اور صرف گھر کو گھر بنانے کے لیے چکر میں لگی رہتی۔

ادھر جاذب کی اپنی مصروفیات تھیں وہ گھر پر ہوتے تو بھی راتوں کو دیر تک میسجز پر باتیں کرتے رہتے' کبھی کبھی آدھی آدھی رات کو کال آجاتی تو وہ اٹھ کر باہر چلے جاتے کہ مبادا میری نیند خراب ہوجائے۔ اسی طرح آخر کچھ ماہ کی مسلسل تعمیر کے بعد ہمارا 600 گز کا بنگلہ مکمل ہوگیا اور ہم لوگ اس میں شفٹ ہوگئے' شفٹ ہونے سے پہلے اماں نے گھر میں قرآن خوانی کروائی' ساتھ ہی ہمارے گھر میں دو دو گاڑیاں آگئیں۔ اتنا لمبا عرصہ' اتنا طویل عرصہ گزارتے گزارتے احساس تک نہ ہوا کہ وقت کتنا آگے نکل چکا ہے۔ جاذب کا بزنس بھی خوب چمک اٹھا تھا' ہماری طرز زندگی الحمدللہ میری سوچ کے مطابق گزر رہی تھی۔ گھر میں دو دو گاڑیاں تھیں' میں نے جب پیچھے مڑ کر دیکھا تو میں اپنی شادی شدہ زندگی کے بیس سال گزار چکی تھی۔ جاذب کی بیش قیمت الماری میں ان گنت قیمتی سوٹس ہر وقت ریڈی رہتے' آج بھی جاذب ویسے ہی ینگ' فریش اور جاذب نظر لگتے۔

میرے بچے شہر کے بہترین کالجز میں زیر تعلیم تھے' ضرورت کے علاوہ آسائشوں سے بھرپور زندگی تھی۔ میرے پاس بے شمار قیمتی کپڑے' جیولری اور ضرورت سے زیادہ چیزیں تھیں' اتنی کہ مجھے ان چیزوں کو استعمال کرنے کا وقت بھی نہ ملتا تھا۔ مجھے لگتا تھا کہ میری محنت کا ثمر مجھے مل گیا ہے۔ کچھ روز سے جاذب مجھے چپ چپ اور کھچے کھچے سے نظر آرہے تھے میں نے استفسار کیا تو ٹال گئے میں سمجھی کاروباری مصروفیت اور محنت کی وجہ سے شاید تھکن ہوجاتی ہوگی۔ میں ان کا اور زیادہ خیال رکھنے لگی دل جوئی کرتی مگر ان کے رویے میں کوئی بدلاؤ نہیں آرہا تھا۔

اس روز رات کو میری آنکھ کھلی رات کے تین بج رہے تھے' جاذب ابھی ابھی اٹھ کر واش روم گئے تھے تب ہی مجھے ان کے سیل کی وائبریشن محسوس ہوئی۔

''ہائیں......'' مجھے حیرت ہوئی کہ ان کو وائبریشن پر رکھنے کی کیا ضرورت تھی؟ ہوسکتا ہے کہ میری نیند خراب ہوجانے کے خیال سے رکھا ہو خود ہی سوچ کر کروٹ بدل کر لیٹ گئی مگر مسلسل میسجز آتے رہے جاذب بھی باہر نہیں آئے تھے تب نہ چاہتے ہوئے بھی میں نے ان کا سیل دیکھا۔

''ہائے جانو...... کیا ہورہا ہے؟ کیا تمہاری مدرانڈیا جاگ گئی ہیں......؟'' میں ابھی میسجز کے الفاظ میں الجھی تھی کہ بیل بجنے لگی میں نے کال ریسیو کرلی۔

''جانو! کب سے میسجز کررہی ہوں کہاں ہو یار! حد ہوتی ہے کیا اپنی اولڈ از گولڈ کے ساتھ بزی ہو؟'' اُف توہین کے احساس سے میری کنپٹیاں سلگنے لگیں نسوانی آواز تھی ساتھ ہی اتنی بے تکلفی اور اولڈ از گولڈ مدرانڈیا یقیناً مجھے مخاطب کیا گیا تھا۔

''یہ...... یہ کون تھی؟'' نیند میری آنکھوں سے اڑ چکی تھی میں نے کال کاٹ دی سمجھ میں نہیں آرہا تھا اس گھٹیا عورت کو کیا جواب دوں جو آدھی رات کو اس طرح فون کررہی ہے اور میسجز کررہی ہے۔

''یہ کیا حرکت ہے......؟ اس طرح کسی کا سیل چیک کرتے ہیں کیا؟'' اس سے پہلے کہ میں سنبھلتی پیچھے سے جاذب نے میرے ہاتھ سے سیل چھین کر قدرے برہمی سے کہا۔

''کسی کے...... کسی کے نہیں جاذب...... آپ میرے شوہر ہیں اور میرا پورا پورا حق ہے آپ پر اور میں کوئی چیکنگ نہیں کررہی تھی مسلسل کالز آرہی تھیں تو میں نے ریسیو کی تھی کال اور...... یہ...... تھی کون جو آپ کو اس بے تکلفی سے رات کے تین بجے جانو کہہ کر مخاطب کررہی تھی؟'' میں نے خاصی زور سے چیختے ہوئے کہا۔ میری بات پر جاذب نے نگاہیں جھکالیں۔

''بتائیں جاذب......! کون تھی یہ اور اس نے آدھی رات کو آپ کو کال کس حیثیت سے کی اور...... اور اسے کیا حق پہنچتا ہے کہ میری توہین کرے۔'' غصے سے میں کانپنے لگی تھی۔ جاذب بدستور خاموش تھے۔

''جاذب! آپ کی خاموشی بڑے طوفان کے آنے کی گواہی دے رہی ہے مجھے بتاتے کیوں نہیں کہ اس کا آپ سے کیا رشتہ ہے؟'' اس بار میں پوری قوت سے چیخی تھی۔

''وہ آپ...... کی......''

''ہاں ہاں...... وہ میری بیوی ہے......'' جاذب نے میری بات مکمل ہونے سے پہلے ہی اسی رفتار سے کہا جس سے میں نے پوچھا تھا۔ مجھے لگا جیسے صبور نے لفظوں کا نشتر سیدھا میرے دل میں اتار دیا ہو میری سماعتوں میں الفاظ پگھلے ہوئے سیسے کی مانند اترے تھے۔ میں خود پر قابو نہ رکھ پائی۔

یہ...... یہ جاذب نے کیا کہا تھا مجھے لگا جیسے کہ میں خواب دیکھ رہی ہوں بھیانک اور ڈراؤنا خواب...... جاذب کے الفاظ نے میرے اندر دہکتے ہوئے انگارے بھردیئے تھے۔ میری ہمتیں جواب دینے لگی تھیں میں اٹھی اور جاذب کو پکڑ کر بُری طرح جھنجھوڑ ڈالا۔

''جاذب...... جاذب آپ نے ایسا کیوں کیا...... کیا کمی تھی مجھ میں...... کیوں ضرورت پیش آئی آپ کو...... ایسی کیا مجبوری تھی کہ میرے ہوتے ہوئے آپ نے دوسری شادی کرلی؟'' میں ہذیانی انداز میں اسے جھنجھوڑتے ہوئے مسلسل سوال کررہی تھی۔

''ہاں ہاں...... مجبوری ہی تھی میری...... ضرورت تھی میری مجھے ایسا کرنا پڑا۔'' جاذب کے اطمینان نے مجھ میں مزید جلن بھردی تھی۔ ''میں آج جس مقام پر کھڑا ہوں جس پوزیشن کا حامل ہوں اس کے لیے مجھے میرے شانہ بشانہ چلنے والی جاذب نظر اور میرے ساتھ میچ کرنے والی شریک حیات کی ضرورت تھی جو میرے ساتھ میٹنگ اور پارٹیز اٹینڈ کرسکے۔'' اُف جاذب کی بات پر میں نے سر تھام لیا۔

''کیا میں پڑھی لکھی نہیں ہوں؟ کیا میں تمہارے ساتھ نہیں چل سکتی۔ گزشتہ بیس سال سے میں نے ہی

آپ کا ساتھ دیا ہے اس وقت جب آپ کو مورل سپورٹ اور فنانشلی سپورٹ کی ضرورت تھی گزشتہ بیس سال میں میں نے کیا کچھ نہیں کیا۔ اپنی خواہشات کو اپنی نیند چین کو حرام کر کے پائی پائی جوڑ کے آپ کو آج اس مقام پر پہنچایا' کتنی بار آپ تھک ہار کر بیٹھ گئے تو میں نے آپ کو ہمت اور حوصلہ دیا آپ کو سہارا دیا۔ اپنی نیندیں حرام کر کے آپ کو ساری رات سکون کی نیند دی' اس گھر کے لیے آپ کے لیے' بچوں کے اچھے مستقبل کے حصول کے لیے آئینہ دیکھنے کی فرصت نہیں ملی اور اس مقام تک پہنچتے پہنچتے محنت کرتے کرتے آج ہم کس مقام پر آ گئے ہیں تو آپ نے...... آپ نے دوسری شادی کر لی جاذب! کیوں کیا ایسا؟'' میرا بس نہیں چل رہا تھا کہ جاذب کو جھنجھوڑ کر رکھ دوں اس سے اپنے بیس سال کا حساب کس طرح مانگوں۔

''تم نے کیا یہ سب کچھ......؟'' جاذب نے کہا۔'' اور یہ سب کچھ کرتے کرتے تم اپنا آپ بھول گئیں۔ تم نے صرف ایک جانب ہی دیکھا دوسری جانب دیکھنے کا سوچا بھی نہیں' تم نے دوسرا رخ تو دیکھا نہیں ایک تو تم میری ہم عمر ہو اوپر سے سانولی اور معمولی سی صورت تھی۔ تم کو چاہیے تھا کہ کبھی خود کو بھی آئینے میں دیکھنے کی زحمت کر لیتیں' گھر کو بہتر بناتے بناتے خود بد سے بدتر ہوتی چلی گئیں۔ ذرا خود کو میرے برابر لا کر آئینہ دیکھو کیسی لگنے لگی ہو تم' عجیب سی مجھ سے بڑی۔ میرے دوست تمہیں دیکھ کر میرا مذاق اڑاتے ہیں۔ تم مجھ سے دس سال بڑی لگنے لگی ہو اور میں آج بھی ویسا ہی اسمارٹ نظر آتا ہوں۔ اب میں پارٹیز اور فنکشنز میں تمہارے ساتھ جا کر خود اپنا مذاق نہیں بنوانا چاہتا اس لیے مجھے اپنی کولیگ ناعمہ سے شادی کرنی پڑی اور ہاں...... یہ احسان جتانے کی قطعی ضرورت نہیں کہ تم نے گھر کے لیے یہ کیا' تم نے گھر کے لیے وہ کیا' کیوں کہ تم نے جو کچھ کیا ہے وہ صرف اپنے بھرم اور سواد کے لیے کیا ہے۔ تمہیں معاشرے میں اپنا نام اور عزت بنانی تھی کہ کل کو اگر تمہیں اپنے والدین کا سامنا کرنا پڑے تو تم ان کو فخر سے بتا سکو ہو کہ تم نے کیا کچھ پایا' تم فطرتاً ضدی عورت ہو تم نے پہلے ضد میں آ کر مجھ سے شادی کی اور اس ضد کا بھرم رکھنے کے لیے اتنا سب کچھ کیا ورنہ کوئی بھی خود کو فراموش نہیں کرتا۔ یہ تمہاری ضد اور انا ہی تھی کہ جس نے تمہیں اپنے آپ کو دیکھنے کا موقع نہ دیا اور آج ہم جس مقام پر ہیں اس میں صرف تمہارا ہی نہیں میرا بھی برابر کا حصہ ہے۔ اس لیے بجائے یہ کہ واویلا کرو اور کوئی احتجاج کرو خاموشی سے یہ حقیقت تسلیم کر لو اور جیسا چل رہا ہے ویسے ہی چلنے دو۔ مجھے سونے دو صبح بہت کام کرنے ہیں مجھے۔'' نہایت سفاکی اور بے رحمی سے وہ مجھ پر لفظوں کے پہاڑ گراتا ہوا اطمینان سے بیڈ پر جا لیٹا۔

''اُف خدایا! آج صبور نے کیسے کیسے القابات سے نواز دیا تھا' اتنا سب کہتے ہوئے' کرتے ہوئے اسے ذرا بھی میری فیلنگ کا کوئی احساس نہ ہوا۔ ایک لمحے کو بھی انہوں نے میرے بارے میں نہیں سوچا' میں نے اپنی زندگی کے عین جوانی کے بیس سال جس شخص کے لیے قربان کر ڈالے تھے۔ اپنی شاہانہ زندگی چھوڑ کر مفلسی اور تنگ دستی کے دن دیکھے۔ مسلسل محنت اور لگن سے اپنے دن رات' اپنی نیندیں' چین سکون سب کچھ اس گھر کے لیے قربان کیا تھا۔ جاذب تو میری ریاضت کا ایک لمحے کا حق بھی ادا نہ کر پائے تھے اور اوپر سے یہ کہ میں ''ضدی ہوں میں نے سب کچھ ضد میں آ کر کیا۔ میں ان سے شادی بھی ضد کے لیے کی'' اُف کتنی توہین کی تھی میرے جذبات کی' میری محبت کی' ریاضت کی' میری قربانیوں کی کتنی بے دردی سے روند ڈالا تھا میرے خوابوں کا یہ صلہ تھا۔ میرے بیس سالہ ریاضت کا' میرے لبوں پر خاموش سسکیاں دم توڑنے لگی تھیں مجھے صبور کا چہرہ کتنا مکروہ اور خود غرض لگ رہا تھا۔ مجھے ان کے وجود سے گھن آنے لگی تھی' میں اپنا تکیہ اٹھا کر لاؤنج میں آ گئی تھی' ایک لمحہ بھی اس شخص کے ساتھ گزارنا محال تھا۔

آج ہی مجھ پر ایک اور بھیانک حقیقت کا ادراک ہوا

تھا میں اپنی دوست کے ساتھ اولڈ ہوم گئی تھی اسے وہاں کچھ کام تھا وہ اپنے کام میں بزی ہوگئی تو میں یونہی چلتی ہوئی تھوڑا سا آگے بڑھی تب میں نے جو دیکھا میری برداشت سے باہر تھا وہ...... میری مما ہی تھیں جو سامنے بنچ پر بیٹھی تھیں ان کے خوب صورت چہرے پر گزرے وقت کے دکھ تھے۔ جھریوں بھرے چہرے پر وہ بے بس اور سوگوار آنکھیں جن میں کبھی تمکنت ہوتی تھی آج وہ کتنی بے بس اور مجبور نظر آرہی تھیں۔ میرا دل چاہا دوڑ کر ان سے لپٹ جاؤں مگر میں نے خود پر کنٹرول کیا اور ان کی ہسٹری معلوم کی تب پتا چلا کہ پاپا کی کبھی ڈیتھ ہوگئی ہے عاشر بھیا اپنی فیملی کے ساتھ امریکہ میں سیٹل ہیں اور جانے سے پہلے آج سے دس سال پہلے وہ مما کو یہاں چھوڑ گئے ہیں اس کے بعد سے کوئی رابطہ نہیں ہے اور یہ کہ عاشر بھیا نے ساری جائیداد بھی سیل کردی ہے۔ اتنا بڑا بھیانک سچ جان کر میں روئی تھی تب میں نے سوچا تھا کہ میں جاذب سے بات کرکے مما کو اپنے گھر لے آؤں گی لیکن آج ہی دوسری تکلیف دہ اور دل چیر دینے والے انکشاف نے مجھے ریزہ ریزہ کردیا تھا۔

میری سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ میں کیا کروں میں نے ان بیس سال میں کیا پایا تھا؟ یہی سوچتے سوچتے رات ختم ہوگئی۔ احساس تب ہوا جب اماں اور بچے نماز کے لیے اٹھے اماں نے مجھے اس حالت میں لاؤنج میں دیکھا تو حیران رہ گئیں۔ اماں کو دیکھ کر میری ساری ہمتیں جواب دے گئیں میں ان کے گلے لگ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ میری بات سن کر اماں بھی شاکڈ ہوگئیں بچے بھی آنکھیں پھاڑے حیرت زدہ تھے جاذب بھی اٹھ کر آچکے تھے۔

''جاذب یہ تم نے کیا کیا...... تمہارا دماغ خراب ہوگیا ہے کیا؟ کیا سوچ کر تم نے یہ گھٹیا حرکت کی؟ تمہیں شرم نہیں آئی کہ ایسی بیوی کے ہوتے ہوئے تم نے دوسری شادی کرلی ہے۔'' شدت جذبات سے اماں کانپنے لگی تھیں ان کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے انہوں نے آگے بڑھ کر جاذب کے منہ پر طمانچہ بھی مارا تھا۔

''اماں...... اماں پلیز آپ حوصلہ رکھیں آپ کی طبیعت خراب ہوجائے گی۔'' میں نے دوڑ کر اماں کے کانپتے وجود کو سنبھالا جاذب بھی آگے بڑھے مگر اماں نے جاذب کا ہاتھ بُری طرح جھٹک دیا۔ میں نے اماں کو صوفے پر بٹھادیا اجیہ دوڑ کر پانی لے آئی۔ اماں پانی پی کر کچھ بہتر ہوئیں میں نے اماں کا ہاتھ تھاما اور دھیمے لہجے میں کہنا شروع کیا۔

''اماں پلیز آپ اتنا غصہ مت کریں آپ کا بی پی شوٹ کرجائے گا جو ہوگیا سو ہوگیا اس لیے ہمیں اس بات پر شور کرنے کی بجائے اس حقیقت کو مان لینا چاہیے۔''

''مگر میرا کوئی تعلق جاذب سے نہ ہوگا۔'' یہ بات میں نے دل میں سوچ لی تھی میری اس بات پر اماں کے ساتھ سہام اور اجیہ بھی مجھے حیرت سے دیکھ رہے تھے۔

''ہنہہ گڈ......!'' میری بات پر جاذب نے اطمینان سے کہا۔ اسے لگا جیسے معاملہ سیٹ ہوجائے گا کیوں کہ میں نے یہ بات کہی تھی وہ مطمئن ہوکر واش روم جانے

کے لیے واپس پلٹے تب ہی اماں نے انہیں آواز دی۔ وہ جاتے جاتے رک گئے اور پلٹ کر دیکھا۔

''جاذب مجھے اس بات کا شدید دکھ ہے کہ تم میرے بیٹے ہو جب کہ اس بات پر فخر ہے کہ نمرہ میری بہو ہے۔ تم نے اپنی بیوی کی تمام تر قربانیوں کو پس پشت ڈال کر چوری چھپے جو حرکت کی ہے وہ میری نظر میں انتہائی گھٹیا حرکت ہے۔ تم آج جس مقام پر ہو یہ مقام تمہیں اسی سانولی اور تمہاری عمر کی عورت نے دیا ہے اگر یہ تمہیں اپنا پیسہ' اپنا زیور اور اپنی زندگی کے قیمتی بیس سال نہ دیتی تو تم آج بھی لکیر کے فقیر ہی بنے رہتے۔ تم نے اس کی زندگی بھر کی ریاضتوں کے صلے میں اسے غلیظ القابات سے نوازا' سوتن جیسا تحفہ دیا ہے تو تم کان کھول کر سن لو کہ تم نے جہاں اپنی نئی زندگی کا آغاز کیا ہے اب وہیں جا کر اپنی بقیہ زندگی بھی گزارنا۔ آج کے بعد تمہارے لیے ہمارے اس گھر میں جگہ ہے نہ ہمارے دلوں میں' لوٹ کر دوبارہ اس گھر میں قدم مت رکھنا' ہمیں اب تمہاری ضرورت نہیں ہے۔ تم کو تمہارا اعلیٰ مقام اور نئے رشتے مبارک ہوں' یہ گھر بہت محنت سے' محبتوں کی چاشنی سے گوندھ کر بنایا گیا ہے اور اس گھر میں تم جیسے مطلب پرست اور احسان فراموش انسان کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔''

''اماں...... اماں آپ یہ کیا کہہ رہی ہیں؟ پلیز اماں ایسا فیصلہ تو نہ دیں۔ میں ناعمہ کو کبھی بھی یہاں نہیں لاؤں گا مگر...... میں آپ لوگوں سے کیسے الگ ہو سکتا ہوں؟ میں آپ لوگوں کے بنا اپنے بچوں کے بغیر نہیں رہ سکتا اماں......!'' جاذب بدحواس ہو کر تڑپ کر آگے بڑھا اور اماں کے سامنے گڑگڑانے لگا۔

''پلیز پاپا......!'' اس دفعہ پہلی بار سہام کی آواز نکلی تھی جو اب تک صرف خاموشی سے سن رہا تھا۔ ''ہم آپ کے نہیں صرف اور صرف مما کے بچے ہیں۔ آپ نے ہمارے لیے کیا ہی کیا ہے؟ جب سے ہوش سنبھالا صرف مما کو ہی ہمیں' گھر اور دادی کو سنبھالتے دیکھا ہے۔ ہم جب بیمار ہوئے مما ڈاکٹر کے پاس لے گئیں' اسکول میں جب کبھی والدین کو بلایا صرف مما ہی گئیں۔ ہماری پسند' ناپسند' ہماری ضرورتوں کا خیال مما نے رکھا' ہماری پڑھائی' شاپنگ اور آؤٹنگ صرف اور صرف مما کی ذمہ داری رہی۔ مما نے جس طرح اس گھر کو بنانے میں' آپ کو اس مقام تک لانے میں دن رات محنت کی اپنا آپ بھلا کر صرف ہم سب کی بھلائی چاہی' دادو کی ضرورتوں کا خیال رکھا وہ سب ہمارے ذہنوں میں محفوظ ہے پاپا! آپ تو بزنس کے چکر میں سب کچھ بھول گئے مگر...... مما نے گھر کی باہر کی اور ہم سب کی ذمہ داری برابر سے اٹھائی کہیں کوئی کمی' کوئی کوتاہی نہ کی اور جب آپ نے ان کی بیس سالہ ریاضت کا خیال نہ کیا تو ہم کیا امید رکھیں کہ ہمارے لیے کچھ کریں گے۔''

''بیٹا...... سہام یہ کیا کہہ رہے ہو؟'' جاذب کو سہام سے شاید یہ امید بالکل نہیں تھی تب ہی وہ بے تابی سے آگے بڑھے پہلے سہام اور پھر اجیہ کی جانب دیکھا' اجیہ نے ایک نظر جاذب پر ڈالی پھر سہام کا ہاتھ تھام کر بنا کچھ کہے اپنے کمرے کی جانب بڑھ گئی۔ جاذب نے زخمی نگاہوں سے پہلے مجھے اور پھر اماں کو دیکھا' ہم دونوں کے چہروں پر چٹانوں کی سختی تھی۔ وہ جان چکے تھے کہ اب انہیں ہر صورت یہاں سے جانا ہوگا۔ اس لیے ضروری سامان لینے وہ کمرے کی جانب بڑھ گئے' میں بیٹھ کر سوچنے لگی آج ہی جا کر مما کو بھی لے آؤں گی۔ میں نے گزشتہ بیس سال میں کیا کھویا تھا کیا پایا تھا؟ شاید اس سوال کا جواب میرے پاس نہ تھا۔

تب مجھے احساس ہوا کہ شاید میں نے تھوڑا کھو کر بہت کچھ پالیا ہے۔ میرے دائیں بائیں میرے دونوں جوان بچے تھے اور ساتھ ہی سر پرست شفقت رکھنے والی دو دو ماؤں کا ہاتھ بھی...... نہ جانے کیوں دو آنسو میری آنکھوں سے نکل کر میرے گالوں پر بہنے لگے۔

عہد

نظیر فاطمہ

تو نے نفرت سے جو دیکھا تو مجھے یاد آیا
کیسے رشتے تیری خاطر یونہی توڑ آیا
کتنے دھندلے ہیں یہ چہرے جنہیں اپنایا
کتنی اجلی تھیں وہ آنکھیں جنہیں چھوڑ آیا

رائمہ واش روم سے باہر آئی۔ اس نے سر پر تولیہ لپیٹ رکھا تھا۔ وہ آج بھی اتنی ہی خوش لباس اور خوش اخلاق تھی جتنی کہ پندرہ سال پہلے تھی۔ اس کی اور عاصم کی شادی کو پندرہ سال ہو گئے تھے۔ ان دونوں کو اللہ تعالیٰ نے اولاد کی نعمت سے محروم رکھا تھا۔ مگر دونوں اس محرومی کو اللہ کی رضا سمجھ کر راضی تھے۔ گو اس کے اپنے بچے نہیں تھے مگر وہ بچوں سے بہت پیار کرتی تھی۔ اس کے بھائی، بہنوں حتیٰ کہ دیور اور نندوں تک کے بچے اس سے بہت مانوس تھے۔ وہ ان سب کا بہت خیال رکھتی تھی۔ سب سے محبت کرتی تھی۔ وہ ان بچوں سے اتنی فرینک تھی کہ بچے اکثر اپنے مسائل اس سے نہ صرف شیئر کرتے تھے بلکہ اس کے ذریعے حل کرواتے تھے۔ ماں باپ سے کوئی جائز بات منوانا ہوتی یا کوئی اور مسئلہ ہوتا رائمہ ان کے ساتھ مل کر ان کا مسئلہ حل کر دیتی تھی۔ وہ پچھلے دس سالوں سے درس و تدریس سے وابستہ تھی۔

اس نے بالوں سے تولیہ اُتار کر کندھوں پر پھیلایا ہی تھا کہ اس کا موبائل بج اُٹھا۔ جب تک وہ موبائل تک آئی کال کٹ چکی تھی۔ اس کے موبائل پر پوری چھ مسڈ کالز تھیں اور چھ کی چھ اس کے دیور کی بیٹی حمنیٰ کی تھیں۔ وہ پریشان ہوئی اور فوراً کال بیک کی۔

”حمنیٰ بیٹا! سب خیریت ہے نا؟“ کال ریسیو ہوتے ہی اس نے بے چینی سے پوچھا۔

”تائی جان!“ وہ جھجکی۔

”ہاں بولو بیٹا کیا بات ہے؟“ رائمہ نے اُسے بولنے پر اُکسایا۔

”تائی جان! آپ آج شام کو مجھ سے ملنے آسکتی ہیں؟“ رائمہ کو اس کی آواز سن کر شک گزرا کہ وہ رو رہی ہے۔

”بیٹا! آپ رو رہی ہو؟“ اس کی ہمدردی پر حمنیٰ کی سسکی نکل گئی۔

”کیا بات ہے...... رو کیوں رہی ہو؟“ رائمہ حقیقتاً پریشان ہوئی۔

”پلیز آپ آج شام کو آجائیں۔“ اس نے رندھی ہوئی آواز میں التجا کی۔

”اچھا ٹھیک ہے۔ میں شام کو آؤں گی۔ اب آپ نے رونا بالکل نہیں ہے۔ چلو جاؤ شاباش جا کر پانی پیو۔“ اس نے

اللہ حافظ کہہ کرفون رکھ دیا۔

☆☆☆

رائمہ کے دیور نوید کی زیب سے لومیرج تھی۔ تقریباً تیرہ سال پہلے ایک افیئر کے نتیجے میں دونوں شادی کے بندھن میں بندھ گئے۔ تین چار سال تک تو سب کچھ ٹھیک ٹھاک چلتا رہا۔ اس دوران ان کے ہاں ایک بیٹی حمنی اور ایک بیٹا شایان پیدا ہوا تھے۔ آہستہ آہستہ ان کے درمیان جھگڑے شروع ہوگئے۔ دونوں اپنے آپ کو حق بجانب سمجھتے تھے سو کوئی بھی جھکنے کو تیار نہ تھا۔ پہلا فرد کوئی بات کرتا تو دوسرا اسے انا کا مسئلہ بنالیتا اور دوسرا کوئی بات کرتا تو پہلے کی انا مجروح ہوجاتی۔ سب کے سمجھانے کے باوجود ان کے یہ جھگڑے اتنے بڑھے کہ دونوں کے لیے ایک دوسرے کو برداشت کرنا مشکل ہوگیا تھا۔ نوید اور زیب دونوں اپنی محبت اور شادی کو اپنی زندگی کی سب سے بڑی غلطی قرار دینے لگے تھے۔

چھوٹی چھوٹی باتوں پر شروع ہونے والے جھگڑے لمبے ہونے لگے۔ زیب اعتراض کرتی کہ تم فلاں جگہ کیوں گئے؟ فلاں لڑکی سے اتنا فری ہوکر کیوں بات کی؟ اُس کی ان باتوں پر نوید بھڑک اٹھتا۔ پھر دونوں ایک دوسرے کو شکست دینے کے چکر میں جھگڑے کو مزید ہوا دینے لگتے۔ اگر نوید کہیں چلنے کو کہتا تو زیب انکار کردیتی۔ وہ کہیں جانے پر اصرار کرتی تو نوید اکڑ جاتا۔ پھر ایک زوردار جھگڑے کی ابتدا ہوجاتی۔ دونوں ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کی اس جنگ میں اپنے بچوں کو بالکل فراموش کرچکے تھے جو ان کے جھگڑوں سے ہر وقت سہمے ہوئے رہتے تھے۔ رائمہ اکثر ان دونوں کو سمجھاتی، ان کی طرف جلدی جلدی چکر لگاتی اور ان کا دھیان بچوں کی طرف دلاتی۔ دو چار روز ٹھیک گزر جاتے اور پانچویں دن دوبارہ جھگڑے کی اطلاع آجاتی۔ پھر ان کے یہ جھگڑے اس نہج پر آن پہنچے کہ زیب بچوں کو لے کر اپنے ماں باپ کے گھر جا بیٹھی اور نوید اپنے گھر میں اکڑ کر بیٹھا رہا۔ نوید جیسا بھی تھا، اپنے بچوں کے لیے وہ جان دینے سے بھی گریز نہیں کرتا تھا۔ مگر اس معاملے میں اس نے بھی بچوں کے بجائے اپنی انا کا ساتھ دیا تھا۔

اب پچھلے دو سال سے زیب اپنے ماں باپ کے گھر رہ رہی تھی اور کسی دفتر میں کام کررہی تھی۔ ان کا کیس عدالت میں تھا اور آج کل میں اس کیس کا فیصلہ ہونے والا تھا۔ یہ بھی ہوسکتا تھا کہ ان کی اگلے ہفتے ہونے والی پیشی میں ہی عدالت فیصلہ دے دیتی اور بچے بالغ ہونے تک ماں کے پاس ٹھہرتے اور ہفتے میں ایک دو دن کے لیے باپ سے ملنے جاتے۔ یوں بچے ماں اور باپ کے درمیان شٹل کاک بن کر رہ جاتے۔ مگر دونوں اپنے بچوں کو فراموش کیے ہوئے تھے۔

☆☆☆

شام کو رائمہ نے عاصم سے بات کی اور وہ دونوں زیب کی امی کی طرف چلے آئے۔

"زیب! حمنی کہاں ہے؟" چائے پیتے ہوئے رائمہ نے پوچھا۔ عاصم اپنے دوست کی طرف چلے گئے تھے جو اسی بلاک میں رہتا تھا۔

"حمنی کمرے میں ہے۔ دو دن سے اس کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔" رائمہ نے اس کے تھکے ہوئے چہرے کو دیکھا جبکہ پہلے وہ بہت فریش دکھتی تھی۔ اب تو جیسے زمانے بھر کی تھکن اس کے چہرے پر آن ٹھہری تھی۔

"چلو ٹھیک ہے، میں مل کر آتی ہوں۔" وہ اُٹھ کھڑی ہوئی۔ حمنی رائمہ کو دیکھ کر بستر سے اتری اور اس کے گلے لگ کر سسکنے لگی۔

"حمنی بیٹا! کوئی بات نہیں طبیعت خراب ہو ہی جاتی ہے۔ اب ایسے روتے تو نہیں نا میرا بچہ۔" رائمہ نے اُسے خود سے لپٹا لیا۔ وہ یہی سمجھی کہ شاید طبیعت کی خرابی کی وجہ سے پریشان ہے سو اسے تسلی دی۔

"تائی جان! پلیز آپ ماما پاپا سے کہیں مجھے اور شایان کو ان دونوں کے ساتھ رہنا ہے۔" وہ پھر سسکی تو رائمہ کا دل ڈوب کر اُبھرا۔

"تو بیٹا! آپ سے کون کہہ رہا ہے کہ آپ کسی ایک کے ساتھ رہو۔" اُس نے حمنی کا چہرہ اپنے دونوں ہاتھوں میں تھام لیا۔

"میں نے خود ماما کو اُن کی فرینڈ سے بات کرتے سنا

ہے۔ وہ اُن سے کہہ رہی تھیں کہ اس دفعہ عدالت ان کے حق میں فیصلہ سنا دے گی اور پاپا سے ان کی جان ہمیشہ کے لیے چھوٹ جائے گی۔" حمنی نے ماں کی گفتگو من وعن تائی تک پہنچائی۔ رائمہ کو اس پر جی بھر کر ترس آیا کہ ان کے ماں باپ نے طفیل کو دکی عمر میں ان کو کن خدشات اور پریشانیوں میں دھکیل دیا تھا۔

"تائی جان! آپ ماما سے کہیں کہ ہمیں لے کر پاپا کے گھر چلی جائیں۔ یہ ہمارا گھر نہیں ہے۔ یہاں سب ہم سے ناخوش رہتے ہیں حتیٰ کہ نانا نانی بھی۔ ماما سے کہو تو وہ ڈانٹ دیتی ہیں۔" ظاہر ہے پرائی اولاد کی ذمہ داری اُٹھانا اور نبھانا کوئی آسان کام تو نہ تھا۔ اس نے بے ساختہ حمنی کو گلے سے لگالیا اور کافی دیر اسے خود سے لگائے تسلی دیتی رہی۔

"سب ٹھیک ہو جائے گا۔ بس آپ پریشان نہ ہوں۔" رائمہ نے اُٹھتے ہوئے حمنی کا سر تھپکا تو اس کے لبوں پر پھیکی سی مسکراہٹ پھیل گئی۔

"کتنی خوب صورت بچی تھی۔" اس نے کمزور سی حمنی کی بے رونق شکل کو دیکھ کر سوچا اور زیب کے پاس چلی آئی۔

"زیب تمہیں معلوم ہے کہ حمنی کی طبیعت کیوں خراب ہے؟" وہ زیب کے پاس بیٹھ گئی۔

"موسم بدل رہا ہے شاید اس لیے۔" زیب کے لہجے سے بے پروائی جھلکی۔

"ہاں تم بالکل ٹھیک کہہ رہی ہو۔ تمہارے بچوں کے لیے واقعی موسم بدل رہا ہے اور اب جو موسم ان کی زندگیوں میں آئے گا وہ خزاں کا موسم ہوگا۔" رائمہ ہلکے سے تلخ لہجے میں بولی۔

"اللہ نہ کرے رائمہ بھابی۔" زیب کو اس کی بات ناگوار گزری۔

"زیب تم اتنی بے حس کیوں ہوگئی ہو۔ تم جانتی ہو تمہاری بچی اس ڈر سے بیمار پڑی ہے کہ اس کے ماں باپ میں علیحدگی ہونے جا رہی ہے۔" وہ رُکی۔ زیب نے سر جھکا لیا۔

"زیب میری ایک بات دھیان سے سننا، کسی نے ٹھیک کہا ہے کہ باپ بچوں کے لیے سورج کی طرح ہوتا ہے، جو گرم تو ہوتا ہے لیکن اگر نہ ہو تو زندگی روشنی سے محروم رہتی ہے۔ زندگی میں روشنی اسی گرم سورج کے سبب ہوتی ہے۔ جس طرح سورج کی روشنی سے محروم ہو کر پودے مرجھا جاتے ہیں بالکل اسی طرح بچے بھی باپ سے محروم ہو کر مرجھا جاتے ہیں اور ادھوری شخصیتوں کے ساتھ پروان چڑھتے ہیں۔ تم کیوں اپنے بچوں کو باپ کے ہوتے ہوئے اس سے محروم کرنا چاہتی ہو۔" وہ رکی۔ زیب بالکل خاموش تھی۔

"میں یہ نہیں کہتی کہ قصور صرف تمہارا ہے مگر میں یہ ضرور کہوں گی کہ ایک دوسرے کو قصوروار ٹھہرانے کی بجائے اپنے بچوں کے بارے میں سوچو۔ ان کے مستقبل کے بارے میں سوچو۔ سوچو کہ تم دونوں کے یہ تعلقات ان کے ذہنوں پر کتنے منفی انداز سے اثر انداز ہو رہے ہیں۔ تمہارے بچوں پر اتنا نفسیاتی دباؤ ہے کہ ان کی پڑھائی اور دیگر سرگرمیاں متاثر ہو رہی ہیں۔ پلیز اپنے بچوں کا خیال کرو۔ بالفرض اگر تم نوید کو غلط ثابت کرنے میں کامیاب ہو بھی گئی تو اس سے کیا ہوگا۔ تم دونوں اپنی اپنی انا کی جنگ تو جیت جاؤ گے مگر تمہاری یہ جنگ تمہارے بچوں کو برباد کر دے گی۔ پلیز اپنے پھول سے نازک بچوں کو برباد ہونے سے بچالو۔ آج اگر تم اپنے بچوں کی خاطر زیادتی برداشت کرلوگی، اپنا آپ مارلوگی تو کل کو یہی بچے جوان ہو کر تمہاری ڈھال بن جائیں گے اور پھر کسی کو یہ جرات نہیں ہوگی کہ تمہارے ساتھ ناانصافی کر سکے۔ میں نوید سے بھی بات کروں گی اسے سمجھاؤں گی۔ مگر تم بھی اس پہلو پر ضرور سوچنا۔" رائمہ جاتے جاتے بال اس کے کورٹ میں پھینک گئی تھی۔

......☆☆☆......

اگلے روز اسکول سے واپسی پر رائمہ نوید کے دفتر چلی آئی۔

"آیئے! بیٹھیے بھابی۔" نوید نے اُسے اپنے دفتر میں بلوا لیا۔ وہ خاموشی سے سامنے رکھی کرسی پر بیٹھ گئی۔ نوید کے پوچھنے پر اس نے صرف ایک گلاس پانی منگوایا۔

"نوید! کیا تم جانتے ہو کہ حمنی کی طبیعت کئی روز سے خراب ہے؟" رائمہ نے پانی کا خالی گلاس میز پر رکھا۔ نوید

نے نفی میں سر ہلایا۔
"تمھیں بھلا کیسے معلوم ہوگا، تم کون سا ان کی خبر گیری کرتے ہو۔" وہ تلخ ہوئی۔ اس کا دل چاہ رہا تھا کہ نوید کو خوب ڈانٹے اور کان پکڑ کر کہے کہ جاؤ بیوی بچوں کو لے کر آؤ۔
"ایسے تو نہ کہیں بھابی، بچے تو میری جان ہیں۔" نوید نے صفائی دی۔
"اسی لیے تم ان کی اتنی پروا کرتے ہو کہ انھیں رلنے کے لیے یوں چھوڑ دیا ہے۔" اب کے اس کا لہجہ سخت تھا۔
"پھر آپ بتائیے میں کیا کروں؟" وہ جھنجھلایا۔
"تم کچھ مت کرو۔ بس بیٹھے رہو۔ تمھارے بچے اس بات سے سہم گئے ہیں کہ ان کے ماں باپ میں علیحدگی ہوجائے گی تو ان کا کیا ہوگا۔ تم دونوں کو ذرا شرم نہیں ہے کہ تم لوگوں نے ان بچوں کو فکروں اور واہموں میں دھکیل دیا ہے۔ جن کے ابھی کھیلنے کودنے کے دن ہیں۔" وہ رکی۔ زیب کی طرح نوید کے پاس بھی کوئی جواب نہیں تھا سو وہ خاموش ہی رہا۔
"نوید یہ بات تم بھی اچھی طرح جانتے ہو کہ صرف ماں باپ ہی بچے کے بے غرض خیر خواہ ہوتے ہیں مگر تم لوگ کیسے خیر خواہ ہو جنھیں اپنے بچوں کی پریشانی کا کوئی خیال ہی نہیں۔"
"میرے خیال میں وہی بچے بڑے ہوکر حقیقی معنوں میں اپنے باپ کی عزت کرتے ہیں، جو ان کی ماں سے عزت اور محبت سے پیش آتے ہیں۔ اگر تم چاہتے ہو کہ کل کو تمھارے بچے تم سے عزت اور محبت سے پیش آئیں تو آج تم ان کی ماں کو مان دے کر واپس لے آؤ۔" وہ سانس لینے کو رکی۔
"دیکھو! بچوں کو ماں باپ دونوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ اپنی انا کی سربلندی کے لیے انھیں کبھی بھی ماں یا باپ میں سے کسی ایک کو چننے کی مشقت میں نہیں ڈالنا چاہیے۔ تم لوگوں کے درمیان کوئی بڑا مسئلہ بھی نہیں ہے۔ تم لوگ اپنے جھگڑوں کو بیٹھ کر سلجھالو۔ اپنے بچوں کو ان جھگڑوں کی نذر مت کرو۔ میری بات پر غور کرنا اور صلح کی کوئی گنجائش نکال لو کہ یہ تمھارے بچوں کے ساتھ ساتھ تمھارے اور زیب کے لیے بھی اچھا ہوگا۔" وہ اُسے سوچ میں گم چھوڑ کر چلی گئی۔

☆☆☆

رائمہ کی باتوں نے اُسے ساری رات سونے نہیں دیا۔ بہت سوچ بچار کے بعد اُس نے ایک فیصلہ کیا اور مطمئن ہوکر دفتر چلا گیا۔ شام کو وہ چھٹی سے تھوڑی دیر پہلے اٹھا اور سیدھا زیب کے آفس چلا آیا۔ ابھی آف ہونے میں چند منٹ باقی تھے۔ وہ اندر جانے کی بجائے باہر کھڑا رہا۔ زیب آفس سے باہر نکلی تو وہ جو گاڑی سے ٹیک لگائے کھڑا تھا، جھٹ اس تک پہنچا۔
"تم دو منٹ کے لیے میری بات سن سکتی ہو؟" نوید پلٹا تو وہ بھی اُس کے پیچھے چلتے ہوئے گاڑی کی فرنٹ سیٹ پر آ بیٹھی۔
وہ اُسے قریبی کافی ہاؤس لے آیا۔ کافی اور کچھ اسنیکس آڈر کرنے کے بعد نوید اس کی متوجہ ہوا۔
"زیب میں نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ ہمیں اپنے بچوں کی خاطر مصالحت کر لینی چاہیے۔" زیب بالکل چپ تھی۔
"میں یہ تو نہیں کہتا کہ آئندہ ہمارا کوئی جھگڑا نہیں ہوگا مگر میں نے خود سے یہ عہد کیا ہے کہ ہمارا جھگڑا خواہ کسی بھی نوعیت کا ہو مگر میں اُسے کبھی اس نہج پر نہیں جانے دوں گا جو ہمارے بچوں پر اثر انداز ہو۔ اپنے بچوں کی بہتری اور اچھے مستقبل کے لیے میں اپنی انا کو کچل کر تمھارے پاس آیا ہوں تاکہ ہم دونوں مل کر اپنے بچوں کی پرورش کرسکیں۔" نوید نے اپنی بات مکمل کی۔
"اور میں آپ کے اس عہد میں آپ کا ساتھ دوں گی۔" اُس کا سر جھکا ہوا اور لہجہ دھیما تھا۔
"تو پھر اٹھو چلیں۔" وہ یک دم کھڑا ہوا۔
"کہاں؟" وہ حیران ہوئی۔
"بھئی اپنے بچوں کے پاس۔ انھیں لے کر اپنے گھر چلتے ہیں۔ سامان بعد میں آتا رہے گا۔" وہ باہر نکل آیا اور زیب پرسکون دل کے ساتھ اُس کے پیچھے ہولی۔

ٹوٹا ہوا تارا
سمیرا شریف طور

انددھیرا لاکھ ہو، مجھ کو سحر کی آس رہتی ہے
یہی وہ روشنی ہے جو مجھے ڈرنے نہیں دیتی
مجھے معلوم ہے وعدہ نبھانا سخت مشکل ہے
مری کم ہمتی انکار بھی کرنے نہیں دیتی

﴿گزشتہ قسط کا خلاصہ﴾

انا کی دعائیں رنگ لاتی ہیں اور آخر کار ولید کو ہوش آ جاتا ہے لیکن ان حالات میں اس کا سامنا کرنے سے انا کتراتی ہے جبکہ دوسری طرف ولید بھی اپنی عیادت کے لیے اسے موجود دیکھ کر شدید کرب میں مبتلا ہو جاتا ہے دونوں کے درمیان ایک مرتبہ پھر سرد مہری حائل ہو جاتی ہے۔ سکندر کے پاکستان آنے کے کچھ عرصے بعد ہی سبحان اور حاجرہ ایک ایکسیڈنٹ کے دوران جاں بحق ہو جاتے ہیں ایسے میں ان کے لواحقین اسے سبحان کی جائیداد سے بے دخل کر دیتے ہیں اور ایک لاوارث فرد کی حیثیت سے وہ ان لوگوں کی بے حسی دیکھ کر کڑھتا رہتا ہے۔ ایسے میں اس کی کزن افشاں اس کی مدد کرتی ہے اور اسے اپنے ہاں قیام کرنے پر مجبور کرتی ہے سکندر اس کے کہنے پر وہاں سکونت اختیار کرتا ہے جب ہی وہاں اس کی ملاقات صبوحی اور ضیاء سے ہوتی ہے جو صفیہ کے دیور کے بچے ہیں۔ سکندر نئے سرے سے زندگی کا آغاز کرتا ہے جب ہی اس موڑ پر لالہ رخ نامی لڑکی اس کی زندگی میں نئے باب کا اضافہ کرتی ہے۔ ولید کی حالت کے بہتر ہونے پر مصطفیٰ کو شہوار کا خیال آتا ہے اپنی خفگی کو بھلا کر وہ شہوار کو اپنے غصے کی اصل وجہ بتاتے ہاشم اور اس کی تصویر کا پس منظر جاننا چاہتا ہے جبکہ مصطفیٰ کی یہ بے اعتباری شہوار کو گھائل کر دیتی ہے وہ اس کی بات کا جواب دیے بغیر لوٹ جاتی ہے اور اس طرح ایاز اور دریا اپنے مقاصد حاصل کرنے میں کسی حد تک کامیاب رہتے ہیں۔ دوسری طرف ہادیہ کی شادی میں عباس رابعہ کو پروپوز کرتا ہے جبکہ اس پروپوزل پر رابعہ شاکڈ رہ جاتی ہے اپنی زندگی کا ہر فیصلہ اپنے بڑوں کو سونپ کر وہ خود اس ذمہ داری سے بری ہو جاتی ہے۔ بابا صاحب پچھتاوں کی آگ میں گھرے ہر وقت تکلیف میں مبتلا رہتے ہیں جب ہی وہ شہوار کا خیال رکھنے کی ذمہ داری مصطفیٰ کو سونپتے اس پر یہ واضح کرتے ہیں کہ وہ فیضان کی بیٹی ہے جس کے ساتھ وہ بہت ناانصافی کر چکے ہیں۔

﴿اب آگے پڑھیے﴾

❁……❁……❁

وہ غصے کی حالت میں باہر آ تو گئی تھی لیکن جیسے جیسے عقل نے کام شروع کیا تو اندازہ ہوا کہ مصطفیٰ اتنا غلط بھی نہ تھا۔ مصطفیٰ کی جگہ کوئی بھی شخص ہوتا وہ شاید ایسے ہی ری ایکٹ کرتا۔ وہ سمجھ چکی تھی کہ یہ گھٹیا حرکت ایاز نے محض ان دونوں کو اذیت دینے کے لیے کی ہوگی۔ وہ باہر آ کر اب پچھتا رہی تھی۔ مصطفیٰ کی پچھلے دنوں کی مسلسل خاموشی سے وہ اندر ہی اندر از حد جو غم زدہ ہو چکی تھی لیکن ذہن کے کسی گوشے میں کسی ایسی صورت حال کا امکان نہ تھا۔ وہ لاؤنج کے صوفے پر بیٹھ گئی۔

اس وقت سب ہی اپنے اپنے کمروں میں سونے جاچکے تھے وہ کچھ دیر تک انتظار کرتی رہی کہ شاید مصطفیٰ اسے لینے آئے لیکن کچھ وقت مزید گزرا اور مصطفیٰ نہ آیا تو وہ ناامید سی ہوگئی مصطفیٰ کو کم از کم اس کے پیچھے آنا تو چاہیے تھا۔ اس کے دل میں ایک ملال سا ابھرا وہ تصویر کے بارے میں سوچنے لگی تو ذہن ایک دم بھٹنے لگا تھا۔

ہاشم ان کا کالج فیلو تھا جب سے اس کی اور ایاز کی کینٹین میں مڈبھیڑ ہوئی تھی شہوار اور ہاشم کے درمیان سلام دعا رہنے لگی تھی وہ ایک سلجھا ہوا اور میچور لڑکا تھا۔ کئی بار کالج میں دونوں کا آمنا سامنا ہوا تھا اور ہر بار سامنا ہونے پر ہاشم نے رک کر سلام دعا کی تھی۔

ابھی کچھ دن پہلے شاپنگ کے دوران دریہ کے ساتھ الجھتے ہاشم سے سامنا ہوا تھا دونوں کے درمیان کچھ منٹس تک بات چیت ہوتی رہی تھی۔ ایاز جیسے بندے کے لیے ان کی تصویر لینا مسئلہ تو نہیں ہوا ہوگا خود نہ لی ہوگی تو کسی اور کے ذریعے بنوالی ہوگی لیکن اسے سمجھ نہیں آرہی تھی کہ اس تصویر کو لے کر وہ کیا کرنا چاہتا تھا۔ مصطفیٰ کو تصویر بھیجنے کا کیا مقصد تھا؟ وہ اپنی سوچوں میں الجھی ہوئی تھی۔

"شہوار......" مہرالنساء بیگم بابا صاحب کے کمرے سے نکلیں تو اسے لاؤنج میں دیکھ کر رکیں کافی رات ہو رہی تھی انہوں نے حیرت سے اسے دیکھا شہوار چونکی۔

"جی اماں جی!" وہ فوراً اٹھ کھڑی ہوئی۔

"کیا بات ہے ادھر کیوں بیٹھی ہو؟ سب ہی سونے جاچکے ہیں تم نہیں سو رہیں۔" انہوں نے استفسار کیا تو شہوار نے ایک گہرا سانس لیا لاشعوری طور پر وہ مصطفیٰ کی منتظر تھی لیکن مصطفیٰ نہیں آیا تھا۔

"جی میں بس جانے ہی والی تھی۔" انہوں نے بغور دیکھا تاہم کہا کچھ نہیں۔ وہ اٹھ کر وہاں سے نکلی تو بھی مہرالنساء بیگم وہیں کھڑی تھیں۔ جانے کو وہ کہیں اور بھی جاسکتی تھی لیکن مہرالنساء بیگم کی وجہ سے وہ سیدھی کمرے میں آئی تھی کمرہ ان لاک تھا لائٹس آف تھیں نائٹ بلب روشن تھا۔ وہ اندر آئی تو دیکھا مصطفیٰ بیڈ پر دراز تھا شہوار کی طرف پشت تھی۔ دروازہ کھلنے اور بند ہونے کی آواز پر بھی اس نے کوئی رسپانس نہیں دیا تھا شہوار کے اندر بڑی عجیب سی کیفیت نے سر اٹھایا تھا۔ لاشعوری طور پر وہ مصطفیٰ کی طرف سے پیش قدمی کی منتظر تھی۔

بستر پر جانے کی بجائے وہ خاموشی سے صوفے پر آبیٹھی تھی وہ کتنی دیر تک اسی حالت میں مصطفیٰ کی پشت کو گھورتے صوفے پر بیٹھی رہی تو بھی مصطفیٰ نے پلٹ کر نہیں دیکھا تھا۔ شہوار کے اندر شدید قسم کی توڑ پھوڑ ہونے لگی تو وہ بے آواز گھٹنوں میں سر چھپا کر رو دی اسے رہ رہ کر ملال ستانے لگا۔ وہ اگر غصے کا اظہار کرتے کمرے سے نکل آئی تھی تو کم از کم مصطفیٰ کو تو اس کے پیچھے آنا چاہیے تھا۔ بات جو بھی تھی جیسی بھی تھی وہ اسے جیسے مرضی کمرے میں لے جاسکتا تھا لیکن واپس کمرے میں آکر مصطفیٰ کو یوں بے خبر سوتے دیکھ کر اس کے اندر ایک دم شدید قسم کی بدگمانی پیدا ہوگئی تھی۔ وہ بے آواز اسی حالت میں بیٹھی باقی ماندہ رات بھی سسکتے ہوئے گزار گئی تھی۔

❀......❀......❀
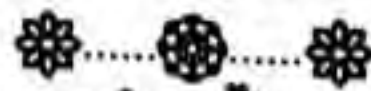
لالہ رخ سکندر کے کالج میں فائنل ائر کی اسٹوڈنٹ تھی کافی خوب صورت ذہین ہونے کے ساتھ ساتھ بہت رکھ رکھاؤ والی لڑکی تھی۔ سینئرز تو ایک طرف جونیئرز تک کے بہت سے لڑکے اسے دیکھ کر آہیں بھرتے تھے۔ اس کی شخصیت میں عجیب سی تمکنت اور وقار دکھائی دیتا تھا جو دیکھنے والے کو اپنی ذات میں محتاط ہوجانے پر مجبور کردیتا تھا۔

سکندر ابروڈ کا اعلیٰ تعلیم یافتہ شخص تھا کالج میں اولین دنوں میں ہی اس کی ایک پہچان بن گئی تھی اسے پڑھانے کا پہلے سے کوئی تجربہ نہ تھا لیکن اس کے باوجود وہ کالج میں ایک اچھا استاد ثابت ہوا تھا۔ سکندر کی اپنے کولیگز سے

بھی اچھی ہیلو ہائے ہونے لگی تھی۔ یہ جاب سکندر کے معیار کی نہ تھی لیکن اپنے قدم جمانے کے لیے سکندر کو اس جاب کی اشد ضرورت تھی۔

اپنی وضع داری، خوش لباسی، رکھ رکھاؤ اور محتاط انداز کی وجہ سے وہ بہت جلد کالج کے مقبول ترین اساتذہ کی فہرست میں شامل ہوگیا تھا اور سکندر کی شخصیت کی وجاہت اور خوب صورتی نے اسے وہاں کے طلباء میں بہت جلد مقبول عام کردیا تھا۔ انہی متاثر کن میں ایک لالہ رخ بھی تھی، وہ لڑکی جو سارے کالج کی کریم تھی۔ دولت وامارت میں یکتا خوب صورتی کا پیکر بہت جلد سکندر سبحان احمد کی شاندار اور پُر وجاہت شخصیت کے سامنے گھائل ہوگئی تھی۔ لالہ رخ ایک مضبوط فیملی بیک گراؤنڈ سے تعلق رکھتی تھی۔ وہ تعلیم کی سلسلے میں کسی وویمن ہاسٹل میں مقیم تھی۔ اس کا رکھ رکھاؤ، زندگی گزارنے کا ڈھب اس کو کسی بہت ہی اعلیٰ گھرانے کا فرد ثابت کرتا تھا۔

سکندر فائنل ائر کی کلاس کو اکنامکس کا سبجیکٹ پڑھایا کرتا تھا' لالہ رخ بھی اسی کلاس میں تھی وہ ایک ذہین اسٹوڈنٹ تھی۔ بہت ہی یزرو اور گم گو تھی لیکن اس کے باوجود وہ بہت جلد سکندر کی نظروں میں آ گئی تھی۔ تعلیم کے علاوہ کبھی کسی اور سلسلے میں دونوں کا آمنا سامنا نہیں ہوا تھا۔ اس دن موسم ابر آلود تھا' ہلکی پھلکی بارش ہورہی تھی۔ کالج میں اکا دکا اسٹوڈنٹ تھے' چھٹی کے وقت سکندر کو کسی کام کے سلسلے میں کہیں اور جانا تھا اس نے اپنے کولیگ سے کچھ دیر کے لیے گاڑی لی تھی۔ جیسے ہی سکندر پارکنگ سے گاڑی نکال کر باہر لایا وہاں کچھ فاصلے پر شیڈ کے نیچے کھڑی لالہ رخ پر نگاہ پڑی تھی' سکندر نے گاڑی روکی تھی' گاڑی روکنے کی وجہ لالہ رخ کی بجائے اس سے کچھ فاصلے پر کھڑا لڑکا تھا جو تسلسل سے کوئی نہ کوئی جملہ اچھال رہا تھا جبکہ لالہ رخ اس کو نظر انداز کیے مخالف سمت میں دیکھ رہی تھی۔ وہ شاید کسی سواری کی تلاش میں تھی' وہ لڑکا کچھ دیر بعد لالہ رخ کے پاس آ کر رکا تھا۔ اس نے لالہ رخ سے شاید کچھ کہا تھا' لالہ رخ نے بہت غصے سے اسے دیکھا تھا اور جواباً کچھ کہا تھا جس پر وہ لڑکا قہقہہ لگا کر ہنس دیا تھا۔ لالہ رخ نے بے بسی سے اسے دیکھا تھا۔ وہ لڑکا مزید قریب ہوا تو لالہ رخ چند قدم پیچھے ہٹی تھی۔ اس نے گھبرا کر اطراف میں دیکھا' ہلکی ہلکی بارش کی وجہ سے آمدورفت نہ ہونے کے برابر تھی۔ لالہ رخ کے چہرے پر پریشانی گہری ہوگئی تھی۔ سکندر نے محسوس کیا کہ جیسے وہ سخت پریشانی میں ہے اس نے فوراً گاڑی اس شیڈ کے پاس لا کر روکی تھی۔ سکندر نے ہارن بجایا تو لالہ رخ اور وہ لڑکا دونوں متوجہ ہوئے تھے' لڑکا سکندر کو دیکھ کر ایک دم محتاط ہوگیا تھا۔

"کیا مسئلہ ہے؟" سکندر نے گاڑی کا شیشہ نیچے کرکے دونوں کو دیکھا تھا۔ سکندر نے بظاہر لالہ رخ کو دیکھا تھا لیکن گھور کر لڑکے کو دیکھا۔

"کچھ نہیں سر!" لڑکے نے کہا تو سکندر نے اسے سنجیدگی سے دیکھا۔

"تو پھر بھاگو یہاں سے کیا تم نہیں جانتے یہ گرلز کا اسٹاپ ہے۔" سکندر نے سختی سے کہا تو وہ لڑکا فوراً وہاں سے بھاگ گیا تھا۔ سکندر نے لالہ رخ کو دیکھا جو رومال سے چہرہ صاف کررہی تھی۔

"آپ کو یہاں تنہا نہیں رکنا چاہیے تھا۔" سکندر نے سنجیدگی سے لالہ رخ کو دیکھا تو اس کا چہرہ ایک دم زرد ہوگیا تھا۔

"مجھے سر سے کچھ کام تھا ان کے آفس جانا پڑ گیا تھا تب تک میری ساتھی لڑکیاں نکل گئی تھیں۔" اس نے سنبھل کر بتایا۔

"اس بارش میں یہاں سے اب شاید ہی کوئی سواری ملے۔" سکندر نے خیال آرائی کی تو لالہ رخ کے چہرے پر ایک دم پریشانی بکھر گئی تھی۔

"اگر آپ مناسب سمجھیں تو آئیے میں آپ کو ڈراپ کردیتا ہوں۔" سکندر نے کہا تو لالہ رخ نے اردگرد دیکھا۔

”نہیں سر! میں چلی جاؤں گی۔“ وہ بہت ہی محتاط لڑکی تھی۔ سکندر نے چند منٹ اسے بغور دیکھا تھا۔

”او کے میں کسی کو کہتا ہوں سواری لانے کے لیے۔“ سکندر نے کہا اور پھر خود گاڑی سے اتر کالج کے گیٹ کی طرف گیا تھا۔ وہاں موجود گیٹ کیپر کو کچھ کہا اور پھر کچھ دیر بعد سکندر کے ساتھ ایک لڑکا چلا آیا تھا وہ مین روڈ کی طرف چلا گیا تھا اور تب تک سکندر اپنی گاڑی کے پاس کھڑا ہوا تھا' دونوں کے درمیان پھر کوئی بات نہیں ہوئی تھی۔ وہ لڑکا ایک ٹیکسی لے آیا تھا سکندر نے اسے کچھ سمجھایا اور پھر لالہ رخ کو دیکھا تھا۔

”یہ ٹیکسی میں آپ کو چھوڑ آتا ہے۔“ لالہ رخ کے چہرے پر ایک دم اطمینان کی کیفیت پیدا ہوئی تھی۔

”تھینک یو سو مچ سر!“ وہ ایک دم مشکور ہوئی تھی۔ وہ ٹیکسی میں بیٹھ کر چلی گئی تھی۔ سکندر پہلی بار لالہ رخ کی شخصیت کے اس انداز سے متاثر ہوا تھا۔

❁.....❁.....❁

وہ سو کر اٹھی تو علم ہوا کہ مصطفیٰ کو کوئی ایمرجنسی کال آئی تھی وہ فجر کے وقت چلا گیا تھا' شہوار کو ایک دم غصہ آنے لگا۔ وہ خفا ہوئی اور مصطفیٰ کی منتظر بھی رہی لیکن اس طرح مصطفیٰ کے چلے جانے سے اس کے اندر شدید قسم کی بدگمانی پیدا ہوئی تھی۔ وہ بڑے بُرے دل سے کالج کے لیے تیار ہوئی تھی' عجیب پریشانی میں وہ اپنا موبائل بھی گھر بھول گئی تھی۔ کالج میں سارا دن الجھتے گزرا تھا۔ موبائل بھی پاس نہیں تھا' ڈرائیور طے شدہ وقت پر لینے آ گیا تھا وہ گاڑی کی طرف آئی تو چونک گئی۔ پچھلی سیٹ پر دریہ بھی بیٹھی ہوئی تھی۔

”ہائے......“ اسے یوں رکتے دیکھ کر وہ مسکرائی۔

”تم؟“ شہوار اندر بیٹھ گئی۔

”ہاں میں' زاہد بھائی کے ہاں گئی ہوئی تھی رستے میں ڈرائیور نے مجھے بھی پک کرلیا۔“ خلاف توقع دریہ کا مزاج بہت اچھا تھا۔ کافی خوش اخلاقی سے بات کی تھی' شہوار خاموش رہی تھی۔

”تمہاری اسٹڈی کیسی جارہی ہے؟“ دریہ نے خود ہی بات کا آغاز کیا۔

”اچھی جارہی ہے۔“

”کچھ پریشان ہو؟“ دریہ نے پوچھا تو شہوار چونکی۔ وہ ایک دم سنبھل کر بیٹھی۔

”نہیں تو۔“

”مجھے تو سخت بھوک لگ رہی ہے زاہد بھائی کے ہاں بھابی کی طبیعت بھی ٹھیک نہیں تھی' میں نے انہیں بھی کھانا پکانے سے منع کردیا تھا۔“ شہوار خاموش رہی تھی۔

”ڈرائیور میکڈونلڈ کے آگے گاڑی روکنا۔“ دریہ نے ڈرائیور کو کہا' شہوار نے الجھ کر دیکھا۔

”ہم کچھ دیر میں گھر پہنچ جائیں گے گھر جا کر کھانا لینا۔“ شہوار نے کہا۔

”نہیں گھر جا کر وہی روٹین کا کھانا ہوگا جبکہ میرا موڈ آج کچھ اسپیشل کھانا کھانے کو ہے۔“ دریہ نے نخوت سے انکار کردیا تھا' شہوار نے لب بھینچ لیے ویسے بھی وہ دریہ کے تند مزاج سے خائف رہتی تھی' نجانے کب کیا کہہ دے' وہ خاموش ہوگئی۔ ڈرائیور نے میکڈونلڈ کے آگے گاڑی روک دی تھی۔

”آؤ تم بھی کچھ کھالو۔“ دریہ نے شہوار کو آفر کی۔

”نہیں مجھے ایسی کوئی خاص بھوک نہیں' میں گھر جا کر ہی کھاؤں گی' تم نے جو بھی کھانا ہے جا کر کھالو' میں ادھر ہی انتظار کرلوں گی۔“ شہوار نے سنجیدگی سے انکار کردیا۔

"تم آؤ تو سہی یار کیا ہو گیا ہے؟" دریہ نے اصرار کیا۔
"میں نے کھانا مجھے کہیں نہیں جانا' تم جاؤ اور جو کھانا ہے کھالو۔" شہوار کا انداز دوٹوک تھا۔ دریہ نے چند پل اسے سنجیدگی سے دیکھا اور پھر وہ دروازہ کھول کر اندر چلی گئی تھی۔ ڈرائیور کے ہمراہ وہ باہر گاڑی میں ہی تھی۔
"جاؤ تم بھی کچھ کھاپی لو دریہ پتا نہیں کب آتی ہے تب تک بیٹھے رہو گے کیا۔" چند منٹ گزرے تو بیگ سے کچھ روپے نکال کر ڈرائیور کی طرف بڑھاتے اس نے کہا۔
"نہیں بی بی صاحبہ! میں ٹھیک ہوں۔" ڈرائیور نے کہا تو وہ ہلکا سا مسکرائی۔
"لے لو اور کچھ لے آؤ کھانے کو۔" شہوار کے انداز میں اصرار تھا۔
"بی بی صاحبہ دروازہ لاک کر لیجیے گا میں ابھی آتا ہوں۔" وہ کہہ کر چلا گیا' شہوار آنکھیں موند کر سیٹ کی پشت سے سر ٹکا کر بیٹھ گئی تھی۔ ابھی ڈرائیور کو گئے کچھ منٹ ہی گزرے تھے جب ایک دم ٹھاہ کی آواز گونجی تھی' شہوار نے ہڑبڑا کر آنکھیں کھولی تھیں۔ سامنے کا منظر دیکھ کر اس کی چیخ بے ساختہ تھی' نقاب پوش شخص تھا' اس نے پسٹل مار کر کھڑکی کا شیشہ توڑا اور پھر شہوار کے دیکھتے ہی دیکھتے اس نے ہاتھ اندر ڈال کر دروازہ ان لاک کیا تھا' شہوار کا مارے خوف کے رنگ ایک دم زرد پڑ گیا تھا۔
"کون...... کون ہو تم؟" وہ شخص ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ رہا تھا' چابی اگنیشن میں لگی ہوئی تھی اس نے فوراً گاڑی اسٹارٹ کی تبھی میکڈونلڈ کی عمارت سے ڈرائیور بھاگ کر وہاں آیا تھا' شہوار چیخ رہی تھی ڈرائیور نے بھی شور مچایا تھا۔
میکڈونلڈ کی عمارت کا سیکیورٹی گارڈ بھی فوراً وہاں پہنچا تھا' وہ شخص گاڑی آگے بڑھا رہا تھا اس سے پہلے کہ وہ آدمی گاڑی بڑھا کر لے جاتا سیکیورٹی گارڈ نے گاڑی کے ٹائر پر فائر کر دیا تھا' گاڑی ایک دم رک گئی تھی۔ نقاب پوش شخص نے گارڈ اور لوگوں کو اپنی طرف بڑھتے دیکھ کر فوراً پسٹل اٹھا کر عقب میں بیٹھی شہوار کی کنپٹی پر رکھ دیا تھا۔
"خبردار...... اگر کوئی میری طرف بڑھا بھی......" ہذیانی انداز میں وہ چیخا تھا' ہجوم ایک دم ساکت ہو گیا تھا۔ شہوار نقاب پوش کی آواز سن کر ششدر رہ گئی تھی۔
"نکلو باہر......" اس نے شہوار کے سر پر پسٹل کی ضرب لگائی تھی' شہوار کو ایک دم اپنا سر چکراتا محسوس ہوا تھا۔
"میں نہیں نکلوں گی۔" وہ رونے والی ہوئی تھی۔
"میں تمہیں جان سے ماردوں گا۔" وہ چیخا اور اسے ہاتھ سے پکڑ کر باہر کی طرف کھینچا تھا' تبھی حواس باختہ سے ڈرائیور نے ایک دم موبائل جیب سے نکالا تھا۔
"ہیلو صاحب...... ایمرجنسی ہو گئی' نہیں صاحب میرے ساتھ نہیں بی بی صاحبہ کے ساتھ...... پتا نہیں کون ہے صاحب' ہم میکڈونلڈ کی عمارت کے سامنے ہیں...... نہیں صاحب...... صاحب اس آدمی نے بی بی صاحبہ پر گن تان رکھی ہے' آپ کے گھر کے پاس جو میکڈونلڈ ہے......" وہ بتا رہا تھا اس دوران وہ نقاب پوش شہوار کو گاڑی سے نکال چکا تھا' ڈرائیور نے فوراً کال بند کی تھی۔
"یہ میرے ساتھ جائے گی اگر کسی نے میرے رستے میں آنے کی کوشش کی تو میں اس کی کھوپڑی گن سے اڑا دوں گا۔" وہ چیخ چیخ کر لوگوں کو رستے سے ہٹنے کا کہہ رہا تھا۔ شہوار نے دیکھا ہجوم میں ڈرائیور اور بہت سارے لوگ جمع تھے لیکن دریہ نہ تھی۔
"تم بی بی صاحبہ کو نہیں لے جا سکتے......" سیکیورٹی گارڈ کے ہاتھ سے گن لے کر ڈرائیور ایک دم ان دونوں کے سامنے آرکا تھا۔

''تم پیچھے ہٹ جاؤ ورنہ میں تمہیں گولی ماردوں گا۔'' نقاب پوش چلایا تھا۔

''یہ ہماری بی بی صاحبہ ہیں' تم ان کو نہیں لے جاسکتا۔ ہم تم کو نہیں چھوڑے گا اگر تم نے بی بی صاحبہ کو ہاتھ بھی لگایا تو......'' ڈرائیور سینہ تان کر اس کے سامنے آ کھڑا ہوا تھا۔

''تمہاری تو......'' اس نے پسٹل شہوار سے ہٹا کر ڈرائیور پر تان لیا تھا۔

''خبردار...... اگر کسی نے میرے رستے میں آنے کی کوشش کی تو......'' اس نے پسٹل لہرا کر ڈرائیور کو وارن کیا تھا۔ شہوار نے نقاب پوش کی گرفت سے اپنا بازو چھڑانے کی کوشش کی تھی' اردگرد لوگوں کا ہجوم بڑھتا جارہا تھا نقاب پوش کے ہاتھ کی گرفت شہوار کے بازو پر مزید سخت ہوگئی تھی۔

عجیب وحشی سی گرفت تھی' وہ زبردستی شہوار کو دھکیل کر پسٹل کے زور پر ایک طرف بڑھ رہا تھا' اس طرف گاڑی پر ایک اور لڑکا موجود تھا' جس نے منہ پر نقاب پہن رکھا تھا' وہ چیخ چیخ کر نقاب پوش کو جلدی سے واپس آنے کا کہہ رہا تھا۔

''تم ہماری بی بی کو چھوڑ دو ورنہ میں تم پر گولی چلادوں گا۔'' ڈرائیور چیخ رہا تھا۔

''جلدی کرو۔'' گاڑی میں موجود آدمی اس سے زیادہ چیخ رہا تھا۔

''ہری اپ......'' وہ مسلسل پکار رہا تھا' جبکہ شہوار مسلسل مزاحمت کررہی تھی۔

''چھوڑو مجھے......'' نقاب پوش شہوار کو دھکیل کر گاڑی کی طرف بڑھ رہا تھا۔ ڈرائیور نے ایک دم گولی چلادی تھی' نشانہ خطا گیا تھا جواباً نقاب پوش نے بھی فائر کیا تھا' ڈرائیور کے بازو پر گولی لگی تھی اس کے ہاتھ سے گن گرگئی تھی' ہجوم ایک دم چیختا چلاتا منتشر ہوا تھا۔

شہوار کو لگا کہ جیسے ایک دم اس کی آنکھوں کے سامنے تارے ناچنے شروع ہوگئے ہیں اسے اپنا وجود خوف اور صورت حال کی سنگینی کو دیکھتے منجمد ہوتا محسوس ہورہا تھا۔ سیکیورٹی گارڈ نے اپنی گن تھام کر فائر کیے تھے لیکن سب بے سود تھا' نقاب پوش اپنی گاڑی تک پہنچ چکا تھا' ایک فائر نقاب پوش کے بھی بازو میں لگا تھا۔

اس کی شہوار پر سے گرفت کمزور ہوئی تھی وہ ایک دم اس کا ہاتھ جھٹک کر مخالف سمت بھاگی تھی' لیکن کسی چیز سے ٹھوکر لگنے سے وہ ایک دم زمین پر گری تھی۔ نقاب پوش نے فائر کیے تھے تبھی پولیس کا سائرن سنائی دیا تھا۔

''پولیس آ گئی ہے۔ ......جلدی کرو......'' گاڑی میں موجود آدمی چلایا تھا۔ نقاب پوش نے ایک قہر بھری نگاہ شہوار پر اور پھر اپنے بازو سے بہتے خون پر ڈالی تھی۔

پولیس موبائل کی آواز قریب تر ہوتی جارہی تھی وہ فوراً گاڑی میں بیٹھ گیا تھا۔ گاڑی فوراً وہاں سے نکلی تھی جب تک پولیس موبائل موقع پر پہنچی وہ گاڑی مخالف سمت میں تیزی سے نکل گئی تھی۔

❁......❁......❁

صبوحی کی طبیعت اب بہتر تھی' وہ خود انا کے سہارے چل کر ولید کے کمرے میں آئی تھیں' روشی بھی بھائی کے پاس تھی' باقی لوگ گھر تھے۔ ولید بستر پر لیٹا ہوا تھا' صبوحی اسے دیکھ کر رونے لگی تھیں۔ انہوں نے بہت محبت سے اس کے سر پر ہاتھ رکھا' ولید نے مسکرانے کی کوشش کی تھی۔

''میں بہت بہتر ہوں' ان شاء اللہ بہت جلد کور کرلوں گا آپ ٹینشن نہ لیں' بس اپنی طبیعت کا خیال رکھیں۔'' وہ مسلسل رو رہی تھیں' ولید نے محبت سے ان کا ہاتھ تھام کر دلاسا دیا۔

''اتنا بڑا حادثہ ہوگیا' پتا نہیں کیسے سب نے جھیلا' شکر ہے اللہ کا اس نے اپنا کرم کیا۔'' اپنے آنسو صاف کرتے انہوں نے کہا۔

''بے شک اللہ کا ہی کرم ہے۔'' ولید بہت پرسکون تھا۔ روشی ایک طرف صوفے پر بیٹھی سیب کاٹ رہی تھی' صبوحی کو انا نے بستر کے قریب رکھی کرسی پر بٹھا دیا تھا' صبوحی ولید سے باتیں کرنے لگی تھیں۔

''تم گھر چلی جاتیں' روشی تو اب یہیں تھی تم تھک گئی ہو گی جا کر آرام کرتیں۔'' انا جو اپنے ہی دھیان میں میڈیسن دیکھی رہی تھی وہ چونکی تھی۔ ہلکا سا مسکرانے کی کوشش کی تھی۔

''میں یہیں ٹھیک ہوں آپ ڈسچارج ہو جائیں تو میں بھی آرام کرلوں گی۔'' ماں کے کندھے پر محبت سے ہاتھ رکھا۔ انہوں نے محبت سے اسے دیکھا اور پھر ولید کو جو سنجیدگی سے اپنے ہاتھوں کو دیکھ رہا تھا۔ انہیں ایک دم پچھلے گزرے دن یاد آئے تو دل سے ایک دم ہوک سی اٹھی تھی۔

''ان شاء اللہ آپ دونوں مکمل طور پر صحت یاب ہو جائیں گے۔'' روشی نے قریب آ کر محبت سے صبوحی کی طرف جھک کر گردن میں بازو ڈال کر کہا' انہوں نے شفقت سے اس کے سر پر ہاتھ رکھتے پیشانی چومی تھی۔

''میرا موبائل کہاں ہے؟'' ولید نے پوچھا۔

''وہ تو گاڑی میں ٹوٹا ہوا ملا تھا۔''

''اوہ......''

''احسن کہہ رہے تھے وہ آج کل میں نیا سیل لے کر اس میں سم ڈال دے دیں گے۔'' روشی بیڈ کے کنارے ٹک گئی تھی۔ کٹے ہوئے سیب کی کاشیں لے کر وہ ولید کو کھلا رہی تھی' تبھی اس کا موبائل بجا۔

''احسن کی کال ہے میں سن کر آتی ہوں۔'' احسن اور وقار صاحب آج آفس گئے تھے۔ کئی دنوں کے کئی کام رکے ہوئے جو تھے۔

''انا تم ذرا بھائی کو یہ سب کھلا دو پھر میڈیسن بھی دینی ہے۔'' جاتے جاتے روشی نے کہا۔ انا نے میڈیسن کو ترتیب سے رکھتے چونک کر اسے اور پھر ولید کو دیکھا' ولید کے چہرے پر ایک دم سنجیدگی پھیلی تھی۔

''اٹس او کے' میں خود لے لوں گا۔'' سائیڈ پر ہی پلیٹ رکھی ہوئی تھی' ولید نے سنجیدگی سے انکار کر دیا تھا۔ بازو میں چوٹ لگی تھی' جس کی وجہ سے کھانے پینے کا کام دوسرے سے ہی سر انجام دیا جا رہا تھا۔ ولید کے انکار پر صبوحی نے اسے پھر انا کو دیکھا' انا نے ولید کے انکار پر لب بھینچ لیے تھے۔

''آپ یہاں بیٹھیں گی یا چلیں گی؟'' انا نے کہا تو صبوحی نے ایک گہرا سانس لیا۔

''ابھی رکوں گی' لیٹے لیٹے کمر دکھنے لگی ہے' کچھ دیر یہاں ولید کے پاس بیٹھ کر باتیں کروں گی۔'' انہوں نے کہا تو انا نے سر ہلا دیا۔

''میں نماز پڑھ لوں پھر کچھ دیر میں آتی ہوں۔'' عصر کا وقت تھا۔ صبوحی نے سر ہلا دیا۔ انا دروازے کی طرف بڑھی' ولید نے اسے باہر جاتے دیکھا اور صبوحی نے ولید کو...... جس کے چہرے پر اتنی سنجیدگی تھی کہ کسی بھی قسم کا کوئی تاثر نہ تھا۔

❁......❁......❁

''آر یو او کے......'' دریہ نے ایک دم عقب سے شہوار کو تھاما تو بند ہوتی آنکھوں کو بمشکل کھولتے دریہ کو دیکھا تھا۔ اس کے پیٹ میں شدید درد اٹھا تھا۔ دریہ نجانے کہاں تھی؟ اتنی دیر میں وہ ایک بار بھی دکھائی نہ دی تھی اور ان لوگوں کے جاتے ہی وہ نجانے کہاں سے آ نکلی تھی؟

شہوار کو اپنے وجود میں اٹھتا درد نا قابل برداشت ہوتا محسوس ہو رہا تھا' اس نے لب بھینچ لیے تھے۔ پولیس موبائل کے آدمی فوراً موقع پر پہنچے تھے' انہوں نے زخمی ڈرائیور کو فوراً سنبھالا۔ ان کی گاڑی کا ٹائر خراب ہو گیا تھا' دریہ نے شہوار کو

بازوؤں میں سمیٹنا چاہا تھا لیکن وہ سر تھامے بیٹھ گئی تھی۔
منہ کے بل گرنے سے اس کے ہونٹ پر چوٹ لگی تھی جس سے تیزی سے خون بہہ رہا تھا۔ موبائل کے آدمی اردگرد موجود لوگوں سے صورت حال کے بارے میں دریافت کررہے تھے۔ کچھ دیر میں وہاں ایک اور گاڑی آ کر رکی تھی جس میں امجد خان تھا' وہ فوراً شہوار کی طرف آیا تھا۔
''آپ خیریت سے ہیں نا؟'' اس نے پوچھا' شہوار نے نفی میں سر ہلایا۔ پیٹ میں اٹھتا درد تیز تر ہوتا جارہا تھا۔
''آپ ان کو گاڑی میں بیٹھائیں' جلدی کریں......'' امجد خان شاید صورت حال کی سنگینی کا اندازہ لگا چکا تھا' دریہ کی مدد سے شہوار کو گاڑی میں بٹھایا گیا تھا۔
ان کی گاڑی میں سے بیگ اور دیگر ضروری اشیا لے کر کانسٹیبل کو گاڑی گارڈ کے حوالے کرنے کا کہہ کر ڈرائیور کو بھی گاڑی میں سوار کروا کر وہ لوگ فوراً وہاں سے روانہ ہوگئے تھے۔

❁......❁......❁

لالہ رخ کی ماں بیمار تھی' وہ چھٹیوں پر گھر گئی ہوئی تھی' وہ چھٹیاں گزار کر لوٹی تو بہت پریشان تھی۔ اس کی تعلیمی کارکردگی بھی متاثر ہوگئی تھی دو ماہ بعد ایگزامز شروع ہونے تھے۔ سکندر نے سب کو اسائنمنٹ دیا تھا' ہمیشہ ہر اسائنمنٹ میں بہت اچھے نمبر لینے والی لالہ رخ اس بار اسائنمنٹ ہی جمع نہ کرواسکی تھی۔ کچھ دن بعد پریزنٹیشن ہوئی تو اس میں بھی اس کی کارکردگی نہ ہونے کے برابر تھی۔
کلاس میں بھی وہ گم صم سی رہنے لگی تھی' وہ زیادہ تر تنہا ہی دکھائی دیتی تھی۔ اس دن بھی سکندر اپنے اسی کولیگ کے ہمراہ اس کی گاڑی میں کہیں جانے کو نکلا تھا' کالج کا آف ٹائم تھا۔ زیادہ تر اسٹوڈنٹس جاچکے تھے اب اکا دکا ہی کالج سے گرلز نکل رہی تھیں' افشاں کا آج آف تھا ورنہ دونوں اکٹھے ہی کالج آتے جاتے تھے۔ اس کے کولیگ نے تیزی سے گیٹ سے گاڑی نکال کر ریورس کی تھی جب ایک دم عقب سے کالج کے گیٹ سے نکل کر باہر آتی لالہ رخ گاڑی کی زد میں آ گئی تھی' یہ بالکل اچانک ہی ہوا تھا گاڑی کو فوراً بریک لگائی گئی تھی لیکن تب تک لالہ رخ نہ صرف گاڑی سے اچھی خاصی ہٹ ہوچکی تھی بلکہ گاڑی لگتے ہی وہ سڑک پر منہ کے بل گری تھی' اس کا بیگ اور بکس ایک دم اردگرد بکھر گئے تھے۔
سکندر اور اس کا کولیگ فوراً گاڑی سے نکلے تھے' تب تک لالہ رخ بے ہوش ہوچکی تھی اس کے سر سے خون بہہ رہا تھا اور اس کا چہرہ اس خون سے رنگین ہوتا جارہا تھا۔
''مائی گاڈ...... یہ تو اچھی خاصی زخمی ہوگئی ہے۔'' وہ دونوں لالہ رخ کے پاس گھٹنوں کے بل بیٹھے تھے' سکندر نے لالہ رخ کو دیکھتے ہی کہا تھا۔ کالج کے اردگرد ایک دم ہجوم سا بڑھنے لگا تھا۔ اندر کسی نے فی میل ٹیچرز کو بھی اطلاع کردی تھی۔ ایک ٹیچر فوراً وہاں پہنچی تھیں۔
''اس کو فوراً کسی ڈاکٹر کے پاس لے جانا ہوگا۔'' لالہ رخ کی کلائی تھام کر چیک کرتے اس ساتھی ٹیچر نے کہا تھا۔
''تم گاڑی چلاؤ' ہم اس کو گاڑی میں ڈالتے ہیں۔'' ٹیچر نے ساتھی کولیگ کو کہا تھا۔ باقی دونوں نے مل کر بے ہوش لالہ رخ کو گاڑی میں ڈالا تھا۔
نزدیک ہی کلینک مل گیا تھا' ڈاکٹر بھی موجود تھے اسے فوراً ٹریٹمنٹ دیا گیا تھا۔ خوش قسمتی سے لالہ رخ کو زیادہ چوٹیں نہیں آئی تھیں۔ دو تین گھنٹوں بعد اسے ہوش آ گیا تھا۔ ساتھی ٹیچر جاچکی تھی' سکندر اور اس کا کولیگ موجود تھے۔ لالہ رخ کے پاؤں پر گہری چوٹ لگی تھی اس کے علاوہ سر پر بھی چوٹ لگی تھی باقی ہلکی پھلکی خراشیں تھیں۔ لالہ رخ پریشان ہورہی تھی سکندر اور اس کا کولیگ اس سے بار بار معذرت کررہے تھے۔

”اگر آپ کہیں تو ہم آپ کی فیملی کو اطلاع کردیتے ہیں۔“ سکندر نے لالہ رخ کے غم زدہ چہرے کو دیکھتے کہا تو وہ چونکی پھر اس نے فوراً نفی میں سر ہلا دیا تھا۔

”نہیں...... مجھے بس ہاسٹل پہنچادیں میں وویمن ہاسٹل میں رہتی ہوں۔“ اس نے کہا تھا۔ دونوں نے حامی بھری تھی اس کے پاؤں کا ایکسرے لیا گیا تھا۔ رپورٹ میں پاؤں میں کسی بھی قسم کا کوئی مسئلہ نہیں تھا بس پاؤں کی جلد پھٹی تھی ڈاکٹر نے میڈیسن لکھ دی تھیں۔

میڈیسن لے کر وہ دونوں نرس کے سہارے چلتی لالہ رخ کو گاڑی میں سوار کرکے اس کے ہاسٹل میں لے آئے تھے۔ وارڈن اچھے مزاج کی تھیں وہ لالہ رخ کو اس کے کمرے میں لے آئی تھی۔ اگلے دن لالہ رخ کو بخار آ گیا تھا وہ مزید تین چار دن تک کالج نہ آ سکی تھی۔

سکندر کا کولیگ کسی ذاتی کام کے سلسلے میں چند دن کی چھٹی پر کہیں گیا ہوا تھا۔ سکندر کا دوبارہ لالہ رخ کے ہاسٹل جانا نہیں ہوسکا تھا۔ چند دن مزید گزرے تو لالہ رخ تب بھی کالج نہ آ سکی تو سکندر کو تشویش لاحق ہوئی تھی اس نے افشاں سے بات کی تھی وہ اس کے ساتھ ہاسٹل جانے پر آمادہ ہوگئی تھی۔ وہ دونوں ہاسٹل پہنچے تو وارڈن خوش اخلاقی سے ملی تھی۔ اس نے لالہ رخ کو بلوالیا تھا لالہ رخ لڑکھڑا کر چلتی ان کے سامنے آئی تھی۔ وہ سکندر کو سامنے دیکھ کر ایک دم کھل سی گئی تھی افشاں اسی کالج میں ٹیچر تھی لالہ رخ دونوں سے بڑے باادب انداز میں ملی تھی۔ وہ دونوں کچھ دیر تک وہاں بیٹھے رہے تھے اور پھر وہاں سے واپس آ گئے تھے۔ واپسی کے رستے میں افشاں کچھ خاموش خاموش سی تھی۔

”کیا بات ہے پریشان ہو؟“ گھر آنے پر بھی افشاں کا وہی انداز رہا تو سکندر نے پوچھا تھا۔

”یہ لالہ رخ کیسی لڑکی ہے؟“ افشاں نے پُرسوچ انداز میں کہا تو سکندر چونکا۔

”بہت اچھی اور ذہین اسٹوڈنٹ ہے۔“ سکندر نے کہا تو افشاں نے اسے بغور دیکھا تھا۔

”ہاں ذہین تو وہ واقعی بہت ہے۔“ اس کے انداز میں نجانے کیا بات تھی کہ سکندر اسے الجھن بھری نگاہوں سے جاتے دیکھتا رہا تھا۔

کچھ دن مزید گزرے تو لالہ رخ نے کالج آنا شروع کردیا تھا وہ اب گم صم نہیں رہتی تھی۔ وہ پہلے کی طرح پھر سے سرگرمیوں میں حصہ لینے لگی تھی تاہم اس کا محتاط انداز اب بھی پہلے جیسا ہی تھا۔

اس دن سکندر اور افشاں گھر لوٹے تو سامنے صبوحی اور وقار آئے ہوئے تھے۔ وہ دونوں اپنے ساتھ مٹھائی لائے تھے خالہ بی نے بتایا کہ وہ اپنے بھائی ضیاء احمد کا پرپوزل افشاں کے لیے لائی تھی۔ افشاں بہت سنجیدہ تھی سکندر کو اس رشتے کے بارے میں جان کر خوشی ہوئی تھی ذاتی طور پر وہ ضیاء سے بہت متاثر تھا لیکن سکندر کی خوشی اس وقت شدید حیرت میں بدل گئی جب ان لوگوں کے جانے کے بعد خالہ بی کے کہنے پر افشاں نے صاف انکار کردیا تھا۔

”لیکن بیٹا اس طرح زندگی بھی تو نہیں گزرنے والی یہ ایک اچھا رشتہ ہے بار بار قسمت دستک نہیں دیا کرتی۔“

”مجھے ضیاء سے شادی نہیں کرنی اور یہ بات ضیاء کے ساتھ ساتھ صبوحی بھی جانتی ہے لیکن اس کے باوجود ہر بار چلی آتی ہے۔“ افشاں کا انداز دوٹوک تھا۔

”لیکن بیٹا کوئی وجہ بھی تو ہو وہ باہر جانے کی کوشش کررہا ہے ماں باپ کا گھر بھی بیچ دیا ہے۔ باہر چلا جائے گا چار پیسے کمانے لگے گا۔ تمہاری تو قسمت کھل جائے گی یہ خود سارا سارا دن سر کھپانے کی مشقت سے تو جان چھوٹے گی تمہاری۔“ خالہ بی نے سمجھانا چاہا تھا افشاں نے ایک گہرا سانس لیا تھا۔

”میں کہہ چکی ہوں نا کہ مجھے یہ رشتہ قبول نہیں تو آپ فورس مت کریں رہ گئی ضیاء کی بات میں صبوحی سے بات کرلوں

امجد جاوید کے قلم کا شاہکار ناول

عورت زاد اس حسینہ کی کہانی جسے اِس ظالم معاشرے نے جنم دیا

عورت زاد اس عورت کا احوال جس نے ظالم معاشرے میں علم بغاوت بلند کیا

عورت زاد آہنی ارادوں والی ریشم بدن کی روداد جس نے وقت کی لگام کو تھام لیا

عورت زاد حالات کی بنائی ہوئی سنگلاخ راہوں پر چلنے والی ایک نازک اندام

عورت زاد آگ وخون سے گذر کر منزل کی طرف گامزن رہنے والی برق صفت دلربا

عورت زاد ایک صنف نازک کی سرگذشت، جو باغی دلوں پر حکومت کرنا جانتی تھی۔

بہت جلد نئے افق کے صفحات پر ملاحظہ کیجئے

نئے افق کے سالانہ خریدار بن کر اپنی کاپی آج ہی محفوظ کرالیں

گی آپ ٹینشن نہ لیں۔" افشاں کہہ کر چلی گئی خالہ بی نے پریشانی سے دیکھا تھا۔

"تم ہی بیٹا اسے سمجھاؤ اتنی عمر ہوگئی ہے۔ اس کی عمر کی لڑکیاں دو دو بچوں کی مائیں ہیں۔ پھوپی زندہ ہوتی تو اور بات تھی آگے پیچھے کوئی ہے نہیں جو اس بارے میں سوچے میں اگر سوچ رہی ہوں تو یہ میری سن کب رہی ہے۔"

"میں سمجھاؤں گا آپ پریشان نہ ہوں۔" سکندر نے ہامی بھر لی تھی اور اسی رات سکندر نے پھر موقع ملتے ہی افشاں سے اس سلسلے میں بات کرنا چاہی تو اس نے ٹوک دیا تھا۔

"تم مجھ سے ہر موضوع پر بات کر سکتے ہو سوائے اس کے یہ میری زندگی ہے اس میں، میں کسی کو بھی مداخلت کی اجازت نہیں دوں گی چاہے وہ کوئی بھی ہو۔" انداز قطعی اور فیصلہ کن تھا۔

سکندر خاموش ہوگیا تھا اس نے پھر افشاں سے اس ٹاپک پر بات نہیں کی تھی کالج میں فائنل ائر والوں کی فیئر ویل تھی۔ سکندر نے پہلی بار لالہ رخ کو قدرے ایک مختلف روپ میں دیکھا تھا۔ سفید فراک میں ملبوس پاؤں میں کھسہ پہنے ہلکی پھلکی آرائش کے ہمراہ وہ واقعی کسی اور دیس کی شہزادی لگ رہی تھی اور پھر اس ساری تقریب میں سکندر کی نگاہوں کے حصار میں لالہ رخ کا وجود رہا تھا۔ اس کا انداز اب بھی محتاط اور سب سے الگ تھلگ تھا۔

نجانے کیوں سکندر کو احساس ہوا کہ لالہ رخ بھی اس کی شخصیت سے متاثر ہے اس احساس کے ساتھ ہی دل میں عجیب سی خوشی نے ڈیرہ جما یا تھا۔ سارا وقت بہت خوش گوار انداز میں گزرا تھا۔ افشاں ساری تقریب کے انتظامات دیکھ رہی تھی وہ آج خاصی مصروف تھی۔ فنکشن کے بعد ریفریشمنٹ کا بھی انتظام تھا ٹیچرز کے لیے علیحدہ انتظام تھا ہال سے نکل کر اس کمرے کی طرف جاتے لالہ رخ ایک دم اس کے رستے میں آرکی تھی۔

"ایکسکیوزمی سر!" سکندر رک گیا تھا۔

"آٹو گراف پلیز سر......!" لالہ رخ نے ہاتھ میں تھامی ہوئی ایک چھوٹی سی گولڈن کور والی آٹو گراف نوٹ بک اس کے سامنے کی تھی۔ دوپٹہ سلیقے سے اوڑھ رکھا تھا سکندر نے ایک نگاہ اس کے سراپا پر ڈالی اور پھر اس کے ہاتھ میں تھامی اس چھوٹی سی ڈائری کو دیکھا۔

سکندر نے نوٹ بک لی اس نے چند لائنز ایک انگلش پوئٹری کی لکھی تھیں تبھی کسی اسٹوڈنٹ کے ساتھ بات کرتے ان کی طرف آتی افشاں اپنی جگہ رک گئی تھی۔ سکندر نے لالہ رخ کو ڈائری واپس کرتے کچھ کہا تھا جس سے لالہ رخ کے چہرے پر بہت خوب صورت سی مسکان سمٹ آئی تھی۔ دونوں میں کچھ بات ہوئی تھی اور پھر سکندر نے نوٹ بک لے کر کچھ لکھا تھا۔ دونوں کے درمیان کچھ جملوں کا تبادلہ ہوا تھا اور پھر لالہ رخ ایک طرف کو چل دی تھی سکندر نے چند پل اپنی جگہ کھڑے ہو کر اسے جاتے دیکھا تھا اور پھر پلٹا تھا افشاں کو لگا کہ جیسے اس کا سکتہ ٹوٹ گیا ہو سکندر اس کی طرف آیا تھا۔

"آج کا فنکشن بہت ہی اچھا رہا تمہاری محنت اور کارکردگی سب کو صاف دکھائی دے رہی تھی۔" قریب آ کر مسکرا کر سکندر نے افشاں کو سراہا تو بھی وہ سنجیدہ رہی تھی۔

"یہ لالہ رخ کیا کہہ رہی تھی۔" جواباً افشاں نے پوچھا تھا۔

"کچھ نہیں آٹو گراف لے رہی تھی۔"

"مجھ سے تو نہیں لیا اس نے؟" افشاں نے سنجیدگی سے کہا تو سکندر مسکرایا۔

"یہ تو تم اسی سے پوچھنا۔" افشاں خاموش ہوگئی تھی ایک اور ساتھی ٹیچران کے پاس آ کر رکیں تو ان کا موضوع گفتگو بدل گیا تھا۔ اس دن واپسی کے سفر میں اور گھر آ کر بھی کئی بار سکندر نے محسوس کیا کہ افشاں بہت خاموش خاموش ہے۔

صبوحی ایک دو بار پھر آئی تھیں لیکن افشاں کا انکار اقرار میں نہ بدلا۔ اس دن سکندر کسی کام کے سلسلے میں گھر لوٹا تو ضیاء

آیا ہوا تھا' وہ افشاں سے کوئی بات کر رہا تھا۔ سکندر کے آنے پر وہ خاموش ہو گیا تھا۔ سکندر نے محسوس کیا کہ جیسے ضیاء افشاں کو پسند کرتا ہے لیکن افشاں اس کے رشتے سے انکاری تھی۔ سکندر سے بھی ضیاء نارمل انداز میں ملا تھا۔ سکندر نے اس کے آئندہ کے پلانز کے بارے میں پوچھا تو وہ بتانے لگا۔

''اماں ابا کا گھر بیچ دیا ہے' آج کل کسی دوست کے ساتھ اس کا فلیٹ شیئر کر رہا ہوں' ایک ایجنٹ کو کچھ رقم دے دی ہے امریکہ کے ویزے کے لیے' ہو سکتا ہے ایک دو ماہ میں ویزے کا کام بن جائے اور پھر میں پاکستان چھوڑ دوں۔'' سکندر نے محسوس کیا کہ وہ کافی دل برداشتہ سا ہو رہا ہے' شاید افشاں کے انکار کی وجہ سے ایسا تھا۔

''امریکہ میں میری کچھ پراپرٹی ہے' اگر تمہارے پاس کسی جاب کا بندوبست نہ ہو سکا تو تم وہاں میرے فلیٹ میں رہ لینا۔ میری دکانیں اور فلیٹ وہاں کے مقامی ایک شخص کے پاس رینٹ پر ہیں' تم میری اس سے بات کروا دینا وہاں ایک دکان تم رکھ لینا پھر جب میں لوٹوں گا تو دیکھوں گا کہ کیا کرنا ہے۔'' سکندر نے خصوصی دل سے اسے آفر کی تھی اور شاید ضیاء کو بھی یہ آفر پسند آئی تھی اس نے وہاں موجود شخص کا ایڈریس اور رابطہ نمبر لے لیا تھا۔

کالج میں فائنل ائر کے ایگزامز چل رہے تھے ایک دو بار لالہ رخ سے بھی سامنا ہوا تھا' وہ ہر بار کافی کمزور اور پریشان دکھائی دی تھی۔ اس دن اس کا لاسٹ پیپر تھا' وہ سکندر کے آفس آئی تھی یہ آفس اکنامکس والوں کا تھا دو تین اور ٹیچرز بھی وہاں موجود تھیں۔ پریشان سی لالہ رخ اس کی طرف آئی تھی' اس کی آنکھیں سوجی ہوئی تھیں' ابھی کچھ دیر پہلے ہی وہ پیپر دے کر نکلی تھی۔

''سر! مجھے آپ سے ایک بات کرنی ہے۔'' لالہ رخ نے اس کی ٹیبل کے پاس آ کر کہا تو سکندر نے چونک کر دیکھا تھا۔ سرخ متورم آنکھیں شاید گزشتہ رات وہ جاگتی رہی تھی یا پھر ساری رات روئی تھی۔

''ہاں کہیے۔'' سکندر نے کہا تو اس نے اطراف میں دیکھا تھا۔ وہاں اور ٹیچرز بھی موجود تھے' اکنامکس کے سب ٹیچرز مرد حضرات تھے۔

''یہاں نہیں سر پلیز باہر آ سکتے ہیں؟'' اس کے انداز میں لجاجت تھی' سکندر نے چونک کر اسے دیکھا تھا۔ وہ انگلیاں چٹخاتی بہت پریشان لگ رہی تھی' سکندر کھڑا ہو گیا تھا۔ روم سے باہر آ کر وہ کھڑا ہوا تھا۔

''سر! میں بہت مشکل میں ہوں' مجھے سمجھ نہیں آ رہی کہ میں کس سے اپنا مسئلہ شیئر کروں۔'' بات کرتے کرتے اس کی آنکھوں میں ایک دم نمی سی سمٹ آئی تھی۔

''سر مجھے کسی کی مدد کی اشد ضرورت ہے۔'' رندھی ہوئی آواز میں اس نے کہنا شروع کیا تھا تبھی اسٹاف روم سے نکلتی افشاں کی نگاہ دونوں پر پڑی تھی۔ افشاں فوراً ان کی طرف آئی تھی' ایک تیز نگاہ لالہ رخ پر ڈال کر اس نے سکندر کو دیکھا تھا۔

''صبوحی کے ہاں بیٹا پیدا ہوا ہے لیکن اس کی طبیعت بہت خراب ہے اسے ہسپتال ایڈمٹ کروا دیا گیا ہے ابھی ضیاء کی کالج کے فون پر کال آئی تھی' ہم دونوں کو ابھی وہاں چلنا ہے' پرنسپل صاحب سے میں بات کر چکی ہوں۔''

''اوہ...... سکندر بھی ایک دم پریشان ہوا تھا۔ ''کیا زیادہ سیریس کنڈیشن ہے اس کی؟''

''شاید' یہ تو وہاں جا کر ہی پتا چلے گا۔'' افشاں نے کہا تو سکندر نے لالہ رخ کو دیکھا' وہ سر جھکائے اپنی آنکھیں صاف کر رہی تھی۔

''جلدی کرو' میں اپنا بیگ لے لوں پھر نکلتے ہیں۔'' وہ کہہ کر واپس تیزی سے اسٹاف روم کی طرف چلی گئی تھی۔

''آپ کیا کہہ رہی تھیں؟'' سکندر کو اس کے آنسوؤں سے ایک دم شدید اذیت محسوس ہوئی تھی۔

''میری بات طویل ہے لیکن آپ کو تو جانا ہوگا۔'' لالہ رخ کے لہجے میں ایک دم مایوسی سمٹ آئی تھی۔

”آپ کہیں جب تک افشاں نہیں آ جاتی۔“
”مس افشاں آپ کی کیا لگتی ہیں؟“ لالہ نے خلاف توقع بات کی تھی' سکندر نے حیران ہو کر دیکھا۔
”یہ میری کزن ہیں۔“ سکندر نے بتایا تو اسے لگا کہ جیسے لالہ رخ کے چہرے پر ایک دم کچھ اطمینان پھیلا ہو۔
”لیکن آپ کہیں جو کہنا ہے۔“ اسٹاف روم کی طرف دیکھتے سکندر نے کہا تو لالہ رخ نے پھر سر جھکا لیا تھا۔
”سر! میں آپ کو پسند کرتی ہوں اور شادی کرنا چاہتی ہوں۔“ ایک بہت ہی غیر متوقع اور حیران کن جملہ تھا۔
”کیا......؟“ سکندر اپنی جگہ ششدر سا رہ گیا تھا۔
”باقی تفصیل سننے کے لیے شاید آپ کے پاس وقت نہ ہو لیکن اگر میرے سوال کو سوچنا چاہیں اور اس کے پیچھے کسی وجہ کو تلاش کرنا چاہیں تو آج رات تک میرے ہاسٹل آ جایئے گا' کل شاید پھر میں اس شہر میں نہ رہوں۔“ افشاں اسٹاف روم کے دروازے سے نکل کر پھر اسی طرف آ رہی تھی۔
لالہ رخ نے افشاں کو دیکھتے بات مکمل کی تھی اور پھر خاموشی سے حیران و پریشان کھڑے سکندر سبحان احمد کو چھوڑ کر چلی گئی تھی۔

❁......❁......❁

مصطفیٰ ایک میٹنگ میں تھا جب اسے ڈرائیور کی کال آئی تھی اس نے فوراً نزدیک ترین پولیس اسٹیشن سے رابطہ کیا تھا اور پھر امجد خان کو جہاں بھی تھا فوراً موقع پر پہنچنے کا کہا تھا' وہ خود اتنی جلدی وہاں نہیں پہنچ سکتا تھا۔ امجد خان اس سے پل پل رابطہ رکھے ہوئے تھا' وہ کچھ دیر بعد وہاں پہنچ گیا تھا اور اس سے پہلے موبائل پولیس وہاں پہنچی تھی' وہ نقاب پوش اور اس کا ساتھی بھاگ گئے تھے۔ ڈرائیور زخمی تھا اور شہوار کی طبیعت خاصی خراب تھی۔ مصطفیٰ نے امجد خان کو دونوں کو فوراً ہسپتال لے جانے کی ہدایت کی اور خود افسران سے معذرت کرتا فوراً وہاں سے نکلا آیا تھا۔
وہ اچھی طرح اندازہ لگا سکتا تھا کہ یہ ساری کارروائی کس کی ہو سکتی ہے۔ مصطفیٰ کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ اڑ کر شہوار تک پہنچ جائے۔ گھر والوں میں سے اس نے شاہ زیب اور عباس بھائی سے رابطہ کیا تھا' ماں جی پریشان نہ ہوں اس نے گھر کال نہیں کی تھی مصطفیٰ کچھ دیر میں ہسپتال پہنچ گیا تھا۔ گرنے کے سبب شہوار کی طبیعت خراب ہوئی تھی چند ماہ کی پریگنسی تھی' پولیس ساتھ تھی ڈاکٹر نے فوراً ٹریٹمنٹ دیا تھا' اللہ کا شکر تھا کہ اس کی طبیعت زیادہ خراب نہیں ہوئی تھی۔ جب تک مصطفیٰ شہوار کے پاس پہنچا تب تک شہوار غنودگی میں تھی۔ شاہ زیب اور عباس دونوں وہاں موجود تھے۔ ڈرائیور کو بھی ٹریٹمنٹ دیا جا چکا تھا' اس کا اچھا خاصا خون بہہ گیا تھا' وہ بے ہوش تھا۔ مصطفیٰ کے اندر شدید ملال اترنے لگا۔
فجر کے وقت اسے ایمرجنسی کال آ گئی تھی' وہ اٹھا تھا تب شہوار بے آرام سی صوفے پر لیٹی ہوئی تھی' اس نے لائٹ آن نہیں کی تھی بس احتیاط سے بغیر آواز پیدا کیے لباس بدل کر وہ ضروری اشیاء لے کر فوراً ماں جی کو بتا کر گھر سے نکل آ گیا تھا۔ ماں جی روزانہ تہجد کے وقت اٹھتی تھیں۔ رات شہوار خفا ہو کر کمرے سے گئی تھی' اتنے دنوں کی سخت تھکن ذہنی ٹینشن اور بے آرامی وہ بستر پر لیٹتے ہی غافل ہو گیا تھا۔ ورنہ جی تو چاہ رہا تھا کہ باہر جا کر شہوار کو ساتھ لے کر کمرے میں آئے لیکن پھر صبح تفصیلاً بات کر لینے کا سوچ کر ٹال گیا تھا' اندازہ ہی نہ تھا کہ وہ دوبارہ اس حالت میں ملے گی۔ شہوار کو ڈرپ لگی ہوئی تھی' نرس پاس تھی مصطفیٰ شہوار کے پاس آیا اور محبت سے اس کی پیشانی پر ہاتھ رکھا تھا۔
”شہوار......“ اس نے پکارا تو شہوار نے ہلکی سی آنکھیں کھولی تھیں۔
”تم ٹھیک ہو؟“ اس کے قریب جھک کر پوچھا تو اس کی آنکھوں میں ایک دم آنسو سمٹ آئے تھے۔ مصطفیٰ نے نرس کو باہر جانے کا اشارہ کیا۔

شاہ زیب اور عباس تو پہلے ہی جا چکے تھے' مصطفیٰ اس کے پاس بستر کے کنارے بیٹھ گیا اور شہوار اس بات کی پروا کیے بغیر کہ اسے ڈرپ لگی ہوئی ہے اس کے ساتھ لگ کر ایک دم سسک اٹھی تھی اس کے لیے وہ سب ایک بھیانک خواب کی طرح تھا ایک بہت ہی ڈراؤنا اور خوف ناک خواب...... جس کی شدت اور خوف اتنا ہولناک تھا کہ وہ ابھی بھی اسے یاد کر کے سسک اٹھی تھی' خدانخواستہ کچھ ہو جاتا۔ جس طرح وہ اس شخص کی گن کی زد پر تھی کچھ بھی ممکن تھا اور سب سے بڑھ کر جب اس نے اسے دھکا دیا تھا اور وہ منہ کے بل گری تھی۔ وہ تو زمین پر ہاتھ اور گھٹنے لگا کر اس نے خود کو لاشعوری طور پر ایک بہت بڑے نقصان سے بچانے کی کوشش کرنا چاہی تھی۔

''وہ کون تھا؟'' مصطفیٰ کے بازو اس کے گرد ایک مضبوط حصار کی مانند بندھ گئے تھے۔ بہت زیادہ رونے کے بعد وہ کچھ سنبھلی تو مصطفیٰ نے اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر نرمی سے پوچھا۔

''ایاز......'' یہ نام سنتے ہی مصطفیٰ کے جبڑے بھینچ گئے تھے۔

''میں اس شخص کی آواز کبھی نہیں بھول سکتی' وہ ایاز ہی تھا۔ اس نے مجھے لے جانے کی کوشش کی تھی لیکن ڈرائیور اور گارڈ کی وجہ سے میں پھر بچ گئی۔'' مصطفیٰ نے اس کے بازو کی طرف دیکھا وہاں ڈرپ لگی ہوئی تھی لیکن کلائی پر گہرے نیل تھے' مصطفیٰ نے دوسرا ہاتھ اس کے بازو پر رکھا تھا۔

''یہ نیل کیسے پڑے؟'' شہوار کو دیکھا تھا' شہوار جواب دینے کی بجائے مصطفیٰ کے سینے میں سر چھپا کر ایک بار پھر سسک اٹھی تھی۔

''میں قانون کو ہاتھ میں نہیں لینا چاہتا وہ اگر اب تک زندہ گھوم رہا ہے تو بس بابا جان کی وجہ سے ورنہ وہ کب کا کسی نہ کسی کیس میں پھنس کر زندگی سے ہاتھ دھو چکا ہوتا۔'' شہوار کچھ دیر تک اسی طرح روتی رہی تھی۔ پھر مصطفیٰ نے خود سے الگ کر کے بستر پر لٹا کر بہت محبت سے اس کی پیشانی چومی تھی۔

''کیسا فیل کر رہی ہو؟'' مصطفیٰ نے پوچھا تو اپنے آنسو صاف کرتے سر ہلا دیا تھا۔ وہ تکیے سے سر لگا کر لیٹ گئی تھی۔

''دریہ کہاں ہے؟'' شہوار نے پوچھا تھا۔

''وہ گھر جا چکی ہے' ماما نے ہسپتال آتے ہی اسے گھر بھیج دیا تھا۔''

''دریہ تمہارے ساتھ کیا کر رہی تھی اور تم لوگ میکڈونلڈ کیا لینے گئے تھے۔'' مصطفیٰ نے سنجیدگی سے پوچھا۔

''دریہ زاہد بھائی کے ہاں تھی' ڈرائیور اسے لینے کے بعد مجھے لینے آیا تھا' راستے میں میکڈونلڈ دیکھ کر دریہ نے وہاں سے کھانے کے لیے کچھ لینا چاہا تھا۔''

''میں منع کر چکا تھا نا کہ راستے میں کہیں بھی نہیں رکنا' کالج سے سیدھا گھر آنا ہے۔'' مصطفیٰ نے ناراضی سے کہا۔

''دریہ کو منع کیا تھا میں نے لیکن وہ بضد تھی کہ اسے سخت بھوک لگی ہے۔ وہ اکیلی اندر گئی میں...... میں تو گاڑی میں ہی تھی جب یہ شخص آیا تھا۔ اس نے گاڑی کا شیشہ توڑا تھا اور پھر گاڑی چلانے کی کوشش کی تھی میکڈونلڈ کے سیکیورٹی گارڈ نے ڈرائیور کے شور مچانے پر فائر کر کے گاڑی پنکچر کر دی تھی' جس پر ایاز پسٹل نکال کر مجھے زبردستی گاڑی سے نکال لایا تھا۔'' اس نے دھیمے سے ساری کارروائی بتائی تھی مصطفیٰ نے ایک دم لب بھینچ لیے تھے۔

''یہ بندہ نہیں جینے والا' یہ آخری بار تھا اب نہیں بچے گا یہ......'' مصطفیٰ کا مارے طیش کے ایک دم بُرا حال ہوا تھا۔ وہ اٹھ کر باہر آیا تو شاہ زیب صاحب فوراً پاس آئے تھے۔

''کچھ پتا چلا کون لوگ تھے؟''

''ایاز تھا...... شہوار نے اس کی آواز پہچان لی ہے' ویسے بھی ایاز کے سوا اور کوئی بھی ایسی حرکت نہیں کر سکتا۔'' شاہ زیب

صاحب نے دیکھا‘ مصطفیٰ کا چہرہ مارے غصے کے تمتمارہا تھا۔
”آپ نے ہر بار مجھے روکا‘ قانون کے دائرے میں رہنے پر مجبور کیا ورنہ اس جیسے شخص کو سزا دینا کون سا مشکل تھا لیکن یہ میری برداشت سے باہر ہوچکا ہے اب‘ ڈرائیور کو کچھ ہوجاتا یا شہوار کو ہی تو بتایئے کون اس نقصان کو پورا کرتا؟ ویسے بھی میں مجرم کو صرف ایک حد تک ڈھیل دیتا ہوں یہ انسان بہت ڈھیل لے چکا ہے اب نہیں دوں گا۔“
”دھیرج سے بیٹا!“ شاہ زیب صاحب نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر پرسکون کرنا چاہا۔
”ہر چیز کی ایک لمٹ ہوتی ہے بابا! اس نے مجھ پر قاتلانہ حملہ کیا‘ اس نے کئی بار شہوار کو مختلف مقامات پر اغوا کرنے کی کوشش کی۔ کئی بار وہ ہمارے لیے ناقابل برداشت بنا اور ہر بار آپ اس کی ڈھال بن گئے‘ اس کا باپ روپے پیسے کا استعمال کرتا ہے اور ضمانت کروالیتا ہے اور ہم کیا اتنے ہی بےبس ہیں جو یہ سب ہوتے دیکھ رہے ہیں۔“ مصطفیٰ کا ضبط جواب دے گیا تھا‘ عباس بھی قریب آ گیا تھا۔
”لیکن ہر چیز قانون وقاعدے کے تحت ہی ہونی چاہیے‘ میں نہیں چاہتا کہ تمہاری نیک نامی کسی ایسے مجرم کے سبب بدنامی میں بدل جائے تمہاری اور شہوار کی جان سے بڑھ کر کچھ بھی نہیں۔ وہ کئی بار پبلک کے سامنے ہماری بچی پر ہاتھ ڈال چکا ہے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہم چپ چاپ سب سہہ رہے ہیں بیٹا! میں چاہتا ہوں اسے سزا ملے لیکن قانون کے تحت۔“ وہ اب بھی پرسکون تھے۔
”کیا فائدہ ایسے قانون کا جب ہر بار وہ باآسانی ہماری تحویل سے نکل کر دندناتا پھرتا ہے۔“ عباس نے بھی تلخی سے کہا۔
”ہم قانون کے محافظ ہیں‘ ہمیں ایسی بات زیب نہیں دیتی۔“ شاہ زیب صاحب نے اب کی بار سختی سے ٹوکا تھا۔
”امجد خان کو کہو جہاں بھی خبر ملتی ہے اس پر ریڈ کروہ ملتا ہے تو ہم دیکھتے ہیں کہ کیا کرنا ہے اس بار میرا وعدہ ہے میں ضمانت نہیں ہونے دوں گا۔“ انہوں نے پھر مصطفیٰ کو مضبوط کرنا چاہا تھا‘ مصطفیٰ لب بھینچ کر بغیر کچھ کہے تیزی سے وہاں سے نکل گیا تھا اور شاہ زیب صاحب نے بہت سنجیدگی سے اسے وہاں سے جاتے دیکھا تھا۔

❀.......❀.......❀

صبوحی کے ہاں بیٹا پیدا ہوا تھا نارمل کیس تھا لیکن اس کے بعد ایک دم اس کی طبیعت بگڑی تھی۔ وقار اور ضیاء ہی ساری بھاگ دوڑ کررہے تھے افشاں اور سکندر کے جانے سے ان لوگوں کو بہت ڈھارس ملی تھی۔ رات تک صبوحی کی طرف سے کوئی خبر نہ مل سکی تھی۔ رات گئے ڈاکٹرز نے اطلاع دی تو سب ہی نے سکون کا کلمہ پڑھا تھا۔ صبوحی کی طبیعت اب بہتر تھی‘ چند دن اسے ہسپتال میں رہنا تھا۔ ان لوگوں کی وہ ساری رات ہسپتال کے کوریڈور میں ٹہلتے گزری تھی۔ اگلے دن صبوحی کی طبیعت کافی بہتر تھی خطرے کی کوئی بات نہیں تھی۔
افشاں اور سکندر گھر آ گئے تھے‘ کل سارا دن کی بھاگ دوڑ اور پھر ہسپتال کی خواری دونوں ہی گھر آ کر سو گئے تھے۔ کالج سے دونوں نے ہی چھٹی کی تھی‘ دوپہر میں افشاں کھانا تیار کرکے خالہ بی کے ساتھ ہسپتال چلی گئی تھی جبکہ سکندر کچھ دیر تو یونہی اپنے بستر پر لیٹا رہا تھا پھر اٹھ کر نہایا دھویا‘ کھانا کھایا۔
وہ گھر سے نکل آیا تھا‘ کالج جانے کا کوئی فائدہ نہ تھا وہ سیدھا وویمن ہاسٹل پہنچا تھا نجانے کیوں اس کا ذہن مسلسل لالہ رخ کی ذات میں ہی الجھا ہوا تھا‘ لالہ رخ ایک خوب صورت لڑکی تھی لیکن خوب صورتی سے زیادہ سکندر کو لالہ رخ کی سلجھی ہوئی فطرت اور رکھ رکھاؤ نے متاثر کیا تھا۔ وہ ہاسٹل آیا وارڈن سے ملاقات ہوگئی تھی‘ وارڈن خوش اخلاقی سے ملی تھی اور جب سکندر نے لالہ رخ سے ملنے کا کہا تھا تو وارڈن نے بتایا کہ وہ آج صبح ہاسٹل سے جاچکی ہے اس کے گھر سے کوئی لینے

آیا تھا۔ البتہ وہ سکندر کے نام ایک لفافہ وارڈن کو دے گئی تھی لالہ رخ نے خصوصاً تاکید کی تھی کہ یہ لفافہ سکندر سبحان احمد تک پہنچا دیا جائے۔

''اچھا ہوا تم خود ہی آ گئے مجھے کسی کو تمہارے پاس بھیجنا نہیں پڑا۔'' بند لفافہ سکندر کو دیتے وارڈن نے کہا تو سکندر محض مسکرا دیا تھا۔

نجانے وہ کل کیا کہنا چاہتی تھی' سکندر کے اندر ملال جاگنے لگا' کیا تھا وہ کچھ دیر اور رک کر اس کی بات سن لیتا۔ دو بھیگی آنکھیں مسلسل یاد آتی رہی تھیں' وہ رات بھر ڈسٹرب رہا تھا۔ وہ لفافہ لے کر وارڈن کا شکریہ ادا کرتے وہاں سے چلا آیا تھا۔ گھر آیا تو افشاں ابھی تک نہیں آئی تھی' سکندر اپنے کمرے میں آ گیا تھا۔ اس نے لفافہ کھولا تو اندر سے سفید کاغذ پھسل کر گود میں گرا' کاغذ پر خوب صورت رائٹنگ میں الفاظ پھولوں کی مانند بکھرے ہوئے تھے۔

''السلام علیکم!

مجھے سمجھ نہیں آ رہی کہ میں آپ کو کن الفاظ میں مخاطب کروں' آپ میرے استاد ہیں اور میرے لیے قابل عزت اور محترم ہستی ہیں۔ میں نے آج سارا دن آپ کا بہت انتظار کیا لیکن آپ کو نہیں آنا تھا آپ نہ آئے۔ میں رات گئے تک ہاسٹل کے ویٹنگ روم میں بیٹھی دروازے کو دیکھتی رہی کہ شاید ابھی کوئی آپ کی آمد کا پیغام لے کر آ جائے اور پھر رات کے دس بجے میں نامراد ہی اٹھ کر اپنے کمرے میں چلی آئی۔ مجھے اندازہ ہے کہ میرے کل کے جملے اور میرا یہ خط آپ کو پریشان کر رہا ہوگا لیکن نجانے کیوں مجھے لگا تھا کہ آپ دنیا کے واحد وہ شخص ہیں جس سے میں دل کی ہر بات شیئر کر سکتی ہوں۔ میں اپنے کل کے پرپوزل کے بارے میں وضاحت کرنے سے پہلے آپ کو اپنے بارے میں کچھ بتانا چاہتی ہوں۔

میں ایک بہت دولت مند' کھاتے پیتے گھرانے سے ہوں' میری ماں کا گھر جدی پشتی رئیس گھرانہ تھا۔ میرے نانا مختار احمد ایک مل اونر انسان تھے۔ میری ماں میرے نانا کی اکلوتی بیٹی تھیں' خوش قسمتی سے نانا کو وراثت میں بہت کچھ ملا تھا' میری نانی بیٹی کی پیدائش پر کم عمری میں ہی چل بسی تھیں' میرے نانا نے میری والدہ کی تربیت بہت ناز و نعم میں کی تھی۔ میرے والد کا نام اشفاق احمد تھا' میرے والد میرے نانا کی فیکٹری میں ایک معمولی ورکر تھے لیکن بہت جلد انہوں نے اپنی ذہانت اور مختلف خیالوں سے میرے نانا تک رسائی حاصل کر لی تھی۔ دیکھتے ہی دیکھتے وہ نانا کی فیکٹری میں بہت اونچے عہدے پر فائز ہو گئے' میرے والد میرے نانا کے بہت منظور نظر تھے وہ ہر فیصلہ میرے والد کے مشورے سے کرتے تھے۔ نجانے میرے والد صاحب نے میرے نانا پر کیسا جادو کیا تھا کہ خاندان کے اعلیٰ سے اعلیٰ لڑکے کو ٹھکرا کر انہوں نے اپنی اکلوتی بیٹی کی شادی میرے والد سے کر دی تھی جس پر میرے نانا کے سارے خاندان نے ان سے قطع تعلقی اختیار کر لی تھی۔ اب میرے والد میرے نانا کے کاروبار میں مالک کی حیثیت رکھتے تھے۔ میرے والد کے ایک بھائی تھے ان کا ایک بیٹا ہمایوں تھا' ماں باپ بچپن میں ہی انتقال کر گئے تو ہمایوں چچا کے زیر سایہ یعنی ہمارے گھر میں پرورش پانے لگا تھا۔

میرے والد جو ایک معمولی غریب گھرانے سے تعلق رکھتے تھے وہ اور ان کا بھتیجا اب دولت کی ریل پیل میں زندگی گزارنے لگے تھے۔ جوں جوں وقت گزرتا گیا میرے والد کا کاروبار میں اس قدر ہولڈ ہو گیا کہ نانا کی حیثیت ایک بے کار سے پرزے کی سی ہوتی چلی گئی تھی' جب تک نانا کو میرے والد کی اصلیت کا علم ہوا سب ہی کچھ ہاتھ سے پھسل چکا تھا۔

نانا اور ابا کی شدید لڑائی ہوئی اور پھر چند دن بعد ایک کار ایکسیڈنٹ میں نانا کی ڈیتھ ہو گئی اور میری ماں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے معذور ہو گئی' میری ماں جو میرے باپ کی اصلیت سے اچھی طرح باخبر ہو چکی تھیں لیکن شوہر کے سامنے بالکل بے بس تھیں۔ مرنے سے پہلے میرے نانا اپنی تمام پراپرٹی میرے نام کر گئے تھے جو میری شادی کے بعد میرے شوہر

کے اختیار میں چلی جاتی تھی۔ میری ماں نے شروع سے ہی میری تربیت بہت مختلف انداز میں کی تھی۔ میرا باپ ایک آوارہ، نشئی اور بدکار انسان تھا گھر کے ماحول کو دیکھتے ہوئے میری ماں نے مجھے ہمیشہ ہاسٹلز میں رکھا تھا۔ نانا کے انتقال کے بعد اب مکمل طور پر ساری جائیداد کا کنٹرول میرے باپ اور اس کے بھتیجے کے ہاتھ میں چلا گیا تھا۔ میری ماں کی حیثیت بس ایک فالتو ناکارہ پرزے کی سی تھی۔

پچھلی دفعہ جب میں گھر گئی تو میری ماں نے بتایا تھا کہ میرے امتحان ختم ہوتے ہی میرا باپ مجھے واپس بلوالے گا اور میری شادی ہمایوں سے کردے گا جبکہ میں ایسا نہیں چاہتی۔ ہمایوں ایک بگڑا ہوا بدقماش آوارہ انسان ہے، جس کا اولین شوق بے تحاشہ پیسہ اڑاتا ہے اور اس کے بعد نشے میں دھت ہوکر عورت سے کھیلنا۔ اس شخص کا وجود میرے لیے ہمیشہ ایک عذاب کی مانند رہا اور اس عذاب سے بچانے کے لیے میری ماں نے مجھے ہمیشہ ہاسٹلز میں رکھا تھا۔ میرا باپ اور ہمایوں مجھ سے شادی صرف اور صرف تمام جائیداد پر قبضہ کرنے کے لیے کرنا چاہتے ہیں جبکہ میں ہمایوں سے شادی نہیں کرنا چاہتی۔

آپ کو دیکھا تو دل میں عجیب سے احساسات پیدا ہونے لگے تھے لیکن میری ماں کی تربیت نے مجھے ہمیشہ اپنی حدود کی قید میں رکھے رکھا۔ پچھلی دفعہ جب میری ماں نے بتایا کہ میرا باپ اب میری شادی ہمایوں سے کردے گا تو میں پریشان ہوگئی تھی تب میری ماں نے مجھے کہا کہ اگر میرے اردگرد ہمایوں سے بہتر کوئی قابل بھروسہ انسان ہے تو میں اس کو بلوالوں ماں سے ملوادوں تب میرے ذہن میں آپ کا خیال آیا لیکن وہ سب میرے یک طرفہ احساسات تھے۔

ایگزامز سے پہلے ایک بار میرا باپ میرے ہاسٹل آیا تھا اور مجھے اچھی طرح یاددہانی کروادی تھی کہ ایگزامز کے بعد وہ مجھے لینے آئیں گے اور پھر میری ہمایوں سے شادی ہوجائے گی۔ میرے پاس ہمایوں جیسے عفریت سے بچنے کے لیے کوئی رستہ نہیں، میں نے بہت سوچا تو ہر بار آپ کا خیال ذہن میں آیا۔ مس افشاں آپ کی کزن ہیں یہ جاننے کے بعد ہی میں نے آپ کے سامنے شادی کا پرپوزل رکھا تھا۔

آج صبح مجھے واپس شہر چلے جانا ہے اور شاید میری شادی بھی ہوجائے لیکن میں دل میں کوئی خلش اور ملال نہیں رکھنا چاہتی تھی کہ ڈوبنے سے پہلے میں بچاؤ کے لیے ہاتھ پاؤں نہ مار سکی تھی۔ ایک لڑکی ذات ہوکر ایک مرد کی طرف بڑھنا یقیناً یہ میرے لیے کسی عذاب سے کم نہ تھا لیکن میں مجبور تھی۔ مجھے نہیں پتا آپ میرے بارے میں کیا خیال رکھتے ہیں، مجھے اس پرپوزل کے بعد کس قسم کی لڑکی سمجھ رہے ہیں لیکن میں یہ سب کرنے پر مجبور تھی۔ آپ نے مجھے کوئی امید نہیں دلائی تھی لیکن اس کے باوجود میں نے رات دس بجے تک انتظار کیا تھا۔

اب صبح میں چلی جاؤں گی اور شاید میری شادی بھی ہوجائے لیکن میں آپ کو کبھی بھول نہیں پاؤں گی۔ میرے دل میں آپ سے متعلق جو احساسات اور جذبات ہیں وہ کبھی نہ مر پائیں گے...... کبھی بھی نہیں۔

فقط

لالہ رخ"

خط کیا تھا ایک طوفان بے کراں تھا۔ سکندر کو لگا اس کے اندر ایک عجیب سی ہیجانی کیفیت پیدا ہونے لگی تھی۔ ایک لڑکی اس کی ذات کا سوچ کر اس کی طرف ایک امید لے کر بڑھی تھی اور اس نے اسے مایوس کردیا تھا۔ نجانے وہ کس حالت میں ہاسٹل سے نکلی تھی، سکندر کو رہ رہ کر وہ بھیگی ہوئی دو آنکھیں یاد آنے لگیں۔ وہ محبت کو نہیں مانتا تھا، وہ محبت جذباتیت ہر چیز کو بے معنی تصور کرتا تھا لیکن یہ خط پڑھنے کے بعد سکندر کو لگ رہا تھا کہ گویا اس کا پورا وجود کسی ان دیکھی آگ میں جلنے لگا ہے۔ کوئی چیز، کوئی احساس اسے لالہ رخ کی طرف کھینچ رہا تھا۔ وہ بے انتہا بے کل ہوچکا تھا، فطرتاً

وہ ایک نرم دل انسان تھا۔

شاید نرم دلی اسے اپنی ماں سے ملی تھی لیکن جو بھی تھا لالہ رخ کے حالات پڑھ کر سکندر کے اندر اس کی ذات سے ایک عجیب سا لگاؤ پیدا ہوگیا تھا۔ اگلے کئی دن تک سکندر بے چین، پریشان اور مضطرب رہا تھا۔ صبوحی ٹھیک ہوکر اپنے گھر آچکی تھی اس نے بیٹے کا نام احسن رکھا تھا۔ ضیاء کے باہر جانے کے انتظامات مکمل ہوگئے تھے، سکندر کے پاس بھی اب اتنے وسائل تو ہوگئے تھے کہ وہ اب آرام وسکون سے واپس پلٹ سکتا تھا لیکن نجانے کیا بات تھی ابھی اتنی جلدی واپس پلٹنے کو دل نہیں کررہا تھا۔ اس نے سوچا کہ واپس تو جانا ہی ہے کیوں نہ وہ کچھ عرصہ ادھر رہ کر جائے۔

وہ ایک دو بار لالہ رخ کا پتا کرنے اس کے ہاسٹل بھی گیا تھا، وارڈن ایڈریس دینے پر راضی نہ ہوئی تھی۔ کالج گھر اور بس اپنی سوچوں کا لامتناہی صحرا، زندگی عجیب سی ہوتی چلی گئی تھی۔ اس کی زندگی میں بالکل اچانک ایک دھماکہ ہوا تھا اور پھر اس کی زندگی ہی بدل گئی تھی۔ ایسا دھماکہ جس نے افشاں کو بہت بدظن کردیا تھا۔

❀......❀......❀

صبوحی ٹھیک تھیں اب باقی ٹریٹمنٹ گھر جاکر بھی ہوسکتا تھا۔ اسی سلسلے میں انتظامات ہورہے تھے، وقار صاحب اور انا ہسپتال میں تھے باقی لوگ گھر میں تھے۔ اس دوران بہت سے لوگ عیادت کو آئے تھے۔ ولید کے جاننے والے بھی آتے رہے تھے، وقار صاحب نے بتایا کہ ولید کے کمرے میں اسے کوئی لڑکی ملنے آئی ہے۔ ''لڑکی'' کے الفاظ سن کر انا کے کان کھڑے ہوئے تھے۔ لاشعوری طور پر وہ ایک دم پریشان ہوگئی تھی۔

اس نے وقار صاحب کو دیکھا وہ صبوحی بیگم کا سامان سمیٹ رہے تھے، وہ خاموشی سے کمرے سے نکلی تھی۔ دل میں عجیب سی کیفیت ہورہی تھی، وہ ولید کے کمرے میں آئی تو اندر سے آتی آواز سن کر رک گئی تھی۔ اس کا شک درست ثابت ہوا تھا اندر واقعی کاشفہ تھی۔

''مائی گاڈ مجھے خبر ملی تھی لیکن میں کچھ معمولی نوعیت کی چوٹیں ہیں، تمہیں پتا تو ہے ہم لوگ باہر شفٹ ہورہے ہیں بس اسی سلسلے میں مصروف تھی۔ میں تمہارے نمبر پر کال کرتی رہی لیکن نمبر بند ہوتا تھا اور تمہارے آفس کے نمبر پر کوئی کال ریسیو نہیں کرتا تھا۔'' کاشفہ کہہ رہی تھی، انا کے اندر ایک آگ نے سر اٹھایا تھا۔

''تم خفا ہو مجھ سے؟'' ولید خاموش تھا اور کاشفہ نے پوچھا تھا۔

''آئم سوسوری..... تم جانتے ہو میں تم سے کتنی محبت کرتی ہوں، میں نے جو بھی رویہ رکھا تمہاری محبت میں ہی ہے لیکن پلیز اس طرح خفا مت رہو۔'' کاشفہ کی لجاجت بھری آواز سنائی دی تھی۔

''تم اس وقت یہاں سے چلی جاؤ۔'' جواباً ولید نے بہت سرد لہجے میں کہا تھا۔

''لیکن ولید......''

''میں نے کہا نکل جاؤ یہاں سے۔'' وہ حلق کے بل چیخا تھا۔ انا ایک دم خوف زدہ ہوکر کمرے میں داخل ہوئی تھی، دونوں نے بے اختیار اسے دیکھا تھا۔ کاشفہ کی نگاہ اس پر پڑتے ہی اس کی آنکھوں میں چنگاریاں سی بکھر گئی تھیں۔

''کیسی ہو انا؟'' اسے سنجیدگی سے دیکھتے کاشفہ نے کہا تھا، انا نے بے اختیار ولید کو دیکھا جو لب بھینچے چہرہ موڑے ہوئے تھا۔

''تمہارا نمبر بند، تم تک پہنچنے کا کوئی رستہ ہی نہیں تھا سوچا کہ تم سے اسی بہانے مل لوں گی اچھا ہوا تم خود ہی یہاں آگئیں۔'' انا کے قریب آکر سرگوشی میں اس نے کہا تھا۔ انا نے فوراً ولید کو دیکھا۔ وہ اسے ہی دیکھ رہا تھا، آنکھوں میں عجیب سا تاثر تھا۔

"مجھے تم سے نہیں ملنا۔" وہ نفرت سے بڑبڑائی۔

"ملنا تو پڑے گا ہی' تم شاید ان سائن شدہ کاغذات کو بھول رہی ہو تو میں یاد کروا دوں ان پر ہم کچھ بھی لکھوا کر تمہارے خلاف کچھ بھی کر سکتے ہیں۔" کاشفہ کی دھمکی آمیز سرگوشی اب بھی اس طرح برقرار تھی۔ انا نے ولید کو دیکھا جس کے چہرے کے عضلات بھی ناقابل فہم قسم کی سرخی کی لپیٹ میں آئے ہوئے تھے اس سے پہلے کہ کاشفہ مزید بدکلامی کرتی انا تیزی سے کمرے سے نکل گئی تھی۔

"اوکے ولید پھر ملاقات ہوگی' بائے۔" انا کے کمرے سے نکلتے ہی کاشفہ نے بھی ولید سے کہا اور تیزی سے کمرے سے نکلی تھی۔ انا راہداری کے آخری کونے میں باہر کی طرف منہ کیے ہاتھوں میں چہرہ چھپائے رو رہی تھی۔

"تمہارے تو بڑے مزے ہیں' ولید جیسے بندے کی کیئر ٹیکر بنی ہوئی ہو تمہارے تو مزے ہی مزے......" انا نے تڑپ کر اسے دیکھا تھا' اس نے فوراً اپنی آنکھیں صاف کی تھیں۔

"جب سب کچھ تمہاری حسب منشا ہو چکا ہے تو اب کیا چاہتی ہو' میری جان چھوڑ کیوں نہیں دیتیں۔" انا چیخی تھی' جبکہ کاشفہ مسکرائی تھی۔

"دھیرج سے مائی ڈیئر! دھیرج سے...... میرے سامنے چلاؤ گی تو اپنا ہی نقصان کرو گی۔" انا نے بہت نفرت سے اسے دیکھا تھا۔

"میں ولید کی زندگی سے نکل چکی ہوں' وہ مجھ سے نفرت کرتا ہے۔ میں نے وہ سب کیا جو مجھے ولید کی ذات سے دور کر سکتا تھا۔ میری فیملی تک مجھ سے بدظن ہو گئی ہے اس سے زیادہ اور کیا کروں میں۔"

"وہ سب جو ولید کو میری طرف آنے پر مجبور کردے۔ میری فیملی باہر شفٹ ہو رہی ہے لیکن میں تب تک یہیں ہوں جب تک ولید مجھے مل نہیں جاتا۔ میں تمہاری تب تک جان نہیں چھوڑوں گی' جب تک ولید خود میری طرف نہ آجائے۔"

"میں اب کچھ نہیں کروں گی' تم نے جو کرنا ہے کرلو۔ میں تمہاری زرخرید نہیں جو تمہارے اشاروں پر ناچوں۔ تم ایک بار مجھے دھوکے سے اپنے ساتھ لے گئی تھیں لیکن ضروری نہیں ہر بار میں تمہارے دھوکے میں آجاؤں' تمہاری اصلیت کیا ہے یہ سب مجھ پر ظاہر ہو چکا ہے۔" وہ چیخ کر بولی تھی' کاشفہ نے اسے مسکرا کر دیکھا۔

"اوکے اب تم دیکھنا میں کیا کرتی ہوں' ولید اگر مجھے حاصل نہ ہوا تو میں اسے اس قابل بھی نہیں چھوڑوں گی کہ وہ تمہاری طرف آئے۔" انا نے بہت تلخی سے دیکھا تھا۔ وہ اس کو نفرت سے دیکھتی تیزی سے بھاگ کر وہاں سے نکل کر صبوحی کے کمرے کی طرف آئی تھی۔ کاشفہ نے بہت نفرت سے اسے جاتے دیکھا تھا۔

کمرے کے پاس آکر انا نے رک کر اپنے بہتے آنسوؤں کو بے دردی سے صاف کیا تھا' وہ ایک غلطی کر چکی تھی اور اب اسے اپنی اس غلطی کی سزا تاعمر بھگتنا تھی۔ وہ شہوار کے سامنے سب کچھ کہہ کر دل کا بوجھ ہلکا کر چکی تھی لیکن ولید کی ذات پر شک کر کے کاشفہ پر اندھا اعتماد کرتے اس نے اپنے ضمیر پر جو بوجھ لاد لیا تھا وہ شاید اب تاعمر اسی طرح برقرار رہنا تھا۔ یہ اس کی سزا تھی اور اسے یہ سزا اب جھیلنا ہی تھی۔ خود کو سنبھالتے' کمپوز کرتے اچھی طرح چہرہ صاف کرتے وہ واپس کمرے کی طرف بڑھی تھی۔

❀......❀......❀

مہرالنساء بیگم کو شام کے بعد انفارم کر دیا گیا تھا' وہ فوراً ہسپتال آئی تھیں' رات ان لوگوں کی ہسپتال میں گزری تھی۔ اگلے دن ڈاکٹر نے کچھ میڈیسن اور بہت ساری ہدایات دیتے ڈسچارج کر دیا تھا' مہرالنساء بیگم اچھی خاصی پریشان تھیں۔ امجد خان مختلف جگہوں پر چھاپے مار رہا تھا لیکن ایاز کا کہیں بھی کوئی سراغ نہیں مل رہا تھا۔ عبدالقیوم بھی آج کل کہیں منظر سے

غائب تھا' البتہ اس کی بیوی اور دونوں بیٹیاں ابھی پاکستان میں ہی تھیں۔ کسی مخبر نے اطلاع دی تھی کہ عبدالقیوم خاموشی سے باہر شفٹ ہو رہا ہے اسی سلسلے میں وہ پاکستان سے باہر ہے۔ مصطفیٰ نے ان کے گھر کے اردگرد سخت قسم کا پہرہ لگوادیا تھا۔ اسے ایک دو دن میں ہر حال میں ایاز چاہیے تھا' مصطفیٰ بہت بپھرا ہوا تھا وہ اب ایاز کو کسی بھی قسم کی ڈھیل دینے کو تیار نہ تھا۔ اس نے کوشش کرتے ایاز کی ضمانت بھی کینسل کرادی تھی۔ دو تین دن اسی بھاگ دوڑ میں گزر گئے تھے' مصطفیٰ اس دن گھر آیا تو شہوار سو رہی تھی' ڈاکٹر نے اسے بیڈ ریسٹ کی تاکید کی تھی۔ سو وہ زیادہ تر آرام ہی کر رہی تھی۔

مہرالنساء بیگم اور لائبہ بھابی خصوصی طور پر اس کا خیال رکھ رہی تھیں۔ مصطفیٰ چینج کر کے کمرے سے باہر آیا تو دریہ لاؤنج میں بیٹھی چینل سرچنگ کر رہی تھی۔ ان گزرے دو تین دنوں میں مصطفیٰ کا دریہ سے سامنا نہیں ہوا تھا۔

''شہوار نے بتایا تھا جب تک وہ نقاب پوش اس پر گن تانے کھڑا رہا تھا تم کہیں بھی نہ تھیں۔'' دریہ کو دیکھ کر مصطفیٰ کو شہوار کی بات یاد آئی تو اس نے پوچھ لیا۔

''میں بہت ڈر گئی تھی مجھے لگا کہ ابھی گولی چل جائے گی میں تو عمارت سے باہر ہی نہ نکلی تھی۔''

''تمہیں عمارت سے نکل کر دیکھنا تو چاہیے تھا نا وہاں کیا ہو رہا ہے۔'' مصطفیٰ نے برہمی سے کہا تو دریہ نے چہک کر کہا۔

''خوامخواہ ہی...... وہاں ڈرائیور سیکیورٹی گارڈ کچھ نہ کر سکے تھے تو میں کیا کر لیتی' مجھے مرنا نہیں تھا۔''

''اور اگر شہوار کو کچھ ہو جاتا یا ڈرائیور کو ہی...... تم جانتی تھیں کہ شہوار کس کنڈیشن میں ہے وہ باہر کا کھانا نہیں کھاتی' ہوٹلنگ اسے سختی سے منع ہے اس کے باوجود تم میکڈونلڈ گئیں۔'' نجانے کیوں مصطفیٰ کو اس بات سے بہت الجھن ہو رہی تھی۔

ایاز وہاں پیچ ہو کر گاڑی لے کر کسی کے ساتھ آیا تھا' اس نے چہرے پر نقاب ڈال رکھا تھا اس کے ساتھی نے بھی' سوچنے کی بات تھی کہ ایاز کو کیسے علم ہوا تھا کہ شہوار اس گاڑی میں موجود ہے اور گاڑی میں تنہا ہے۔ ایاز نے اسی وقت حملہ کیا تھا جب دریہ اور ڈرائیور دونوں گاڑی سے نکل کر عمارت کے اندر گئے تھے۔ نجانے کیوں اسے لگ رہا تھا کہ جیسے یہ سب ایک طے شدہ پلان کے تحت ہوا تھا' اگر پلان نہیں بھی تھا تو بھی ایاز گاڑی کا پیچھا تو ضرور کر رہا ہوگا اور مصطفیٰ ڈرائیور کو اچھی طرح سمجھا چکا تھا کہ کوئی مشکوک حرکت دیکھے فوراً اسے کال کرے وہ اگر کوئی ایسی ویسی گاڑی دیکھتا تو کم از کم مصطفیٰ کو تو ضرور بتاتا۔

''وہ نہیں کھاتی تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ سب ہی نہیں کھاتے' مجھے بھوک لگی تھی میں نے گاڑی رکوالی اب مجھے کیا علم تھا کہ ایک دم تمہاری وائف کا یہ ایکس بوائے فرینڈ آٹپکے گا۔'' دریہ نے نخوت سے کہا۔

''شٹ اپ......'' دریہ کے آخری الفاظ نے مصطفیٰ کو گویا آگ ہی لگادی تھی۔

''شہوار کو میں تم سے زیادہ اچھی طرح جانتا ہوں اس لیے فضول گوئی سے پرہیز ہی کرو ورنہ منہ توڑ دوں گا تمہارا۔'' مصطفیٰ نے خاصی اونچی آواز میں کہا تھا۔ مہرالنساء بیگم فوراً وہاں آئی تھیں۔

''کیا ہوا؟'' انہوں نے حیرت سے دیکھا۔

''دیکھیں آنٹی یہ مصطفیٰ میری بے عزتی کر رہا ہے' وہ بھی عام سی شہوار کے لیے۔'' دریہ نے تو ایک دم رونا شروع کر دیا۔ مہرالنساء بیگم نے ناسمجھی سے دریہ اور مصطفیٰ کو دیکھا۔

''اگر تم ایسی گھٹیا زبان استعمال کرو گی تو مجھ سے برا کوئی نہیں ہوگا۔'' مصطفیٰ نے انگلی اٹھا کر وارن کیا' دریہ نے کھا جانے والی نظروں سے دیکھا۔

”کوئی جتنا بھی اعلیٰ وارفع لباس پہن لے کبھی اپنی اصل شناخت نہیں چھپا سکتا۔ میرا منہ توڑنے کی بجائے اپنی وائف سے جا کر پوچھو جس کے پیچھے اس کا ایکس بوائے فرینڈ پاگلوں کی طرح دندناتا پھر رہا ہے۔“ دریہ نے جواباً دوبدو کہا تھا۔

”دریہ......“ مہرالنساء بیگم کی آواز ایک دم گونجی تھی۔ ”تم ہماری بچی ہو تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہم خاموشی سے تمہیں شہوار کے متعلق جو مرضی بولنے کی اجازت دے دیں گے۔“ انہوں نے بہت غصے سے کہا تھا۔ مصطفیٰ نے ناگواری سے گھورا۔

”ہمیں پہلے بھی شہوار سے متعلق تمہاری بدزبانی کی خبر ملتی رہی تھیں‘ ہم محض بات بڑھنے کی وجہ سے خاموش تھے لیکن اس خاموشی کا یہ قطعی مطلب نہیں کہ تم ہماری خاموشی کا ناجائز فائدہ اٹھاؤ۔“ مہرالنساء بیگم کا انداز قطعی تھا۔ دریہ نے کچھ کہنا چاہا تو انہوں نے ہاتھ اٹھا کر روک دیا تھا۔

”ہمارے بچے بڑوں کا ادب و لحاظ کرنے والے ہیں‘ ہمارے بچوں نے آج تک ہمارے سامنے بولنے کی گستاخی نہیں کی بھلے ہم غلط بھی ہوں۔ تم ہماری مہمان ہو آئندہ خیال رکھنا کہ تم کس گھرانے کی فرد ہو اور اس گھر کے کیا اصول و ضوابط ہیں۔ یہ حسب و نسب پر تفاخر ہمیں زیب نہیں دیتا۔“ انہوں نے دوٹوک انداز میں بات مکمل کی تھی‘ دریہ کا چہرہ احساس توہین سے لال بھبھوکا ہو گیا تھا۔

”اور ہاں‘ ہم کردار اور شرافت کو فوقیت دیتے ہیں اور ہم اچھی طرح جانتے ہیں کہ کون کتنے پانی میں ہے‘ میرا منہ نہ کھلواؤ تو بہتر ہوگا۔“ مہرالنساء بیگم کے الفاظ پر دریہ لب بھینچ کر تیزی سے وہاں سے بھاگ کر اپنے کمرے میں بند ہو گئی تھی۔ مہرالنساء بیگم نے پرسوچ نظروں سے اسے جاتے دیکھا اور پھر سرخ چہرہ لیے کھڑے مصطفیٰ کو۔

”ہمیں اس سے بہت پہلے بات کرلینی چاہیے تھی‘ میں نے کئی بار نوٹ کیا تھا کہ اس کا رویہ شہوار کے ساتھ اچھا نہیں‘ لائبہ بھی کئی بار بتا چکی تھی لیکن یہ اس قدر گستاخی پر اتر آئے گی میں نے کبھی سوچا بھی نہ تھا۔“ ماں کے الفاظ پر مصطفیٰ نے ایک گہرا سانس لیا۔

”بہرحال‘ ہم نے اس کی طبیعت اچھی طرح صاف کردی ہے سمجھ گئی تو ٹھیک ورنہ اس کے ماں باپ کو کہوں گی کہ وہ اسے واپس بلوالیں‘ وہاں جیسا مرضی رشتہ دیکھ کر شادی کردیں پھر ہماری ذمہ داری نہیں ہوگی۔“ وہ کہہ کر وہاں سے چلی گئی تھیں۔ مصطفیٰ ایک گہرا سانس لیتے واپس کمرے میں آیا تو شہوار اٹھ کر بستر پر بیٹھی ہوئی تھی‘ کسی سوچ میں گم تھی۔ مصطفیٰ کو دیکھ کر سیدھی ہوئی تھی۔

”آج جلدی گھر آگئے؟“ اس نے پوچھا تھا‘ مصطفیٰ مسکرا کر اس کے ساتھ بستر پر بیٹھ گیا تھا۔

”تمہاری طبیعت کی وجہ سے جلدی آگیا‘ اب کیسی طبیعت ہے؟“

”بہتر ہوں۔“

”ڈاکٹر کے پاس دوبارہ کب جانا ہے؟“ اس کے بالوں کی لٹ چہرے پر جھول رہی تھی نرمی سے کان کے پیچھے اڑستے پوچھا تو شہوار نے ایک گہرا سانس لیا۔

”کل جانا ہے‘ میری اسٹڈی کا بہت حرج ہو چکا ہے‘ اگلے مہینے ایگزامز شروع ہو جائیں گے اور مجھے نہیں لگتا اس بار میں یا اتنا یا ایگزامز کلیئر کر پاؤں گی۔“ شہوار نے کہا مصطفیٰ نے سر ہلایا۔

”اگر کہتی ہو تو کسی ٹیوٹر یا اکیڈمی کا بندوبست کروا دیتے ہیں۔“

”اس حالت میں مجھ سے کچھ نہیں ہو پائے گا‘ میں باہر نکلوں گی تو ہر لمحے ایاز کا خوف سوار رہے گا۔ میرے اعصاب

اس مسلسل خوف سے چیخنے لگے ہیں اب' مجھے لگتا ہے میرے دماغ کی نس کسی دن پھٹ جائے گی۔ یہ شخص کسی آسیب کی طرح میری سوچوں سے چمٹ گیا ہے' جب تک میری اپنی ذات پر سکون تھی کہ کچھ نہیں ہوگا لیکن اب میں اپنے بچے کو کوئی نقصان ہوتا نہیں دیکھ سکتی۔ اس بار قسمت کی مہربانی سے بچ گئی ہوں لیکن ضروری نہیں اگلی بار زندہ بھی بچ سکوں۔" شہوار واقعی بہت خوف زدہ تھی۔

پچھلے دو تین دنوں سے وہ مسلسل بے آرام تھی' ماں جی اور لائبہ بھابی خصوصی خیال رکھ رہی تھیں لیکن اس کے ذہن پر جو ڈپریشن سوار ہوا تھا اس کا اتنی جلدی کوئی بھی علاج نہ تھا۔

"ایسا کچھ نہیں ہوگا' اپنے ذہن کو ریلیکس رکھو۔" مصطفیٰ نے محبت سے کہتے اسے اپنے حصار میں لیا۔

"آپ تو مجھ سے سخت ناراض تھے نا۔" اس نے شکوہ کیا تو مصطفیٰ ہلکا سا مسکرایا۔

"نہیں...... نہ ناراض تھا اور نہ ہی بدظن' تم ایک بہت بہادر ڈاکٹر ہو' سو اپنے ذہن سے ہر طرح کی نیگیٹو سوچ نکال کر ریلیکس رہو۔"

"اور اگر پھر کہیں سے ایاز آ گیا تو......؟" اس کے اندر سے یہ خوف نہیں نکل پا رہا تھا۔ مصطفیٰ نے بہت ضبط سے اسے دیکھا تھا۔

"جب تک میں زندہ ہوں ایسا کچھ نہیں ہونے دوں گا جو تمہیں یا ہماری لائف کو نقصان پہنچائے۔ امجد خان مسلسل ایاز کے پیچھے لگا ہوا ہے' وہ روپوش ہے۔ اس کا باپ کہیں باہر کے ملک میں بھاگ گیا ہے' اس کے گھر کی خواتین ابھی پاکستان میں ہی ہیں' سب پر کڑی نگاہ رکھی ہوئی ہے اس بار ایاز زندہ بچ کر نہیں جائے گا۔" مصطفیٰ نے اسے ساتھ لگا کر اس کا سر تھپتھپایا تو شہوار نے ایک گہرا سانس لیا' آنکھوں میں نمی تھی۔

"امی کا کچھ پتا چلا؟" ہر دوسرے تیسرے دن وہ ایک آس لیے یہ سوال کرتی اور ہر بار نا امید ہو جاتی۔

"ہاں...... بہت کچھ پتا چل چکا ہے لیکن ابھی بہت سے اسرار باقی ہیں جن پر پردہ ہنوز برقرار ہے۔"

"کیا واقعی؟" وہ حیران ہوئی۔ بے اختیار نم آلود آنکھوں سے مصطفیٰ کو دیکھا اس نے ہاں میں سر ہلایا تو اس کی آنکھوں کی نمی بے اختیار گالوں پر سرائیت کر گئی۔

"تو پھر آپ مجھے امی کے پاس لے چلیں نا۔ مجھے ان سے ملنا ہے' اتنے ماہ ہو گئے ہیں میں نے ان کو دیکھا تک نہیں۔" وہ بے قرار سی ہو گئی تھی۔

"ہم بہت جلد ان تک پہنچیں گے' یوں سمجھ لو ابھی بہت سی پیچیدگیاں باقی ہیں' بس ان کے بارے میں ابھی صرف کچھ کلیوز ملے ہیں۔ ہم بہت جلد ان تک پہنچ جائیں گے تو پھر تمہیں بھی ان کے پاس لے جائیں گے یوں سمجھ لو کہ بس اب کچھ دنوں کا انتظار ہے پھر تابندہ بوا ہم سب کے سامنے ہوں گی۔" مصطفیٰ نے تسلی دی تو شہوار کے اندر ایک دم امید سی جاگی تھی۔ مصطفیٰ نے محبت سے اس کے رخساروں پر بہتے آنسو صاف کیے تھے۔

"جب تک ایاز پکڑا نہیں جاتا مجھے کہیں نہیں جانا' میں یہیں گھر میں ہی رہوں گی۔ میں کالج بھی نہیں جاؤں گی' مجھے بہت ڈر لگنے لگا ہے' خدانخواستہ ہمارے بچے کو کچھ ہو جاتا تو......" وہ پھر اسی ہولناک منظر کو یاد کر کے خوف زدہ ہونے لگی تھی۔ مصطفیٰ نے بہت بے بسی سے ہونٹ بھینچے تھے یہ بات تو اسے بھی کسی تیز دھار آلے کی طرح کاٹ رہی تھی۔ اگر خدانخواستہ واقعی شہوار کو کچھ ہو جاتا تو یا ان کے بچے کو...... مصطفیٰ نے بہت ضبط سے شہوار کا سر تھپتھپاتے اسے تسلی دینا چاہی تھی جبکہ اپنے اندر ایک طوفان برپا تھا۔ جو ایاز کو فوراً سے کہیں سے نکال کر ملیامیٹ کر دینے کو بھڑ رہا تھا۔

❁......❁......❁
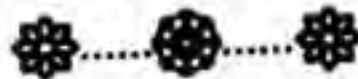
صبوحی گھر آ چکی تھی' ہلکا پھلکا سہارے سے وہ چل پھر بھی رہی تھیں۔ آج بہت دنوں بعد انا کالج گئی تھی' ایک ماہ بعد ایگزامز کا شیڈول جاری ہوگیا تھا۔ اس کا گزرے دنوں میں اتنا حرج ہو چکا تھا کہ حد نہیں اسے سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ وہ اس سب کو کیسے کور کرے۔ شہوار بھی کالج نہیں آ ئی تھی' وہاں موجود کسی بھی کلاس میٹ کو اس کی غیر حاضری کی وجہ کا علم نہ تھا بلکہ وہ تو گزشتہ دو تین دنوں سے آ ہی نہیں رہی تھی۔ وہ سارا دن تھک ہار کر گھر لوٹی اور وہ چینج کر کے کچن میں آ ئی تھی۔

آج بہت دن بعد کھانے کو جی چاہ رہا تھا' اس نے کھانا نکالا اور پانی لے کر ٹیبل کے گرد سے کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گئی تھی۔ روشی کچن میں داخل ہوئی تو انا کھانا کھا رہی تھی۔

"چائے پیو گی؟" چائے کا پانی رکھتے روشی نے پوچھا۔

"اگر بنا رہی ہو تو پی لوں گی ورنہ اسپیشلی میرے لیے بنانا چاہ رہی ہو تو پھر رہنے دو' میں کچھ دیر بعد میں پیوں گی جب سب پئیں گے۔" کھانا کھاتے اس نے کہا۔

"میں اپنے لیے بنا رہی تھی تو تمہارے لیے بھی بنا دیتی ہوں۔" انا خاموش ہی رہی۔

"آج مصطفیٰ بھائی کی پھوپو کی فیملی ولی بھائی کی عیادت کو آ ئی تھی۔" کھانا کھاتے انا کا ہاتھ ایک دم ساکت ہوا تھا۔

"آنٹی بتا رہی تھیں کہ ان کا بیٹا حماد کسی کام کے سلسلے میں دبئی گیا ہوا ہے' ایک ماہ بعد آئے گا۔ آنٹی رشتے کی بات کر رہی تھیں وہ چاہ رہی تھیں کہ بات طے کر لیتے ہیں منگنی یا ڈائریکٹ نکاح کی تقریب بعد میں ہو جائے گی۔" انا کو لگا کہ جیسے ایک دم اس کے اردگرد فضا میں آکسیجن کی شدید کمی ہو گئی ہو۔

"انکل نے کہا کہ انہیں کوئی اعتراض نہیں' جب وہ منگنی یا نکاح کا کہیں گے' ہم تیار ہو جائیں گے۔" انا نے اپنے کانپتے ہاتھوں سے ایک دم ڈائننگ ٹیبل کو تھاما تھا۔ اسے لگ رہا تھا جیسے اسے روشی کے الفاظ کی سمجھ ہی نہیں آ رہی۔

چائے بناتی بالکل نارمل انداز میں روشی اور بھی بہت کچھ کہہ رہی تھی لیکن انا ساکت سی ٹیبل کو مضبوطی سے تھامے بے حس و حرکت بیٹھی رہ گئی تھی۔

"پھوپو کہہ رہی تھیں کہ چند دن میں وہ اچھی طرح چلنے پھرنے کے قابل ہو جائیں گے تو پھر کوئی تقریب کر لیں گے۔" انا خاموشی سے اٹھی تھی۔

"کھانا کھا لیا' برتن سمیٹ دوں؟" اسے کھڑا ہوتے دیکھ کر روشی نے پوچھا۔ برتنوں میں کھانا ابھی بھی موجود تھا۔

"ہوں......" وہ صرف ہنکارا ابھر سکی تھی۔

"چائے ابھی تیار ہو جاتی ہے پی کر جانا۔" اسے باہر نکلتے دیکھ کر روشی نے کہا تو انا نے محض سر ہلایا تھا اور کچن سے نکل گئی تھی۔ روشی نے بہت خاموشی سے ایک نگاہ بچے ہوئے کھانے پر ڈالی اور پھر باہر نکلتے وجود پر۔ روشی نے لب بھینچ لیے تھے انا اپنے کمرے میں جانے کی بجائے باہر لان میں آ بیٹھی تھی۔

وہ رونا نہیں چاہتی تھی لیکن اسے لگ رہا تھا کہ جیسے اس کے اندر شدید گھٹن سی پیدا ہو گئی ہے۔ وہ شدید تھکی ہوئی تھی اس کا ارادہ کھانا کھا کر کچھ دیر سونے کا تھا لیکن اب ذہن سے سب کچھ محو ہو چکا تھا۔ وہ خاموشی سے گھاس پر بیٹھ گئی تھی' وہ کچھ دیر بیٹھی رہی۔ کچھ دیر بعد صغراں اسے چائے کا کپ تھما گئی تھی۔ یقیناً روشی نے بھیجا تھا انا کو لگا کہ جیسے وہ اتنے سارے ہجوم' اتنے رشتوں کی موجودگی کے باوجود بالکل تنہا ہو گئی ہے۔ چائے کا کپ اس نے گھاس پر رکھ دیا تھا' وہ بالکل ساکت اپنے ہی اندر اٹھتی آوازوں سے خوف زدہ لڑتی رہی تھی اور گھاس پر موجود چائے ٹھنڈی ہوتی رہی۔

"انا......" وہ چونکی' حیران ہو کر دیکھا۔ روشی کھڑی تھی اس کے ہاتھ میں اس کا موبائل تھا۔

"شہوار کی کال ہے۔" اس نے موبائل اس کی طرف بڑھایا' انا نے خاموشی سے موبائل تھام لیا تھا۔

"تم نے چائے نہیں پی۔" روشی نے ٹھنڈی چائے کو دیکھا تو انا نے بھی کپ کو دیکھا اور پھر بغیر کچھ کہے موبائل کان سے لگالیا تھا۔

"ہیلو......" روشی نے خاموشی سے کپ اٹھا لیا تھا۔ انا شہوار سے بات کرنے لگی تھی روشی ایک نگاہ اس پر ڈال کر ایک گہرا سانس لیتے وہاں سے چلی گئی۔

"میں ٹھیک ہوں' ہاں آج کالج گئی تھی لیکن تم نہیں آئی تھیں۔" روشی کے جانے کے بعد انا نے کہا۔ جواباً شہوار نے اپنے ساتھ بیتے جانے والے واقعے کی ساری روداد کہہ سنائی تو انا حیرت زدہ رہ گئی اُسے خود پر افسوس ہونے لگا۔

شہوار اس کی بیسٹ فرینڈ تھی' کبھی وہ وقت بھی تھا دونوں ایک دوسرے کے پل پل سے باخبر تھیں اور اب ان کو ایک دوسرے پر بیتی جانے والی کسی بھی قیامت کا کوئی علم ہی نہ تھا۔

"میں بہت ڈسٹرب ہوگئی ہوں' اب گھر سے نکلنے کو دل نہیں چاہتا۔ سوچ رہی ہوں کہ اس قدر خراب صورت حال میں نجانے کیسے ایگزامز ہوں' میں سمسٹر ڈراپ کردوں' بی کے بعد پھر سے جوائن کروں۔ تب تک شاید ایاز کا بھی کوئی فیصلہ ہو چکا ہوگا۔"

"حرج تو میرا بھی بہت ہو چکا ہے لیکن سمسٹر ڈراپ کرنے کے لیے میرے پاس کوئی خاص وجہ نہیں ہے' تم تو چھٹی کے لیے اپلائی کرسکتی ہو' میڈیکل سرٹیفکیٹ بھی دے سکتی ہو۔" انا نے کہا تو شہوار نے ایک گہرا سانس لیا۔

"ہاں' لیکن تم تو کالج جایا کرو' دھیان دو اس طرح زندگی نہیں گزرنے والی یار!"

"تمہارے بغیر وہاں جانا بہت مشکل لگے گا مجھے۔"

"میری اس سمسٹر میں اٹینڈینس بہت شارٹ ہے میرا تو داخلہ بھی بمشکل جاسکا تھا تم تو جیدوا ایگزامز کلیئر کرلوگی تم۔"

"ہاں کوشش تو کرنا ہوگی' کیا یہ ممکن نہیں میں کالج سے سیدھی تمہاری طرف آجایا کروں' نوٹس اور لیکچرز ہر چیز ہوگی تم اپنے انکل سے کہو وہ چیئرمین صاحب سے بات کرلیں گے' ہم دونوں مل کر اسٹڈی کرلیا کریں گی اس طرح کم از کم ایگزامز تو دے سکتی ہونا۔"

"ٹھیک ہے میں سوچوں گی اس طرح مل کر شاید اچھی طرح اسٹڈی ہوجائے گی ورنہ میں اکیلی اب کچھ نہیں کر پاؤں گی۔ میرے پاس ایگزامز ڈراپ کردینے کے علاوہ اور کوئی چانس نہیں رہا۔"

"اچھا ایک اور بات کہنی تھی۔" شہوار نے کہا تو انا نے توجہ دی۔

"کیا؟"

"آج پھوپو ہماری طرف آئی تھیں وہ تمہارے اور حماد کے رشتے سے متعلق ماں جی سے صلاح مشورہ کررہی تھیں۔" شہوار کے الفاظ پر انا ایک دم ساکت ہوگئی تھی۔ "وہ چاہ رہی تھیں کہ دونوں فیملیز اس رشتے سے مطمئن تو ہیں ہی کیوں نہ باقاعدہ بات طے کرکے منگنی یا نکاح کرلیتے ہیں۔" وہ بھی وہی بات دہرا رہی تھی جو کچھ دیر پہلے روشی نے اسے بتائی تھی۔

"ابھی ولید بھائی ہسپتال میں ہیں کچھ دنوں میں وہ بھی گھر آجاتے ہیں تو پھر باقاعدہ تقریب کریں گے۔" انا نے لب بھینچ لیے تھے شہوار خاموش ہوگئی تھی۔

"انا......" کچھ پل اس کے جواب کا انتظار کرتے جواب نہ پاکر بولی۔

"ہوں......"

"مجھے اندازہ ہورہا ہے تمہارے لیے یہ سب کچھ بہت مشکل ہے لیکن یار تم کو اب اسٹینڈ لینا ہوگا محض ایک لڑکی کے خوف سے تم خود کو اس طرح برباد مت کرو' کوئی فیصلہ کرو۔ ایک بار سب کو بتادو پھر دیکھنا کیسے ٹھیک ہوجائے گا۔" شہوار

نے سمجھانا چاہا تو انا کی آنکھوں سے ایک دم آنسو بہنے لگے۔
"اب یہ ممکن نہیں اگر سب کو علم ہوگیا تو میں اپنی ہی نظروں سے گر جاؤں گی۔ میں خود کو اس قابل نہیں سمجھتی کہ ولید جیسے شخص کی زندگی میں داخل ہوسکوں میں نے اس پر شک کیا' نجانے کس کس انداز میں اسے ہرٹ کرتی رہی' مجھے سزا تو ملنی ہی تھی اور شاید میری سزا تھی۔"
"ایسے مت کرو ابھی وقت تمہارے ہاتھ میں ہے یار! تم ولید بھائی کے بغیر کبھی خوش نہیں رہ پاؤ گی۔"
"میں خوش کب رہنا چاہتی ہوں' ولید مجھ سے نفرت کرتا ہے اور یہ سب جان کر شاید وہ میری شکل دیکھنا بھی پسند نہ کرے پلیز تم کسی سے بھی کچھ نہیں کہو گی جو ہوگا ہونے دو۔ ولید زندہ ہے' صحت مند ہو جائے اس سے زیادہ میری اور کوئی خواہش نہیں۔" دوسری طرف موجود شہوار نے ایک گہرا سانس لیا۔
"تم اپنا موبائل لے لو روشی کے نمبر پر کال کرنا اچھا نہیں لگتا مجھے۔ تم چکر لگانا ہماری طرف' میری طبیعت سنبھلتی ہے تو میں بھی مصطفیٰ کے ساتھ تمہاری طرف آؤں گی آنٹی کی خیریت پوچھنے ہوسکتا ہے تب تک ولی بھائی بھی گھر آچکے ہوں۔"
"اوکے۔" دونوں کے درمیان مزید باتیں ہوتی رہی تھیں پھر مغرب کی اذان ہونے لگی تو دونوں نے بات سمیٹی تھی۔

❀......❀......❀

دریہ اپنے کمرے میں بیٹھی مسلسل پیچ وتاب کھا رہی تھی' اسے رہ رہ کر شہوار اور مصطفیٰ پر غصہ آرہا تھا تبھی اس کا موبائل بجا تھا' ایک انجان نمبر تھا اس نے نمبر دیکھا اور پھر کال ریسیو کرلی تھی۔
"ہیلو......"
"کیسی ہو؟" دوسری طرف دریہ کو جو آواز سنائی دی تھی وہ چونکی تھی اس نے فوراً اٹھ کر اپنے کمرے کا دروازہ بند کیا تھا۔
"تم......؟"
"ہاں میں ایاز......" دریہ نے ایک گہرا سانس لیا۔
"کہاں تھے تم' جانتے ہو پچھلے کئی دنوں سے تمہارا نمبر ڈائل کرتے کرتے میرے ہاتھ کی انگلیاں ٹوٹنے لگی ہیں۔" دوسری طرف ایاز نے قہقہہ لگایا تھا۔
"جانتا ہوں میں لیکن میں نے وہ نمبر بند کردیا ہے وہ نمبر مصطفیٰ کے پاس موجود ہے وہ اس پر رابطہ کرسکتا تھا یہ نیا نمبر ہے اب اسی پر تم سے رابطہ کروں گا۔"
"تم کہاں ہو؟"
"میں کہاں ہوں' وہ بات تو میں اب اپنے باپ کو بھی نہیں بتانے والا۔ میں جہاں ہوں وہاں مصطفیٰ یا اس کا کوئی بھی افسر نہیں پہنچ سکتا۔ تم بتاؤ تمہاری طرف کیا صورت حال ہے؟"
"مصطفیٰ بہت بپھرا ہوا ہے وہ اور اس کے ابا مسلسل تمہاری کھوج میں ہیں' شہوار مسلسل گھر میں قید ہے۔ ڈاکٹر بھی گھر میں ہی آرہی ہے۔"
"قسمت اچھی ہے جو ایک بار پھر بچ نکلی ورنہ میرا کاٹا ہوا پانی بھی نہیں مانگتا۔ اس بار نہ سہی اگلی بار سہی لیکن اسے نہیں چھوڑوں گا اگر میں اسے اٹھوا نہ سکا تو اب کی بار اسے زندہ بھی نہیں چھوڑوں گا۔"
"اب کیا کرو گے؟"
"یہ تم ملو گی تو بتاؤں گا۔" اس قدر حسین لڑکی پر اس قدر مہربانی کوئی بلا مقصد نہ تھی لیکن اس طرف بھی دریہ بی بی تھی جو انتقام میں ابھی اتنی اندھی نہ ہوئی تھی۔

"میں نہیں مل سکتی، مصطفیٰ بہت تیز انسان ہے وہ پہلے ہی میری ہر حرکت پر نگاہ رکھتا ہے۔ اس بار اس کی اماں بھی مجھ سے بدظن ہوچکی ہیں میں ابھی اس گھر میں موجود ہوں یہ بھی بڑی مہربانی ہے۔"

"میں اس سب کو نہیں مانتا تم بتاؤ کب ملو گی مجھ سے؟"

"ناممکن ہے۔"

"تو پھر ٹھیک ہے میں بھی اس سارے خون خرابے میں تمہاری مدد نہیں کروں گا۔" ایاز نے ایک دم آنکھیں ماتھے پر رکھی تھیں۔

"دیکھو میں کوشش کرتی ہوں شہوار کو کسی طرح تم تک لے آؤں پھر تم جو مرضی کرو لیکن یاد ہے میرا نام نہ آنے پائے۔"

"ہاں پہلے جیسے تم لے کر آئی ہو سارے پلان کا ستیاناس ہوگیا تھا۔"

"میں نے بالکل طے شدہ پروگرام کے مطابق کام کیا ہے تم نے ہی کہا تھا نہ میکڈونلڈ کے پاس لے آؤں اور وہ گاڑی میں اکیلی تھی تم بغیر لوگوں کو متوجہ کیے آسانی سے گاڑی سمیت لے کر نکل سکتے تھے۔" درنیہ کو بھی غصہ آ گیا تھا۔

"وہ تو گاڑی کے دروازے لاک تھے مجبوراً شیشہ توڑنا پڑا تھا جس پر وہ سالی چیخنے لگی تھی اور پھر وہ ڈرائیور اور چوکیدار دونوں آ گئے تھے۔"

"او کے جو بھی تھا شکر ہے کسی کو مجھ پر شک نہیں ہوا لیکن اگلی بار بہت محتاط ہو کر کام کرنا ہوگا۔ میں موقع دیکھ کر تمہیں انفارم کروں گی تم اپنا یہ نمبر بس آن رکھنا۔"

"ٹھیک ہے۔" ایاز مان گیا تھا۔ کچھ باتوں کے بعد کال بند ہوگئی تھی۔ درنیہ کے ہونٹوں پر بڑی زہریلی سی مسکراہٹ تھی۔

"مصطفیٰ شاہ زیب تم بھی کیا یاد رکھو گے کہ کس سے پالا پڑا ہے بڑی باکردار بنی پھرتی ہے شہوار صاحبہ ایسی جگہ جا کر ڈالوں گی کہ کبھی پلٹ کر نکل نہ سکے گی۔" وہ زہریلے انداز میں مسکرائی تھی اس کے ذہن پر بڑی زہریلی سوچوں کا قبضہ تھا۔

❁.......❁.......❁

رابعہ پریشان تھی عباس نے دو تین بار کال کی تھی۔ وہ کافی دیر سے ایک ہی جگہ بیٹھی الجھتی رہی تھی عشاء کی نماز پڑھ کر سب اپنے اپنے کمروں میں سونے جا چکے تھے وہ اپنی ذات سے لڑتی الجھتی رہی تھی اور پھر تھک ہار کر کمرے سے نکل آئی تھی۔ ماموں کے کمرے کی لائٹ روشن تھی وہ سیدھا وہیں آ گئی تھی۔ دروازہ پر ہاتھ رکھا تو وہ کھلتا چلا گیا تھا۔

"ماموں میں آ جاؤں؟" اس نے دروازے میں ہی کھڑے ہو کر پوچھا تو کتاب پڑھتے فیضان صاحب چونکے تھے۔

"آ جاؤ۔" انہوں نے کتاب بند کردی تھی۔ رابعہ ان کے پاس آ بیٹھی تھی۔

"کچھ پریشان ہو؟" انہوں نے مسکرا کر پوچھا تو رابعہ نے انہیں دیکھتے ایک گہرا سانس لیا۔

"ہاں۔"

"خیریت؟" دونوں میں بہت انڈرسٹینڈنگ تھی وہ اپنی ہر بات ان سے شیئر کرتی تھی۔

"جی۔" وہ سوچ میں پڑ گئی کہ ان سے یہ بات شیئر کرے یا نہیں وہ خاموشی سے اسے دیکھتے رہے۔

"آپ سر عباس کو تو جانتے ہیں نا؟"

"عباس شاہ زیب؟" انہوں نے کہا تو رابعہ نے سر ہلایا۔

"آپ کو بتایا تھا نا کہ ان کی پہلی شادی ختم ہوچکی ہے اور ان کا ایک بیٹا بھی ہے۔" فیضان صاحب نے سر ہلایا۔

"انہوں نے مجھے......" وہ رکی انگلیاں چٹخانے لگی۔ فیضان صاحب نے سنجیدگی سے دیکھا۔
"پرپوز کیا ہے۔" بات ایسی تھی کہ فیضان صاحب ساکت سے ہوگئے تھے رابعہ نے کن اکھیوں سے انہیں دیکھا۔ وہ بہت سنجیدہ تھے چہرے پر ایک گہری سوچ کا عکس تھا۔
"وہ بار بار کال کررہے ہیں میرا جواب مانگ رہے ہیں لیکن میں نے صاف کہہ دیا کہ میری زندگی کے ہر فیصلے کا اختیار میری فیملی کو ہے۔" فیضان صاحب نے ایک گہرا سانس لیا۔ وہ ایک روشن خیال کھلے ذہن کے انسان تھے لیکن وہ کبھی بھی اتنے بے باک منہ پھٹ نہیں تھے کہ زندگی کو کھلی چھوٹ دے دیتے۔
"تم کو عباس کیسا لگتا ہے؟"
"وہ بہت اچھے انسان ہیں لیکن......" فیضان نے بغور دیکھا۔
"میرے لیے سب سے مقدم اور سب سے اعلیٰ انسان وہ ہے جو آپ کا انتخاب ہوگا۔ میں نے سر عباس کا پرپوزل آپ تک پہنچانا تھا' پہنچادیا آپ جو بھی فیصلہ کریں گے وہی مجھے قبول ہوگا۔"
"ہوں......" فیضان صاحب نے ہنکارا بھرا۔
"آپا ثریا یا سہیل کو بتایا ہے؟" رابعہ نے نفی میں سر ہلایا۔
"میں اگر انکار کردوں تو؟"
"مجھے آپ کا ہر فیصلہ قبول ہوگا' سر عباس اچھے انسان ہیں اس کے باوجود میں نے زندگی میں کبھی دوسرے معنوں میں نہیں سوچا۔ انہوں نے کہا تھا اگر آپ کے گھر والوں کی مرضی ہوگی تو وہ اپنے والدین کو بھی لائیں گے۔" فیضان صاحب نے سر ہلایا۔
"عباس کو کہنا کل کسی بھی وقت مجھ سے مل لے' یہ عمر بھر کا فیصلہ ہے میں بہت سوچ سمجھ کر ہی بتاؤں گا کہ انکار کرنا ہے یا اقرار۔" رابعہ کا چہرہ ایک دم کھل اٹھا تھا۔ اسے لگا کہ جیسے در پردہ فیضان ماموں اس رشتے پر رضامندی کا اظہار کررہے ہیں۔
وہ ان سے کچھ دیر باتیں کرنے کے بعد اپنے کمرے میں آ گئی تھی اس نے عباس کا نمبر ملایا۔ عباس نے کال کاٹ دی تھی وہ دوبارہ ملانے لگی تو اس سے پہلے ہی عباس کی کال آ گئی تھی اس نے فوراً کال ریسیو کی۔
"السلام علیکم سر!"
"وعلیکم السلام اس وقت خیریت؟" دوسری طرف عباس شاید نیند سے جاگا تھا۔
"آئیم سوری آپ کو شاید ڈسٹرب کردیا میں نے۔" وہ فوراً شرمندہ ہوئی۔ رات کے اس پہر بغیر کسی وجہ کے کسی کو کال کرنا کوئی اچھی بات تو نہ تھی۔
"ارے شرمندہ مت ہوں' میں قطعی ڈسٹرب نہیں ہوا' آپ مجھے کسی بھی وقت کہیں بھی' کبھی بھی کال کرسکتی ہیں۔" عباس کا انداز ایسا تھا کہ وہ ایک دم ریز روسی ہوئی۔
"سر! میرے ماموں آپ سے کل کسی بھی وقت ملنا چاہتے ہیں۔"
"کیا؟"
"جی میں نے ان سے آپ کے پرپوزل کی بات کی تھی۔" عباس نے ایک گہرا سانس لیا۔
"کیا کہیں گے وہ؟" عباس کانشس ہوا۔
"یہ تو آپ کو ان سے مل کر ہی اندازہ ہوگا۔" عباس مسکرایا۔ "کیا آپ ان سے ملنے سے ڈر رہے ہیں؟" رابعہ نے

پوچھا‘ عباس ہنس دیا۔
”بالکل بھی نہیں‘ ڈر کیسا‘ بس ٹینشن ہو رہی ہے کہ وہ کیا کہیں گے اگر انکار کردیا تو......؟“
”تو آپ کی قسمت‘ میرے لیے میری فیملی کا ہر فیصلہ مقدم ہوگا‘ چاہے وہ انکار ہو یا اقرار۔“
”بس آپ کی یہی بات تو اچھی لگتی ہے میں کوشش کروں گا اپنا اچھا وکیل ثابت ہوتے آپ کے ماموں کے سامنے بہتر طور پر اپنا دفاع کرسکوں۔“ دوسری طرف رابعہ خاموش رہی تھی۔
”میرے حق میں دعا کریں گی؟“ اس کی خاموشی پر عباس نے گمبھیر آواز میں پوچھا‘ وہ جو بہت پرسکون تھی‘ ایک دم بوکھلائی۔
”میں کہہ چکی ہوں کہ میرے لیے میری فیملی کا ہر فیصلہ مقدم ہوگا چاہے وہ انکار ہو یا اقرار۔“ وہ کہہ کر تیزی سے کال کاٹ گئی‘ دوسری طرف عباس ایک دم مسکرادیا تھا۔

❁......❁......❁

عباس اس ملاقات کو لے کر بہت کانشس ہو رہا تھا‘ وہ فیضان صاحب کی بتائی ہوئی جگہ پہ آ گیا تھا۔ انہوں نے عباس کو اپنے گھر کے قریب موجود پارک میں بلوایا تھا‘ دونوں ایک بنچ پر بیٹھ گئے تھے۔ عباس بہت اچھی طرح ڈریس اپ ہوا تھا‘ معمول سے ہٹ کر بہت ڈیسنٹ اور پروقار لگ رہا تھا۔ فیضان صاحب نے اسے بغور دیکھا تھا۔ سلام دعا اور ایک دوسرے کا حال چال دریافت کرنے کا مرحلہ طے ہو چکا تھا۔
”آپ جانتے ہیں کہ میں نے آپ کیوں بلوایا ہے؟“ فیضان صاحب نے کچھ پل گزرنے کے بعد گفتگو کا آغاز کیا۔
”جی۔“
”میں کوئی بات کرنے سے پہلے آپ کو بتادوں مجھے یہ رشتہ قبول نہیں ہے۔“ عباس ایک دم ساکت ہوا‘ کچھ پل مزید سرکے تھے وہاں پارک میں کئی لوگ آ جا رہے تھے۔
”میں اس انکار کی وجہ تو پوچھ سکتا ہوں؟“ عباس کا سکتہ ٹوٹا تو اس نے سنجیدگی سے پوچھا۔
”بالکل آپ کو رائٹ حاصل ہے۔“ فیضان صاحب نے سرہلایا۔
”لیکن میں اس انکار کی وضاحت نہ دینا چاہوں تو؟“
”تو پھر میں بار بار آپ کے پاس آؤں گا‘ ہر چیز کی ایک وجہ ہوتی ہے اور اس انکار کی بھی کوئی وجہ تو ہوگی نا۔“
”ہمارا اور آپ کا اسٹیٹس نہیں ملتا۔“
”میں اس کو اتنی معقول وجہ نہیں مانتا اور نہ ہی میرا گھرانہ اتنا کنزرویٹو ہے کہ ایک چھوٹی سی بات کو وجہ بنا کر انکار کرے۔“
”تمہارا گھرانہ......“ فیضان صاحب مسکرائے‘ اس مسکراہٹ میں نہ ہی طنز تھا اور نہ ہی حقارت لیکن اس کے باوجود نجانے کیوں عباس کو ان کی یہ مسکراہٹ بہت کٹیلی اور طنز اڑاتی لگی تھی۔
”میں روپے پیسے دولت جائیداد سب کی نفی کرتا ہوں‘ میرے نزدیک انسان کے کریکٹر اس کی شرافت اور اخلاق کی ویلیو ہے اور باقی سب بے معنی ہے۔“
”جوانی میں سب ہی ایسے بڑے بڑے ڈائیلاگ بول لیتے ہیں بیٹا! لیکن جب بوجھ کندھوں پر پڑتا ہے اور وقت کا پہیہ الٹی چال چلتا ہے تو سب دعوے اس چال کے سامنے دھرے کے دھرے رہ جاتے ہیں۔“

''آپ کو لگتا ہے کہ میرے قول وفعل میں تضاد ہے؟ آپ بے شک مجھے آزما کر دیکھ لیں۔'' عباس کو ان کے الفاظ پسند نہ آئے تھے سو لہجہ ایک دم گرم ہو گیا تھا۔ فیضان صاحب مسکرائے تھے بڑی نرمی سے عباس کے کندھے پر ہاتھ رکھا تھا۔

''برخوددار! رابعہ ہماری بچی ہے اور ہم بغیر کسی وجہ انکار کرنے کا حق رکھتے ہیں۔''

''اور میرے پاس بھی اپنے حق میں بولنے اور قائل کرنے کے لیے دلائل کی کمی نہیں ہے بشرطیکہ آپ ان دلائل پر غور کرنا چاہیں تو۔'' انہوں نے سر ہلایا۔

''بالکل آپ اپنے حق میں دلائل دے سکتے ہو لیکن رابعہ ہماری بچی ہے اور ہم اچھی طرح جانتے ہیں کہ اس کی ذات کا کوئی بھی پہلو ہم سے چھپا ہوا نہیں ہے۔ وہ کھلی کتاب کی طرح ہمارے سامنے ہیں' پرپوزل محض آپ کا فیصلہ ہے اگر ہماری بچی اس فیصلے میں انوالو ہوتی تو سوچتے کوئی تدبیر کرتے لیکن ہماری بچی بالکل غیر جانبدار ہے اور میں چاہتا ہوں آپ بار بار اس سے رابطہ کر کے اسے فورس مت کیجیے گا۔ بس اسی لیے آپ سے ملنا چاہتا تھا میں۔'' وہ اپنی بات مکمل کر کے اٹھے تو عباس بھی ساتھ ہی کھڑا ہو گیا تھا۔

''یہ تو کوئی ریزن نہیں بنتا' آپ رابعہ کے ماموں ہیں' میں اپنے والدین کو بھیجوں گا رابعہ کی والدہ اور بھائی کے پاس اور مجھے یقین ہے وہ انکار نہیں کریں گے۔'' فیضان صاحب نے بغور عباس کو دیکھا۔

''ہمارے گھر میں ایک فرد کا فیصلہ ہی سب کا فیصلہ ہوتا ہے بیٹا! جب میں انکار کر چکا ہوں تو وہ اقرار نہیں کریں گے۔''

''لیکن میں ریزن نہیں مانتا' کسی کو اس کی دولت کی بنیاد پر ریجیکٹ کر دینا تو کوئی اصول نہ ہوا یعنی اس دولت کے سامنے میری ذات' میرا کردار سب صفر' یہ تو ناانصافی ہوئی۔''

''تمہارے جیسے گھرانوں میں ایسی ناانصافی بالکل عام سی بات ہے' دولت کو بنیاد بنا کر رشتوں کا تقدس پامال کر دینا انہی امیر اونچے طبقے کے لوگوں کا ہی تو شیوہ ہے۔ بیٹا میں تو ایک عام سا غریب سے گھرانے کا فرد ہوں تم کو تو چاہیے تھا کہ اپنے جیسے گھرانے میں رشتہ دیکھتے۔''

''آپ اب زیادتی کر رہے ہیں انکل! ایک بار رابعہ نے بتایا تھا کہ آپ ایک معلم ہیں اور اپنی ساری زندگی طلباء کو علم دیتے گزار دی۔ ایک معلم کی دولت اور غربت کی لکیر کھینچ دینے والی سوچ جان کر مجھے افسوس ہو رہا ہے۔'' فیضان صاحب نے اسے خاموشی سے دیکھا۔

''آپ میرے شادی شدہ ہونے کو بنیاد بناتے یا میری ذاتی شرافت کو میں اس انکار کو مان لیتا لیکن اب یہ انکار مجھے نامنظور ہے۔ رابعہ آپ کی بیٹی ہے اس کی زندگی کا فیصلہ کرنے کا اختیار آپ کو حاصل ہے لیکن اس طرح دولت کو بنیاد بنا کر کسی کو ریجیکٹ کر دینا بڑا ہی ناانصافی والا سلوک ہے۔'' اب کے عباس نے حقیقتاً برا مانا تھا جبکہ فیضان صاحب نے اسے بہت غور سے دیکھا تھا۔

''تم رابعہ کے لیے کیا کر سکتے ہو؟'' کچھ توقف کے بعد انہوں نے پوچھا۔

''میں لمبے چوڑے دعوے نہیں کرتا لیکن باحیثیت انسان جو بھی مجھ سے بن پڑا میں کروں گا۔'' عباس نے تحمل سے کہا۔

''کیا اپنے والدین کو چھوڑ کر رابعہ کو اپنا سکتے ہو۔'' سوال ایسا تھا کہ عباس کئی لمحوں تک خاموش رہا تھا۔

''ایم سوری...... میں ایسا نہیں کر سکتا' رابعہ کی خواہش ضرور کی ہے لیکن اپنے والدین کو دکھ دینے کا میں کبھی سوچوں گا بھی نہیں۔''

''بس یہی بات میں آپ کو سمجھانا چاہتا ہوں بیٹا! جب بات ماں باپ کی آجاتی ہے تو سب جذباتی فیصلے ایک طرف

دھرے کے دھرے رہ جاتے ہیں۔ ماں باپ اولاد کو ایسے بے توازن تعلق توڑ دینے پر مجبور کردیتے ہیں اور میں اپنی بچی کو ساری عمر دکھ جھیلنے نہیں دوں گا۔" ان کا انداز حتمی تھا۔ عباس نے بڑے ضبط سے فیضان صاحب کو دیکھا تھا۔

"آپ کا میرے والدین کے متعلق خیال بہت ہی ٹیکنو ہے۔ کبھی ماضی میں ہمارے بزرگوں میں سے کوئی رہا ہوگا دولت و جائیداد کے تفاخر میں مست لیکن میری زندگی میں ہمارے بابا صاحب سے لے کر بابا جان تک سب ہی نے ہمیں انکساری ہی سکھانے کی کوشش کی ہے۔ میرا چھوٹا بھائی مصطفیٰ ہے کی شادی جس لڑکی سے ہوئی ہے اس کے خاندان کا کسی کو کوئی علم نہیں اس نے ہمارے گھر میں رہنے والی ایک ایسی خاتون کے ہاتھوں پرورش پائی ہے جس کا خاندان اسے ٹھکرا چکا تھا اور وہ اپنی اور اپنی بیٹی جان بچانے کے لیے حویلی میں پناہ لینے پر مجبور ہوگئی تھیں۔ ہماری ماں جی نے اس لڑکی کو بیٹیوں کی طرح سمجھا اور ہم لوگوں نے بہنوں کی طرح اور جب اس کی شادی کی بات ہوئی تو ہماری ماں جی نے سب کے صلاح و مشورے سے اس کی شادی اپنے سب سے چہیتے بیٹے سے کردی تھی۔ اگر ہم دولت و جاگیر کے نشے میں چور لوگ ہوتے تو ہمارے گھر میں شرافت و کردار کی بنیاد پر رشتہ بنانے کی مثال کبھی قائم نہ ہوتی۔" عباس نے بہت تحمل سے بتایا تھا' فیضان صاحب کے چہرے پر الجھن پیدا ہوئی تھی۔

"بہرحال میں آپ کو اپنا فیصلہ بدلنے پر مجبور نہیں کرسکتا لیکن قائل کرنے کی کوشش ضرور کروں گا' اگر آپ قائل ہونا چاہیں تو......" عباس نے جیب سے سن گلاسز نکال کر آنکھوں پر لگالیے تھے۔

"چلتا ہوں' کوئی نازیبا لفظ استعمال کردیا ہو تو معذرت خواہ ہوں۔" ہاتھ ملانے کو ان کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ فیضان صاحب نے بغور اسے دیکھتے ہوئے اس کا ہاتھ تھام لیا تھا' ان کے ہاتھ کے لمس میں عجیب سی حدت تھی۔ انہوں نے ہاتھ دبا کر چھوڑ دیا تھا' عباس پلٹا اور چند قدم آگے بڑھائے تھے۔ فیضان صاحب کی نگاہ اس کے ہر اٹھتے قدم پر تھی۔ دل میں عجیب سا تلاطم برپا تھا' تبھی بے اختیار ان کی زبان ہلی تھی۔

"سنو......"

❀......❀......❀

لالہ رخ کو لینے آنے والا ہمایوں تھا' ہمایوں کو برداشت کرنا بڑا ہی دل گردے کا کام تھا۔ لالہ رخ سارا راستہ اپنے ضبط کو آزماتی رہی تھی' اپنے گھر پہنچتے ہی اسے لگا کہ وہ جیسے جنت میں آگئی ہو' اس کی ماں کی حالت بہت خراب تھی' وہ مسلسل بستر پر لیٹی رہتی تھی۔ اس کے نانا کی موت جس کار ایکسیڈنٹ میں ہوئی تھی اسی کار میں نانا کے ساتھ اس کی ماں بھی تھی جو ریڑھ کی ہڈی کے فریکچر کے سبب مسلسل بستر پر تھی' وہ ماں کے پاس آئی تو ماں اسے دیکھ کر رونے لگی۔

"تمہیں کہا بھی تھا کہ واپس اس گھر میں نہ آنا' کیوں آئی تو...... تیرا ظالم باپ زبردستی تیری شادی اپنے بھتیجے سے کروادے گا پھر تو میری طرح سے ساری زندگی بیٹھ کر رونا۔"

"تو اماں پھر میں کہاں جاتی؟ ایگزامز کے بعد ہاسٹل کو ویسے بھی چھوڑنا تھا' ابا آئے تھے صاف کہہ دیا تھا کہ ایگزامز دوں اور کسی کو بھیجیں گے' سیدھا گھر آجاؤں۔"

"اور تیرا وہ استاد' تو نے اس سے بات کی؟" اس کی ماں نے ایک آس سے پوچھا تھا۔

"نہیں اماں...... کسی سے بات نہیں کی۔" وہ ماں کو ٹال گئی تھی۔

"تجھے آنا نہیں تھا' یہ ہمایوں تو تیرے باپ سے بھی کئی ہاتھ آگے ہے۔ یہ دولت کسی سانپ کی طرح میری زندگی کو ڈس گئی تھی اب یہ تیری زندگی کھاجائے گی۔" رات کو اس کا باپ گھر آیا تھا' اسے دیکھ کر کہنے لگا۔

"اگلے ماہ شادی کی تاریخ رکھ دی ہے' کارڈ چھپنے دے دیئے ہیں' تو بھی اب آرام سے گھر بیٹھ کر شادی کی تیاری کر۔"

باپ کے سامنے وہ خاموشی سے سر جھکا گئی تھی لیکن ماں کے پاس آتے ہی وہ بلک بلک کر رو دی۔
"تُو یہاں سے چلی جا لالہ رخ ورنہ تیرا باپ تجھے اس ہمایوں سے بیاہ دے گا۔ تُو اس کے لیے دولت کی تجوری سے بڑھ کر کچھ بھی نہیں' وہ تیرا بھی ویسے استعمال کرے گا جیسے تیرے نانا اور میرا کیا اور پھر ناکارہ سمجھ کر ایک طرف ڈال دیا۔ تیرے نانا کو بھی تیرے باپ نے مارا ہے' وہ اس کو جان سے مار دینے کی دھمکیاں دیا کرتا تھا اور پھر اس نے مار دیا۔ وہ مجھے بھی مار کر جائیداد نام لکھوا لیں گے۔" اس کی ماں اس سے پھر وہی الفاظ دہرا رہی تھی جو وہ اس سے کئی بار کہہ چکی تھی اور ہمیشہ کی طرح وہ اپنی ماں کو بے بسی سے دیکھتی رہ گئی تھی۔
کاش وہ اپنے اماں کے الفاظ کی طرح بہت بہادر ہوتی یا پھر کاش اس کے پاس یہاں سے بھاگ کر کہیں اور جانے کا رستہ ہوتا۔ دو دن گزرے تھے جب اس کا باپ اس سے کچھ کاغذات لے کر دستخط کروانے آیا تھا۔
"یہ کیا ہے؟" ہمیشہ کی طرح باپ کے سامنے چپ رہنے والی باپ کے سامنے بول پڑی تھی۔
"کیوں تجھے نظر نہیں آ رہا؟" لالہ رخ نے پھر کاغذات دیکھے تھے یہ اس کی ایک فیکٹری کے کاغذات تھے جو وہ ہمایوں کے نام منتقل کر رہے تھے۔
"لیکن میں دستخط نہیں کروں گی۔" بہت ہمت کر کے اس نے کہہ دیا تھا۔
"آرام سے دستخط کر' زبان نہ چلا۔" اس کے باپ نے کھینچ کر اس کو تھپڑ مارا تھا' وہ دکھ سے اپنے گال پر ہاتھ رکھ کر باپ کو دیکھتی رہی تھی۔
"لیکن میں یہ دستخط نہیں کروں گی۔" وہ زندگی میں پہلی بار باپ کے سامنے ڈٹی تھی۔
"تُو دستخط نہیں کرے گی؟" اس کے باپ نے پوچھا تو اس نے نفی میں سر ہلا دیا تھا۔
اس کے باپ کا ہاتھ اس پر اٹھا تھا اور پھر اٹھتا ہی چلا گیا تھا۔ مار مار کر تھک گیا تو وہ اسے اس کی ماں کے کمرے میں بند کر کے چلا گیا تھا۔ وہ ماں کے ساتھ بیٹھ کر شدت سے روتی رہی تھی' زندگی ایک دم ان ماں بیٹی کے لیے امتحان بن گئی تھی۔ اس کے باپ نے ان کا کھانا پینا بند کر دیا تھا' وہ خود تو برداشت کر لیتی لیکن ماں کی حالت دیکھ کر وہ سسک اٹھی۔
چوتھے دن اس نے ہمت ہار دی تھی' اس نے وہ فیکٹری خاموشی سے دستخط کر کے ہمایوں کے نام منتقل کر دی تھی۔ اس کا باپ بہت خوش تھا' جبکہ اس کی ماں کو پھر سے کھانا اور میڈیسن مل رہی تھی۔ چند دن گزرے تھے جب اس کی ماں نے ایک بار پھر اسے اس گھر سے بھاگ کر چلے جانے پر زور دینا شروع کر دیا تھا۔
"میرے پاس کچھ کاغذات باقی ہیں' کچھ زیور چھپا رکھا ہے اور کچھ پیسہ بھی' تُو چلی جا یہاں سے اور کبھی پلٹ کر یہاں نہ آنا۔"
"لیکن اماں تجھے اس حالت میں چھوڑ کر میں نہیں جا سکتی ورنہ ابا اور ہمایوں تجھے مار ڈالیں گے۔" وہ مسلسل انکاری تھی۔
"یہ دیکھ میرے ہاتھوں کو مجھ پر رحم کر میں تیری وجہ سے مر بھی نہیں سکتی۔ چلی جا یہاں سے میں نے خان بابا کے بیٹے سے بات کر لی ہے وہ تجھے لے جائے گا۔"
"کس سے..... امجد خان سے......؟" وہ حیران ہوئی تھی۔
"ہاں..... دو دن پہلے تیرا باپ اور ہمایوں گھر نہ تھے تو سوئی ہوئی تھی۔ میں نے خان بابا کو بلوایا تھا' امجد پڑھ رہا ہے وہ اسی دن شہر سے آیا تھا اس کے ساتھ اس کی بیوی اور بیٹا بھی تھا۔ خان بابا کے پاس تیرے نانا نے کچھ کاغذات' زیور اور پیسہ رکھوا رکھا تھا وہ تجھے دے دیں گے۔ وہ تجھے شہر چھوڑ دیں گے' امجد خان نے وعدہ کیا تھا وہ تجھے بحفاظت جہاں تُو کہے گی

پہنچادیں گے۔'' اس کی ماں سارا پروگرام طے کیے ہوئے تھی۔
''لیکن اماں میں جاؤں گی کہاں؟''
''تو اپنے اسی استاد کے پاس چلی جانا اسے کہنا تیرا ساتھ دے یا پھر کہیں اور رہ لینا لیکن اس عذاب سے نکل جا۔'' اماں کی سوئی ابھی تک سکندر پر اٹکی ہوئی تھی۔
وہ اماں کو بتا ہی نہیں سکی تھی کہ وہ اس کی طرف سے مکمل طور پر ناامید ہو کر ہی یہاں تک آئی تھی۔
''لیکن اماں اگر ابا کو پتا چل گیا تو......؟''
''نہیں چلے گا' امجد خان اور اس کی بیوی بچہ دوپہر میں نکلیں گے ساتھ والے گاؤں میں رکیں گے' بعد میں خان بابا تجھے شام میں ان تک پہنچادیں گے' اس کے بعد رات میں نکل جانا۔''
''لیکن اماں......''
''دیکھ میری سانسوں کا اب کوئی بھروسہ نہیں' مجھے سکون سے مرنے دے ورنہ آخری وقت تک میں تڑپتی رہوں گی۔'' اس کی ماں نے لجاجت سے کہا تو وہ خاموش ہوگئی تھی۔
نجانے کیوں اندر ہی اندر وہ خود بھی اس عقوبت خانے سے بھاگ جانے کو مچل رہی تھی۔ اماں کے کہنے پر جہاں جہاں جو جو زیور روپیہ پیسہ رکھا تھا اس نے نکال کر بیگ میں رکھ لیا تھا۔
دو دن بعد ان کو موقع مل گیا تھا ہمایوں کئی دن سے منظر سے غائب تھا اور ابا کسی فیکٹری کے کام سے کچھ دنوں کے لیے دوسرے شہر جانے کے لیے روانہ ہوئے تھے۔ اپنے پیچھے وہ تمام ملازمین کو سختی سے ہدایات جاری کر کے گئے تھے۔ سارا دن پرسکون گزرا تھا' رات ہوئی تو خان بابا چلے آئے تھے۔ وہ اماں کے گلے لگ کر شدت سے روئی تھی' اس کی ماں بہت پرسکون اور مطمئن تھی۔ اس نے زندگی بھر میں اپنی ماں کو اس قدر اطمینان میں نہیں دیکھا تھا' خان بابا کے ساتھ وہ چھپ چھپا کر نکلی تھی۔
دوسرے گاؤں تک وہ پیدل ہی گئے تھے' وہاں خان بابا کی بہن رہتی تھی' امجد خان اس کی بیوی وہاں انتظار کر رہے تھے۔ اس کے پہنچتے ہی وہ فوراً نکل آئے تھے' سڑک کنارے گاؤں تھا گاڑی کچھ دیر میں مل گئی تھی۔ اس طرح وہ پھر وہیں آ گئی تھی جہاں سے ایگزامز کے بعد وہ نکلی تھی۔
''اب کہاں جانا ہے چھوٹی بی بی!'' اس کے ہاسٹل کے سامنے پہنچ کر امجد خان نے پوچھا تھا۔
گھر سے آتے ہوئے وہ اپنا بیگ لے آئی تھی' وہاں کھڑے کھڑے اس نے اس کو چیک کرنا شروع کر دیا تھا اور پھر آٹو گراف نوٹ بک نکال کر اپنی سامنے کی تھی۔ اسٹریٹ لائٹ کی روشنی میں اس نے دیکھا' سکندر سبحان احمد کے آٹو گراف کے نیچے سکندر کا ایڈریس لکھا ہوا تھا۔
اس نے اپنی اس آٹو گراف بک پر جس جس دوست استاد یا پرسنالٹی کا آٹو گراف لیا اس کے ساتھ ساتھ اس کا ایڈریس بھی لے لیا کرتی تھی۔ آج اس کی عادت اس کے کام آ رہی تھی' اس نے وہ ایڈریس امجد خان کو دکھایا تھا۔
امجد خان نے رکشہ کیا تھا اسے ہاسٹل چھوڑ کر سکندر کے گھر چلے آئے تھے' رات کے دو بج رہے تھے جب افشاں گہری نیند سے اٹھی تھی۔ گھر کا دروازہ بڑے زور زور سے بج رہا تھا' وہ حیران ہو کر کمرے سے نکلی تھی۔

(ان شاء اللہ باقی آئندہ ماہ)

✿

اک فسانہ ہے زندگی لیکن
کتنے عنوان ہیں اس فسانے میں
چاک داماں کی خیر ہو یا رب
ہاتھ گستاخ ہیں زمانے کے

ابھی شنو نے اپنا مشن مکمل کر کے تمام اقدامات کا ازسرنو جائزہ لیا ہی تھا کہ ایک زوردار دھموکے نے سمیت آئینے میں نظر آنے والے اس کے بھرپور سراپے کو بھی لرزا کر رکھ دیا تھا اور وہ بُری طرح بلبلا اٹھی تھی۔

"اماں کیا کرتی ہو اتنی زور سے تو نہ برسو۔" شنو نے اپنی کمر سہلاتے ہوئے کہا۔

"اری کم بخت اگر تیرے یہ لچھن تیرے باپ نے دیکھ لیے نا تو وہ گرجے گا بھی اور برسے گا بھی۔" اماں نے اس کے ہاتھ سے سنہری نگوں والا طلائی ڈبہ چھینتے ہوئے کہا تو وہ منہ پھلا کر کمرے کے وسط میں رکھے گئے تخت پر جا کر سر جھکا کر بیٹھ گئی۔ اماں اپنی اکلوتی لاڈلی بیٹی کا اداس روپ دیکھ کر خود بھی اداس ہو گئیں۔

"ارے میری بٹیا! تُو تو میری رانی ہے نا' بس اپنی اس عادت سے باز آجا۔" اماں نے اسے مناتے مناتے بھی اپنی ہی بات ماننے کو کہا تو وہ نروٹھے پن سے بولی۔

"اماں ایسا کیا' کیا ہے میں نے' سب ہی لڑکیاں تو......"

"تو سب لڑکیوں کو چھوڑ' بس اپنی بات کر۔ ہمیں کسی سے کیا لینا دینا۔" اماں نے اس کی بات پوری ہونے سے پہلے ہی اسے ٹوک دیا تو وہ پھر منہ پھلا بیٹھی مگر اس بار اماں اس کی پروا نہ کرتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئیں۔

"تو ہماری اولاد ہے ہم تیری اولاد نہیں' تجھے ویسا ہی کرنا ہوگا جیسا ہم چاہتے ہیں۔ اب اٹھ جا' مغرب ہونے والی ہے نماز پڑھ کر روٹیاں ڈال دے تیرا باپ بھی آنے والا ہے۔" شنو اماں کی اکلوتی لاڈلی بیٹی ضرور تھی مگر اماں تربیت کے معاملے میں ایسی ہی سخت تھیں۔

❁......❁......❁
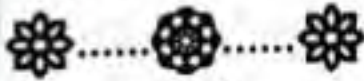
شنو نے جب سے ہوش سنبھالا تھا' وہ روز سرِ شام اماں کو اس چھوٹے ڈبے کے ساتھ ساتھ دیکھا کرتی۔ اماں کا معمول تھا کہ وہ عصر کی نماز پڑھ کر' سنہری نگوں والا طلائی ڈبہ لے کر بیٹھ جاتی اور کوئی آدھا گھنٹہ بس وہ ڈبا ہوتا اور مسکراتی' گنگناتی ہوئی اماں...... جب تک شنو اماں کی ان کارروائیوں کو چپ چاپ دیکھتی رہی تب تک تو اماں نے بھی زیر لب مسکراتے ہوئے اس کی ڈبے کی جانب

اٹھتی ہوئی نگاہوں کو خندہ پیشانی سے برداشت کیا مگر جس دن شنو نے اپنے قدم بڑھاتے ہوئے ڈبے کو اپنی دسترس میں لینا چاہا۔ اس دن اماں نے بنا کوئی لگی لپٹی رکھے اسے صاف جتادیا۔

"دیکھ ری شنو! یہ میری ملکیت ہے تیرا اس سے کوئی واسطہ نہیں۔"

"مگر اماں......" شنو منمنائی۔

"اگر مگر کچھ نہیں جو میں نے کہہ دیا سو کہہ دیا۔ یہ بات تُو اپنے پلو سے باندھ لے یہی تیرے حق میں بہتر ہے۔" اماں کا لہجہ دوٹوک تھا۔

مگر وہ جو کہتے ہیں کہ انسان ہے ہی تجسس کا مارا' اسے جس چیز کے پاس پھٹکنے سے روکا جائے' ٹوکا جائے وہ اسی قدر اس کی کھوج میں لگا رہتا ہے سو شنو بھی ہمہ وقت موقع کی تاک میں لگی رہتی اور شومئی قسمت ایک دن جب اماں کو اسے مجبوراً گھر میں اکیلا چھوڑ کر کسی ضروری کام سے بازار جانا پڑا تو شنو نے موقع کو غنیمت جان کر اپنے ہدف کی جانب قدم بڑھا دیئے مگر جب اس کی توقع کے بالکل برعکس اماں اپنے پاس موجود دوسری چابی سے دروازے کا لاک کھول کر اندر آ گئی اور شنو کو رنگے ہاتھوں جالیا تو پہلی بار شنو کو اس ڈبے سے محبت کے بجائے یک دم نفرت محسوس ہونے لگی کیونکہ آج اسی موئے کی خاطر اس کی ماں کے ہاتھوں درگت بن گئی اور پھر جب اس نے اپنی اکلوتی سہیلی رجو سے اپنے دل کا حال بیان کیا تو اس نے حیرت سے دانتوں تلے انگلیاں دبالیں اور اس کی داستانِ الم سن کر اماں کے سخت دل پر خود بھی شنو کی اماں سے بدظن ہوئی اور شنو کا دل بھی بساط بھر بُرا کیا۔

"تو یہ ہے شنو! تیری اماں تیری اصل اماں ہی ہے نا' کہیں سوتیلی اماں تو نہیں خالہ تیری......؟"

"ایسا تو نہ کہو رجو!" شنو دہل گئی۔

"تو پھر بھلا ایسا کیوں کرتی ہے اب دیکھ میری اماں تو کبھی ایسا نہیں کرتی میرے ساتھ۔" سترہ سالہ رجو آنکھیں مٹکا کر اپنے سے چھ ماہ چھوٹی شنو سے کہتی تو شنو کا دل بیچ میں ہی بدگمان ہونے لگتا اور پھر ایک دن تو حد ہی ہوگئی جب محلے میں رہنے والی حاجرہ خالہ کے بیٹے کی شادی میں جاتے وقت ایک بار پھر بہت آس اور امید سے اس ڈبے کی ہمراہی چاہی تو اماں نے پھر اس کے ہاتھوں سے جھپٹ لیا اور جب شادی میں اس نے رجو کو دیکھا تو اس کا دل پھوٹ پھوٹ کر رونے کو چاہنے لگا اور پھر تو اس نے طے کرلیا کہ وہ اماں کو صاف صاف کہہ دے گی کہ ٹوڈ بے میں سے یا مجھ میں سے ایک کو چن لے اور اماں نے تو شاید اس کے دل کی آواز سن لی اور سچ مچ چن لیا مگر اماں کا انتخاب نہ شنو تھی نہ وہ ڈبا...... اماں کا نیا چہیتا تو کوئی اور ہی تھا۔

رشید...... اماں کا نیا لاڈلا تھا' جسے انہوں نے اپنی لاڈلی کے لیے چنا تھا۔ شنو اماں ابا کے اس اچانک حملے سے بُری طرح چونک گئی مگر اماں ابا مطمئن تھے کہ ان کی شنو اب اپنے گھر چلی جائے گی۔ بنانے والے نے لڑکی کے ماں باپ کا دل بھی کیا عجب شے بنائی ہے گو کہ اولاد کی جدائی کا تصور ہی والدین کے لیے سوہانِ روح ہوتا ہے مگر جب ایک لڑکی کے والدین اپنی لختِ جگر کو خوشی خوشی خود سے جدا کرتے ہیں تو ان کا دل مسرت اور شادمانی احساس سے لبریز ہوتا ہے۔ کچھ یہی حال اماں کا بھی تھا' خوشی ان کے انگ انگ سے پھوٹ رہی تھی۔ شنو کا اپنا دل بھی ایک الگ ہی لے پر تھرکنے لگا تھا اور اماں اس کے چہرے پر پھوٹتی شفق دیکھ کر صدقے واری ہو رہی تھیں اور جب شنو کو مایوں بٹھایا گیا تو اماں مبارک بادیں وصول کرتے ہوئے اس قدر مسرور تھیں کہ گویا خود بھی محلے کی کڑیوں کے ساتھ بھنگڑا ڈالنے کو بے تاب ہوں۔

پھر مایوں کی رات جب مہمان ذرا ستانے کو ادھر اُدھر سرکے تو اماں اس کے پاس چلی آئیں اور اسے گلے لگا کر سسک پڑیں تو شنو کا دل بھی بھر آیا۔ لاڈلی کی ہچکیاں سن کر اماں نے خود ہی سنبھالا دیا اور شنو کے رخسار کی نمی صاف کر کے اس کا ماتھا چوما اور پھر کمرے کی الماری سے سرخ طلائی ڈبہ لے کر اس کے پاس آ بیٹھیں۔

خوب صورت الفاظ

❀ انسان اپنی توہین معاف کرسکتا ہے، بھول نہیں سکتا۔
❀ جس سے محبت کی جائے اس سے مقابلہ نہیں کیا جاتا۔
❀ کبھی نہ گرنا کمال نہیں، بلکہ گر کے سنبھل جانا کمال ہے۔
❀ کسی کو پالینا محبت نہیں، بلکہ کسی کے دل میں جگہ بنالینا محبت ہے۔
❀ کسی سے روز مل کر باتیں کرنا دوستی نہیں، بلکہ کسی سے بچھڑ کے یاد رکھنا دوستی ہے۔

(اریبہ منہاج...... کراچی)

''یہ لے آج سے تیرا۔'' اماں نے محبت سے پُر لہجے میں کہا تو شنو کا منہ حیرت سے کھلا کا کھلا رہ گیا۔ وہ آنکھیں پھاڑے اماں کو تکنے لگی اور ایک لمحے کو اس کے دل میں خیال آیا کہ ''کہیں اماں کا خوشی کے مارے دماغ تو نہیں چل گیا۔'' مگر پھر یہ سوچ کر دانتوں تلے زبان دبالی کہ کہیں اماں کو خیالات کی خبر ہوگئی تو ابھی جوتوں سے اس کا صدقہ اتار ڈالیں مگر اماں تو اماں تھیں بھلا ماں سے اولاد کے دل کا حال احوال کہاں چھپا رہ سکتا ہے۔

''ارے تُو کیا سمجھ رہی ہے میں باؤلی ہوگئی ہوں۔''

''نہ...... نہیں اماں...... میں ایسا کیوں سمجھوں گی۔'' شنو کی تو گھگھی بندھنے لگی تھی۔

''اری تو پھر پکڑ اسے میں بخوشی...... پورے ہوش حواس میں اس کو تیرے سپرد کررہی ہوں۔'' اماں نے مسکراتے ہوئے کہا تو شنو کی جان میں جان آئی مگر پھر بھی اس سے رہا نہ گیا تو اس نے اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے کہا۔

''مگر اماں...... تُو نے تو خود مجھے اس کو ہاتھ لگانے سے منع کیا تھا تو پھر آج کیوں دے رہی ہے؟''

''اس لیے میری لاڈو رانی کہ اب وقت آگیا ہے جب تجھے اس کی مالکن بنادیا جائے۔ میری گڑیا! آج سے اس میں موجود ہر ہر چیز تیری ہے۔'' اماں نے ڈبا کھولا اور ڈبے کے اندر موجود لوازمات کی مہک اور چمک سے شنو کی روح سرشار ہونے لگی۔

''میری جان...... تجھے معلوم ہے کہ میں نے آج تک اس سے دور کیوں رکھا؟'' اماں نے شنو کی ٹھوڑی پکڑ کر کہا تو شنو نے معصومیت سے بھری آنکھیں جھپکا کر نفی میں سر ہلادیا۔

''شنو تُو نے یہ تو سنا ہوگا کہ امانت میں خیانت گناہ ہوتا ہے۔ میری بیٹی! لڑکیاں اسی لیے تو پرانا دھن کہلاتی ہیں کہ وہ اپنے شوہر کی امانت ہوتی ہیں جو اللہ کی طرف سے والدین کے سپرد کی جاتی ہیں اور امانت دار پر فرض ہے وہ اس امانت کی حفاظت کرے۔ میری بچی! عورت کے سنگھار کا اصل حق دار صرف اس کا محرم اس کا سرتاج' اس کا شوہر ہے۔ اسی لیے میں نے آج تک تجھے بننے سنورنے سے روکا مگر اب میں اپنی بیٹی کو اپنے ہاتھوں سے سجاؤں گی۔'' اماں نے رندھی ہوئی آواز کے ساتھ سرخ ڈبے سے نکالے گئے کنگن شنو کی کلائی میں ڈال دیئے۔

''سدا سہاگن رہ میری بچی!'' اماں کا لہجہ محبت سے گلوگیر تھا' اسی وقت کسی منچلے نے آواز لگائی۔ ''ارے رت جگا مناؤں بھئی...... ڈھولکی ہے......'' اور پھر ڈیک کی تیز آواز کے ساتھ تالیوں کی گونج سے شنو کا گھر گونج اٹھا۔

گوری کرت سنگھار
گوری کرت سنگھار
بال بال موتی چمکائے اور شرمائے نار

شنو نے شرما کر اماں کی آغوش میں منہ چھپالیا تھا۔

❀

میرے فلک کا چاند

ندا حسنین

بنا کر دوست میرے چارہ گر کو
میرے زخموں کو گہرا کر دیا ہے
محبت کی گواہی دے کے تم نے
مجھے سب میں اکیلا کر دیا ہے

کاش میں تیرے حسین ہاتھ کا کنگن ہوتا
تو بڑے پیار سے چاؤ سے بڑے مان کے ساتھ
اپنی نازک سی کلائی میں سجاتی مجھ کو!

وہ وصی شاہ کی مشہور زمانہ غزل میں کھوئی ہوئی تھی۔ شامیر اس کے برابر میں بیٹھا بظاہر نیوز دیکھنے میں مشغول تھا مگر اس کا دھیان لیبہ ہی کی طرف تھا۔

تو کسی سوچ میں ڈوبی جو گھماتی مجھ کو
میں تیرے ہاتھ کی خوش بو سے مہک سا جاتا

لیبہ نے نظروں کا زاویہ کتاب سے ہٹا کر شامیر کی جانب مرکوز کیا مگر شامیر کو خبروں میں گم دیکھ کر پھر سے نظم پڑھنے لگی۔

کچھ نہیں تو یہی بے نام سا بندھن ہوتا
کاش میں تیرے حسین ہاتھ کا کنگن ہوتا!

نظم ختم ہوگئی تھی۔ اس نے کتاب زور سے بند کی اور رخ موڑ کر ٹی وی پر نظریں جمائے نیوز سننے میں مشغول شامیر کو خفا خفا سی دیکھنے لگی۔

''ان مسلسل تیکھی نظروں کے وار کا مطلب جاناں!'' شامیر نے ٹی وی پر ہی نظریں گاڑھے گاڑھے بڑے پیار

سے پوچھا گو کہ اس سے بالکل غافل نہ تھا۔
"جانے کس نے افواہ پھیلائی ہے کہ فوجی بڑے رومانوی مزاج کے مالک ہوتے ہیں آج تک آپ نے ایک شعر تک تو کہا نہیں میرے لیے۔" وہ نظروں کا زاویہ واپس کتاب پر مرکوز کرتے ہوئے بول رہی تھی۔ شامیر نے ٹی وی بند کرتے ہوئے اپنی پیاری سی مگر خفا خفا سی بیگم کو دیکھا اور شرارت سے کہا۔
"ایک تو آج کل کی بیویاں بڑی ڈیمانڈنگ ہوگئی ہیں۔ فوجی کے روپ میں شاعر کو دیکھنا چاہتی ہیں۔ میری جان میں فوجی ہوں کوئی شاعر تو نہیں ناں۔"
"آپ بس رہنے ہی دیں' اظہر بھائی کو دیکھا...... کیسے اپنی بیگم کی محبت میں شاعر بنے پھرتے ہیں۔ جبکہ کیپٹن تو وہ بھی ہیں اور ایک آپ ہیں جو میرے لیے ایک شعر کہنا بھی اپنی شان کے خلاف سمجھتے ہیں۔" وہ بگڑے تیور لیے بولی۔
"اف اتنا غصہ...... وہاں دشمن جسم پر وار کرتا ہے اور یہاں آپ میرے دل پر وار کیے جارہی ہیں۔ یہ تو انصاف نہیں یار۔" شامیر گمبھیر لہجے میں شکایتی انداز میں بولا تو لیہہ کی آنکھیں یکدم بھیگ گئیں۔
"میں صبح چلا جاؤں گا لیہہ......" وہ بولا تو اس کے لہجے میں صرف محبت اور چاہت کا رنگ ہی نہیں بلکہ دوری کا بھی دکھ جھلک رہا تھا اور لیہہ کے لیے مزید ضبط کرنا مشکل ہوگیا۔ آنسو اس کی آنکھوں سے چھلک کر ایک تواتر کے ساتھ اس کے رخسار پر بہہ نکلے۔ سارا مسئلہ یہی تو تھا کہ اسے کل صبح اس سے دور چلے جانا تھا اور پھر جانے کب اس سے ملاقات ممکن ہوتی۔ وہ اس کے روبرو بیٹھا یوں اس سے باتیں کرتا' اسی اداس کیفیت میں تو وہ آج اس سے بات بے بات لڑے جارہی تھی۔
اور انجان تو شامیر بھی نہ تھا۔ وہ اس کی بیوی تھی' اس کی محبت تھی سو اسے جانتا بھی تھا اور اس کی کیفیت بھی سمجھتا تھا' مگر ان سب کے ساتھ ساتھ وہ اس ملک کا محافظ بھی تھا۔ وہ اکیلا ہی کتنی جانوں کا امین تھا۔ اپنے گھر سے دور ہونا اس کے فرائض کا تقاضا تھا مگر فی الحال جب تک وہ اپنی ہم سفر کے ساتھ تھا تب تک کچھ اور نہیں سوچ سکتا تھا سو نرمی سے لیہہ کا ہاتھ تھام کر اس کے آنسو پونچھتے ہوئے بے حد جذب سے کہنے لگا۔
"یہ پل انمول ہیں لیہہ کہ ہم ایک دوسرے کے ساتھ ہیں۔ اس طرح رو کر میں تمہیں ان خوب صورت لمحوں کو ضائع نہیں کرنے دوں گا۔" شامیر کی مسکراتی آنکھیں لیہہ کے چہرے پر جمی ہوئی تھیں۔ اپنے ہم سفر کے پیار اور ساتھ پر وہ بھی بھیگی آنکھوں سے مسکرا اٹھی۔

◉......◉......◉

اسے چلے جانا تھا سو وہ چلا گیا۔ پر اس کے جاتے ہی لیہہ کو یوں لگنے لگا جیسے اپنوں میں رہ کر بھی وہ اکیلی ہو۔
لیہہ' شامیر کی چچازاد تھی۔ تیمور خان لیہہ کے تایا ضرور تھے مگر اپنی بیٹیوں کی طرح چاہتے تھے۔ شامیر اور لیہہ کی شادی کرنے کا فیصلہ نا صرف تیمور خان اور ان کی اہلیہ کا تھا بلکہ خود شامیر کی بھی یہی خواہش تھی۔ تیمور خان جب چھوٹے بھائی کے گھر لیہہ کا ہاتھ مانگنے گئے تو ظہور خان خوشی سے گلے لگ گئے۔ شامیر جیسا ہیرا لڑکا ان کی بیٹی کا نصیب بننے جارہا تھا' اس سے زیادہ خوشی اور فخر کی بات اور کیا ہوسکتی تھی ان کے لیے۔ سو چٹ منگنی' پٹ بیاہ والا حساب ہوا اور اب ان کی شادی کو چھ ماہ سے زائد ہوچکے تھے اور یہ دوسری دفعہ تھا جب شامیر گھر سے' اس سے دور ہوا تھا' اور اس دفعہ اس کی دوری لیہہ کو زیادہ محسوس ہورہی تھی بھرا پرا گھر تھا' سب اس کا خیال رکھ رہے تھے مگر پھر بھی اس کی کمی محسوس ہورہی تھی۔
"لیہہ' ہم باہر جارہے ہیں۔" وہ شامیر کے خیالوں میں گم صم سی بیٹھی تھی کہ فروا نے آکر اسے چونکایا۔
"کہاں جارہے ہیں ہم' کچھ بتاؤ تو؟" وہ فروا کی جانب متوجہ ہوئی جو جلدی جلدی برش کررہی تھی۔
"ایسے ہی آئس کریم کھانے' دیکھو ناں موسم بھی کتنا حسین ہورہا ہے۔" فروا نے کھڑکی سے باہر دیکھتے ہوئے کہا۔

"ہونہہ! حسین تو بے حد ہو رہا ہے......" موسم کو سراہتی وہ بھی اٹھ کھڑی ہوئی۔

"کاش! وہ اس وقت ساتھ ہوتا۔" دل نے دھیرے سے سرگوشی کی اور وہ ہلکے سے مسکرادی۔

"وہ ساتھ نہیں تو کیا ہوا دل میں تو ہے۔" دل ہی دل میں جواب دے کر وہ بھی آئینے کے سامنے کھڑی ہو کر اپنا عکس دیکھنے لگی۔

"اور جو دل میں رہتے ہیں وہ ہر پل ساتھ رہتے ہیں۔" شامیر اچانک ہی اس کے عکس کے پیچھے سے نمودار ہو کر بولا تھا وہ بھرپور انداز میں مسکرا اٹھی۔

☾......☾......☾

گھر سے گئے ہوئے کیپٹن شامیر کو دو دن ہو گئے تھے پر ابھی تک اس کی خیریت سے پہنچنے کی کوئی اطلاع نہیں آئی تھی۔ بلاشبہ آرمی کے جوان اس وقت ملکی تاریخ کی سب سے مشکل اور پیچیدہ جنگ میں مصروف تھے۔ لیسہ کی نظروں سے تایا' تائی کی بے چینی چھپی نہ رہ سکی تھی۔ وہ بے شک اس کے سامنے ظاہر نہیں کر رہے تھے پر اب تک کوئی خیر خبر نہ آنے پر پریشان ضرور تھے۔ ایسا اکثر ہوتا' کبھی تو فوراً خبر آجاتی اور کبھی کچھ وقت لگ جاتا اطلاع آنے میں اور اس دفعہ تو ویسے بھی وہ سب آگاہ تھے کہ وہ کتنے بڑے محاذ کے لیے منتخب کیا گیا ہے۔ تبھی تائی امی اب زیادہ تر مصلیٰ پر بیٹھی دعائیں مانگتی اور تایا ابو خبروں پہ نظریں جمائے نظر آتے۔ شاید جن ماؤں کے بیٹے ملک وقوم کے محافظ ہوتے ہیں ان کا زیادہ تر وقت اللہ کے حضور دعائیں مانگتے ہی گزرتا ہے۔ وہ دل میں سوچ کر رہ گئی۔

یہ پانچواں دن تھا جب شامیر کی خیریت کی خبر آئی تھی۔ بات صرف تایا ابو سے ہوئی تھی اور بے حد مختصر۔ وہ خیریت سے تھا' ان سب کے لیے یہ خبر ہی باعث سکون تھی۔ وقت سست روی کے ساتھ گزر رہا تھا' یا شاید لیسہ کو ہی ایسا لگنے لگا تھا۔ زندگی ایک نکتے پہ آ کر رک گئی تھی اور اب جب شامیر آئے گا تب ہی اس کی زندگی رواں ہو گی' وہ اب شامیر کی یادوں کے سہارے ہی جینے لگی تھی۔

☾......☾......☾

آپریشن ضرب عضب پاکستانی قوم کی للکار تھی۔ ان دہشت گردوں کے لیے جو پاک وطن کی بربادی کا سامان اکٹھا کرنے میں مصروف تھے۔ قوم کی پکار پر لبیک کہتی پاک آرمی' سر پر کفن لپیٹے دشمنوں کے ارادوں کو نیست و نابود کرنے کا عزم باندھ کر میدان جنگ میں اتر چکی تھی۔ کیپٹن شامیر کی بٹالین کے کمانڈوز نے وزیرستان کی دشوار گزار پہاڑیوں پر آن کی آن میں مورچہ بندی کر کے اپنی پوزیشن سنبھال لی تھیں۔ مشین گن نصب کی جا چکی تھیں۔ مورچہ بندی خاص طور پر ان باتوں کو مدنظر رکھ کر کی گئی تھی کہ دشمن کی آمد ورفت پر نظر رکھی جا سکے' اس کے علاوہ جیسے ہی انہیں حملہ کرنے کا آرڈر ملے وہ باآسانی دشمن کے ٹھکانوں کو ٹارگٹ کر سکیں۔ کیپٹن شامیر اپنے مورچے میں بیٹھ کر بائنوکیولر آنکھوں سے لگائے اپنے گردونواح کا جائزہ لے رہا تھا۔ تب ہی صوبیدار نیاز کی آواز عقب سے آئی۔

"سر......!" اس کے ہاتھ میں وائرلیس سیٹ تھا۔

کیپٹن شاہ میر نے اس کے ہاتھ سے فوراً وائرلیس لے لیا۔ وائرلیس پر بریگیڈیئر صاحب کی جانب سے اہم خبر موصول ہوئی تھی۔ خبر وصول کرتے ہی شامیر نے اپنے مخصوص انداز میں "لیس سر" کہا اور اپنے کمانڈوز کو ہدایت دینے لگا۔ وہ منٹوں میں نئی حکمت عملی بنا چکا تھا۔ اب سے کچھ ہی دیر بعد یہاں سے دشمنوں کا اسلحے و بارود سے بھرا ہوا ٹرک گزرنے والا تھا اور انہیں ان ٹرکوں کو تباہ و برباد کر دینا تھا۔ وہ سب اپنی عقابی نظریں راستے پر گاڑھے دشمن کی آمد کے منتظر تھے۔ کچھ پل ہی سرکے ہوں گے کہ بہت دور سے سڑک پر دھول اڑتی محسوس ہوئی۔ کیپٹن شامیر اور اس کے کمانڈوز اپنی اپنی پوزیشن سنبھالے الرٹ ہو چکے تھے۔ ٹرک رفتہ رفتہ اب ان کے قریب آ رہے تھے۔

"جب تک میں فائر نہ کہوں' کوئی بھی گولی نہیں

چلائے گا۔" کیپٹن شامیر نے اپنے کمانڈوز کو ہدایت جاری کی۔ جب ٹرک ان سے کچھ ہی فاصلے پر رہ گیا تب کیپٹن شامیر کی دھاڑ سنائی دی۔

"فائر......!" اور اس حکم کے ملتے ہی کمانڈوز نے سامنے سے گزرنے والے دونوں ٹرکوں پر اپنے فائر کھول دیئے۔ وہ دونوں ٹرک آتشیں بارود سے بھرے ہوئے تھے۔ ایک دھماکے سے ان کے پرخچے اڑ گئے اور شعلے فضاؤں میں بلند ہونے لگے۔ دشمن کا گولہ بارود واسلحے کا سامان جہاں برباد ہوا تھا وہیں اس ہولناک دھماکے سے دشمن یہ بھی جان چکا تھا کہ آرمی کے کمانڈوز ان کا قلع قمع کرنے آن پہنچے ہیں۔

کیپٹن شامیر کی قیادت میں کمانڈوز اب دشمن کی جانب سے اٹھائے جانے والے اقدام کے لیے تیار تھے۔ جس پہاڑی پر ان کے مورچے تھے اس سے کچھ ہی فاصلے پر کچے پکے مکانات بنے ہوئے تھے۔ ٹھوس اطلاع کے مطابق یہ کچے پکے مکانات ہی ان دہشت گردوں کا ٹھکانہ تھے۔ انہیں زیادہ دیر انتظار نہیں کرنا پڑا۔ تھوڑی ہی دیر بعد ان مکانات کی چھتوں پر شامیر کو کچھ حرکت ہوتی محسوس ہوئی۔ اس نے فوراً بائینوکیولر آنکھوں سے لگا کر دیکھنا شروع کر دیا۔ منظر اب واضح ہو چکا تھا۔ وہ اب اپنی چھتوں پر چڑھے دوربین آنکھوں سے لگائے اردگرد کا جائزہ لے رہے تھے اور شاید وہ ان کے مورچے دیکھ بھی چکے تھے۔ شامیر نے کوئی لمحہ ضائع کیے بغیر ہیڈ کوارٹر میں اطلاع دے دی۔ اب صحیح معنوں میں حق وباطل کی جنگ شروع ہونے والی تھی۔ کچھ ہی پل گزرے ہوں گے جب فضاء میں پہاڑوں کے عقب سے گھن گرج کے ساتھ گن شپ بلیک کوبرا آسمان پر نمودار ہوا اور اپنی گن سے شعلے اگلتا ہوا ان مکانات پر برس پڑا۔ بلیک کوبرا اپنا غیض وغضب نکالتا رہا اور اس دوران کیپٹن شامیر اپنے کمانڈوز کے ساتھ مورچوں سے نکل کر دہشت گردوں کی جانب پیش قدمی کرنے لگے۔

دہشت گردوں کو سنبھلنے کا موقع ہی نہ مل سکا پہلے ایک زوردار دھماکے سے فضا گونج اٹھی اور پھر ان کی آن میں ان پر حملہ بھی ہو چکا۔ مزید کسر کیپٹن شامیر کے کمانڈوز نے ان پر زمینی حملہ کر کے نکال دیا۔ پاکستان آرمی نے دہشت گردوں کو ایک بھرپور سرپرائز دے ڈالا تھا۔

اگلے دو دن تک دہشت گردوں کی جانب سے سخت مزاحمت جاری رہی مگر آرمی کے قوت ایمانی سے بھرپور شیر دل جوانوں کے آگے مزاحمت دم توڑتی چلی گئی۔ شامیر بھی اپنے تین ساتھیوں کے ہمراہ اپنی پوزیشن سنبھالے دہشت گردوں کو جہنم واصل کرنے میں مشغول تھا جس جگہ وہ پوزیشن بنائے بیٹھا تھا اس سے ذرا فاصلے پر دھماکہ ہوا تھا جس کی زد میں آ کر ان کا ایک ساتھی شدید زخمی ہو گیا تھا۔ پھر بھی وہ ہمت نہیں ہارا تھا بلکہ مزید جوش وجذبے کے ساتھ دشمن کا مقابلہ کر رہا تھا۔ اپنے زخمی ساتھی کا حوصلہ دیکھ کر شامیر اور اس کے ساتھیوں کے انداز مزید جارحانہ ہو گئے تھے۔ مگر کب تک......ان کا زخمی ساتھی تکلیف کی شدت سے اب ہمت ہارنے لگا تھا جس مقام پر وہ کھڑا تھا اس طرف دہشت گردوں کی جانب سے دھواں دھار فائرنگ جاری تھی اس لیے یہ ضروری ہو گیا تھا کہ اسے محفوظ مقام تک پہنچایا جائے۔ کیپٹن شامیر کی ہدایت پر ان کا دوسرا ساتھی اپنے زخمی ساتھی کو محفوظ مقام تک منتقل کر ہی رہا تھا کہ دہشت گردوں کی جانب سے اسی مقام پر ایک اور دھماکہ ہوا جس کی زد میں آ کر وہ دونوں جوان موقع پر ہی دم توڑ گئے۔ اپنے دونوں ساتھیوں کو جام شہادت نوش کرتا دیکھ کر شامیر اور اس کے ساتھیوں کی آنکھوں میں خون اتر آیا۔ وہ اپنی جانوں کی پروا نہ کرتے ہوئے اس بہادری سے لڑے کہ دہشت گرد پسپائی اختیار کرنے پر مجبور ہو گئے۔ اگلے دو دنوں میں دہشت گردوں سے یہ علاقہ خالی کروا لیا گیا تھا اس علاقے سے انہیں انتہائی اہم انکشافات اور ثبوت بھی ملے تھے جو انہوں نے ہیڈ کوارٹر پہنچا دیئے تھے۔ کیپٹن شامیر کی بٹالین نے اپنا یہ معرکہ بھی کامیابی سے سر کر لیا تھا۔

نیلا آسمان ستاروں کا جال پھیلائے سکون سے کھڑا تھا۔ علاقے سے دہشت گردوں کا صفایا کیا جاچکا تھا۔ وہ لوگ صورت حال کا جائزہ لے کر ابھی ابھی واپس لوٹے تھے۔ راؤنڈ سے واپسی پر کیمپ کے اندر داخل ہوتے ہوئے آج وہ تہیہ کرچکا تھا کہ آج ضرور وہ لیہہ کو خط لکھے گا۔ وہ اسے پچھلے کچھ دنوں سے بے انتہا یاد آ رہی تھی۔ خط لکھنے بیٹھا تو سوچنے لگا کہ کیا لکھوں......؟

کیا بتاؤں اسے کہ یہاں دن کیسے گزر رہے ہیں یا یہاں کے حالات بتاؤں یا یہ بتاؤں کہ دشمنوں نے یہاں کیا تباہی مچا رکھی ہے......؟ نہیں...... نہیں، اسے اس کی زندگی میں آئے ابھی مہینے ہی کتنے ہوئے ہیں؟ پہلی دفعہ وہ اس سے طویل عرصے کے لیے دور ہوا ہے اسے یہاں کے بھیانک حالات بتاؤں گا تو وہ کتنی پریشان ہوجائے گی...... پھر کیا کہوں اسے......؟

''اسے بتاؤ کہ تم کتنی محبت کرتے ہو؟ کتنا یاد کرتے ہو، کتنے اداس ہو اس کے بغیر...... وہ کتنی اداس تھی تمہارے جانے پر، کتنی خفا بھی، کتنی شکایتیں تھیں اسے، دور کردو تم وہ شکایتیں......'' دل نے چپکے سے کئی مشورے دے ڈالے اور وہ مسکراتا ہوا ان پر عمل کرنے لگا۔

لیفٹیننٹ جہانزیب جو کچھ دیر ستانے کی غرض سے بستر پر دراز ہوا تھا۔ اسے بڑی محبت سے خط لکھتا دیکھ کر مسکرا اٹھا اور شہادت والی انگلی سے آنکھوں کے کناروں سے چھلکتی شبنم کو نرمی سے صاف کرنے لگا۔ یاد کرنے کے لیے تو اس کے پاس بھی بہت کچھ تھا، اس کی بچپن کی منگیتر جس سے اس کی شادی ہونے والی تھی، اس شادی کو ملتوی کرکے ہی تو وہ اس آپریشن میں شامل ہوا تھا۔

شامیر خط لکھ چکا تھا، اب اسے انتظار جنرل ہیڈ کوارٹر سے آنے والے ہیلی کاپٹر کا تھا جس کے ذریعے یہ خط اس کی منزل مقصود تک پہنچتا۔

◉......◉......◉

خاموش پرسکون سی رات تھی۔ گھر کے تمام افراد سوچکے تھے تب وہ ٹیرس پر آ بیٹھی۔ تاروں کی جھرمٹ میں چپ چاپ سا چاند بھی اسے دیکھ رہا تھا۔ اب وہ مٹھی میں دبائے خط کو بڑے احتیاط سے کھول کر پڑھنے لگی۔

''لیہہ جانتی ہو مجھے تو اب یاد بھی نہیں کہ تم سب سے جدا ہوئے مجھے کتنے دن ہوچکے ہیں، ہم کیوں دور ہیں لیہہ اپنوں سے؟ کیا ہمارے جذبات نہیں، کیا ہمارے احساسات نہیں، تم جانتی ہو لیہہ یہاں موجود ہر جوان کے دل میں اس کے اپنے اس کے گھر والے بستے ہیں، کبھی کبھی ان کی یاد آنکھوں میں آنسو بن کر جھلملاتی ہے کہ نہ جانے اب پھر ملنا نصیب بھی ہو یا نہیں؟ دل میں بسنے والے یہ چہرے پھر دیکھنے کو ملیں گے بھی کہ نہیں...... لیہہ، ہم ہی آخر کیوں اتنا کچھ سہتے ہیں، ہم ہی کیوں دور ہیں لیہہ، ہم ہی کیوں قربانیاں دیتے ہیں......'' ٹپ ٹپ ٹپ آنکھوں سے آنسوؤں کے قطرے...... خط پہ گرتے جارہے تھے آگے کے الفاظ پڑھے نہیں جارہے تھے۔ اس کی آنکھیں دھندلا گئیں تھیں۔ اس کا شامیر اپنوں کو یاد کرکے ٹوٹ رہا تھا، اس سے برداشت نہ ہوا وہ بے دردی سے آنسو صاف کرکے ایک بار پھر خط پڑھنے لگی۔

''لیہہ...... جانتی ہو کیوں؟ یہ ملک وجود میں ہی بڑی قربانیوں کے بعد آیا ہے، ہمارے آباؤ اجداد نے بے غرض ہوکر قربانیاں دیں ہیں اس ملک کے لیے جو دشمنوں کو بڑا کھٹکتا ہے جب سے میرا ملک وجود میں آیا ہے۔ اسلام کے نام پر بنا ہے ناں لیہہ اس لیے، بڑی تندہی سے اسے بدنام کرنے پر تلے ہوئے ہیں، جڑوں کو کھوکھلا کردینا چاہتے ہیں...... یہ بہت قیمتی ملک ہے لیہہ...... اور جو قیمتی ہوں ان کی حفاظت بھی اپنی جان کو ہتھیلی پر رکھ کر کی جاتی ہے۔ یہ ملک سب کچھ ہے ہمارے لیے اور ہم سب میں سے کچھ تو اس کے لیے جان قربان کرہی سکتے ہیں ناں، کیا ہوا جو ہم اپنے اپنے احساسات و جذبات قربان کردیتے ہیں، بدلے میں یہ بھی تو دیکھو پوری قوم کی حیات بن جاتے ہیں، میں تم سے بے حد پیار کرتا ہوں لیہہ، میرا سب کچھ تمہارا ہے، مگر میرا خون، میری زندگی میرے ملک وقوم کی امانت ہے، تم ایک بہادر کیپٹن کی

بیوی ہو کبھی کمزور نہیں پڑنے دینا خود کو‘ تمہیں اپنے وجود کا حصہ مانتا ہوں‘ سو تم میری طرح مضبوط رہنا‘ کبھی ہارنا نہیں کہ قربانیاں عظیم لوگ ہی دیتے ہیں۔ اپنی محبت اور دعاؤں کے حصار میں رکھنا مجھے‘ گھر میں سب کا خیال رکھنا‘ خاص طور پر امی اور فروا کا‘ پاپا بہادر ہیں بہت وہ سنبھال لیں گے خود کو‘ اچھا اب اجازت دو اپنے شامیر کو......بہت جلد پھر خط لکھوں گا۔“

خط ختم ہو چکا تھا‘ وہ ساکت سی بیٹھی رہی۔ وقت جیسے ٹھہر گیا تھا۔ چاند تارے سب ساکت ہو گئے تھے۔ اس کا شامیر ہمت نہیں ہارا تھا بلکہ اور مضبوط ہو گیا تھا۔ وہاں بیٹھ کر بھی وہ اس کے لیے فکر مند تھا۔ اس کی ہمت بندھا رہا تھا‘ اس پورے خط کا لب لباب ہی اس کے دل کو مضبوط کرنا تھا۔ اس پل اسے لگا ساری کائنات سو چکی اور فقط وہ جاگ رہی ہے اپنے رب سے باتیں کرنے کے لیے‘ دعائیں مانگنے کے لیے‘ اس کی آنکھیں اشک بار تھیں‘ لب ہلے تھے اور لفظوں میں صرف شامیر تھا اور سننے والی ذات اللہ کی تھی......!!

◐......◐......◐

راولپنڈی میں جنرل ہیڈ کوارٹر میں انتہائی اہم اجلاس جاری تھا۔ جس میں انتہائی اہم موصول ہونے والی اطلاعات پر غور و خوص کیے جانے کے بعد اس سے نبٹنے کی حکمت عملی ترتیب دی جا رہی تھی۔ اس مشن میں پاک فضائیہ کے جنگی طیارے اور گن شپ ہیلی کاپٹر کا کردار زیادہ اہم تھا۔ فیصلہ ہو چکا تھا اور میدان جنگ میں لڑنے والے جاں بازوں تک پہنچایا بھی جا چکا تھا۔

کیپٹن شامیر کے وائرلیس سیٹ پر نئے احکامات موصول ہو چکے تھے اور اب ان کی کمک آگے بڑھنے کو تیار تھی۔ حکم ملتے ہی شامیر نے اپنے جوانوں کو بڑے جوش میں مخاطب کیا۔

”ساتھیو! اللہ کے کرم سے ہم اس علاقے اور زمین پر سرخرو ہوئے‘ آپ جانتے ہیں دشمن نے ہمیں کمزور سمجھ کر نقصان پہنچایا ہے مگر اب ان کے دن گنے جا چکے ہیں‘ ہم انہیں اچھی طرح سمجھا دیں گے کہ ہم کس ملک کے جوان ہیں‘ کس دین کے سپہ سالار ہیں‘ کس قوم کے بیٹے ہیں۔ ہم عہد کرتے ہیں کہ جب تک جسم میں ایک سانس بھی باقی ہے تب تک ملک کی حفاظت کے لیے لڑیں گے۔ ساتھیو یہاں ہم اپنا علاقہ واپس لے چکے اب وقت آ گیا کہ ہم مزید آگے بڑھ کر دشمنوں کو منہ توڑ جواب دیں۔ اے اللہ تو ہماری حفاظت فرما‘ ہمیں اپنے عزائم میں سرخرو فرما اور دشمنوں کے ناپاک ارادوں کو نیست و نابود کرنے میں ہماری مدد فرما‘ آمین۔“ شامیر کی رقت آمیز دعا کے بعد سب نے باآواز بلند آمین کہا۔

”نعرہ تکبیر“ کمانڈو امتیاز نے صدا بلند کی۔

”اللہ اکبر!“

”پاکستان“

”زندہ باد......!“

”پاک قوم“

”پائندہ باد!“ ساری فضا ان سب کے فلک شگاف نعروں سے گونج اٹھی۔ سر پر کفن باندھے جوان اپنے کیپٹن کی قیادت میں اب آگے کی طرف پیش قدمی کر رہے تھے۔

انہیں خاص اطلاعات کی روشنی میں‘ رات کی تاریکی میں محاذ کھولنا تھا۔ وہ جس جگہ مورچے بنائے بیٹھے تھے‘ یہ جگہ آبادی سے کچھ فاصلے پر تھی۔ وہاں کے مقامی لوگ یہاں سے نقل مکانی کر چکے تھے۔ آبادی نہ ہونے کے برابر تھی اور اسی آبادی میں دہشت گردوں نے اپنی جائے پناہ بنا رکھی تھی‘ باہر سے ویران نظر آتے گھروں کے تہہ خانے اندر آباد تھے‘ کیپٹن شامیر نے اپنی کمک کو چار حصوں میں تقسیم کر دیا تھا۔ پہلے گروپ کو شامیر خود لیڈ کر رہا تھا‘ جبکہ دوسرے گروپ کو لیفٹیننٹ جہانزیب لیڈ کر رہے تھے۔ جبکہ تیسرے اور چوتھے گروپ کی نمائندگی سیکنڈ لیفٹیننٹ نثار اور کمانڈو امتیاز کر رہے تھے۔ چوتھے گروپ کو ممکنہ خطرات اور حملے کے پیش نظر اردگرد کے گھروں کی

چھت پر تعینات کر دیا گیا تھا' وہ ایک وسیع وعریض رقبے پر تعمیر عمارت تھی جس پر انہوں نے حملہ کرنا تھا۔
کچھ ہی دیر میں پوری عمارت کو کمانڈوز نے گھیرے میں لے لیا تھا۔ یہ سب کچھ اتنی راز داری سے ہوا کہ درختوں پہ اپنے گھونسلوں میں سوئے پرندوں کو بھی خبر نہ ہو سکی۔ کیپٹن شامیر احتیاط کے ساتھ دبے پاؤں اس عمارت کے دروازے کے سامنے کھڑا انگلی کے اشارے سے ایک دو تین کا اشارہ کر رہا تھا۔ عمارتوں میں پوزیشن لیے تعینات کمانڈوز پوری طرح سے حملے کے لیے الرٹ تھے۔ ایک کا اشارہ کرتے ہی کیپٹن شامیر کے ساتھ کھڑے جوان نے بھرپور انداز میں دروازے کو لات رسید کی۔ دروازہ ایک جھٹکے سے کھلا اور سامنے ہی کوریڈور میں بیٹھا نیند کے خمار میں ڈوبا پکی عمر کا شخص اس اچانک افتاد پر گھبرا کر اٹھ کھڑا ہوا۔ کافی تربیت یافتہ تھا جبھی سامنے کھڑی موت کو دیکھ کر خطا ہوئے اوسان کو بحال کرتا ان پر فائرنگ کھولنے لگا۔ مگر اس سے پہلے ہی کیپٹن شامیر کی گن نے شعلے اگل کر اس کو موت کی وادی میں اتار دیا۔ نقارہ جنگ بج چکا تھا۔ دہشت گرد اور آرمی کے جوان آمنے سامنے تھے۔ کیپٹن شامیر آندھی طوفان کی مانند اپنے کمانڈوز کے ہمراہ اس عمارت میں داخل ہوا تھا اور پھر دہشت گردوں کو پناہ لینے کی جگہ نہ ملی۔ اس وقت کیپٹن شامیر ہال کے دروازے کی اوٹ سے لیفٹیننٹ جہانزیب کے ہمراہ دہشت گردوں سے لڑنے میں مصروف تھا۔ یہ عمارت ایسی تھی کہ اس کے ہر چار دیواروں میں سے دو دیواروں میں بڑی بڑی کھڑکیاں نصب تھیں۔ کیپٹن شامیر بڑی دلیری سے دشمنوں کے سینے میں گولیاں اتار رہا تھا۔ تبھی مخالف سمت سے آتی گولیوں نے اس کے ساتھی کے جسم کو چھلنی کر دیا۔ اپنے ساتھی کو زمین پر تڑپتا دیکھ کر شامیر اور اس کے دوسرے ساتھی کمانڈو کی آنکھوں میں خون اتر آیا۔ وہ اور جارحانہ انداز میں آگے بڑھ کر دشمن پر وار کرنے لگے اور یہی وہ لمحہ تھا جب ان کے عقب سے ایک دہشت گرد ان کی پشت پر نشانہ باندھے بلی کی طرح دبے پاؤں آگے بڑھ رہا تھا۔ اس سے قبل کہ وہ گن سے گولی ان دونوں نوجوانوں کی پشت پر داغتا' باہر سے کھڑکی کے شیشوں کو چیرتی ہوئی ایک گولی اس کے بھیجے میں جا گھسی۔ اس کی گن اس کے ہاتھ سے چھوٹی اور وہ دھپ سے زمین پر جا گرا۔ سامنے والی عمارت میں تعینات اسنیپر نے اپنا کام ٹھیک وقت پر کر دکھایا تھا۔ شامیر اپنے ساتھی کمانڈوز کے ہمراہ اب ہال سے اندر جا کر دہشت گردوں کا صفایا کر رہا تھا۔ انہیں جلد ہی تہ خانے تک پہنچنے کا راستہ مل گیا تھا۔ تہہ خانے میں اتر کر ایک سرنگ جاتی تھی جہاں مکمل اندھیرا تھا اور اس اندھیرے کو دور کرنے کے لیے ہر تھوڑے فاصلے پر ایک شمع روشن کی گئی تھی۔ یہ دہشت گردوں کا خفیہ راستہ تھا اور اس خفیہ راستے کے ذریعے ہی وہ حملے کی اطلاع ملتے ہی یہاں سے فرار ہو گئے تھے' ابھی کیونکہ انہیں خبر نہ مل سکی تھی اس لیے وہ تیر دل جوانوں کی گرفت میں آ گئے' مگر پھر بھی ان کا لیڈر اپنی جان بچانے کی غرض سے اس سرنگ کے ذریعے فرار ہو گیا تھا۔ اس کے ساتھی اس کے بدلے اپنی جان گنوانے میں مصروف تھے۔ پر جلد بازی میں بھاگنے کی وجہ سے وہ کئی اہم ثبوت اس مکان میں چھوڑ گئے تھے جو کہ کیپٹن شامیر نے اپنی حفاظت میں لے لیے تھے۔ باہر موجود کمانڈو کو صورت حال وائرلیس پہ سمجھاتے ہوئے وہ اپنے شیر جوانوں کے ہمراہ اس سرنگ میں آگے بڑھ رہا تھا۔ سرنگ کا راستہ تنگ ضرور تھا مگر وطن کے پاسبانوں کی راہ روکنے کی طاقت نہ رکھتا تھا۔
وہ کچھ آگے بڑھے تھے کہ ان سے کچھ فاصلے پر دھما کہ ہوا تھا۔ دشمن ان پر چھپ چھپ کر وار کر رہا تھا۔ وہ اس حملے میں محفوظ رہے تھے اور اب مزید احتیاط کے ساتھ پھونک پھونک کر قدم رکھ رہے تھے۔ اگلے ہی کچھ پلوں میں انہیں دہشت گردوں کی جانب سے شدید فائرنگ کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ وہ بھاگتے ہوئے مزاحمت کر رہے تھے۔ فائرنگ کا شدید تبادلہ دونوں جانب سے جاری تھا۔ جہاں دشمن ان کی گولیوں کا شکار ہو رہا تھا' وہیں

پاک آرمی کے جوان بھی شہادت کے عظیم مرتبے پر فائز ہونے لگے۔ خود شامیر کے دائیں بازو پر گولی لگی تھی۔ پر وہ زخموں کی پروا کیے بغیر جوانمردی سے لڑ رہا تھا۔ لڑائی شدت اختیار کرچکی تھی۔ لیفٹیننٹ جہانزیب شدید زخمی حالت کا شکار تھا۔ کمانڈو امتیاز نے اسے سہارا دے کر سرنگ کی دیوار کے سہارے بٹھا دیا تھا۔ اس کی حالت بہت خراب تھی۔ مگر پھر بھی وہ لڑنے کو بے تاب تھا۔ شامیر نے دشمنوں کا مقابلہ کرتے ہوئے جہانزیب کے چہرے پہ ایک نگاہ ڈالی' اس کے چہرے پر کرب نمایاں تھا۔ آنکھوں میں شہادت کی چمک عیاں تھی۔ اسے جہانزیب کے کل کے کہے الفاظ یاد آ گئے جب راؤنڈ سے واپسی پر وہ مسکراتا ہوا اپنے بارے میں بتا رہا تھا۔

''میری ماں میرے انتظار میں نظریں دروازے پر ٹکائے راہ تکتی رہتی ہے' کافی ضعیف ہے ناں سر' اب صبر نہیں ہوتا اس سے' کہتی ہے جب تو آئے گا تو تیری دلہن گھر لاؤں گی اور میری منگ دلہن بن کر میری زندگی میں قدم رکھنے کے لیے شدت سے میری منتظر ہے اور میں سوچتا ہوں نہ جانے پھر ان لوگوں کو دیکھ بھی پاؤں گا یا نہیں۔'' وہ اپنی بات کے اختتام پر بڑے دل گیر انداز میں مسکرایا تھا۔ شامیر اس کے جذبات سمجھتا ہوا اس کے حوصلے کے لیے پیٹ پر تھپکی دینے لگا۔ شامیر کی آنکھیں فرط جذبات سے دھندلا گئیں۔ وہ اتنے عرصے سے ساتھ تھے۔ ایک دوسرے کے جذبات اچھی طرح سمجھتے تھے۔ وہ دین کی' وطن کی محبت سے سرشار تھا' پر گھر والوں کی یاد بھی آنکھوں سے شفاف قطرے کی صورت چھلکنے کو تیار تھی۔ شامیر بامشکل اس کے چہرے سے نظریں ہٹا سکا۔ اس پل اسے بھی اس کے گھر والے یاد آ گئے' نہ جانے وہ بھی ان سب سے مل پائے گا یا نہیں' صد شکر کہ اس نے آج گھر والوں کے لیے خط لکھ کر جی ایچ کیو بھجوا دیا تھا۔ شاید یہ اس کے پیاروں کے نام اس کا آخری خط ثابت ہو۔ شامیر کے جسم میں ایک بجلی سی کوندی اور اپنے ساتھیوں کے ہمراہ وہ کسی شیر کی مانند دشمنوں پہ لپکا تھا۔

دشمن پسپائی اختیار کرچکا تھا' پر اس کے باوجود اس کی مزاحمت جاری تھی۔ تب ہی اچانک وہ سرنگ ایک خوف ناک دھماکے سے گونج اٹھی۔

⦿......⦿......⦿

آج کی صبح اسے بے انتہا خوش گوار لگ رہی تھی۔ سورج اور بادل کی آنکھ مچولی' نرم سی دھوپ' مارگلہ کی پہاڑیاں دور سے نظر آئیں اور ہر سو سرسبز پیڑ پودے چڑیوں کے چہچہاٹیں پر یہ تو روز کا معمول تھا' پھر نیا کیا تھا کہ لیبہ کو صبح خوب صورت دخوش گوار لگ رہی تھی۔ وہ صبح صبح لان میں نرم نرم سبز گھاس پہ ننگے پاؤں ٹہل رہی تھی۔ چہرہ بالکل صاف اور سادہ جیسے ابھی ابھی شفاف ٹھنڈے پانی سے دھلا ہو۔ گھنی زلفیں چہرے کا احاطہ کیے خوشبوؤں سے مہکتی ہواؤں سے اٹھکیلیاں کررہی تھیں۔ ہاتھوں میں کچھ صفحے تھامے وہ چہرے کے آگے کیے ان صفحوں پہ کندہ لفظوں سے اپنی آنکھوں کو ٹھنڈک پہنچا رہی تھی۔ اس کا چہرہ کسی بھی طرح کے میک اپ سے پاک تھا۔ آنکھیں ابھی ابھی نیند کے خمار سے جاگی تھیں۔ سو ہلکی ہلکی سوجی سی تھیں مگر پھر بھی وہ حسین لگ رہی تھی۔ کچھ چہرے ایسے ہوتے ہیں جو محبت کی روشنی سے چمک اٹھتے ہیں۔ لیبہ کا حسن بھی کوئی معمولی حسن نہ تھا' یہ حسن محبت کا حسن تھا' ہجر کے بعد وصل کی کرن کی خوشی تھی۔ محبت کی چمک تھی' آج اس کے محبوب شوہر کا خط آیا تھا اس کے لکھے گئے لفظوں میں جھلکتے اظہار محبت کی کشش تھی اس کے چہرے پر۔

''کیسی ہو لیبہ' تم نہ بھی بتاؤ تو میں جانتا ہوں' کہ تم کیسی ہوگی۔ اکثر اکیلے میں مجھے یاد کرکے آنسو بہاتی ہوگی' کبھی چاند سے بیٹھ کر میری شکایتیں کرتی ہوگی' سب کے سامنے خود کو بہادر پوز کرنے والی لیبہ تنہائی میں مجھے یاد کرکے روتی ہوگی...! میں تمہیں جانتا ہوں لیبہ تم ایسا ہی کرتی ہوگی۔ اچھا اب آنسو صاف کرو اور میرا حال دل سنو......! چلو میں تمہیں بتاتا ہوں کہ یہاں کیسے رہتا ہوں۔ لیبہ یہاں حالات بہت زیادہ خراب ہیں۔

دہشت گردوں نے ہمارے اپنے لوگوں کے برین واش کردیئے ہیں۔ مگر ہم انہیں جیتنے نہیں دیں گے۔ یہ ہمارے ہی لوگوں کو ہمارے خلاف بھڑکا رہے ہیں۔ ہم ان کی سازشوں کو کامیاب نہیں ہونے دیں گے اور تمہیں بتاؤں تمہارا شوہر بہت بہادری سے لڑنے والا فوجی ہے۔ اپنی آخری سانس تک اپنے وطن کی حفاظت کرنے والا' دشمنوں کو جہنم واصل کرنے والا۔ ہونہوں! اب تمہاری آنکھوں سے آنسو چھلکنے والے ہوں گے' اچھا چلو نہیں کرتا ایسی باتیں۔ مگر لیہہ یاد رکھنا یہ بات کہ میں اور میری محبت صرف تمہارے' مگر میری جان میری زندگی صرف میرے ملک کی امانت ہے' اور میں امانت میں کھوٹ کبھی نہیں کرتا۔

اچھا سنو تم اس دن وصی شاہ کی غزل پڑھ رہی تھیں اور مجھ سے شکایت کررہی تھیں کہ میں تمہارے عشق میں شاعری نہیں کرتا۔ تو سنو جان! میں کیوں تمہارے ہاتھ کے ایک بےنام سے کنگن بننے کی خواہش کروں جبکہ تمہارا پورا وجود میرا اور میرا پورا وجود تمہارا' میں کیوں خواہش کروں کہ تم کسی سوچ میں ڈوبی ہو اور میں کنگن کے روپ میں تمہیں دیکھا کروں۔ تمہیں دیکھنے کے لیے مجھے کسی شے کے سہارے کی کیا ضرورت؟ جیسے ہی آنکھیں بند کرتا ہوں تم فوراً میرے سامنے آجاتی ہو۔ میں کیوں خواہش کروں کہ ایک بے نام سا بندھن ہوتا تمہارے لیے جبکہ تم سے میں جس بندھن میں بندھا ہوں وہ دنیا کا مقدس اور حسین ترین بندھن ہے۔ لیہہ جو میں ہوں وہ تم ہو میں تم ہے یا تم مجھ سے الگ نہیں۔ پھر میں کیوں فقط تمہارا ایک کنگن بننے کی تمنا کروں جبکہ اللہ نے مجھے تمہارا سب کچھ بنادیا تو میں کیوں نہ اس کا شکر ادا کروں۔ آج تھوڑی فرصت ملی تو تم سے کتنی باتیں کرڈالیں۔ ابھی بھی بہت سی ان کہی باتیں رہتی ہیں پر وہ میں جب تمہارے پاس آؤں گا تب کروں گا اور اگر نہ آسکا تو تب بھی کہہ دوں گا۔ اس کا انتظام بھی کرچکا ہوں میں۔ اب دیکھو اس بات پر رونا نہیں تم' کیپٹن شامیر کی بیوی ہو کبھی نہ ہمت ہارنا نہ خود کو ہارنے دینا۔ اچھا اب اجازت دو مجھے' اپنا بہت بہت خیال رکھنا۔

بہت محبت کے ساتھ تمہارا کیپٹن شامیر خان!"

اتنی دور بیٹھ کر اتنے مشکل حالات سے مقابلہ کرتے ہوئے بھی اس کا شوہر اسے اپنے ساتھ کا یقین دلا رہا تھا' اس کی ہمت بندھا رہا تھا۔ کتنا عظیم تھا وہ' کتنی محبت کرنے والا تھا وہ' لیہہ کو یک دم شامیر کی بیوی ہونے پر فخر محسوس ہونے لگا۔ وہ خط دونوں ہاتھوں میں پکڑے شامیر کو تصور میں سوچتے مسکرانے لگی۔ شامیر کے تمام خطوط اس نے بہت پیار سے سنبھال کر الماری میں رکھے تھے۔ یہ تمام خطوط اس کی زندگی کے انمول ترین سرمایہ بنتے جارہے تھے۔

"ہمیں فوراً پنڈی کے لیے نکلنا ہوگا' گھر میں ابھی کسی کو کچھ بھی بتانے کی ضرورت نہیں ہے نصرت۔" تیمور خان اپنی واسکٹ الماری سے نکالتے ہوئے نصرت جہاں سے مخاطب ہوئے' مگر اپنی بات کے جواب میں خاموشی پاکر پلٹ کر نصرت جہاں کو دیکھنے لگے۔ وہ بنا کچھ جواب دیئے خاموشی سے صوفے پہ بیٹھی اپنے گود میں دھرے خالی ہاتھوں کو گھورتی اشک بہا رہی تھیں۔

"آپ یوں ہمت ہار جائیں گی تو مجھے کون سنبھالے گا۔" پہاڑوں جیسے مضبوط اعصاب کے مالک تیمور خان کا لہجہ بھیگا بھیگا تھا۔ دفعتاً اسی پل دروازے پہ دستک ہوئی' نصرت جہاں جلدی سے اپنے آنسو صاف کرنے لگیں۔ اجازت ملنے پر لیہہ دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئی اس کے ہاتھ میں ٹرے تھی جس میں چائے کے ساتھ پکوڑے اور جلیبی بڑی ترتیب سے سجے ہوئے تھے۔ بھیگا بھیگا موسم تھا' بادلوں سے ڈھکا سورج بھی ڈھلنے کو بیتاب تھا۔ ایسے میں لیہہ کا دل چائے کے ساتھ پکوڑوں سے بھی لطف اندوز ہونے کو کررہا تھا۔ سو پکوڑے بنانے کے لیے کچن میں جاگھسی جبکہ گرما گرم جلیبیاں بازار سے منگوائیں اور سب کچھ تیار کرکے تایا' تائی کے کمرے میں لے آئی۔ لیکن نہ جانے کیوں

اسے تایا ابو اور تائی امی کچھ خاموش خاموش سے لگے۔ وہ اس خاموشی اداسی کو شامیر کی یاد سے تعبیر کرتی ان کے پاس بیٹھی ان کا دل بہلاتی رہی۔

"جب سے شامیر کا خط ملا ہے تب سے لیہہ بے حد خوش ہے۔" اس کے کمرے سے جاتے ہی نصرت جہاں نم آنکھوں سے تیمور خان کو دیکھتے ہوئے بولیں۔ تیمور خان کچھ پل خاموشی سے بیٹھے رہے پھر آہستگی سے نصرت جہاں سے کہنے لگے۔

"پنڈی سے ملنے والی خبر کے متعلق ابھی گھر میں کسی کو بھی کچھ بتانے کی ضرورت نہیں۔ آپ ہمت کریں اور پنڈی چلنے کی تیاری کریں۔" اتنا کہہ کر وہ وہاں سے اٹھ کر کمرے سے باہر نکل گئے۔ نصرت جہاں ان کی بات کا مطلب سمجھتے ہوئے اپنے نڈھال وجود کو سنبھالتی اٹھیں اور الماری سے چادر نکال کر اوڑھنے لگیں۔

پنڈی میں تائی امی کی پھوپو کا گھر تھا۔ تیمور خان اور نصرت جہاں کچھ دن کے لیے پنڈی پھوپو کے گھر گئے ہوئے تھے۔ تیمور خان نے لیہہ اور فروا کے گھر میں اکیلے ہونے کے خیال سے ظہور خان سے کہہ کر لیہہ کے بھائی سمیر کو گھر پہ بلوالیا تھا۔ سمیر کے آجانے سے فروا اور لیہہ بھی مطمئن تھیں۔ رات کا کھانا کھا کر جب فروا اور سمیر سونے کے لیے چلے گئے تو وہ اپنے کمرے سے منسلک ٹیرس پر بیٹھی، کچھ روز قبل آئے اس خط کو روزمرہ کی روٹین کی طرح پڑھنے بیٹھ گئی۔ پڑھتے پڑھتے جانے کتنی بار اس کی آنکھیں بھیگی اور لب مسکائے...... یہ خط نہیں تھا شامیر کی محبت تھی۔ اس کے جذبات تھے، اس کی فکر اس کے ہونے کا احساس تھا۔ اسے یوں لگتا کہ وہ خط نہیں پڑھ رہی جیسے شامیر کو بیٹھی سن رہی ہو۔ وہ اس کے پاس بیٹھا اپنے ان خوب صورت الفاظوں سے اس کے کان میں رس گھول رہا ہو۔ وہ اب اپنی اکثر راتیں یوں ہی شامیر کو محسوس کرتی گزارتی تھی۔

......

صبح روشن تھی، بے حد روشن، چڑیوں کی چہکار ہر سو گونج رہی تھی۔ بظاہر سب کچھ ٹھیک تھا نہ جانے کیوں ایک بے نام سی بے کلی دل میں موجود تھی۔ ایک بے چینی، اضطراب نے اس کے وجود کا احاطہ کررکھا تھا اور یونہی بے کل سی وہ اپنے کمرے سے نکلی تھی کہ اسی پل دروازے پہ دستک ہوئی۔

"اس وقت کون آگیا؟" اس کا دل دھڑکا۔ گھڑی پہ نگاہ ڈالتے وہ دروازے کی جانب بڑھی۔

دھیرے سے دروازہ کھول کر اس نے باہر جھانکا۔ وہاں پاک افواج کے دو جوان کھڑے دروازہ کھلنے کے منتظر تھے۔

"کیپٹن شامیر خان کا گھر یہی ہے محترمہ......" اسے سوالیہ نظروں سے دیکھتا پا کر انہوں نے فوراً سوال کیا۔

وہ دھڑکتے دل سے اثبات میں صرف سر ہلا سکی۔ اس کی چھٹی حس بار بار کسی انہونی کا احساس دلا رہی تھی۔ وہ دونوں جوان احتراماً نظریں جھکائے اس کے سامنے سے ہٹ گئے۔ اب جو منظر اس کے سامنے تھا۔ اس نے جیسے اس کے جسم سے روح تک کھینچ ڈالی تھی۔

وہ لکڑی کا ایک تابوت تھا جسے کچھ جوان اپنے کاندھوں پہ اٹھائے کھڑے تھے۔ کیا اب بھی کسی وضاحت کی ضرورت تھی؟ کیا اسے اب بھی بتایا جاتا کہ اس کا شامیر اپنے ساتھیوں کے کاندھے پہ سوار ہوکر گھر واپس آگیا ہے۔ وہ ہذیانی انداز میں چیخی تھی۔

فروا کب سے اس کے پاس بیٹھی اسے سمجھا رہی تھی مگر وہ بے تحاشہ روتی جارہی تھی۔ تاریکی میں ڈوبی رات اب سحر کی جانب گامزن تھی۔ سمیر متفکر سا اپنی بہن کو دیکھتا رہا اور پھر کچھ سوچتے ہوئے کمرے سے باہر نکل گیا۔

"لیہہ وہ ایک خواب تھا جو تم نے دیکھا۔ شامیر بھائی بالکل ٹھیک ہیں پلیز اس طرح رونا بند کرو۔" کتنی بار فروا اسے سمجھا چکی تھی، پر وہ اب تک اپنے اس پریشان کن خواب کے زیر اثر روئے جارہی تھی۔

"میرا دل بہت مضطرب ہے، فروا مجھے ڈر لگ رہا ہے بہت۔ یوں لگ رہا ہے جیسے شامیر ٹھیک نہیں اور یہ

خواب......اس خواب میں کیا اشارہ تھا میں تو سوچ کر ہی دہل گئی ہوں۔" وہ روتے ہوئے بولی تو فروا بے بس سی اسے دیکھنے لگی۔ خود اس کا دل سہما جا رہا تھا' شامیر اس کا اکلوتا بھائی تھا اور وہ اپنے بھائی سے بے حد محبت کرتی تھی۔ شامیر کی لاڈلی جو تھی۔ اور اب لیہہ کو یوں ماتم کناں دیکھ کر اس کا دل ہولا جا رہا تھا۔

"لیہہ اگر دل کو مطمئن کرنا ہے تو اللہ سے کہو اس سے کہہ سن کر ہی دل مطمئن ہو سکتا ہے۔ وہی سکون دینے والا ہے' وہی صبر دینے والا ہے' چلو اٹھو' تہجد پڑھتے ہیں اور شامیر بھائی کے لیے دعا کرتے ہیں۔" فروا بہت حوصلے سے کام لے رہی تھی اور اسے بھی حوصلہ رکھنے کی تلقین کر رہی تھی۔ لیہہ اس کے کہنے پر اثبات میں سر ہلاتی اٹھ کھڑی ہوئی۔ سمیر ان کے کمرے میں داخل ہوا تھا۔

"آپ لوگ کہاں جا رہے ہیں۔" ان دونوں کو اٹھتا دیکھ کر حیرت سے پوچھنے لگا۔

"نماز پڑھنے......تم کہاں تھے؟" فروا نے جواب دے کر اس سے پوچھا۔

"میں تایا ابو سے کال پر بات کر رہا تھا۔ کل شام تک وہ اور تائی امی بھی واپس آ جائیں گے۔" سمیر کی اس اطلاع پر ان دونوں کے چہرے پر کچھ سکون پھیلا۔ سمیر ان دونوں کو پرسکون دیکھ کر کچھ حد تک مطمئن ہو گیا۔ وہ نماز لیہہ نے آنسوؤں سے تر چہرے کے ساتھ ادا کی۔ اس کا رواں رواں اس پل شامیر کے لیے رب کے حضور دعا بنا ہوا تھا۔

☾......☾......☾

سمیر کی کال نے انہیں اندر سے بے چین کر دیا تھا۔ لیہہ کی حالت سن کر وہ بے حد پریشان ہو گئے تھے۔ وہ اس وقت ضبط کے کس کڑے مراحل سے گزر رہے تھے یہ کسی سے نہ کہہ سکتے تھے۔

"کس کا فون تھا؟" تسبیح کے دانے پڑھتی نصرت جہاں ان کے عقب میں کھڑی پوچھ رہی تھیں۔ آدھی رات گزر چکی تھی۔ پر وہ اب تک نہیں سوئی تھیں۔

''گھر سے سمیر کی کال تھی۔'' انہوں نے ایک سرد آہ بھرتے ہوئے جواب دیا۔

''اس وقت...... خیریت تو ہے ناں گھر پر سب۔'' نصرت جہاں کو گھبراہٹ ہوئی ابھی شام میں ہی بہو بیٹی دونوں سے بات ہوئی تھی۔ دونوں ہی خیریت سے تھیں پھر اچانک آدھی رات کو گھر سے فون آنے کا سن کران کا گھبرانا فطری تھا۔

''لیبہ نے اچھا خواب نہیں دیکھا شامیر کے لیے وہ بہت گھبرا گئی ہے اور خود کو رو رو کر ہلکان کیے جا رہی ہے۔'' تیمور خان کا لہجہ بہت ہی تھکا ہوا سا تھا۔

''دل کو دل سے راہ ہوتی ہے۔ ایسا کیسے ممکن ہے کہ اس کا شوہر زندگی و موت کی جنگ لڑ رہا ہو اور اس کے دل کو کچھ خبر نہ ہو۔'' نصرت یہ کہتی ہوئی قریبی بینچ پہ بیٹھ گئیں اور نگاہیں سامنے انتہائی نگہداشت یونٹ کے دروازے پر جما دیں۔ جہاں ڈاکٹروں کے آنے جانے کا سلسلہ اچانک تیز ہو گیا تھا۔ وہ پچھلے چار دنوں سے پنڈی کے اس ہسپتال میں شامیر کے لیے دعا گو تھے۔ اس دن صبح ہیڈ کوارٹر سے شامیر کے شدید زخمی ہونے کی اطلاع آئی تھی۔ اطلاع ملتے ہی وہ دونوں یہاں پہنچ گئے تھے۔ گھر میں انہوں نے تیمور خان کی ہدایت کے مطابق کسی کو بھی نہیں بتایا تھا۔ نہ بتانے کی سب سے اہم وجہ لیبہ خود تھی۔ اگر اسے پتا چل جاتا تو یقیناً وہ خود پر قابو نہ رکھ پاتی اور اس نازک صورت حال میں انہیں شامیر کے ساتھ ساتھ لیبہ کو بھی سنبھالنا مشکل ہو جاتا۔ اس لیے ان کی کوشش تھی کہ جس حد تک ممکن ہو چھپایا جائے اس لیے تیمور خان نے اپنے بھائی کو بتانے سے بھی احتراز کیا تھا۔

''کیسی طبیعت ہے میرے بیٹے کی ڈاکٹر صاحب؟'' تیمور خان انتہائی نگہداشت کے وارڈ سے نکلتے ڈاکٹر سے پوچھنے لگے۔

''کچھ کہنا ابھی قبل از وقت ہوگا۔ ہم پوری کوشش کر رہے ہیں آپ کے بیٹے کی جان بچانے کی۔ باقی جو اللہ کی مرضی...... آپ لوگ بس دعا کریں۔'' ڈاکٹر نے انہیں دونوں شانوں سے تھام کر تسلی دیتے ہوئے نرمی سے کہا۔

''میرا بیٹا بہت بہادر ہے ڈاکٹر صاحب' آپ دیکھ لیجیے گا' وہ یہ جنگ بھی جیت جائے گا۔'' ان کی مسکراہٹ میں الگ ہی چمک تھی۔ ڈاکٹر کاسران کی تعظیم میں خود ہی جھک گیا۔ یہ بات تو وہ بھی جانتا تھا کہ اندر وارڈ میں نلکیوں میں جکڑا وہ شخص کس بہادری سے لڑ کر یہاں پہنچا تھا۔ آج صبح بریگیڈیئر صاحب اپنے زخمی نوجوانوں کی عیادت کو آئے تھے اور انہوں نے خود تیمور خان کو شامیر کی بہادری کے قصے سنائے تھے۔ اس سرنگ میں وہ دھماکہ پاک افواج کے انتہائی قریب پہنچ جانے پر دہشت گردوں کے سرغنہ نے کیا تھا۔ شاید اس بزدل کو شیر جوانوں سے بچنے کا یہی ایک طریقہ سمجھ آیا تھا' اس دھماکے سے وہ خود تو جہنم واصل ہو گیا مگر پاک افواج کے جوانوں کو بھی بری طرح سے زخمی کر گیا تھا۔ لیفٹیننٹ جہانزیب اس دھماکے میں جانبر نہ ہو سکے تھے اور شہادت کا عظیم رتبہ پا کر قوم کی حیات بن گئے تھے۔ کل صبح ہی ان کے گھر والے ان کی میت ہسپتال سے لے گئے تھے۔ نصرت جہاں کی نظروں میں کل کا وہ منظر گھوم گیا جب بے حد ضعیف ماں نے اپنے شہید جوان خوبرو بیٹے کا چہرہ جھلملاتی آنکھوں سے دیکھ کر اپنے جھریوں زدہ ہاتھ کو اس کے پرسکون چہرے پہ پھیرتے ہوئے کہا۔

''چل پتر گھر چل' تیری مٹی تیرا انتظار کر رہی ہے۔'' کیسا صبر تھا ان کے لہجے میں' کیسا حوصلہ تھا ان کے انداز میں اور یہی انداز نصرت جہاں کو حوصلہ سکھا گیا تھا۔

''کیا کہتے ہیں ڈاکٹر۔'' وہ تیمور خان کو اپنی جانب آتا دیکھ کر اٹھ کھڑی ہوئیں۔

''یہی کہ بس دعا کرو...... باقی اللہ کی رضا۔'' تیمور خان نے ان کے ہاتھ پہ اپنا ہاتھ رکھ کر تسلی دیتے ہوئے کہا۔ وہ سر کو خفیف سا ہلاتے ہوئے واپس بیٹھ کر تسبیح پڑھنے لگیں۔ تسبیح کے دانے گرتے ہوئے وہ شدت سے فجر کی اذان کی منتظر تھیں۔

اس کی آنکھ فجر کی اذان پر کھلی تو اسے معلوم ہوا کہ وہ سجدے میں دعا مانگتے مانگتے سوگئی تھی۔ یقیناً اس کی دعا کی قبولیت کا احساس تھا جس نے اسے نیند کی وادی میں جا دھکیلا تھا۔ رات بھر کی بے قراری اب قدرے کم تھی۔ دل میں بے چینی کی جگہ سکون نے لے لی تھی۔ اضطراب کی جگہ یہ احساس غالب آگیا تھا کہ اس کی دعائیں سن لی گئی ہیں۔ وہ نماز کی ادائیگی کے بعد ایک بار پھر سے پورے خلوص کے ساتھ شامیر کے لیے دعائیں مانگنے لگی تھی۔

شام تک تایا ابو اور تائی امی واپس آگئے تھے۔ ان کے آنے سے لیہہ اور فروا بے حد خوش تھیں۔ اتنے دنوں سے ان دونوں کی عدم موجودگی نے بھی انہیں تنہائی کا شکار بنا ڈالا تھا۔ تایا ابو تائی امی کو گھر پہ چھوڑ کر واپس کسی ضروری کام سے پنڈی چلے گئے تھے۔ تائی امی جب سے آئی تھیں زیادہ تر مصلے پہ بیٹھی نماز اور دعائیں مانگنے میں مصروف رہتیں۔ وہ عبادت گزار خاتون تھیں۔ اس لیے ان کی بے انتہا عبادتوں نے فروا اور لیہہ کو اچھنبے میں نہ ڈالا۔ پر کبھی کبھی لیہہ کو شدت سے کچھ گڑبڑ ہونے کا احساس ہوتا ایسا خاص طور پر تب ہوتا جب تائی امی بڑی گریہ وزاری کے ساتھ شامیر کے لیے دعائیں مانگ رہی ہوتیں۔ تب لیہہ کا دل کسی انجانے خوف سے سہم جاتا۔

تایا جان کی واپسی اگلے چار دنوں میں ہوئی تھی اور آتے ہی انہوں نے شامیر اور لیہہ کی پہلی شادی کی سال گرہ کے لیے ایک چھوٹی سی تقریب منعقد کرانے کا اعلان کردیا تھا۔ ان کے اس اعلان نے سب کو ہی ورطۂ حیرت میں ڈال دیا تھا۔

''خان صاحب شامیر کی غیر موجودگی میں کیسی شادی کی سال گرہ۔'' تائی امی کو سخت اعتراض ہوا تھا۔

''بھئی شامیر نہیں ہے تو کیا ہوا' لیہہ تو یہاں موجود ہے ناں' اس بچی کے بھی تو کچھ ارمان ہوں گے۔ ہمیں اس کی خوشیوں کو نہیں بھولنا چاہیے۔'' تیمور خان نرم سی مسکراہٹ چہرے پہ سجائے لیہہ کی جانب دیکھتے ہوئے بولے تو لیہہ کو سخت شرمندگی نے آگھیرا۔

''نہیں تایا ابو میری خوشی تو شامیر کے ساتھ ہونے پر منحصر ہے۔ اس شادی کی سال گرہ کا کیا فائدہ بھلا جب شامیر یہاں موجود ہی نہیں۔'' لیہہ کا دل ہرگز اس تقریب کے لیے راضی نہ تھا وہ تو اپنی شادی کی سال گرہ بھی بھولے بیٹھی تھی۔

''بس میں مزید کوئی اعتراض نہیں سنوں گا۔ میں نے کہہ دیا کہ یہ سال گرہ ہوگی تو اس کا مطلب ہے ہوگی۔ بھلے شامیر یہاں موجود ہو یا نہیں۔'' تیمور خان قطعی انداز میں کہتے اپنی نشست سے اٹھ کھڑے ہوئے۔ نصرت جہاں انہیں شکوہ کناں نظروں سے دیکھنے لگیں اور وہ ان سے نظریں چراتے وہاں سے چلے گئے۔

''ابو جان کو کیا ہوگیا ہے آخر؟'' فروا نے تیمور خان کے اس رویے پر حیرانگی سے کہا۔ اس کے سوال پر سب خاموش تھے۔ اگلے تین دن بعد تقریب تھی اور گھر میں خاموشی کا دور دورہ تھا۔ تیمور خان نے سمیر کو ایک بار پھر گھر پہ بلا لیا تھا' اس کے آنے سے گھر میں کچھ رونقیں بحال ہوئی تھیں البتہ تائی امی بالکل خاموش تھیں اور ان کی خاموشی گھر میں سب ہی محسوس کررہے تھے۔

''میرا بیٹا ہسپتال میں موت سے لڑ رہا ہے اور آپ گھر میں جشن منا رہے ہیں۔'' نصرت جہاں سے آخر صبر نہ ہوا اور تیمور خان کے سامنے چیخ ہی پڑیں۔

''میرا بیٹا ابھی زندہ ہے نصرت' اس کی غیر موجودگی میں اس سے وابستہ خوشیاں منانا میرا فرض ہے۔ آپ کیوں نہیں سمجھ رہیں اس بات کو۔'' وہ بے بسی سے بولے۔

''اسے آجانے دیں پھر مناتے رہیے گا خوشیاں۔'' نصرت بیگم منہ موڑ کر بولیں۔

''میں سارے انتظامات مکمل کرچکا ہوں۔ اب یہ تقریب نہیں رک سکتی۔'' وہ قطعیت سے کہتے ہوئے کمرے سے باہر نکل گئے۔ نصرت جہاں انہیں جاتا

دیکھتی رہ گئیں۔

⊙......⊙......⊙

آج صبح سے اس پر اداسی چھائی ہوئی تھی۔ تائی امی کا اداس چہرہ اس کے دل کو مزید اداس کررہا تھا۔ اسے سمجھ نہیں آرہا تھا کہ تایا ابو اس تقریب کو لے کر اتنی ضد کیوں کررہے ہیں۔ آج صبح سے وہ شامیر کی کال کا انتظار کررہی تھی۔ پر نہ ہی کوئی کال آئی نہ ہی کوئی قاصد آیا۔

سمیر تیمور خان کی ہدایت پر لاؤنج کی آرائش وزیبائش میں مصروف تھا۔ تیمور خان آج بے حد مصروف تھے۔ تقریب چھوٹی سی تھی مگر اس کی ساری ذمہ داری تیمور خان نے ہی اٹھا رکھی تھی۔ کھانا باہر سے پکوایا گیا تھا۔ لاؤنج کو سمیر نے سرخ وسفید ربنز سے سجایا تھا۔ لیبہ گرل پہ کہنی ٹکائے یہ ساری آرائش وزیبائش دیکھ رہی تھی۔ بظاہر سب کچھ بے حد اچھا لگ رہا تھا مگر......دل......دل بے حد اداس تھا۔

"اف لیبہ تم ابھی تک یہیں کھڑی ہو۔ کم ازکم اپنے کپڑوں کا تو انتخاب کرلو۔ بالآخر آج کی تقریب تم سے ہی منسوب ہے۔" فروا نجانے کب اس کے پاس آ کھڑی ہوئی تھی۔ اسے پتا نہ چلا۔

"اور میں جس سے منسوب ہوں وہ خود تو غائب ہے فروا۔" وہ نظریں جھکائے انگلیاں مڑوڑتی اداسی سے بولی۔ فروا بھی کچھ دیر کے لیے چپ سی ہوگئی۔ بھائی تو آج اسے بھی بے حد یاد آرہا تھا مگر پھر خود کو سنبھال کر بولی۔

"بھائی بھی آجائیں گے۔ کیا بھائی خط اس لیے لکھتے ہیں کہ ہم یوں کمزور پڑ جائیں۔" وہ اس کی دکھتی رگ پہ ہاتھ رکھتے ہوئے بولی۔ لیبہ دانتوں تلے لب کچلتے اسے بے بسی سے دیکھنے لگی۔

"چلیں پھر میرے ساتھ کمرے میں اور اپنا لباس منتخب کریں۔" وہ اس کا ہاتھ تھامتی مسکراتی ہوئی اسے اس کے کمرے میں لے آئی اور الماری سے ایک ساڑی نکال کر اسے دکھانے لگی۔

"اس ساڑی کے بارے میں کیا خیال ہے۔"

خیالوں میں کھوئی کھڑکی کے پار مناظر کو دیکھتی لیبہ نے چونک کر دیکھا۔ وہ سرخ وسیاہ کے خوب صورت امتزاج والی ساڑی شادی کے اوائل دنوں میں شامیر نے اس کے لیے خریدی تھی۔ جسے اس نے بڑے چاؤ سے تیار کروایا تھا پر پہننے کا موقع اب تک نہ مل سکا تھا اور آج فروا اسے یہ ساڑی پہننے کے لیے کہہ رہی تھی۔ وہ اس کے خلوص کو دیکھتے انکار نہ کرسکی اور اثبات میں سر ہلا گئی۔

⊙......⊙......⊙

شام ہونے سے قبل ہی مہمانوں کی آمد کا سلسلہ جاری تھا۔ ظہور خان بھی کچھ دیر قبل آن پہنچے تھے۔ تیمور خان نے نصرت جہاں کی اکلوتی بہن کو مدعو کر رکھا تھا۔ شام ہونے تک سارے مہمان جمع ہوچکے تھے۔ فروا نے لیبہ کو بہت دل جمعی سے تیار کیا تھا۔ سرخ وسفید ساڑی میں اس کا سراپا قیامت ڈھا رہا تھا۔ سلیقے سے کیے گئے میک اپ اور چہرے کی اداسی نے الگ ہی روپ سے اسے نوازا تھا۔ فروا اپنی سینڈل پہننے اپنے کمرے میں گئی تھی۔ وہ سنگھار میز کے سامنے کھڑی اپنی تیاری کا جائزہ لے رہی تھی تب ہی دروازے پہ ہوتی دستک نے اسے چونکا دیا۔ اسے حیرت ہوئی کہ فروا کو دستک دینے کی کیا ضرورت پھر خیال گزرا کہ کہیں تیمور خان نہ ہوں تو وہ جلدی سے دروازہ کھولنے آگے بڑھی۔ دروازہ کھولنے پر سامنے کوئی نہ تھا البتہ دروازے کی چوکھٹ پر ایک بکے کارڈ کے ہمراہ رکھا تھا۔ وہ جھک کر اسے اٹھانے لگی۔ کارڈ شامیر کی طرف سے تھا اور بہت خوب صورت الفاظ میں اسے شادی کو ایک سال مکمل ہونے پر مبارک باد دی گئی تھی۔ اس پر شادی مرگ جیسی کیفیت آٹھہری اس کارڈ کو آنکھوں سے لگاتی لبوں سے چومتی اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ کیا کرڈالے وہ پھول اٹھا کر محبت سے دیکھنے لگی۔ بکے میں موجود پھول اس کی پسند کے تھے۔ سرخ وسفید گلابوں اور موتیے کی کلیوں سے آراستہ بکے اب اپنی خوش بو اس کے اندر اتار رہے تھے۔ ان تحفوں سے دھیان

ہٹا تو اسے یہاں رکھنے والے کا خیال آیا۔ نظریں ادھر ادھر دوڑائیں پر کوئی نظر نہ آیا۔

تیمور خان اور نصرت جہاں مہمانوں سے ملنے میں مصروف تھے جب ہی سمیر، تیمور خان کو سیڑھیوں سے اترتا دکھائی دیا۔ انہوں نے ابرو کے اشارے سے اس سے کچھ پوچھا جس کا جواب سمیر نے خفیف سا سر ہلا کر دیا۔ وہ مطمئن سے ہو کر اپنے ہم زلف سے ملنے لگے۔ تب ہی لیہہ، فروا کے ہمراہ سیڑھیوں سے سج سج اترتی چلی آئی۔ اس نے ہاتھوں میں خوب صورت پھولوں سے مزین بکے پکڑا تھا۔ محفل میں موجود تمام نفوس اسی کی جانب متوجہ تھے۔ لیہہ نے اتر کر سب سے پہلے نصرت جہاں کو سلام کیا۔ نصرت جہاں نے اسے گلے لگا لیا اور ماتھا چومتے ڈھیروں دعائیں دے ڈالیں۔ ان کے استفسار پر لیہہ نے بتایا کہ یہ بکے اور کارڈ شامیر نے بھیجا ہے۔ یہ جواب سن کر نصرت جہاں حیرت زدہ رہ گئیں۔ انہوں نے سوالیہ نگاہوں سے تیمور خان کی جانب دیکھا تو وہ ان سے نظریں چرا گئے۔ نصرت جہاں الجھ کر رہ گئیں۔ وہ سمجھنے سے قاصر تھیں کہ تیمور خان آخر یہ کون سا کھیل کھیل رہے ہیں سب کے ساتھ......! سب کے اصرار پر لیہہ کیک کاٹنے میز کی وسط پہ جا کھڑی ہوئی خوب صورت سے کیک کے اوپر عدد ایک کا نشان بنی بڑی سی موم بتی روشن تھی۔ لیہہ کے دائیں جانب تیمور خان اور نصرت جہاں تھے جبکہ دوسری جانب ظہور خان اپنی اہلیہ کے ہمراہ کھڑے تھے۔ فروا کیمرہ ہاتھ میں لیے مووی بنا رہی تھی۔ سمیر البتہ اس تمام منظر سے غائب تھا۔ اس سے قبل کہ لیہہ موم بتی گل کرتی اچانک بجلی چلی گئی۔ صرف کیک پہ موجود موم بتی روشن تھی مگر اس کی روشنی تمام منظر کو روشن کرنے کے لیے ناکافی تھی۔

''اوہ یہ بجلی بھی ابھی جانی تھی۔'' کسی نے جھنجلا کر کہا۔

''کیا کوئی انتظام نہیں کیا گیا جنریٹر وغیرہ کا۔'' لوگ بجلی کے یوں چلے جانے پر سخت بدمزہ ہوئے تھے مگر لیہہ بالکل خاموش تھی یوں کہ جیسے سانپ سونگھ گیا ہو۔ کسی نے بہت دھیرے سے اس کا ہاتھ پکڑا تھا' مگر کس نے......

لیہہ جانتی تھی تبھی تو ساکت سی کھڑی تھی۔ یہ لمس وہ بھلا بھول بھی کیسے سکتی تھی۔ بجلی جیسے اچانک گئی تھی ویسے ہی واپس بھی آ گئی تھی۔ پر وہاں موجود افراد اب سامنے کا منظر دیکھ کر دنگ رہ گئے تھے۔ کیک کاٹتی لیہہ اب اکیلی نہیں تھی اس کے ساتھ اس کا شامیر بھی کھڑا تھا۔ لیہہ نے روشنی میں شامیر کو دیکھا اور اس کی آنکھیں بھیگ گئیں۔ اس کا حلیہ بتا رہا تھا کہ وہ ٹھیک نہیں تھا' اس کے ماتھے پہ اب تک پٹی بندھی ہوئی تھی اور چہرے پہ نقاہت طاری تھی۔

نصرت جہاں اسے صحیح سلامت سامنے پا کر فرط جذبات میں اس کے چوڑے سینے سے جا لگیں۔ شامیر انہیں سینے سے لگائے ان کے ماتھے کو چومنے لگا۔ وہ اس کی وہ جنت تھیں جو ہر پل اس کے لیے مجسم دعا بنی رہیں۔ نصرت جہاں روتے ہوئے اس کے شدید زخمی ہونے سے لے کر زندگی و موت سے جنگ تک کی داستان سنا چکی تھیں اور لیہہ یہ سب سن کر اشک برساتی نگاہوں سے شامیر کو اپنے اندر کہیں مقید کیے جا رہی تھی۔ اسے یہ خوف کہ کوئی اسے شامیر سے دور نہ کر دے۔ وہ نظروں سے اسے اپنے وجود میں اتار رہی تھی۔ محفل میں موجود تمام افراد اس جذباتی منظر کو دیکھ کر اشک بار تھے۔

جس دن نصرت جہاں پنڈی سے اسلام آباد آئی تھیں اس کے اگلے روز ہی شامیر کو ہوش آ گیا تھا۔ ہوش میں آنے کے بعد اس کی حالت بتدریج بہتر ہوتی چلی گئی۔ اس تقریب کا انعقاد تیمور خان نے اس کی فرمائش پر ہی کیا تھا۔ شامیر کو نصرت کے پھوپی زاد بھائی کے حوالے کر کے وہ خاص اس تقریب کا انتظام کرنے پنڈی سے اسلام آباد آئے تھے۔ قصہ مختصر اس تقریب کا خیال اور اچانک یوں سب کے سامنے منظر عام پر آنا یہ سب شامیر کی خواہش تھی۔ اس تمام منصوبے سے تیمور خان کے علاوہ سمیر بھی آگاہ تھا۔ اسی نے کچھ دیر قبل

شامیر کے دیئے گئے کارڈ اور کیک لیبہ کے دروازے پہ رکھا تھا۔ نصرت جہاں نے خفگی سے گھورتے ہوئے تیمور خان کو دیکھا۔

''آپ مجھے پہلے نہیں بتا سکتے تھے' کم از کم میرے دل کو تو سکون مل جاتا۔''

''شامیر نے منع کیا تھا تمہیں بتانے سے کہ ماں کے چہرے پر اچانک خوشی دیکھنا چاہتا ہوں۔ اب بیٹا آ گیا ہے تم خود اس سے نبٹو......'' تیمور خان نے ہاتھ جھاڑتے ہوئے ہنستے ہوئے کہا تو سب ہی ہنس دیئے جبکہ نصرت جہاں ممتا بھری نظروں سے شامیر کو دیکھنے لگیں۔

چھری کو لیبہ نے پکڑ رکھا تھا' جبکہ لیبہ کا نازک ہاتھ بمع چھری شامیر کے مضبوط ہاتھوں کی گرفت میں تھے۔ دونوں نے مل کر موم بتی کی شمع گل کی اور کیک کاٹنے لگے۔

⊙......⊙......⊙

چاند کی چودھویں رات تھی۔ کھڑکی سے چمکتا چاند کب سے ان کے کمرے کی جھانکا تا کی کرنے میں مصروف تھا۔ لیبہ سنگھار میز کے سامنے کھڑی اپنی چوڑیاں اتار رہی تھی۔ تب ہی شامیر اس کے عقب میں آ کھڑا ہوا۔ شیشے میں اس کا عکس دیکھ کر وہ دل فریب انداز میں مسکرائی۔

''میری خواہش تھی کہ پہلی بار تم جب یہ ساڑی پہنو تو میں تمہارے سامنے ہوں۔'' اس کی نظریں پیغام محبت دے رہی تھیں۔ جبکہ لب اسے سراہ رہے تھے۔

لیبہ نظریں جھکا کر مسکرادی۔ شامیر نے اس کا نازک سا ہاتھ تھام کر کہا۔ ''میں موت کے منہ سے لوٹا ہوں لیبہ...... صرف اپنوں کے لیے' اپنی ماں' باپ' بہن اور...... تمہارے لیے لیبہ...... کہ ایک نظر تم سب کو مسکراتا ہوا دیکھ لوں' پھر جب بلاوا آ جائے میں لبیک کہہ کر رب کے دربار میں حاضر ہونے کو تیار رہوں۔ میں تمہیں مسکراتا دیکھنے کی خواہش میں لوٹا ہوں لیبہ۔'' ان خوب صورت لمحات میں وہ کہہ بھی رہا تھا تو کیا......!

لیبہ نے ایک جھٹکے سے نظریں اٹھا کر اسے دیکھا۔ کیا نہ تھا ان بھیگی بھیگی آنکھوں میں...... غم' غصہ' خفگی' ناراضگی اور پیار ہی پیار......!

''اچھا بابا نہیں کرتا ایسی باتیں...... اچھا میرے ساتھ آؤ۔'' وہ اس کا ہاتھ تھامے اسے کھڑکی کے پاس لے آیا۔ چاند ان دونوں کو کھڑکی میں موجود پا کر بادل کی اوٹ میں جا چھپا اور اب آنکھ مچولی کرتا انہیں چھپ چھپ کر دیکھنے لگا۔

''میں وہاں چاند کو دیکھا کرتا تھا' خالی آسمان اور تنہا چاند...... اور تم یاد آتی تھیں' بہت زیادہ یاد آتی تھیں تم......'' وہ اس سے سرگوشی میں کہہ رہا تھا۔

''چاند تنہا کہاں اس کی چاندنی کیا اس کے ہمراہ نہ ہوتی تھی۔ آپ میرے فلک کے چاند ہیں اور میں آپ کی چاندنی۔ آپ جہاں بھی رہیں میں آپ کے ساتھ ہوں گی۔ آپ کی ہر قدم' ہم دم' ہم سفر بن کر۔'' وہ محبت کے جذبے سے سرشار اس کے کاندھے پر سر رکھ کر بولی۔ شامیر نے مسکرا کر اسے اپنے حصار میں لے لیا۔ بادلوں کی اوٹ میں چھپا چاند بھی ان کی باتیں سن کر بادلوں کے عقب سے مسکراتا ہوا باہر نکل آیا۔ لیبہ کو اس پل تمام کائنات مسکراتی ہوئی محسوس ہوئی تھی۔ اس کے فلک کا چاند جو اس کے پاس تھا۔ اس کے ساتھ تھا...... اس کے بے حد قریب......!!

شب ہجر کی پہلی بارش
نازیہ کنول نازی

قسط نمبر 7

خدا کی اتنی بڑی کائنات میں، میں نے
بس اک شخص کو مانگا مجھے وہی نہ ملا
بہت عجیب ہے یہ قربتوں کی دوری بھی
وہ میرے ساتھ رہا اور مجھے کبھی نہ ملا

گزشتہ قسط کا خلاصہ

حویلی کے پوشیدہ راز کو جاننے کے لیے شہزاد پاکستان آتی ہے ہادیہ اور شہزاد کی دوستی فیس بک کے ذریعے ہوتی ہے۔ شہزاد رات حویلی میں گزارنا چاہتی ہے مگر مریہ اس کی خواہش نظر انداز کرتی شہر بانو اور شہزاد کو شہر لے آتی ہے۔ عمر، عشارب اور ہادیہ تینوں بہن بھائی ہوتے ہیں اور والدین کے انتقال کے بعد تینوں اپنی نانو کے ساتھ رہ رہے ہوتے ہیں۔ عمر سعودیہ میں مقیم جاب کر رہا ہوتا ہے وہ اپنی پسند سے شادی کرتا ہے عشارب اپنی بھابی کی بہن ثانیہ سے محبت کرتا ہے اور آج کل نوکری کی تلاش میں لگا ہوتا ہے۔ بابا صاحب سدید سے عائلہ کی تعریف کرنے کے بعد اس سے مشن کے حوالے سے بات کرنے کے ساتھ اپنے فوج میں ہونے کے تلخ تجربات سے آگاہ کرتے ہیں جس پر سدید ارض وطن پر جان قربان کرنے کا عزم کرتا ہے۔ پرہیان کی انگلینڈ کی ٹکٹ کنفرم ہو جاتی ہے صمید صاحب اور سارا بیگم نے اسے سمجھانے اور روکنے کی بے حد کوشش کی مگر وہ ضد میں انگلینڈ آ جاتی ہے۔ درمکنون کی ناراضگی کا جان کر صیام بخار کے باوجود آفس آ جاتا ہے۔ آفس میں ثمرہ صیام کے قریب آنے کی بہت کوشش کرتی ہے جبکہ صیام محتاط رہتا ہے کیونکہ ثمرہ صیام کی خالہ کی بیٹی کلثوم کی دوست ہوتی ہے۔ صیام نہیں چاہتا کہ ثمرہ کوئی غلط بات اس کے حوالے سے کلثوم یا خالہ تک پہنچائے۔ زاویار بھی لندن میں ہی یہ بات پرہیان کو مارتھا سے معلوم ہوتی ہے۔ پرہیان بزنس ٹور کا کہہ کر مارتھا کو ٹال دیتی ہے جب کہ مارتھا پرہیان کی اچانک آمد پر شک میں مبتلا ہوتی ہے۔ حویلی میں شگفتہ اور قمر عباس کی مہندی کا فنکشن ہوتا ہے عمر مریہ سے صمید اور اس کے متعلق پوچھتا ہے جب مریہ پہلی بار عمر سے اپنی باتیں شیئر کرتی ہے۔ ابا کی خراب طبیعت کے باعث صیام انہیں سرکاری ہسپتال میں داخل کروا دیتا ہے جبکہ گھر کے حالات بھی بہتر نہیں تھے اس پر بہن شگفتہ کے سسرال والے شادی کی تاریخ مانگ رہے ہوتے ہیں تو دوسری طرف عشرت کے بیٹے اسد کو تیز بخار ہو جاتا ہے صیام ان سب مسائل کو دور کرنے کے لیے دو نوکریاں کر رہا ہوتا ہے۔ درمکنون صیام کو ایک ورک شاپ پر کام کرتے دیکھ کر حنان سے اس کی جاب کی تصدیق کرتی ہے، پہلی بار صیام نے اس کی توجہ اپنی طرف کھینچی تھیں لیکن اگلے روز درمکنون کام میں مصروف ہو کر سب بھول جاتی ہے۔

اب آگے پڑھئے

❀......❀......❀

وہ لڑکی جس کی قربت کی تمنا میں
کئی اوجھل مناظر خود کو اس کی بارگاہ میں پیش کرتے تھے

سنا ہے آج کل نزدیک کا چشمہ لگاتی ہے
وہ جس کی مہربانی سے
کبھی اس شہر میں قیمت بڑھا کرتی تھی پھولوں کی
ترس جاتے ہیں اس کے ہاتھ اب گجرے پہننے کو
وہ جس کی بے نیازی سے
کبھی اس شہر کے لوگوں کا کاروبار چلتا تھا
سنا ہے اب وہ اشیاء کی خریداری میں نرخوں پر
دکان داروں سے لمبی بحث کرتی ہے
وہ اک لڑکی جو عکس آلود آئینے سے بھی پرہیز کرتی تھی
سنا ہے اب محلے میں کسی سستے بیوٹی پارلر پر کام کرتی ہے
وہ جس کی خوش کلامی پر
سخن ہوتا تھا شب بھر شہر کے سب قہوہ خانوں میں
سنا ہے خامشی کو آج کل اظہار پر ترجیح دیتی ہے
وہ اک لڑکی جو سرتاپا کبھی پندار کا مینار ہوتی تھی
ذرا سے زلزلے سے ڈھ گئی ہوگی
شفق زادی عجب رنگوں میں ڈھل کر رہ گئی ہوگی

❁......❁......❁

''کیا ہوا؟''

''کچھ نہیں، بھوک نہیں ہے۔''

''کیوں، صبح سے تم نے کچھ کھایا نہیں، پھر بھوک کیوں نہیں؟'' عمر کے نوالہ چنگیر میں رکھنے پر مریرا کو حیرت ہوئی تھی، عمر نے رخ پھیر لیا۔

''ویسے ہی، تم نے بھی تو صبح سے کچھ نہیں کھایا۔''

''تو میں کھالوں گی ناں، تم تو کھاؤ۔''

''نہیں بس، مجھے اتنی ہی بھوک تھی۔''

''بہت غلط بات ہے عمر! تم پہلے سے بہت کمزور ہوگئے ہو۔''

''کمزور تو ہونا ہی تھا، پردیس کاٹ کر جو آیا ہوں۔''

''پردیس جاکر لوگ موٹے ہوکر آتے ہیں، کمزور نہیں۔''

''اتنا کمزور نہیں ہوں میں جتنا تمہیں نظر آرہا ہوں۔''

''میں تم سے بحث میں نہیں جیت سکتی مگر مجھے ایسا کیوں لگتا ہے عمر! جیسے تم مجھ سے کچھ چھپا رہے ہو۔''

''ایسی کوئی بات نہیں ہے تمہیں ایویں الہام ہوتے ہیں۔''

''چلو اگر تم نہیں بتانا چاہتے تو نہ سہی مگر جو سچ ہے وہ یہی ہے کہ ضرور تمہارے اندر کوئی چیز تمہیں پریشانی کررہی ہے۔'' مریرا نے کہا اور عین اسی لمحے اسے پیچھے صحن سے ظہرہ بھابی کی پکار سنائی دی تھی جو اسے بلارہی تھیں۔ مریرہ نے

وہیں منڈیر سے نیچے جھانکا۔

”جی بھابی!“

”نیچے آؤ جلدی صمید آیا ہے۔“

”آہاہ..... آ گیا میرا ہیرو! عمر صمید آ گیا ہے خبردار جو تم نے اس کے سامنے کوئی الٹی سیدھی بات کی تو۔“ پل کی پل میں اس کے چہرے پر ہزاروں رنگ کھل اٹھے تھے۔ وہ محض اسے دیکھتا رہ گیا تھا۔

آسمان تاروں سے بھرا تھا‘ گاؤں کی کھلی فضا میں سرد ہوا کے جھونکے بے حد خوش گواریت پھیلا رہے تھے مگر وہ بالکل خاموش بیٹھا تھا۔ مریرہ صمید کے آنے کی اطلاع پا کر ایک پل کے لیے بھی وہاں اس کے پاس نہیں ٹھہری تھی‘ عمر کو لگا جیسے وہ اچانک اندر سے خالی ہو گیا ہو۔

پتا نہیں یہ کیسی تکلیف تھی جو دل کو چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں تقسیم کر رہی تھی‘ پتا نہیں یہ کیسا درد تھا جو سانسوں کو بھاری کر رہا تھا۔ جانے کتنے ہی آنسو تھے جو اندر کہیں فریز ہو گئے تھے‘ پلکوں تک آنے کی زحمت بھی نہیں کی تھی۔ اس رات کتنی ہی دیر وہ وہاں اکیلا چھت کی منڈیر پر بیٹھا‘ گزرے ہوئے وقت کی دھول میں حال سے بے حال ہو رہا تھا۔

❀......❀......❀

عمر عباس ان دنوں مڈل ہائی اسکول میں پڑھتا تھا جن دنوں پہلی بار کرنل صاحب مریرہ اور بُریرہ کو لے کر حویلی آئے تھے۔ کرنل صاحب کا بیٹا سکندر علوی ان دنوں میٹرک کر چکا تھا اور اب اس کی ڈیمانڈ تھی کہ چونکہ اس کا ایک جگری دوست ابروڈ جا رہا ہے مزید تعلیم کے لیے تو اسے بھی باہر بھیجا جائے۔ وہ اب مزید پاکستان میں نہیں پڑھے گا۔

کرنل صاحب ان دنوں فوج سے ریٹائرڈ ہوئے تھے۔ بھائی اور بھابی کی اچانک رحلت کے بعد بریرہ اور مُریرہ کی ذمہ داری ان کے ٹوٹے کاندھوں پر آ پڑی تھی وہ ابھی اس صدمے سے نکلے نہیں تھے کہ اکلوتے بیٹے کی انوکھی فرمائش نے انہیں نئی آزمائش میں مبتلا کر دیا۔ فی الحال ان کے لیے اپنے اکلوتے بیٹے کی اس انوکھی فرمائش کو پورا کرنا ممکن نہیں تھا لہٰذا انہوں نے صاف انکار کر دیا۔ ان کے صاف انکار نے سکندر علوی کو بغاوت پر مجبور کر دیا تھا‘ کچھ بُرے دوستوں کی صحبت اور سیکھ نے بھی اپنا اثر دکھایا‘ نتیجتاً اس نے اپنی ضد پوری کی۔ جس دوست کے لیے وہ ملک سے باہر جانا چاہ رہا تھا اسی دوست کے ساتھ مکمل پلاننگ کر کے اس نے گھر سے اپنی ماں اور چچی کے زیورات چرائے اور ملک سے باہر چلا گیا۔

کرنل صاحب کو آخری وقت تک اس کے ارادوں کی خبر نہ ہو سکی تھی تاہم جب یہ معاملہ کھلا تو وہ جیسے ڈھے گئے۔ اکلوتے بیٹے کی اس گری ہوئی حرکت نے انہیں کہیں کا نہیں چھوڑا تھا وہ بستر سے لگ کر رہ گئے تھے۔ ادھر حویلی میں اظہار صاحب نے اپنے دونوں بڑے بیٹوں خضر عباس اور نظر عباس کی شادی کی تاریخ رکھ دی تھی۔ دونوں ابھی کم عمر تھے مگر دونوں چونکہ اسکول چھوڑ چکے تھے پھر زمینوں پر کام سنبھالنے میں بھی انہیں خاصی مہارت آ چکی تھی لہٰذا اظہار صاحب نے یہی بہتر سمجھا کہ ان کی شادی کر دی جائے۔

ان دنوں اظہار صاحب کے والد بھی حیات تھے مگر ان کی صحت تسلی بخش نہیں تھی لہٰذا اظہار صاحب کی یہ بھی خواہش تھی کہ ان کے والد دنیا سے جانے سے پہلے کم از کم ان کے دونوں بڑے بچوں کی خوشی دیکھ جائیں۔ یہی وجہ تھی کہ انہوں نے آناً فاناً ایک ہی گھر میں اپنے دونوں بڑے بچوں کی شادی طے کر دی تھی۔ اظہار صاحب اسی شادی کی دعوت دینے گاؤں سے شہر آئے تھے جب انہیں کرنل صاحب کی بیماری کا پتا چلا۔

وہ ہسپتال میں داخل تھے اور محلے والے ان کی اور ان کی دونوں بھتیجیوں کی دیکھ بھال کر رہے تھے تب ہی وہ بے حد

ضد کر کے کرنل صاحب کے ساتھ ساتھ دونوں بچیوں کو بھی شہر سے گاؤں لے آئے تھے۔ عمر اُن دنوں نویں کلاس میں تھا جبکہ بریرہ اور مریرہ پرائمری پاس کر چکی تھیں۔ عمر اس روز اسکول سے گھر آیا تو مریرہ اس کے کبوتروں کے پنجرے کے پاس بیٹھی انہیں خاصے اشتیاق سے دیکھ رہی تھی۔ وہ اپنی حویلی میں پہلی بار اس سنہری بالوں والی باربی ڈول سی اجنبی لڑکی کو دیکھ کر حیران ہوا تھا' تب ہی اسکول بیگ سائیڈ پر پھینک کر پھرتی سے اس کے قریب چلا آیا۔

"کون ہو تم؟" مریرہ اس کے سوال پر قدرے گھبرا گئی تھی۔

"مم......میں مریرہ......"

"کون مریرہ......اور یہاں میرے کبوتروں کے پاس کیا کر رہی ہو؟"

"ک......کچھ نہیں......کبوتر دیکھ رہی تھی۔"

"کیوں' زندگی میں پہلے کبھی کبوتر نہیں دیکھے کیا؟" وہ شروع سے غصیلا تھا۔ مریرہ نے چپ چاپ وہاں سے کھسکنے میں ہی عافیت جانی۔ شام میں بے جی نے اسے بریرہ اور مریرہ سے متعارف کروایا تھا۔

"عمر پتر! یہ بریرہ ہے' تیرے شہر والے کرنل چاچا کی بھتیجی۔ شہر میں چھٹی جماعت میں پڑھتی ہے اور یہ ساتھ والی مریرہ ہے بریرہ کی چھٹی بہن' اس نے بھی پانچویں جماعت کے پیپر دیئے ہیں ابھی کچھ دنوں تک یہ یہیں رہیں گی ہمارے پاس۔"

"مگر یہ کون ہے بے جی!" مریرہ نے عمر کے کچھ بولنے سے پہلے ہی پوچھا تھا جب وہ مسکرا دیں۔

"یہ عمر عباس ہے پتر! تیرے خضر بھاء اور نظر بھاء سے چھوٹا' تیسرے نمبر کا بیٹا ہے ہمارا نویں جماعت میں پڑھ رہا ہے ابھی' تیرے اظہار انکل کی جان ہے اس میں۔ اسی لیے تھوڑا بگڑا ہوا ہے مگر تم لوگ پریشان مت ہونا' گھر آئے مہمان کے ساتھ کیسے پیش آنا ہے' بخوبی علم ہے اسے' کیوں عمر پتر! میں صحیح کہہ رہی ہوں ناں؟"

"جی ماں جی!" اس وقت تابعداری میں سر ہلاتے ہوئے محض یہی کہہ سکا تھا۔

ماں جی خوش ہو گئیں مگر وہ نہیں جانتی تھیں کہ عمر کو حویلی میں ان اجنبی لڑکیوں کی آمد ایک آنکھ نہیں بھائی تھی۔ اس وقت وہ نہیں جانتا تھا کہ بریرہ اور مریرہ وہاں حویلی میں شادی میں شرکت کے لیے آئی تھیں یا اس کے پیچھے کوئی اور وجہ تھی تاہم اگلے چند روز میں وہ یہ ضرور جان گیا تھا کہ وہ وہاں کس مقصد کے تحت آئی تھیں۔

بریرہ حویلی کے مکینوں کے ساتھ جلد گھل مل گئی تھی مگر مریرہ سہمی سہمی اداس رہتی۔ اظہار صاحب کی بیٹی شگفتہ کے ساتھ بھی جو بریرہ کی ہم عمر تھی اس کی خاص دوستی نہیں ہو سکی تھی۔ اظہار صاحب نے فی الوقت ان کا داخلہ وہیں گاؤں کے مڈل اسکول میں کروا دیا تھا۔ خضر بھاء اور نظر بھاء کی شادی کی تقریب میں وہ بولائی بولائی سی پھرتی رہی۔ ظہرہ اور کنیز دونوں سگی بہنیں جٹھانی' دیورانی بن کر خوب صورت دلہنوں کے روپ میں حویلی آچکی تھیں۔ چند دنوں بعد عمر کے نویں کے امتحان شروع ہو گئے تو وہ مصروف ہو گیا۔

کرنل صاحب کی صحت اب پہلے سے بہتر تھی پھر بھی اظہار صاحب بچیوں کا دل بہلانے کے لیے انہیں اکثر دوپہر کے بعد اپنے آموں والے باغ کی سیر کو لے جاتے تھے جس کے قریب ہی ایک پختہ ٹیوب ویل اور دو کچے نالے بہتے تھے جن میں ہمہ وقت ٹھنڈا پانی رواں رہتا تھا۔ مریرہ کو اس بہتے ہوئے قدرے گدلے پانی میں پاؤں ڈال کر بیٹھنا بے حد پسند تھا تبھی اس کا اور بریرہ کا دل حویلی میں لگ گیا تھا۔ بہترین خوراک اور صاف ماحول نے نہ صرف ان کی اٹھان اور صحت پر اچھا اثر ڈالا تھا بلکہ وہ بہت نکھر بھی گئی تھیں۔

اس روز موسم بہت اچھا تھا' اظہار صاب کرنل صاحب کے ساتھ کسی ضروری کام سے کہیں گئے ہوئے تھے تب ہی

وہ دونوں بے جی کو بتا کر آموں والے باغ کی طرف چلی آئی تھیں۔ عصر کا وقت تھا۔ بریرہ درختوں کے نیچے مٹی میں کھیل رہی تھی جبکہ مریرہ آم کے پیڑ پر چڑھی کچے آموں کو توڑ توڑ کر زمین پر گرا رہی تھی جب عمر وہاں پہنچا تھا۔ اس نے جو مریرہ کو کچے آم خراب کرتے دیکھا تو اس کا پارہ فوراً ہائی ہو گیا۔

درخت کے اوپر چڑھ کر اس نے پہلے مریرہ کی پٹائی کی پھر اس کی ٹانگ کھینچ کر اسے درخت سے نیچے اتار لیا۔ مریرہ کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ وہ اس وقت وہاں آ جائے گا۔ ورنہ وہ اس وقت وہاں کبھی نہ آتی۔ بریرہ اس کا غصہ دیکھ کر فوراً وہاں سے بھاگ گئی تھی مگر مریرہ کے فرار کی ساری راہیں مسدود تھیں کیونکہ اس کا بازو عمر کی گرفت میں تھا۔ درخت سے نیچے اترنے کے بعد عمر نے زمین پر گرے ہوئے تمام کچے آم اٹھا لیے تھے۔

"کھاؤ انہیں......" وہ خشک پتے کی طرح کانپ رہی تھی جب اس نے زور سے اس کے بازو کو جھٹکا دیا۔

"کھاؤ جلدی' نہیں تو آج خیر نہیں تمہاری۔" وہ غضب ناک ہو رہا تھا' مریرہ نے جلدی سے اس کے ہاتھ میں پکڑا کچا آم کھانا شروع کر دیا۔ عمر نے اس وقت اسے تین کچے آم زبردستی کھلائے تھے نتیجتاً شام میں اسے الٹیاں شروع ہو گئیں اور تیز بخار نے آ گھیرا۔ ماں جی کو جب خبر ہوئی کہ سب عمر کی وجہ سے ہوا ہے تو انہوں نے اس کی خوب کلاس لی۔ جس کے بعد عمر کی مریرہ کے لیے رنجش اور بھی بڑھ گئی۔

کرنل صاحب کی طبیعت قدرے سنبھل گئی تھی' ان کا زیادہ وقت چوہدری صاحب کے ساتھ زمینوں پر بسر ہونے لگا' خضر عباس اور نظر عباس دونوں صاحب اولاد ہو گئے تھے ادھر بریرہ اور مریرہ نے اپنی اپنی کلاس میں پورے گاؤں میں ٹاپ کیا تھا جس کی حویلی میں بہت خوشی منائی گئی تھی ماں جی ناشتے میں بریرہ' مریرہ اور عمر تینوں کو دیسی گھی کی چوری اور ایک بڑا گلاس دودھ کا پلا کر اسکول بھیجتی تھیں۔ تینوں سپارہ پڑھنے گاؤں کے مولوی صاحب کی گھر جاتے۔ عمر چونکہ بڑا تھا اور اس کا قرآن تقریباً مکمل ہونے والا تھا تب ہی بریرہ اور مریرہ کو سبق یاد کروانے کی ذمہ داری بھی اسی کی تھی گھر سے بی جی مریرہ کو جو سبق یاد کروا کر بھیجتی تھیں۔ وہ تو اسے رستے میں ہی بھول جاتا تھا' اب مولوی صاحب کے گھر اگر عمر کا موڈ اچھا ہوتا تو اسے سبق بتا دیتا نہیں تو صاف انکار کر دیتا جس کے جواب میں مریرہ کو مولوی صاحب سے اکثر ڈانٹ یا مار پڑتی تھی۔ مولوی صاحب جتنے سخت اور گرم مزاج کے تھے ان کی بیوی اتنی ہی حلیم' نیک اور پرہیز گار تھیں اکثر مولوی صاحب کی غیر موجودگی میں وہی بچوں کو درس قرآن پاک دیتی تھیں۔ مریرہ روز دعا کرتی کہ مولوی صاحب گھر پر نہ ہوں اور وہ آپا جی کو سبق سنا کر بھاگ آئے مگر روز ایسا نہیں ہوتا تھا۔

مولوی صاحب اور ان کی بیوی کی شادی کو بیس سال ہو گئے تھے مگر وہ اولاد کی نعمت سے محروم تھے۔ اسی گلی میں مولوی صاحب کے برابر کھانوں کا گھر تھا جس میں ایک عمر رسیدہ بیمار اماں ان کا کبڑا شوہر جسے پورے گاؤں والے "کبڑا بابا" کہہ کر بلاتے تھے اور ان کی تین عدد دیہاتی بہویں اپنے شوہروں اور بچوں کے ساتھ رہتی تھیں۔

جن دنوں ان کے امتحان چل رہے تھے انہی دنوں اماں کی رحلت ہو گئی تھی۔ گاؤں والوں نے مل کر بڑھیا کے کفن دفن کا انتظام کیا کیونکہ ان کے تینوں بیٹوں نے اس ذمہ داری کو اٹھانے سے صاف ہاتھ کھڑے کر دیئے تھے۔ اماں کی رحلت کے بعد بابا بخار کی لپیٹ میں آ گیا۔ روز شام کو اسے بخار چڑھ جاتا اور وہ گھر کی کونے میں اکیلا بے حال پڑا رہتا' تینوں میں سے کسی بہو کو اس کے منہ میں پانی ڈالنے کی فرصت نصیب نہیں تھی۔ بعدازاں اس کے بیٹوں نے اس کی بیماری سے تنگ آ کر اسے گھر سے نکال دیا جس کے بعد وہ گاؤں کی گلیوں میں بھوکا پیاسا روتا پھرتا تھا۔ روز گاؤں میں کوئی نہ کوئی اسے روٹی دے دیتا اور وہ اللہ کا شکر ادا کر کے جہاں جگہ مل جاتی پڑا سو یا رہتا۔ عمر اور مریرہ اکثر اس بابا جی سے کہیں نہ کہیں ٹکرا جاتے یا حویلی میں بے جی بابا کے لیے جو چیز بناتی وہ دونوں اسے لے کر بابا کو ڈھونڈتے پھرتے

اور پھر دعائیں لیتے۔

عمر سن بلوغت میں قدم رکھ چکا تھا تاہم مریرہ ابھی اتنی سمجھدار نہیں ہوئی تھی۔ اس روز وہ اپنی سہیلیوں کے ساتھ مٹی کے گھر بناتے ہوئے کھیل رہی تھی جب عمر کھیتوں سے واپسی کے بعد بے جی کے حکم پر اسے گھر بلانے گیا مگر مریرہ نے اس کی بات نہیں سنی تو وہ زبردستی اسے بازو سے پکڑ کر گھسیٹتے ہوئے وہاں سے لے آیا تب ہی غصے میں آ کر اس نے عمر کی کلائی میں اپنے دانت زور سے گاڑ دیئے تھے اتنی زور سے کہ کچھ ہی لمحوں میں خون رسنے لگا تھا عمر کو اس کی اس حرکت نے چراغ پا کر دیا تھا۔

اس نے آؤ دیکھا نہ تاؤ اسے بے دردی سے گھسیٹتے ہوئے گاؤں کی ایک پرانی عمارت کے کوٹھرے میں بند کر دیا۔ مریرہ اندر چیختی رہی مگر اس نے پروا نہیں کی۔ شام میں جب وہ حویلی آیا اور بے جی نے اس سے مریرہ کا پوچھا تب اسے پریشانی ہوئی تھی کیونکہ وہ تو دوستوں کے ساتھ کرکٹ کھیلنے میں لگ کر بھول ہی چکا تھا کہ اس نے مریرہ کو کہیں قید بھی کیا تھا۔ اس وقت بے جی کو تسلی دے کر وہ انہی قدموں پر واپس پلٹا اور دوڑتے ہوئے اس پرانی عمارت کے قریب پہنچا جس کے ایک بوسیدہ کمرے میں اس نے مریرہ کو پورے دن کے لیے قید کر چھوڑا تھا۔ وہ عمارت کافی عرصے سے غیر آباد تھی گاؤں کے لوگوں کے مطابق وہاں کوئی ڈاکیہ رہتا تھا جس نے بعد میں وہ گھر جو باہر سے دیکھنے میں پرانی حویلی کی طرح تھا اور ہندوؤں کے زمانے کا بنا ہوا تھا شہر میں کسی کو فروخت کر دیا تھا۔ اس کے بعد وہ گھر کھنڈر ہوتا گیا تھا مگر وہاں کوئی آیا نہیں تھا۔

جس وقت عمر کے بوسیدہ ویران کمرے کی کنڈی کھول کر اندر قدم رکھے شام کا ہلکا ہلکا سا اندھیرا پھیل رہا تھا اور مریرہ وہیں نیچے فرش پر بے ہوش پڑی تھی۔ وہ لمحے اس کی زندگی کے واحد لمحے تھے جن میں اس کے پاؤں تلے سے زمین نکلی تھی۔ کتنے جتنوں کے بعد وہ مریرہ کو وہاں سے اٹھا کر آموں کے باغ کی طرف لایا اور پھر اس کے ہوش میں لانے کی تدبیریں کرتا رہا تھا۔ مریرہ کے ہوش میں آنے کے بعد پہلی بار اس نے اس سے معافی مانگی تھی اور اس کی منت کی بھی تھی کہ وہ یہ بات گھر میں کسی کو نہ بتائے کہ اس نے اسے پرانی حویلی میں بند کیا تھا بدلے میں وہ کبھی اسے ڈانٹ پھٹکار کرے گا نہ مارے گا۔

مریرہ نے اس کی بات مان لی تھی تاہم اگلے دو ہفتوں تک اسے بخار چڑھتا رہا تھا۔ عمر نے اس کے بعد کبھی اس پر ہاتھ نہیں اٹھایا نہ ڈانٹ پھٹکار کی۔ گزرتے وقت کے ساتھ ساتھ اس کے اندر مریرہ کے لیے محبت پیدا ہو گئی تھی مگر وہ کبھی اس محبت کو نہ سمجھ سکا۔ یہاں تک کہ بریرہ اور مریرہ کے امتحانات کے بعد کرنل صاحب انہیں شہر واپس لے گئے تھے اور وہ اس کے بعد صرف چھٹیوں میں گاؤں آتی تھیں۔

ان دنوں عمر بارہویں جماعت کا امتحان دے کر فارغ ہوا تھا جب بریرہ اور مریرہ کرنل صاحب کے ساتھ گرمیوں کی چھٹیوں میں حویلی چلی آئیں۔ بریرہ کا اسکول میں آخری سال تھا جبکہ مریرہ نے ابھی نویں جماعت میں داخلہ لیا تھا۔ چڑھتی ہوئی جوانی کے رنگ روپ نے اس کے حسن کو دو آتشہ بنا دیا تھا جو بھی اس کی طرف دیکھتا تھا بس دیکھتا ہی رہ جاتا تھا۔

بریرہ کی عمر عباس کے ساتھ دوستی ہو گئی تھی مگر مریرہ کے ساتھ اس کی اجنبیت تا حال قائم تھی۔ انہی دنوں عمر کی شادو کے ساتھ بات پکی ہوئی تھی وہ بھی اس کی مرضی کے قطعی خلاف...... تب ہی وہ کچھا کھڑا کھڑا سا رہتا تھا۔

بریرہ کی سکندر علوی کے ساتھ بات پکی ہو گئی تھی اور وہ بے حد خوش تھی۔ یہ انہی دنوں کی بات تھی جب گاؤں میں عمر کی کسی لڑکے کے ساتھ لڑائی ہو گئی تھی۔ جھگڑا اتنا شدید تھا کہ نوبت مار کٹائی تک جا پہنچی اس وقت گاؤں کے کچھ

دوسرے لڑکوں نے درمیان میں دخل اندازی کر کے معاملہ رفع دفع کروادیا تھا مگر عمر نے بات کو جانے نہیں دیا۔ جھگڑے کی اصل وجہ کبوتر بازی تھی اور وہ جاگیرداروں کا بیٹا تھا' کسی کی بات سننا یا کسی سے شکست تسلیم کرنا اس کی فطرت میں نہیں تھا۔ اس کے پاس "بازی" کے لیے بہترین کبوتر تھے جسے وہ روز میوہ جات وغیرہ کھلاتا تھا اور اس کا خصوصی خیال رکھتا تھا۔ اس وقت بھی بات بازی کے مقابلے پر ختم ہوئی تھی۔

اس روز جمعرات کو بازی لگنا تھی۔ صرف عمر کو ہی نہیں پورے گاؤں کو یقین تھا کہ عمر مخالف پارٹی کو دھول چٹا دے گا مگر اس کی نوبت نہیں آئی تھی کیونکہ بدھ کی شام مریرہ نے غلطی سے وہ کبوتر اڑادیا تھا پھر اس سے پہلے کہ وہ اڑان بھرتا پاس ہی منڈیر پر گھات لگائے بیٹھی بلی نے اسے اپنا نوالہ بنالیا۔ عمر کرکٹ میچ سے فارغ ہو کر گھر آیا تو بریرہ کی زبانی اسے اپنے کبوتر کی کہانی پتا چلی' چیک کرنے پر اسے یہ شاک لگا کہ بلی کا نوالہ بننے والا کبوتر کوئی اور نہیں وہی بازی والا کبوتر تھا۔ تب ہی غصے اور صدمے سے بے حال اس نے مریرہ کے منہ پر تھپڑ رسید کیا تھا مگر اس کے بعد اس نے اپنے سارے کبوتر اڑادیئے تھے۔

جاگیرداروں کا کبھی کسی سے نہ ہارنے والا بیٹا صرف ایک لڑکی کی وجہ سے ہار گیا تھا۔ یہی وہ واقعہ تھا جس کے بعد اس نے ایبروڈ جانے کی ٹھانی تھی۔ اسی واقعے کے بعد اس کے دل میں مریرہ رحمان کے لیے محبت کے میٹھے چشمے پھوٹے تھے اسی واقعے کے بعد اس کی اور مریرہ کی صلح ہوئی تھی جو بعد میں ان دونوں کو ایک دوسرے کے بے حد قریب لے آئی۔ دونوں ہی ایک دوسرے سے بے حد مانوس ہوگئے تھے مگر دونوں ہی ایک دوسرے کے دل سے یکسر بے خبر رہے۔ بالآخر اس بے خبری نے ان دونوں کو دریا کے دو کناروں کی مثال بنادیا تھا۔

❁......❁......❁

موسم خاصا ابر آلود تھا۔ مریرہ گھر سے گاؤں کے لیے نکلی تو بارش کے آثار نہیں تھے تاہم جس وقت وہ شہزاد اور قمر بھائی کی بیوی شہر بانو کو لے کر گھر واپس پہنچی شدید بارش شروع ہوچکی تھی۔ ساون اپنا رنگ دکھا رہا تھا۔ اس نے دو روز پہلے ہی ان دونوں ماں بیٹی کے لیے الگ سے کمرا سیٹ کروادیا تھا۔ شہزاد حویلی میں رکنا چاہتی تھی مگر اس کی ماں نے اسے اس کی اجازت نہیں دی تھی' خود عمر کا بھی یہی حکم تھا کہ وہ شہر میں مریرہ کے پاس قیام کریں تب ہی وہ کچھ بجھی بجھی سی تھی' اس وقت رات کے تقریباً ساڑھے گیارہ ہو رہے تھے۔ درمکنون اور شہزاد لان میں تھیں جبکہ مریرہ اور شہزاد کی ماں شہر بانو لاؤنج میں بیٹھی تھیں اسی دوران باتوں باتوں میں شہر بانو نے مریرہ سے پوچھا تھا۔

"میں تمہیں یہ نہیں کہوں گی مریرہ کہ تم نے جو کیا وہ غلط تھا مگر میں اتنا ضرور پوچھنا چاہوں گی تمہارے ساتھ جو بھی ہوا اس میں کرنل چچا کا کوئی قصور نہیں تھا پھر تم نے انہیں کیوں چھوڑا۔ وہ تو پہلے ہی بہت دکھی تھے تمہارے سوا دنیا میں ان کا کوئی اپنا بھی نہیں پھر وہ کس کے سہارے زندہ رہے ہوں گے؟"

"ان کا بیٹا سکندر علوی' جن دنوں میرے اور صمید کے راستے الگ ہوئے ان دنوں وہ ملک سے باہر اسی کے پاس رہ رہے تھے بعد میں اس کی کثرت شراب نوشی سے ڈیتھ ہوگئی تو وہ اپنی پوتی کو ساتھ لے آئے بہت پیاری اور ذہین بچی ہے عائلہ! اب تو ایک لڑکا بھی ان کے ساتھ رہتا ہے سدید شاید وہ بھی ان کا کوئی جاننے والا ہے۔"

"تمہیں یہ سب کیسے پتا...... کیا تمہارا رابطہ ہے کرنل چچا سے؟"

"نہیں' بڑے ابو سے نہیں ہے مگر اسی محلے میں رہنے والی ایک پرانی دوست سے ہے' جو بچپن سے میری رازدار ہے اور شادی کے بعد بیوہ ہوکر دوبارہ اپنے میکے آباد ہوگئی' وہ پل پل کی خبر دیتی ہے۔"

"ہوں اور بیٹے کا کچھ پتا چلا' کیسا ہے؟"

"ہاں عمر نے بتایا تھا شکل وصورت میں بالکل میری کاپی ہے لندن میں ہوتا ہے آج کل۔"

"کبھی دل نہیں چاہا اس سے ملنے کے لیے؟" اگلا سوال بہت کڑا تھا' مریرہ کی آنکھیں پل میں آنسوؤں سے بھر آئیں۔

"دنیا کی کون سی ایسی ماں ہوگی جس کا دل اپنے برسوں سے بچھڑے ہوئے جگر کے ٹکڑے سے ملنے کو نہیں چاہے گا۔"

"پھر؟"

"پھر کیا بانو! دل کی آواز پر کان دھرنا بہت سالوں سے چھوڑ دیا میں نے کیونکہ اس دل نے سوائے درد اور ذلت کے اور کچھ نہیں دیا مجھے۔ میں نے بڑے ابو سے بھی کبھی اسی لیے رابطہ نہیں رکھا کہ ان کی راہیں صمید حسن کی راہوں سے جدا نہیں ہیں۔ میں ان کے پاس رہ کر اس شخص سے دور نہیں جا سکتی تھی' یہی معاملہ میرے بیٹے کے ساتھ ہے وہ بھی اسی شخص کی دسترس میں ہے کہ جس تک جانے کا ہر راستہ میں سالوں سے بند کر آئی ہوں۔"

"تمہیں نہیں لگتا مریرہ کہ تم نے زندگی کو بہت مشکل بنالیا ہے۔"

"نہیں' میں نے زندگی کو نہیں' زندگی نے مجھے بہت مشکل بنا دیا ہے۔"

"میرے خیال سے تمہیں صمید بھائی سے طلاق لے کر عمر بھائی سے شادی کر لینی چاہیے تھی' تم نہیں جانتیں مریرہ! وہ تنہائی میں کتنی تکلیف دہ زندگی گزار رہے ہیں۔"

"مجھے اندازہ ہے مگر میں نے زندگی میں کبھی اس طرح سے نہیں سوچا۔"

"کیا درمکنون کو تمہارے ماضی کے بارے میں سب معلوم ہے؟"

"ہاں کسی حد تک وہ سب جانتی ہے۔"

"اس ناجائز بچے کے بارے میں بھی؟"

"پتا نہیں۔"

"مجھے کبھی کبھی تم پر بہت ترس آتا ہے مریرہ!"

"مجھے بھی' مگر میں کمزور نہیں ہوں۔"

"ہوں' جانتی ہوں۔" تھکی تھکی سی گہری سانس بھرتے ہوئے شہر بانو نے کہا۔ جواب میں مریرہ نے آہستہ سے پلکیں بند کر کے سر صوفے کی پشت گاہ سے ٹکا دیا۔

کبھی کبھی تھکن صرف وجود نہیں کاٹتی' روح کو ادھیڑ کر رکھ دیتی ہے اور مریرہ کے ساتھ بھی اس لمحے کچھ ایسا ہی ہوا تھا۔

❁.......❁.......❁

"مما میں ساویز سے شادی کر رہی ہوں۔" اس روز ناشتے کی میز پر درمکنون نے مریرہ کو بتایا' جواب میں وہ چونک اٹھی۔

"ساویز کون؟"

"اُف' بتایا تو تھا آپ کو میرا دوست ہے یونیورسٹی میں میرے ساتھ پڑھتا رہا ہے' ہزار بار تو اس کی باتیں کر چکی ہوں میں آپ سے۔"

"ہوں' مگر وہ تو انگیج ہے۔"

”اب نہیں ہے‘ اس نے وہ منگنی ختم کردی ہے۔“
”کیوں؟“
”بس تھی کچھ وجہ۔“
”مگر تم اس سے شادی کیوں کرنا چاہ رہی ہو۔“
”کیونکہ وہ مجھے پسند ہے۔“
”کل تک تو نہیں تھا‘ یہ ایک ہی دن میں کون سا منتر پڑھ کر پھونک ڈالا ہے اس نے تم پر۔“
”ایک دن کی بات نہیں ہے مما! میں کافی دن سے اس کے بارے میں سوچ رہی ہوں بس آپ کو آج بتایا ہے ویسے بھی اس نے مجھے پرپوز کیا ہے۔“
”پرپوزل تو اور بھی بہت ہیں پھر خاص ساویز آفندی کا پرپوزل قبول کرنے کی وجہ؟“
”سوری وجہ میں آپ کو نہیں بتا سکتی۔“
”مگر کیوں؟ تم اتنی بڑی کب سے ہوگئی ہو دری کہ اپنے فیصلے خود کرسکو۔“ اب کے وہ برہم ہوئی تھی‘ درمکنون شرمندہ ہوگئی۔
”ایم سوری‘ میرا مقصد آپ کی دل آزاری کرنا نہیں تھا۔“
”تمہارا مقصد جو بھی ہو مگر میں تمہیں اس شادی کی اجازت کبھی نہیں دوں گی۔“
”مگر کیوں مما! ساویز بہت اچھا لڑکا ہے۔“
”ہوگا‘ مگر میں اسے تمہارے حوالے سے پسند نہیں کرتی۔“ مریہ کے غصے میں کوئی کمی نہیں آئی تھی‘ درمکنون اسے بے بسی سے دیکھ کر رہ گئی۔
”اوکے پھر آپ میری بات بھی سن لیں‘ میں ساویز کے علاوہ کسی اور سے کبھی شادی نہیں کروں گی۔“
”مت کرنا‘ کسی غلط انسان سے شادی کرنے سے بہتر ہے تم کنواری رہو۔“ وہ بھی اس کی ماں تھی‘ درمکنون کے لبوں پر نہ چاہتے ہوئے بھی مسکراہٹ بکھر گئی۔

❁......❁......❁

اس روز وہ آفس آئی تو صیام پھر لیٹ تھا‘ درمکنون کا پارہ نہ چاہتے ہوئے بھی ہائی ہوگیا۔ وہ ملازمین کا خیال رکھتی تھی مگر انہیں زیادہ سر چڑھانے کی قائل نہیں تھی۔ حنان اپنی سیٹ پر موجود تھا اس نے فی الفور اسے کمرے میں بلایا۔
”جی میڈم السلام علیکم!“
”وعلیکم السلام! مسٹر حنان‘ مسٹر صیام آئیں تو آپ فوری ان کا حساب کلیئر کردیں‘ میری کمپنی کو غیر ذمہ دار لوگوں کی ضرورت نہیں ہے۔“ اس کا دوٹوک لہجہ اور حکم دونوں ہی حنان کی پریشانی کا باعث بنے تھے اوپر سے اس کا موڈ بھی بے حد خراب تھا مگر پھر بھی اس نے ہمت کرتے ہوئے کہا۔
”ایم سوری میڈم! وہ غیر ذمہ دار نہیں ہے بس اس کے حالات......“
”پلیز اسٹاپ اٹ‘ یہ آفس ہے یہاں کاروبار ہوتا ہے لوگ یہاں اپنے کام اور وقت کی قیمت وصول کرتے ہیں خیراتی سینٹر نہیں ہے کہ کسی کے بھی حالات دیکھ کر اس کی مدد کرتے رہیں‘ سمجھے آپ۔“ حنان کی بات درمیان میں کاٹتے ہوئے وہ بہت درشت لہجے میں بولی۔
حنان بے حد خفت محسوس کرتا‘ اثبات میں سر ہلا کر واپس پلٹ گیا عین اسی لمحے شہزاد نے اس کے آفس میں قدم رکھا تھا۔

''السلام علیکم! کیا بات ہے، بہت غصے میں لگ رہی ہو؟'' شہرزاد کو اچانک اپنے سامنے دیکھ کر اس نے خود کو سنبھالا تھا۔
''وعلیکم السلام! نہیں ایسی کوئی بات نہیں، تم یہاں کیسے؟''
''کیوں میرے یہاں آنے پر کوئی پابندی ہے؟'' مسکراتے ہوئے وہ اس کے مقابل بیٹھی، درمکنون نے نفی میں سر ہلا دیا۔
''نہیں، تم جب چاہو بنا اطلاع دیئے آ سکتی ہو بلکہ اگر چاہو تو آدھی رات کو بھی آ سکتی ہو۔''
''اچھا؟''
''بالکل۔''
''شکریہ ویسے میں گھر میں بور ہو رہی تھی تو مریرہ آنٹی نے کہا تمہارے آفس کا چکر لگا لوں بوریت دور ہو جائے گی مگر مجھے کیا پتا تھا یہاں درجہ حرارت اتنا ہائی فائی ہوگا۔''
''ایسی بات نہیں ہے یار! بس کبھی کبھی ملازمین پر رعب جمانا پڑتا ہے ورنہ بہت تنگ کرتے ہیں۔''
''آ ہم...... یہ تو ہے ویسے ابھی ابھی تمہارے آفس میں داخل ہوتے وقت باہر سیڑھیوں پر میرا ٹکراؤ ایک بہت ہینڈسم سے ڈیشنگ بندے کے ساتھ ہوا اور میں تمہیں پورے وثوق سے کہہ سکتی ہوں کہ اگر وہ یہاں کام کرتا ہے تو تمہارے فی میل اسٹاف کی آدھے سے زیادہ لڑکیاں ضرور اس پر جان دیتی ہوں گی۔''
''اچھا...... مگر مجھے تو آج تک ایسا کوئی شاندار بندہ یہاں نظر نہیں آیا۔'' درمکنون کو شہرزاد کی تعریف پر حیرت ہوئی تھی جب وہ بولی۔
''ہوسکتا ہے تمہاری قریب کی نظر تھوڑی کمزور ہو یا پھر وہ شخص واقعی یہاں کام نہ کرتا ہو میری طرح کسی سے ملنے آیا ہو۔''
''ہوں، یہ ہوسکتا ہے۔''
''جو بھی ہے مجھے لگتا ہے میں پہلی نظر میں اس کی محبت کی شکار ہو گئی ہوں۔''
''پاگل تو نہیں ہو گئی ہو؟''
''نہیں یار قسم سے میرا دل ابھی تک اس کے تصور سے دھڑک رہا ہے۔''
''تو اس کا یہ مطلب ہوا کہ آپ حسن کی سرزمین سے یہاں اپنے پرکھوں کی تاریخ جاننے نہیں بلکہ یہاں کسی سے پہلی نظر کی محبت کی شکار ہونے آئی تھیں۔''
''کہہ سکتی ہو مگر وہ حویلی اور اس کے رازوں کا تعلق میری روح سے ہے۔ میں اس حویلی اور اس کے رازوں سے کبھی غافل نہیں رہ سکتی۔'' قدرے سنجیدہ لہجے میں اس نے کہا، عین اسی لمحے انٹرکام بجا تھا۔
''میڈم صیام آ گیا ہے آپ سے بات کرنا چاہتا ہے۔''
''ٹھیک ہے بھیج دیں اندر۔'' شہزاد کی باتوں کی وجہ سے اس کا تھوڑی دیر پہلے والا غصہ اتر چکا تھا۔ پھر جس وقت صیام نے اس کے آفس میں قدم رکھا، شہرزاد بے ساختہ اٹھ کھڑی ہوئی۔
''آپ یہاں......؟''
''جی۔'' صیام کے چہرے پر بے حد اذیت اور پریشانی تھی۔ درمکنون کو یہ سمجھنے میں ایک لمحہ بھی نہ لگا کہ ابھی شہرزاد جس چارمنگ شخص کے بارے میں بات کر رہی تھی وہ صیام ہی تھا۔
''بیٹھیے۔'' اسے دیکھ کر اس کا غصہ پھر سے عود آیا تھا، شہرزاد بھی اس کے گھورنے پر چپ چاپ بیٹھ گئی۔
''میں نے مسٹر حنان کو آپ کا حساب کلیئر کرنے کا کہہ دیا ہے، میں ہر روز آپ کا لیٹ آفس آنا افورڈ نہیں کر سکتی۔'' اگلے ہی پل اس نے ترش لہجے میں کہا، صیام نے بے حد اذیت اور ذلت محسوس کی۔

”ایم سوری! میرے والد کی حالت خطرناک حد تک خراب ہوگئی تھی انہیں آئی سی یو میں شفٹ......“

”ایم سوری مسٹر صیام! میں ہر روز آپ کی ایک ہی کہانی سن سن کر عاجز آ گئی ہوں۔ مجھے آپ سے ہمدردی ہے مگر سوری اگین میں آپ کو مزید کوئی رعایت دینے کی پوزیشن میں نہیں ہوں۔“ اس کا لہجہ دوٹوک تھا شہرزاد نے بے حد بے چینی محسوس کی۔

”دری! تم ان کی پوری بات تو سن لو ہوسکتا ہے واقعی کوئی مجبوری ہو اور پھر اس طرح سے بناء انفارم کیے تم فوری کسی کو کیسے نکال سکتی ہو۔“ درمکنون کو اس کا درمیان میں بولنا اور صیام کی حمایت کرنا بُرا لگا تھا تاہم وہ ضبط کرگئی۔

”میں انہیں بہت پہلے انفارم کرچکی ہوں اور وارن بھی۔“

”او کے پلیز میری ریکوئسٹ پر ایک آخری موقع دے دو میں یقین سے کہہ سکتی ہوں اس کے بعد تمہیں شکایت کا موقع نہیں ملے گا۔“

”ٹھیک ہے آپ جاسکتے ہیں مگر یاد رہے یہ آخری وارننگ ہے۔“

”او کے تھینک یو۔“ درمکنون کی آخری وارننگ پر اس نے سرسری سی ایک نظر اس کے سرخ چہرے پر ڈالتے ہوئے ممنون لہجے میں کہا اور فوراً اس کے آفس سے نکل آیا۔ حنان اسی کے انتظار میں پریشان بیٹھا تھا اسے دیکھتے ہی بے تابی سے اٹھ کھڑا ہوا۔

”کیا بنا؟“

”کچھ نہیں آخری وارننگ دے کر چھوڑ دیا ہے۔“

”شکر الحمدللہ! میں بہت پریشان ہوگیا تھا انکل کی طبیعت کیسی ہے اب؟“

”حوصلہ افزا نہیں ہے بہت تکلیف میں ہیں۔“

”پھر کیا کرو گے اب؟“

”کچھ سمجھ میں نہیں آتا یار! کاش خودکشی اسلام میں حرام نہ ہوتی۔“ وہ بہت ڈس ہارٹ تھا حنان نے بے حد دکھ سے اس کی طرف دیکھا۔

”مایوسی کفر ہے یار! اللہ رب العزت کی پاک ذات سے مایوس نہیں ہوتے۔“

”میں مایوس نہیں ہوں بس تھک گیا ہوں حنان! بہت بے بس محسوس کررہا ہوں میں اس وقت خود کو۔ ایک طرف بیمار باپ ہے جس کا میں واحد سہارا ہوں تو دوسری طرف میرے حالات اور گھر والے ہیں چاہوں بھی تو یہ جاب نہیں چھوڑ سکتا میں۔“

”جانتا ہوں یار! اللہ نے چاہا تو جلد سب کچھ ٹھیک ہوجائے گا۔“

”اللہ کرے ایسا ہی ہو مگر لگتا نہیں ہے۔“ وہ بہت شکستہ تھا تب ہی کرسی کی بیک سے ٹیک لگا کر پلکیں موند گیا اندر آفس میں درمکنون اب شہرزاد کی کلاس لے رہی تھی۔

”تم بہت پاگل ہو شہرزاد! تمہیں یوں اس کے سامنے اس کی فیور نہیں کرنی چاہیے تھی۔“

”اس کی جگہ کوئی اور ہوتا تو شاید کبھی نہ کرتی مگر میں نے اس کے چہرے پر بہت کرب دیکھا تھا اس کی آنکھیں بہت اذیت میں تھیں جیسے ساری رات ایک پل بھی نہ سو سکا ہو۔“

”فارگاڈ سیک یار! یہ شخص روز ایک ہی کہانی سناتا ہے کبھی بائیک پنکچر ہوگئی تو کبھی باپ بیمار پڑا ہے۔“

”ہوسکتا ہے اسے واقعی یہ مسائل در پیش ہوں۔“

"چلو مان لیا یہ سچ ہے مگر تم بتاؤ میں اگر یونہی ہر روز اسے چھوٹ دیتی رہی تو آہستہ آہستہ دوسرے ورکرز بھی یہی سب کرنا شروع ہوجائیں گے اگر ایسا ہوا تو میں اپنی کمپنی اور کاروبار کیسے چلاؤں گی؟"

"تم اپنی جگہ پر غلط نہیں ہو مگر وہ بھی مجھے جھوٹا نہیں لگ رہا' ایک مالک اور نوکر سے ہٹ کر اس کا اور تمہارا انسانیت کا بھی تعلق ہے ناں دری!"

"اوکے اب پلیز کوئی لمبا لیکچر نہ شروع کردینا' میرا موڈ آج ویسے ہی بہت خراب ہے۔"

"وہ تو نظر آرہا ہے چلو کسی اچھے سے ریستوران میں چل کر کافی پیتے ہیں۔"

"ہوں' چلو۔" شہرزاد کی آفر پر کچھ سوچتے ہوئے وہ فوراً اٹھ کھڑی ہوئی' شہرزاد نے سکون کا گہری سانس لیا۔

❁......❁......❁

تمہیں بھی تو خبر ہوگی۔

کہ دریا پاس بہتا ہو تو پانی اچھا لگتا ہے۔

کنارے سے جڑی مٹی سے پوچھو روگ چاہت کا

کہ اس پانی کی چاہت میں

کناروں سے بچھڑ کر دور اجنبی دیسوں کو جانا

کتنا مشکل ہے

کنارہ پھر نہیں ملتا

تمہیں بس اتنا کہنا ہے

یہاں جو بھی بچھڑ جائے

دوبارہ پھر نہیں ملتا

کھڑکی کھلی تھی' بارش میں بھیگی ہوا کے نم جھونکے' پوری سرمستی کے ساتھ کھڑکی کے راستے کمرے میں آرہے تھے مگر انہیں ٹھنڈ کا احساس نہیں تھا۔ سارا وجود جیسے ساکت ہوگیا تھا' کیا رہا تھا ان کے پاس؟ کچھ بھی تو نہیں...... محل جیسا کشادہ' خوب صورت گھر بھائیں بھائیں کررہا تھا۔ پریہان کے ساتھ ساتھ صمید حسن نے اسے بتایا تھا کہ زاویار بھی گھر چھوڑ کر جاچکا ہے کیونکہ وہ بھی حقیقت سے آشنا ہوچکا تھا مگر وہ کہاں گیا تھا یہ نہ وہ جانتی تھیں نہ صمید حسن...... وقت نے انہیں ہرا ڈالا تھا اور وہ ہار گئی تھیں' قطعی بے بس ہوگئی تھیں۔

انہیں زاویار سے گلہ نہیں تھا کیونکہ وہ ان کی گود ان کی کوکھ سے نہیں جنا تھا مگر پریہان تو ان کی بیٹی تھی۔ اسے تو انہوں نے معاشرے میں باعزت طریقے سے جنم دیا تھا' اس کے لیے تو وہ زندگی کے ہر طوفان سے جنگ کرتی آئی تھیں پھر بھی وہ انہیں گناہ گار ٹھہرا کر چلی گئی تھی۔ گزرے ہوئے تلخ وقت کے کٹہرے میں کھڑا کرکے چلی گئی تھی۔ بناء اس کی کہانی سنے اس نے انہیں لفظوں کے پتھروں سے سنگسار کرڈالا تھا۔ آنسو تھے کہ انمول موتیوں کی طرح بکھرتے جارہے تھے' انہوں نے تھک کر پلکیں موندتے ہوئے سر کرسی کی پشت گاہ سے ٹکا لیا تھا۔

❁......❁......❁

ان دنوں وہ یونی ورسٹی سے فارغ ہوئی تھیں۔ بچپن میں ہی ماں کے وجود سے محرومی کے بعد ان کے باپ نے انہیں بہت لاڈ پیار سے پالا تھا پھر وہ تھیں بھی اکلوتی اور بے حد فرماں بردار اسی لیے ان کے بابا ان سے بہت پیار کرتے تھے۔ ان کا گھر جوائنٹ فیملی سسٹم کے تحت چل رہا تھا' جس گھر میں وہ اپنے بابا کے ساتھ رہتی تھیں اسی گھر میں ان کے

علاوہ ان کے چچا کی فیملی بھی رہائش پذیر تھی۔ بچپن میں ہی ان کے والد نے ان کا نکاح' ان کے چچا کے بڑے بیٹے عذیر ترمذی کے ساتھ کر دیا تھا۔

وہ اپنے بھائی کے ساتھ ہمیشہ جڑے رہنا چاہتے تھے' سارا کو شعور سنبھالنے کے بعد اس بات کا پتا چلا تو وہ عذیر کو سخت ناپسند کرنے کے باوجود صرف اپنے بابا کی خوشی کے لیے چپ سادھ گئیں۔ عذیر بچپن میں ہی بے حد جھگڑالو اور ضدی واقع ہوا تھا۔ آئے روز ان کے گھر محلے والے اس کی شکایت لے کر آتے مگر اس کی طرح چونکہ وہ بھی اپنے باپ کا اکلوتا بیٹا اور چار بہنوں کا اکلوتا بھائی تھا اس لیے اسے کبھی کچھ نہ کہا جاتا بس پیار سے سمجھا دیا جاتا مگر اس پیار سے سمجھانے کا اس پر کبھی کوئی اثر نہ ہوا۔ بچپن سے لڑکپن اور لڑکپن سے جوانی میں پہنچ کر بھی اس کی شخصیت سدھرنے کی بجائے مزید بگڑتی چلی گئی تھی۔

دن بھر محلے کے آوارہ لڑکوں کے ساتھ پھرتا وہ آہستہ آہستہ چوری اور نشہ بھی کرنے لگا تھا یہی نہیں بلکہ اس نے اب سارا کو پریشان کرنا بھی شروع کر دیا تھا۔ کبھی سیڑھیوں پر راستہ روک کر کھڑا ہو جاتا تو کبھی کچن میں ہاتھ پکڑ لیتا۔ ایک بار گرمیوں میں جب سب لوگ اکٹھے صحن میں سو رہے تھے' وہ اپنی چارپائی سے اٹھ کر سارا کی چارپائی پر آ بیٹھا تھا یہ تو سارا کی آنکھ فوری کھل گئی ورگرنہ نجانے اس رات وہ کیا کرتا۔ چچی اس کی حرکتوں کی وجہ سے پریشان جلد از جلد اس کی شادی کا سوچ رہی تھیں کیونکہ انہیں ڈر تھا کہیں سارا اس رشتے سے مکر نہ جائے۔ اپنی بیٹیوں سے بھی پہلے وہ اب بیٹے کا گھر آباد دیکھنا چاہتی تھیں مگر سارا کے بابا اس حق میں نہیں تھے۔

وہ چاہتے تھے کہ عذیر پہلے خود کو سدھارے پھر بزنس میں اپنے باپ کی جگہ سنبھالے تب ہی وہ اپنی بیٹی کو اس کے ساتھ رخصت کریں گے مگر ایسا نہیں ہو سکا تھا۔ عذیر نے اپنے باپ کو دکھانے کے لیے ماں کے سمجھانے پر بظاہر نوکری کی تلاش شروع کر دی تھی مگر حقیقت میں وہ سارا سارا دن گرلز اسکول اور گرلز کالج کی لڑکیوں کے پیچھے خوار ہوتا رہتا۔

سارا یونی ورسٹی سے فارغ ہوئی تو چچا نے پھر اپنی بیوی کے بہکانے پر رخصتی کا مطالبہ شروع کر دیا مگر اس کے بابا چونکہ ابھی مطمئن نہیں تھے لہٰذا انہوں نے پھر انکار کر دیا تب ہی غصے میں آ کر انہوں نے اپنا کاروبار الگ کر لیا نا صرف کاروبار الگ کر لیا بلکہ اسی روز مستری بلوا کر انہوں نے گھر کے درمیان میں دیوار بھی کھنچوا دی۔ سارا کے بابا کو اس بات کا بہت صدمہ ہوا تھا مگر سارا نے انہیں سنبھال لیا۔ کچھ عرصے بعد اس کے بابا کی صمید حسن سے بات چیت ہوگئی تو انہوں نے اس کے ساتھ پارٹنر شپ شروع کر دی۔ جس پر عذیر اور اس کے چچا کی خفگی مزید بڑھ گئی۔

جن دنوں صمید اور اس کے بابا اپنی نیو فیکٹری کا افتتاح کر رہے تھے انہی دنوں اچانک چچا کی دو بیٹیوں کی آناً فاناً شادی ہوگئی تھی۔ چچا نے اس شادی میں اپنے اکلوتے بڑے بھائی کو انوائٹ نہیں کیا تھا جس پر اس کے بابا مزید دکھی ہو گئے تھے۔ انہی دنوں عذیر کسی لڑکی کے ساتھ زیادتی کے کیس میں پکڑا گیا تھا جس کی وجہ سے اس کے بابا نے عدالت میں خلع کا کیس دائر کر دیا۔ وہ اپنی نیک فرماں بردار بیٹی کو کسی طور عذیر جیسے بے پروا اور غیر ذمہ دار شخص کے حوالے نہیں کر سکتے تھے۔

صمید حسن کو بھی ان سارے معاملات کی خبر تھی اور وہ اپنے تئیں اس کے بابا کو تسلی و حوصلہ دیتے رہتے تھے۔ دو ایک بار وہ ان کے گھر بھی آئے تھے اور سارا کے سلیقے نے انہیں واقعی بہت متاثر کیا تھا' وہ بے حد سمجھدار اور سلیقہ مند لڑکی تھی۔

اس روز بارش بہت ٹوٹ کر برسی تھی۔ شب کے تقریباً آٹھ بجے کا ٹائم تھا وہ جانتی تھی کہ اس کے بابا آج جلدی گھر نہیں آئیں گے کیونکہ اس روز انہیں صمید کے ساتھ کسی ضروری سیمینار میں شرکت کے لیے جانا تھا جہاں سے ان کی واپسی رات گیارہ بجے سے پہلے ممکن نہیں تھی تب ہی وہ کچن صاف کر کے نماز عشاء سے فارغ ہونے کے بعد کتاب کھول

کر بیٹھ گئی تھی۔ فارغ اوقات میں مختلف اسلامی کتابوں اور معاشرتی ناولوں کا مطالعہ اس کا پسندیدہ مشغلہ تھا۔ اس وقت بھی وہ کتاب کے مطالعے میں غرق تھی جب اچانک اسے صحن میں کسی کے کودنے کی ہلکی سی آواز نے چونکا ڈالا۔ کتاب بند کر کے وہ کمرے سے صحن میں آئی تو اسی وقت عذیر نے پھرتی سے اسے یوں دبوچا کہ وہ چلا بھی نہ سکی۔ صحن سے کمرے میں لا کر اس نے سب سے پہلے اسی کے دوپٹے سے اس کا منہ باندھا پھر اسے گردن سے پکڑ کر بستر پر دھکیل دیا۔

"طلاق لینا چاہتی ہو مجھ سے؟ آج کر دیتا ہوں تمہارا یہ شوق بھی پورا مگر پہلے اپنا حق تو وصول کرلوں' گیارہ سال میری بیوی رہی ہو اور آج تک قریب بھی پھٹکنے نہیں دیا تم نے۔ اتنی بڑی زیادتی وہ بھی اپنے مجازی خدا کے ساتھ' میں بھی دیکھتا ہوں کیسے تم کسی اور کے قابل رہتی ہو۔" وہ شاید نشے میں تھا' سارا کو لگا جیسے اس کے بدن سے جان نکل گئی ہو۔

وہ چیخنا چاہتی تھی' خود کو بے داغ رکھنے کے لیے بھرپور جدوجہد کرنا چاہتی تھی مگر بہت دنوں سے گھات لگائے بیٹھے اس درندہ صفت شکاری نے اسے اپنی کوشش میں کامیاب نہیں ہونے دیا تھا۔ اس کی زندگی خطرے میں پڑ گئی تھی۔ اچھی طرح اپنی ہوس پوری کرنے کے بعد اس نے اسی حالت میں سارا کو زمین پر دھکیلا پھر اس کی طرف نفرت سے دیکھتے ہوئے ایک طرف تھوک دیا۔

"یہ اوقات ہوتی ہے تم عورتوں کی بھی...... ! جب چاہیں چیونٹی کی طرح مسل کر پھینک دیں' بڑی آئی عدالت سے خلع لینے والی۔ ارے میں خود آزاد کر دیتا ہوں تمہیں' ایک بار کہا تو ہوتا مجھ سے' اسی روز آزادی کا پروانہ پکڑا دیتا تمہارے ہاتھ میں۔"

کوئی انسانیت کے درجے سے کس حد تک گر سکتا ہے اس روز عذیر ترمذی نے اسے بتایا تھا' دروازے سے نکلتے ہوئے اس نے تین بار طلاق بھی اس کے منہ پر ماردی تھی جبکہ وہ زمین پر بے حال پڑی تڑپ رہی تھی۔ ساڑھے گیارہ بجے جس وقت اس کے بابا نے گھر کی بیل بجائی وہ ہوش و حواس سے بیگانی ہو چکی تھی۔ بار بار بیل کے باوجود جب دروازہ نہ کھلا تو وہ قدرے پریشان ہوئے تھے اور اسی پریشانی میں انہوں نے فوراً صمید حسن کو کال کر کے بلایا تھا۔ صمید کے آنے کے بعد دروازہ کا لاک توڑا گیا اور جس وقت انہوں نے کمرے میں قدم رکھا وہاں پڑی سارا کی زندہ لاش نے ان کے قدموں تلے سے جیسے زمین کھینچ لی تھی۔

صمید نے آگے بڑھ کر جلدی سے بستر کی چادر اس کے اوپر ڈال دی جبکہ اس کے پیچھے موجود سارا کے بابا کی ٹانگوں نے جیسے ان کا بوجھ سہارنے سے انکار کر دیا تھا۔ اس وقت جتنی اذیت اور زخم سارا کے چہرے پر دکھائی دے رہے تھے اتنی تکلیف تو اس نے شاید اپنی پوری زندگی میں بھی نہیں اٹھائی ہوگی۔

اگلے پورے تین دن وہ ہسپتال میں ایڈمٹ رہی تھی تب کہیں چوتھے روز اسے ہوش آیا تھا وہ بھی اس حال میں کہ اس کا پورا وجود اور چہرہ داغ دار تھا۔ جسم کا کوئی حصہ ایسا نہیں تھا جہاں عذیر ترمذی کی درندگی کے نشان نہیں تھے۔ یہ درد' یہ اذیت' یہ تکلیف ان کی آنے والی پوری زندگی میں گھل گئی تھی اور ان کی بیٹی سمجھتی تھی کہ وہ گناہ گار ہیں۔ زندگی بھر اذیتیں اٹھا کر بھی ان کے حصے میں کیا آیا تھا؟ فقط تشنگی...... اکیلا پن...... قربانیاں...... محرومیاں...... اور ان کی بیٹی سمجھتی تھی کہ وہ گناہ گار ہیں۔

بیس سال ہو گئے تھے انہیں یہی سوچتے ہوئے کہ آخر ان کا گناہ کیا تھا؟ کیا یہی کہ وہ بچپن میں ہی ماں کے وجود سے محروم ہو گئی تھیں؟ کیا یہ کہ بچپن میں ہی بنا ان کی مرضی پوچھے عذیر جیسے قطعی نااہل شخص کے ساتھ اس کا نکاح کر دیا تھا؟ وہ کہاں قصوروار تھیں...... اگر قصوروار تھیں تو وقت نے انہیں سولی کیوں چڑھایا تھا؟ آنسو تھے کہ بہتے چلے جارہے تھے اور رات تھی کہ لمحہ بالمحہ سرکتی جارہی تھی۔

❁......❁......❁

مارتھا کا اپارٹمنٹ زیادہ کشادہ نہیں تھا۔ تقریباً سو گز پر مشتمل اس اپارٹمنٹ میں صرف ایک ہی کمرا تھا جسے مارتھا اور انیل مل کر استعمال کرتے تھے۔ انیل ہندو تھا مگر مارتھا کے ساتھ اس کے تعلقات بہت گہرے تھے پھر دونوں کا تعلق اچھی فیملیز سے تھا لہٰذا اب تک انہوں نے وہ اپارٹمنٹ جو نسبتاً درمیانے درجے کے علاقے میں تھا کسی تیسرے فرد کے ساتھ شیئر نہیں کیا تھا۔ ایک کمرے کے علاوہ اس اپارٹمنٹ میں ایک چھوٹا سا کچن اور باتھ بھی تھا جبکہ سامنے کے حصے کو وہ لوگ ہال کمرے کے طور پر استعمال کرتے تھے۔ اسی میں کچن باتھ اور کمرے کا دروازہ بھی کھلتا تھا استری اسٹینڈ اور بوسیدہ سے صوفے بھی وہیں دھرے ہوئے تھے۔ ایک سائیڈ پر جگہ بنا کر چھوٹا سا فریج اور ٹیلی وژن رکھا ہوا تھا۔ پرہیان کا اس سے پہلے وہاں آنے کا اتفاق نہیں ہوا تھا تب ہی اسے وہاں گھٹن محسوس ہو رہی تھی۔

وہ ایسے ماحول میں رہنے کی عادی نہیں تھی مگر اس وقت مجبوراً اسے وہاں رہنا تھا کیونکہ اس کا زاویار سے رابطہ نہیں ہو رہا تھا اور صمید صاحب سے وہ خود رابطہ کرنے کے حق میں نہیں تھی۔ وہ ان کی ہر چیز ہر آسائش کے لیے خود کو قطعی حق دار نہیں سمجھتی تھی۔ مارتھا نے اس کی پریشانی سمجھتے ہوئے ہال کمرے سے غیر ضروری سامان سمیٹ دیا۔

''بیٹھو۔''

پری جانتی تھی وہاں کے لوگوں میں مروت نہیں تھی مگر مارتھا کے ساتھ اس کی بہت اچھی فرینڈ شپ تھی تب ہی وہ اس کے لیے اتنا کچھ کر رہی تھی۔ پرہیان پاؤں کو جوتوں کی قید سے آزاد کرنے کے بعد وہیں صوفے پر ٹک گئی۔

''آج کی رات تم یہاں اس لاؤنج میں گزارہ کر سکتی ہو مگر کل ہر صورت تمہیں اپنے بھائی سے رابطہ کر کے یہاں سے جانا ہوگا پری! کیونکہ تم انیل کو نہیں جانتی ہو۔ وہ بہت لوز کریکٹر ہے شراب پینے کے بعد اس کا خود پر کنٹرول نہیں رہتا اور میں تمہاری اچھی دوست ہونے کی حیثیت سے کبھی یہ نہیں چاہوں گی کہ تمہاری عزت کو کوئی خطرہ لاحق ہو۔''

''میں سمجھ سکتی ہوں مارتھا! ان شاء اللہ کل ضرور میں اپنے بھائی کے پاس چلی جاؤں گی۔''

''ٹھیک ہے اب اگر چاہو تو فریش ہو کر آرام کر سکتی ہو۔''

''تھینک یو مارتھا! مجھے واقعی بہت تھکن فیل ہو رہی ہے انیل کب تک آئے گا؟''

''اس کا کوئی پتا نہیں اس کے ہندوستان سے کچھ فرینڈز آئے ہوئے ہیں انہی کے ساتھ موج مستی میں لگا ہوا ہے۔ ہیڈ پارک گئے ہوئے ہیں آج وہ سب دیکھو کب تک واپس آتے ہیں۔''

''کیا اس کے دوست بھی واپس یہیں آئیں گے؟''

''نہیں وہ سٹی ہال کے قریب کہیں رہتے ہیں وہ وہیں جائیں گے شاید انیل بھی آج رات وہیں ان کے پاس ٹھہر جائے۔''

''اللہ کرے ایسا ہی ہو۔'' زیر لب کہتے ہوئے وہ اٹھ کر باتھ کی طرف بڑھ گئی تھی۔

انیل رات میں بہت لیٹ اپارٹمنٹ میں واپس آیا تھا پرہیان سوتے سے جاگ گئی کیونکہ وہ لاؤنج میں میٹرس بچھا کر سو رہی تھی انیل کے پاس اضافی چابی تھی۔ نشے میں دھت وہ لڑکھڑاتا ہوا لاؤنج سے گزر رہا تھا جب پرہیان کی ٹانگوں سے ٹکرا گیا۔ اسی وقت پرہیان کی آنکھ کھلی تھی مگر صد شکر کہ وہ رکا نہیں تھا کمرے کی طرف بڑھ گیا تھا پرہیان کو اس کے بعد نیند نہیں آئی۔ صبح تک مارتھا انیل کو پرہیان کے بارے میں بتا چکی تھی۔

❀......❀......❀

''یہ پرہیان ہے زاویار حسن کی بہن!'' وہ ناشتا کر رہی تھی جب مارتھا نے انیل کو بتایا۔

انیل چھ فٹ سے نکلتے قد کا گندمی رنگت والا پرکشش نوجوان تھا تاہم اس کا حلیہ اور آنکھیں اس کے آوارہ ہونے

کی واضح دلیل تھیں۔ پرہیان نے صرف ایک بار کے علاوہ دوبارہ نظر اٹھا کر اسے نہیں دیکھا تھا کیونکہ اسے اس کی نظروں میں تیرتی آوارگی صاف دکھائی دے رہی تھی۔ مارتھا کے تعارف پر اس نے دل چسپ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے دوستی کا ہاتھ آگے بڑھایا تھا۔

''ہائے......'' پرہیان نے بناء نظر اٹھائے اس کے بڑھے ہوئے ہاتھ کو نظرانداز کردیا۔

''ہائے' ایم سوری میں میلز کے ساتھ شیک ہینڈ نہیں کرتی۔''

''اوکے۔'' بناء بُرا منائے انیل نے اپنا ہاتھ پیچھے کرلیا تھا۔

''آپ چاہیں تو یہاں اس اپارٹمنٹ میں ہمارے ساتھ شیئر کرسکتی ہیں۔'' وہ اس پر جھکا جارہا تھا۔

پرہیان نے اس آفر پر بے ساختہ مارتھا کی طرف دیکھا جو نفی میں سر ہلا رہی تھی تب ہی اس نے ایکسکیوز کیا تھا۔

''نہیں شکریہ' میں اپنے بھائی کے ساتھ رہوں گی۔''

''اوکے۔'' انیل نے کندھے اچکائے مگر نظریں اس کے چہرے سے نہیں ہٹائیں۔ پرہیان کو اب اس کی موجودگی سے الجھن ہونے لگی تھی تب ہی اس نے انیل سے نظریں ہٹا کر مارتھا کی طرف دیکھا تھا۔

''میرا خیال ہے' ہمیں اب نکلنا چاہیے مارتھا!''

''ہوں میں بھی یہی سوچ رہی تھی۔'' مارتھا کی نظریں بھی اسی پر تھیں' وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

''کہاں جارہی ہو تم لوگ؟'' انیل نے مارتھا سے پوچھا جب وہ اپنا بیگ اٹھاتے ہوئے بولی۔

''کہیں نہیں ایبک کی طرف جارہے ہیں زاویار پری کا فون اٹینڈ نہیں کررہا۔'' وہ انیل کو زاویار کا فون بند ہونے اور پرہیان کا اب تک اس سے رابطہ نہ ہونے والا سچ نہیں بتاسکتی تھی تب ہی جھوٹ کا سہارا لیا مگر انیل پھر بھی اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

''چلو میں چھوڑ دیتا ہوں ایبک کی طرف۔''

''نہیں اس کے بھائی کو اچھا نہیں لگے گا' تم تو جانتے ہو پاکستانی غیرت کے معاملے میں کتنے خود کفیل ہوتے ہیں' بہتر یہی ہے تم یہیں رکو' ہم چلے جائیں گے۔''

''اوکے جیسی تمہاری مرضی۔'' انیل مایوس ہوا' مارتھا نے توجہ پرہیان کی جانب کرلی۔

''تمہارے پاس کچھ پیسے ہوں گے پرہیان! ہم پوائنٹ سے جائیں گے مگر میرے پاس کرایہ نہیں ہے۔''

''ہاں' میرے پاس پیسے ہیں تم چلو۔'' وہ جلد از جلد وہاں سے نکلنا چاہتی تھی' مارتھا نے بھی تاخیر نہیں کی۔ انیل کے ارادے اسے کچھ ٹھیک نہیں لگ رہے تھے' پرہیان نے جلدی سے اپنا سامان سمیٹ لیا۔

❁......❁......❁

سدید کی پیکنگ مکمل ہوگئی تھی' عائلہ اداس تھی رو بھی چکی تھی مگر وہ اسے روک نہیں سکتی تھی۔ وطن کی سرحدوں کے محافظ جیالوں کو بھلا روکا بھی کہاں جاسکتا ہے۔

سدید اس روز قدرے اداس تھا' اس کے ساتھ سنگلاخ پہاڑوں میں اپنے فرائض سرانجام دینے والا اس کا جگری یار شبیر ملک کی سرحدوں کے اندر ہی جاری جنگ میں یونٹ واپسی پر زندگی کی بازی ہار کر شہادت کے عظیم مرتبے کو پاگیا تھا۔ وہ اور شبیر کئی ماہ تک لیاری سیکٹر پر اکٹھے رہے تھے' شبیر اپنے گھر کا واحد کفیل تھا۔ اپنے بوڑھے ماں باپ' دو چھوٹے بھائیوں اور تین جوان بہنوں کا' اللہ رب العزت کے بعد واحد سہارا' ابھی دو سال قبل شادی ہوئی تھی اس کی' ایک سال کی چھوٹی سی معصوم بچی تھی۔ سدید اور وہ اکثر اکٹھے ہی اپنی ڈیوٹی کے فرائض سرانجام دیتے رہے تھے۔ شبیر کی سب سے

بڑی خواہش بیرون ملک دشمنوں سے لڑ کر مرنا تھا اکثر وہ دونوں کھانا کھا رہے ہوتے تو وہ مسکرا کر کہتا۔
"دیکھو ناں یار! ہمارے سیاست دان کہتے ہیں فوج اسی فیصد بجٹ کھا جاتی ہے حالانکہ ان کی اپنی لوٹ مار کا کوئی حساب اور شمار ہی نہیں۔ یہ ہے ہمارا اسی فیصد بجٹ ایک بوتل پانی ایک پلیٹ دال گوشت اور دو روٹیاں۔" اور سدید اس کی اس بات پر ہمیشہ بے نیاز انداز اپناتے ہوئے کہتا تھا۔
"چھوڑ یار! ہم سیاست دانوں کے لیے تھوڑی لڑتے ہیں یہ سنگلاخ جو ہمارا مسکن ہیں یہ شدید گرمی میں تپتی ریت جو ہماری قیام گاہ ہے۔ شدید سردیوں میں یہ برف سے ڈھکے سیکٹر جو ہمارا پڑاؤ ہیں۔ یہ سب اس وردی کے مرہون منت ہیں یار! پوری قوم کی امیدیں لگی ہوتی ہیں ہم پر ہم جاگ کر اپنی جان ہتھیلی پر رکھ کر وطن کی سرحدوں کی حفاظت کرتے ہیں تو قوم بے فکری سے اپنے گھروں میں سوتی ہے۔"
"ہوں یہ تو ہے بھلے چند گندی مچھلیوں نے عوام کی نظروں میں فوج کے مقام کو نقصان پہنچایا ہو مگر حقیقت یہی ہے کہ اس قوم کے بچے بچے کا دل آج بھی ہمارے قدموں کی دھمک اور اللہ اکبر کی للکار کے ساتھ دھڑکتا ہے۔ آج بھی ہماری سلامتی اور کامیابی کے لیے اس قوم کی ماؤں اور بہنوں کے ہاتھ دعا میں اٹھتے ہیں۔ دشمن کے عقوبت خانوں میں ہمارے ساتھیوں کی غداری کے سبب جو تشدد ہوتا ہے اس کا درد یہ پوری قوم محسوس کرتی ہے۔"
"بے شک۔" ابھی چند روز پہلے جب وہ چھٹی پر گھر آ رہا تھا تو شبیر نے اس سے کہا تھا۔
"دعا کرنا یار! میں جوانی میں ہی شہادت کے مرتبے کو پالوں۔" جواب میں اس نے مسکراتے ہوئے کہا تھا۔
"کروں گا دعا مگر ابھی نہیں ابھی تیری بیٹی بہت چھوٹی ہے پھر ابھی وطن کی مٹی کو تیری ضرورت بھی بہت ہے۔ ابھی سکون سے چپ چاپ خاک میں سونے کا وقت نہیں ہے تیرا۔" اور سدید کی اس بات پر شبیر نے اسے ایک زبردست دھپ رسید کی تھی۔ کیسا ایمان دار صلح جو محب وطن تھا وہ کہ اس نے اس کی واپسی کا بھی انتظار نہیں کیا اور امر ہو گیا تھا۔
عائلہ کمرے میں آئی تو وہ آنکھوں پر بازو دھرے سو رہا تھا۔
"سدید......"
"ہوں۔"
"کیا سو رہے ہو؟"
"نہیں یونہی لیٹا ہوا تھا کیوں؟"
"کچھ نہیں بس ویسے ہی دل اداس ہو رہا تھا بابا بھی نہیں ہیں گھر پر۔"
"بابا کہاں گئے ہیں؟"
"پتا نہیں میں مارکیٹ سے آئی تو وہ گھر پر نہیں تھے۔"
"ہوں اور...... دل کیوں اداس ہو رہا تھا؟"
"یہ بھی نہیں پتا بس اتنے دن تم ساتھ رہے ہو تو اب تمہارے جانے کا سوچ کر عجیب سی اداسی ہو رہی ہے۔ اوپر سے سنا ہے ہمارے ہمسایوں کو پھر جنگ کا شوق چڑھا ہے یقیناً سرحدوں کے حالات کشیدہ ہوں گے۔"
"سو وہاٹ میری جان! سرحدوں کے حالات کتنے بھی کشیدہ ہوں یہ سینے ہمہ وقت دشمن کی گولیوں کے سامنے سیسہ پلائی ہوئی دیوار ثابت ہوں گے تم نے یہ شعر نہیں سنا......

ہم جو تلوار کے قبضے میں کلائی دیں گے
تیرے اجداد بھی قبروں سے دہائی دیں گے"

"سنا ہے نگران کے اجداد قبروں میں ہوں گے تو دہائی دیں گے نا‘ وہ تو دنیا میں ہی جہنم کی آگ کی نذر ہو جاتے ہیں۔ ہاں امریکن فوج یا اسرائیل کے لیے یہ شعر فٹ ہے۔"

"چلو جہاں بھی ہوتا ہے فٹ کرلو مگر میں تمہیں ایک بات بتادوں عائلہ! پاکستانی فوج اس وقت دو محاذوں پر لڑ رہی ہے ایک اندرون ملک غدار دشمنوں سے اور دوسرا بیرون ملک مکار دشمنوں سے۔ بہتر طاقت اور اسٹیمنا ہے اس بہادر فوج کے اندر‘ تم ابویں پریشان نہ ہوا کرو‘ جب تک ہم ہیں تب تک دشمن کی گولیاں اور میزائل تمہارے جسموں کو نہیں چھو سکتے۔"

"جانتی ہوں سدید! مگر میں تمہیں کھونا نہیں چاہتی۔"

"میں کہیں نہیں کھو رہا‘ پلیز تم ایسی فضول بزدلانہ سی باتوں سے دماغ خراب نہ کیا کرو۔"

"ایم سوری مگر......"

"کوئی اگر مگر نہیں‘ مت بھولو تم بھی اسی قوم کی بیٹی ہو۔ جس نے کبھی تلواروں سے نہیں ہمیشہ جذبوں سے جنگ لڑی ہے اور ہمیشہ دشمن پر فتح حاصل کی ہے۔ تم جانتی ہو پاکستان اسلامی دنیا کی واحد ایٹمی طاقت ہے۔ جس نے تین بار اپنے بڑے بے حد طاقت ور ملک کو تاریخی شکست سے دوچار کیا۔ جس نے 1957ء میں اسرائیل کے دس طیارے مار گرائے‘ تم تاریخ دیکھو آزاد ذرائع کے مطابق 1965ء کی جنگ میں بھارت کے تقریباً 9500 فوجی ہلاک ہوئے جبکہ پاک فوج کے صرف 1033 فوجی شہید ہوئے۔ اسی جنگ میں بھارت کے جنگی جنون نے 11000 فوجیوں کو زخمی کروایا جبکہ پاکستان کے 2171 فوجی زخمی ہوئے۔ بھارت کے تقریباً 1700 فوجی لاپتہ ہوئے جبکہ پاکستان کے 630 شیروں کا نام لاپتہ فوجیوں کی لسٹ میں آیا۔ پاکستانی فوج نے بناء ایٹمی طاقت ہوئے بے حد محدود وسائل کے باوجود بھارت کے 516 ٹینک تباہ کیے جبکہ پاکستان کے محض 165 ٹینک تباہ ہوئے۔ اسی جنگ میں بھارت نے 110 طیارے تباہ کروائے جبکہ پاکستان کے صرف 14 طیارے تباہ ہوئے اور پتا ہے جب جنگ بند ہوئی تو پاکستان کے قبضے میں بھارت کا 1617 مربع میل کا علاقہ تھا جبکہ بھارت کے قبضے میں صرف 466 مربع میل کا علاقہ آیا اب خود ہی بتاؤ کون فاتح ٹھہرا‘ حق یا باطل؟" سدید کا پسندیدہ موضوع چھڑ گیا تھا تب ہی وہ بے حد پُرجوش تھا عائلہ چپ چاپ اسے دیکھتے ہوئے سنتی رہی۔

"1971ء کی جنگ لے لو تم سمیت شاید ساری قوم یہی سمجھتی ہے کہ ہم نے اس جنگ میں شکست اٹھائی مگر حقیقت میں ایسا نہیں ہے کیوں؟ یہ میں تمہیں بتاتا ہوں۔" وہ لیٹا لیٹا ایک دم اٹھ بیٹھا تھا۔

"1971ء میں جب پاک بھارت جنگ لڑی گئی تو وہ جنگ درحقیقت بنگالی عوام اور پنجاب کے زمینداروں کی جنگ تھی مگر آرمی اور اردو بولنے والے خوامخواہ درمیان میں پھنس گئے اور اپنی عزت خراب کرلی۔ اس وقت بنگالی عوام نے جو پاکستان کے تقریباً 56 فیصد تھے پنجاب کے ساتھ رہنے سے انکار کردیا تھا۔ کوئی بھی اس وقت اس علیحدگی کو نہیں روک سکتا تھا کیونکہ اس وقت بھی ہم ایسے ہی حالات کا شکار تھے۔ ایک طرف اندرون ملک سازشیں اور غداری تھی تو دوسری طرف تقسیم کی آگ میں جلتا ہمارا مکان دشمن اپنے دانت تیز کیے بیٹھا تھا۔ آج جو آگ بے مقصد بلوچستان میں بھڑکائی جارہی ہے وہی آگ اس وقت ہمارے بنگال میں بھڑکائی گئی تھی‘ مقصد صرف پاکستان کو تقسیم کرنا تھا۔ دشمن اس وقت اپنا ہوم ورک مکمل کرچکا تھا‘ مگر ہم نے اس بات کو سمجھے بغیر فضول میں اپنے 69000 جوان شہید کروائے حالانکہ ہمیں سمجھنا چاہیے تھا کہ دو ملک جو 2500 کلومیٹر کے فاصلے پر ہوں ایک غریب ملک کے لیے اس کا قائم رکھنا قطعی ناممکن تھا۔ اگر بابائے قائد اس نقطے کو سمجھ لیتے تو شاید پہلے ہی اس کا تدارک ہوجاتا‘ تم دیکھو اس جنگ میں پاک

فوج کو لڑایا ہی نہیں گیا۔"

"تمہاری معلومات بہت وسیع ہیں سدید! مجھے واقعی آج تک اس حقیقت کا نہیں پتا تھا۔" عائلہ اس سے متاثر ہوئی تھی جب وہ پھیکی سی مسکان لبوں پر پھیلاتے ہوئے بولا۔

"تمہارا قصور نہیں ہے یہ اس ملک کی قیادت کا قصور ہے جنہوں نے ہماری تاریخ کے سنہری اوراق کو ہماری آنے والی نسلوں سے شیئر ہی نہیں کیا۔ اتنے لغو اور فضول اسباق پڑھائے جارہے ہیں کہ حد نہیں۔ کل کو یہ نونہال بھی یونہی اپنی تاریخ سے بے خبر، وطن کے لیے ہر جذبے سے غیر آشنا ہوں گے ان کا خون رگوں میں جوش نہیں مارے گا یہ دوستوں میں چھپے دشمنوں کی بھی پہچان نہیں کرپائیں گے۔"

"صحیح کہہ رہی ہے تم' بے شک ہمارا میڈیا اور ہمارا نظام تعلیم' قوم کے لیے بہترین پلیٹ فارم ہوتا ہے آگاہی کا' خود شناسی کا مگر بدقسمتی سے ہم دونوں میں ہی فیل ہیں۔ میں اکثر سنتی ہوں کہ پڑوسی ملک میں شاید ہی کوئی اسکول ایسا ہو جہاں بچوں کو پاکستان اور مسلمانوں سے نفرت کا درس نہ دیا جاتا ہو' ان کا میڈیا ایک معمولی سی بات کو ربڑ کی طرح کھینچ کر کئی کئی دن چرچا کیے رکھتا ہے مگر ہم ہر وقت ایسی لغو اور فضول باتوں میں پڑے رہتے ہیں کہ جن کی کوئی حد تک پتا نہیں۔ ہمارے اندر وہ احساس کیوں نہیں ہے' ہم اپنی ذمہ داریوں کا صحیح حق ادا کیوں نہیں کرتے۔"

"فضول کی بحث ہے یہ عائلہ! جس کا حاصل کچھ بھی نہیں ہے۔"

"صحیح کہتے ہو اگر قائد کو ہمارے کرتوتوں کا الہام ہوجاتا تو شاید وہ ہمارے لیے اتنی عظیم جنگ لڑنے سے پہلے سو بار سوچتے۔"

"واقعی اصل مسئلہ یہ ہے کہ بھارت نے آج تک پاکستان کے علیحدہ وجود کو تسلیم نہیں کیا۔ 1947ء کی تقسیم بھارت کے لیے انا کا مسئلہ بنی ہوئی ہے' اب وہ دوبارہ زمین کے اس خطے پر حکمرانی تو نہیں کرسکتا تب ہی اس کی شدید خواہش ہے کہ کسی طرح اسے توڑ پھوڑ دیا جائے' چھین لیا جائے اسی لیے کبھی اس کے سر پر جنگ کا بھوت سوار ہوجاتا ہے تو کبھی وہ عالمی طاقتوں کے ذریعے پاکستان کے اندرونی معاملات میں ٹانگ اڑا کر ہمارا نقصان کرتا ہے۔ کبھی بے وجہ

سرحدوں پر فائرنگ کرکے ہمارے معصوم شہریوں کی جان لیتا ہے تو کبھی اپنے جاسوس بھیج کر ملک کی قیمتی املاک اور شہریوں کی قیمتی جانوں کو نقصان پہنچاتا ہے حالانکہ تقسیم تو ہم بھی ہوئے ہیں مگر آج تک ہم نے کبھی اس تقسیم کو غیرت کا مسئلہ نہیں بنایا' ہماری قوم کے دل آج بھی بنگالی قوم کے ساتھ دھڑکتے ہیں۔"

"بالکل۔"

"تمہیں پتا ہے عائلہ! بابا اکثر برف پوش پہاڑوں کے رونے کا ذکر کیوں کرتے ہیں؟"

"نہیں......"

"میں بتاتا ہوں۔" اس نے تکیہ اٹھا کر گود میں رکھتے ہوئے کہا۔

"کچھ سال پہلے کی بات ہے ہندوستان کے وزیراعظم کے آفس میں تمام اعلیٰ افسران کے ساتھ ایک انتہائی خفیہ میٹنگ میں سیاچن کے ساتھ ساتھ کارگل کو بھی ہتھیانے کا پروگرام بنایا گیا اب آئی ایس آئی کا ایک کشمیری جاسوس اس خفیہ میٹنگ میں شریک تھا۔ ہائی پاورڈ ٹرانسمیٹر کو اس کشمیری جاسوس نے عین میٹنگ کے وسط میں پہنچادیا' اس ٹرانسمیٹر سے ڈائریکٹ آئی ایس آئی کے افسران نے میٹنگ کے شرکاء کی باتیں سنیں جب ہماری ایجنسی کو انڈیا کی کارگل کے بارے میں سازش کا پتا چلا کہ اس سے پہلے کہ انڈیا کچھ کرتا ہمارے اعلیٰ افسران نے کارگل آپریشن کردیا۔ آزاد ذرائع کے مطابق اس آپریشن میں انڈین آرمی کے اتنے لوگ مارے گئے کہ ان کے تابوتوں کو جلانے کے لیے جنگل کی لکڑیاں ختم ہوگئیں بعد میں انڈین آرمی چیف کا بیان آیا کہ امریکہ نے ہمیں بچالیا ورنہ کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہ رہتے اور ایسا اس نے اس لیے کہا کیونکہ ہم تو عین فتح کے قریب یہ جنگ امریکہ کے ساتھ ڈائیلاگ کی میز پر ہار کر اپنے شیر جوانوں کو پسپائی کا حکم دے دیا تھا جس کے نتیجے میں ہماری ماؤں نے اپنے وہ لعل گنوائے جو کارگل سیکٹر پر فتح کا جھنڈا گاڑھنے کی خوشی دیکھنے کے قریب تھے۔"

"اوہ' یہ تو بہت بُرا ہوا سدید!"

"اس ملک کے غداروں نے کچھ بھی اچھا کہاں ہونے دیا ہے ہمارے ساتھ جہاں بھی ہم اپنے لہو سے چراغ جلاتے ہیں وہیں مکا کر کے یہ ہماری آرزوؤں اور خوابوں کا خون کردیتے ہیں۔" سدید دکھی تھا' عائلہ کی آنکھوں میں بھی اداسی بکھیر گئی۔

"تم دل چھوٹا مت کرو سدید! ایک دن آئے گا جب اس ملک کے ساتھ غداری کرنے والے سارے بدبختوں کا احتساب ہوگا۔ کوئی تو آئے گا ایسا جوان آستین میں چھپے سانپوں کا زہر نکال کر انہیں ان کے انجام تک پہنچائے گا۔ تم جانتے ہو راہِ حق میں بہے خون کی قربانیاں کبھی رائیگاں نہیں جاتیں' اللہ کی جنت جتنی مہنگی ہے دوزخ اتنی ہی بڑی ہے اور بے شک فیصلے کا دن دور نہیں ہے۔"

"بے شک۔" قدرے ٹھہرے ہوئے لہجے میں سدید نے کہا۔

عین اسی لمحے باہر بیرونی دروازے پر دستک کی صدا ابھری تھی' سدید اٹھ کر گہری سانس بھرتا بیرونی دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

(ان شاء اللہ باقی آئندہ ماہ)

گمان کا سفر

سیما بنت عاصم

اب اور کتنی دیر یہ دہشت، یہ ڈر، یہ خوف
گرد و غبار، عہد ستم اور کتنی دیر
شام آرہی ہے، ڈوبتا سورج بتائے گا
تم اور کتنی دیر ہو، ہم اور کتنی دیر

ہمیشہ میرا فخر یہ رہا کہ میں نے کبھی غرور نہیں کیا، غرور اللہ سے دوری کا سبب ہے۔ اللہ نے مجھے بہت نوازا، عطا کی انتہا کردی لیکن میں نے کبھی غرور نہیں کیا، میرے پاس پرکشش صورت، اعلیٰ عہدہ، حسب نسب، بلند کردار، عزت، مالی آسودگی سب ہی کچھ تھا لیکن انکساری میرا اوڑھنا بچھونا رہے، کبھی جو کہیں دو چار لفظ ستائش کے سن ہی لیتی بے اختیار کہتی۔

"الحمدللہ...... اللہ کی دین ہے۔" بے شک یہ سب اللہ ہی کی دین تھی۔

اور محبت...... محبت جس کا کوئی نعم البدل نہیں۔ کبھی جو افتخار احسن کہتا۔

"تم میری زندگی ہو سچ مر جاؤں گا تمہارے بغیر۔"

یا یہ کہ "تم ایک مکمل لڑکی ہو، سچ میری خوش بختی کا ستارہ ہو تم۔" یہ سچ تھا سب ہی کچھ تو تھا میرے پاس کامیابی آسودگی، صحت، محبت، ستائش۔

افتخار احسن کی تعریف جیسے جسم میں آکسیجن بھر دیتی، ہوتا ہے نا ساری دنیا آپ کو سراہتی پھرے لیکن محبوب کی ستائش سب سے بھاری ہوتی ہے۔ میں طمانیت سے مسکرا دیتی۔

اس وقت گمان کے کسی گوشے میں بھی یہ سوال نہ ابھرتا کہ اس مسافت کا آخر انت کیا ہے محبت، حصول پر سرخرو یا پھر مکمل ہوتی ہے۔ مگر محبت کا انت حصول بھی تو ہے لوگ ایک دوسرے کو پانے کے لیے زمانے سے ٹکرا جاتے ہیں مگر ہمارے درمیان کبھی "ملن" کا موضوع آیا ہی نہیں۔ وہ میرڈ لائف گزار رہے تھے تو عمر بچوں کے باپ تھے حصول ناممکن تھا ہم دونوں کا اس پر تکیہ تھا۔ میں بھی میچور امیچ لڑکی تھی۔ خواب ضرور دیکھتی، مگر حقائق پر بھی نظر رکھتی۔ ہم اکثر ملتے باتیں کرتے جدا ہو جاتے۔ وہ اکثر شام کے وقت مجھے آفس کی بلڈنگ کے نیچے منتظر ملتے ہم کچھ وقت ساتھ گزارتے، یہ وقت میری زندگی کا ماحاصل ہوتا۔ جب لگتا میری زندگی میں میرا اپنا کچھ ہے اور بس انسان حقائق کی بدصورتی پر تکیہ کر جائے تو قرار پا جاتا ہے وہی عالم تھا۔ موبائل پر ہمارے میسجز چلتے ہر صبح مارننگ میسج ان کی طرف سے فارورڈ میسج پھر میرا جوابی فارورڈ میسج دعائیہ، ادبی، علمی، اسلامی، جیسے بس ایک رسید دیتی ہو، اپنے پن کی اس کے سوا میں لاکھ سر پٹختی پھروں،

خاموشی.......! انہیں میسج ٹائپ کرنے کی عادت ہی نہ تھی۔

سات سال ہوگئے تھے میں نے انہیں ان کی تمام کوتاہیوں سمیت قبول کر رکھا تھا۔ ہوتا ہے نا، جب آپ کسی میں شدت سے انوالو ہوتے ہو تو بس پھر وہ ہی وہ رہ جاتا ہے خود اپنی ذات تو کہیں پس پشت چلی جاتی ہے وہی معاملہ تھا۔

ان پر گھریلو، آفیشل ذمہ داریوں کا بار تھا۔ بچوں کی پڑھائی خاندانی تقاریب جس کے لیے وہ ہفتہ ہفتہ آؤٹ آف سٹی رہتے۔ دور افتادہ کوئی گاؤں ان کی جنم بھومی تھا۔ جاب کے بکھیڑے یہ وہ، میری ذات تو جیسے سب سے آخر میں آتی تھی مگر وہ کہتے "میں تم سے دنوں نہ ملوں رابطہ نہ رکھوں لیکن تم میرے اندر سے نکل جاؤ یہ نہیں ہوسکتا۔" میرے لیے اتنا بھی کافی تھا۔ میں ایک سوئی جاگی سی کیفیت کچھ ہونے اور نہ ہونے کے درمیان۔

اماں مجھے اٹھتے بیٹھتے زندگی کے تلخ حقائق یاد کراتی رہتیں انہیں یہ کچھ ہوگیا تو میرا کیا بنے گا۔ مگر یہ کہیں دور پرے کی بات تھی۔ محبت ان سب سے بالاتر ہے میں نے کہیں پڑھا تھا "جو لمحہ کسی کی یاد میں گزر جائے وہ ضائع نہیں ہوتا۔" بس یہی احساس مجھے تھامے رکھتا۔

بات ہو رہی تھی غرور کی کہ میں نے کبھی غرور نہیں کیا۔

مگر فخر، ناز، گمان یہ سب گھمنڈ کے ہی پہلو ہیں اس کا ادراک بہت آگے جاکر ہوا۔ میں ہاتھ اٹھاتی تو تمام امت مسلمہ کے لیے دعا کرتی۔

موسم کی سختیوں کی نذر کتنی زندگیاں ہوجاتی ہیں۔ پروردگار کل مومنین کو اپنی پناہ میں رکھے آمین۔

بہن بھائی اپنے اپنے گھروں میں شاد وآباد تھے۔ ان کے چھوٹے بڑے مسائل، مشکلات، مصائب خود میرے پاس اماں تھیں۔ ان کی درازی عمر، سکھ کے لیے ہاتھ پھیلاتی وہی میرا سہارا تھیں۔ بلکہ ہم دونوں ایک دوسرے کا سہارا اور ہم دونوں کا ہی ایک دوسرے پر تکیہ تھا۔

خود مجھے رب نے بہت نوازا تھا جتنا عطا کیا کافی تھا خود کے لیے تو کوئی دعا ہی نہ تھی اور شاید یہی گمان غرور تھا بس ایک ٹلاپے کا گمان جو پکڑ کی لپیٹ میں آگیا۔ یہ کچھ دن پہلے کی بات تھی وہ کوئی قومی چھٹی کا دن تھا میں گھر کے سارے بکھیڑے چھٹی والے روز نمٹاتی صفائی ستھرائی، جھاڑو پونچھا ہفتہ بھر کے کپڑوں کی دھلائی۔ علی الصبح سارا گھر بکھیر کے بیٹھ جاتی جانے کیسے لوگ ہوتے ہیں جو چھٹی کے روز دن چڑھے تک سوکر چھٹی کا حق ادا کرتے ہیں۔ میرے لیے اس دن کام چار گنا ہوتا، جھاڑو پونچھا صفائی دھلائی میں مشغول رہتی۔ واشنگ مشین کی گھنٹی بجتی تو درمیان میں کپڑے نچوڑ کر ڈالتی رہتی۔ اس دن بھی بالٹی بھر کے واشنگ مشین میں ڈالی، وجود کے ایک گوشے میں ٹیس سی اٹھی۔ میں نے پروانہ کی۔ جتی رہی مگر سب کاموں سے فراغت تک درد بڑھ چکا تھا۔ میں کراہنے لگی اماں صلواتیں سناتی ہوئی درد کھینچنے والے تیل کی مالش، گرم پانی کی ٹکور کرتی رہیں۔

"اس لڑکی کو ذرا قرار نہیں نہ خود چین سے بیٹھتی ہے نہ دوسروں کو بیٹھنے دیتی ہے۔" آج قومی چھٹی اسپتال بند تھے اب ایسی ایمرجنسی بھی نہ تھی خیر درد کم ہو ہی گیا، مگر اماں کی تاکید تھی۔ ڈاکٹر کو ضرور دکھانا ہے ان کی تاکید کے سبب ہی اگلے روز آفس جاتے ہوئے اسپتال دکھایا مگر ڈاکٹر نے دوا کی بجائے چند ٹیسٹ لکھ کر پکڑا دیے۔ اب کون ٹیسٹ کراتا پھرے مجھے آفس سے دیر ہو رہی تھی۔ کل پر رکھ کر راہ لی مگر درد ایک بار پھر بڑھا مجھے وقت نکال کر ٹیسٹ کرانے ہی پڑے، ڈاکٹر نے رپورٹس پڑھ کر خاصے سنجیدہ نظروں سے مجھے تکا پھر مایوسی سے سر ہلایا۔

"کوئی اچھی خبر نہیں۔" میرا دل زور زور سے دھڑکنے لگا۔

"یہ ایک رسولی کہلائی جاسکتی ہے، جو ابھی تکمیل کے مرحلہ میں ہے آپریشن کے سوا کوئی حل نہیں۔" مانو میرے سر پر آسمان ٹوٹ پڑا، ایسا تو سوچا بھی نہ تھا۔

"ڈاکٹر صاحب کوئی علاج؟" اس نے نفی میں سر ہلایا۔

"اس وقت اس کا کچھ نہیں کیا جاسکتا۔ یہ مکمل ہوجائے تب ہی آپریشن ہوسکتا ہے۔" مگر میری تکلیف بڑھتی جارہی تھی ڈاکٹر نے کہا تکلیف تو ہوگی پھر ایک عام سی پین کلر کاغذ پر گھسیٹ دی۔

اسپتال سے لوٹتے وقت میرے قدم من من بھر کے

ہورہے تھے۔ معلوماً اماں کو نہ بتایا آج کل کے ڈاکٹر مایوس بہت کرتے ہیں۔ کھٹ سے مریض کے منہ پر جو دل میں آئے بک دیتے ہیں۔ ایسا تھوڑی ہوتا ہے ہر مسئلہ کا کوئی نہ کوئی حل تو ہوتا ہی ہے نا۔

میں نے اپنی ایک تجربہ کار سینئر کو رپورٹس دکھا کر مشورہ طلب کیا ان کا جواب یکساں تھا۔ مگر حوصلہ مضبوط یہ زندگی ہے اور زندگی میں بہت کچھ ہوتا ہے مجھے کچھ قرار نصیب ہوا۔ وہ کچھ دیر ادھر ادھر کی باتیں کر کے بولیں۔ ''آفس میں ہوا اڑ رہی ہے ادارہ خسارے میں جارہا ہے کچھ ملازمین کو برطرف کیے جانے کا خدشہ ہے۔'' یہ باتیں میں نے بھی سنی تھیں لیکن ان کے کہنے کا مطلب تھا کہ بات درست ہی ہے سو یہی ہوا، میں بھی لپیٹے میں آ گئی گو کہ آفس سے کافی پیسہ ملا تھا۔ مگر کب تک چلتا میرے سر پر ذمہ داریوں کا بار تھا۔ اسی فکر کے تحت جگہ جگہ سر پٹختی پھری تعلیمی قابلیت، تجربہ، اہلیت، سبھی کچھ تھا مگر لگتا تھا ہر دروازہ بند ہو چکا ہے ہر جگہ ناکامی یہاں تک کہ میں تھکنے لگی۔ حالات کی خرابی نے صحت پر برا اثر ڈالا۔ پے در پے ناکامیوں نے مایوسی کی انتہا کو پہنچا دیا۔ اور وہ جو ایک دل خوش کن محبت کا احساس تھا مانو وہ بھی مصیبت کی ان گھڑیوں میں کوئی بھولا بھٹکا خواب بن کر رہ گیا۔ افتخار احسن مجھے آفس سے پک کرتے ہم کچھ وقت ساتھ گزارتے تھے ان کی پرموشن ہوئی اب شہر شہر پھرنے کا کام سر پہ آ پڑا مانو ملاقاتوں کے وہ خمار آلود لمحے آزمائش کی ان گھڑیوں کی نذر ہو گئے اب کئی کئی دن ایس ایم ایس نہ آتے ان کی شکل کو ترس گئی۔ ایک بار ایک کام کے سلسلے میں ریڈیو پاکستان جانا ہوا۔ ان کا آفس قریب تھا ان سے ملنے کو کہا وہ آئیں بائیں شائیں کرنے لگے کاموں کی طویل فہرست، میں نے منہ پھیر لیا تب وہ مانے بھاگم بھاگ آئے مگر آج کی ملاقات میں وہ دل ربائی نہ تھی نہ میرا ہاتھ تھاما نہ ستائش نہ محبت۔ انہیں بہت کام تھے لشتم پشتم کچھ وقت گزار کے مجھے میرے مطلوبہ اسٹاپ پر اتار دیا۔ مجھے افسوس ہوا وہ بزی تھے یا موڈ نہ تھا تو مجھے بھی اصرار نہیں

کرتا تھا۔ محبت ہم دونوں نے کی ہے جب انہیں مجھ سے ملنے کی لگن نہیں تھی تو...... اس دن ٹھان لی کہ اب بھی ان سے ملاقات کو نہ کہوں گی۔

جہاں اتنے ستم اپنی جان پر جھیل رہی ہوں یہ ایک اور سہی۔ مگر کچھ دن نہ گزرتے تھے کہ ملاقات کا سندیسہ آیا۔ اس بار وہ میری ہم راہی کے خواہش مند تھے میں دنگ رہ گئی۔ یہ میری زندگی کی سب سے بڑی خوشی تھی۔ ناقابل توقع وہ اپنے حالات سے تھک چکے تھے بیوی کی بے اعتنائی، اولاد اپنی دنیا میں مگن، انہیں بھی تو محبت، توجہ، اپنائیت درکار تھی۔ ان کی زندگی میں ان کا اپنا کچھ نہ تھا۔ گھر کی ذمہ داریاں اور پیسہ کمانے کی جدوجہد میں مجھے اندازہ تھا اولاد منہ پر آجائے تو مرد تنہا ہو جاتا ہے، مجھ پر شادی مرگ کی کیفیت تھی۔ جیسے مصائب کے گھٹا ٹوپ اندھیروں میں خوشی کا جگنو، یہ خوشی سنبھالے نہ سنبھلتی تھی۔

انہیں یقین تھا اپنائیت وہی دے سکتا ہے جو محبت کرتا ہو میری محبت پر یقین تھا ایک نہ دو، سات سال کا ساتھ تھا۔ یہ عرصہ کم نہیں ہے لوگ مجبوریاں سنا کر راہ بدل جاتے ہیں۔ مگر مجھے ان کے سوا کوئی بھاتا ہی نہ تھا۔ یہ وہ بھی جانتے تھے اماں کو سو اختلاف تھے۔ مگر سوال میری خوشی کا تھا سو وہ مان گئیں مگر سیکیورٹی مانگی، انہوں نے پہلے ہی میرے نام کافی کچھ لکھ دینے کا وعدہ کیا تھا۔ مکان، زمین، بینک بیلنس اپنا ہر وعدہ پورا کیا مگر اس وعدے کے ساتھ کہ یہ نکاح خفیہ رہے گا۔ وہ آہستہ آہستہ سب بہتر کردیں گے۔ پھر بھید کھولیں گے۔ اماں کو یہی اعتراض تھا مگر میں تصویر کا روشن رخ دیکھتی تھی۔ یہ بات یہاں تک آہی پہنچی تھی تو آگے بھی بہتر ہوگا نکاح کے بعد بھی میرا رہنا سہنا اماں کے ساتھ ہی رہا۔ بس وہ کچھ گھنٹوں کے لیے آتے، چلے جاتے ہر بار وعدوں کی پوٹلی کہ وہ سب بہتر کرلیں گے مگر کچھ بہتر نہ ہوسکا۔ بھید بھید نہ رہا۔ جوان اولاد پر ان کے نکاح کا بھید کھلا تو منہ کو آگئے چڑھائی کردی۔ اختلاف اتنا شدید تھا کہ خود انہیں بھی توقع نہ تھی۔ اس عمر میں مرد کمزور پڑ جاتا ہے۔ وہ کب پسپا ہوئے معلوم ہی نہ ہوسکا۔ ایک روز خاموشی سے طلاق نامہ اور مہر کی رقم کا چیک تکیے تلے رکھ کر دنیا کی بھیڑ میں گم ہوگئے۔ جس خاموشی سے اپنایا تھا اسی خاموشی سے چھوڑ دیا۔ میری دنیا اندھیر ہوگئی تھی۔ مانو قدموں تلے زمین اپنی رہی نہ سر پر آسمان۔ اماں مجھے دیکھ کر آٹھ آٹھ آنسو روتیں۔ اس سے تو کنواری بھلی تھی۔ بیٹھے بٹھائے داغ لگ گیا مگر یہ داغ نہ تھا شاید گمان کی سزا تھی ایک روز میں نے اپنی زندگی پر نظر دوڑائی تو یہاں سے وہاں تک اندھیرا پایا تنگی حالات، بیماری اور اب یہ سر پر ٹوٹ پڑنے والا پہاڑ سا دکھ۔ لوگ کتنی جلدی بدل جاتے ہیں۔ کہیں کسی کوتاہی کی سزا تو نہیں، ایک وقت تھا میں اسٹائلش سا ڈریس پہن کر بے نیازی کے ساتھ ڈرائیو کرتی آفس تک جاتی تو کتنی رشک بھری نظریں اٹھتیں اب تو خیر سر تا پا ٹوٹ چکی تھی مگر غرور تب بھی نہ کیا تھا، آفس کے طویل راہداری سے گزرتی تو گردن جھکا لیتی خدا کی زمین پر اکڑ کر نہ چلو مگر ناز، فخر، گمان، کچھ ہونے پر کچھ پالینے پر غرور کی ہی تو ایک قسم ہے۔ یہ گمان شاید ان ہی لمحات کی دین تھا۔ بس ایک پل کی نفوس سوچ کا بھٹکاوا، نتیجے کا عمل، جس نے مجھے توڑ کر رکھ دیا۔ سب کچھ مٹی میں مل گیا۔ شاید رب یوں بھی ہدایت عطا کرتا ہے۔ میرے پاس بہت کچھ ہے۔ اگر عہدہ نہیں رہا تو...... بے شک انسان کو رتبے اور مقام اللہ تعالیٰ کی ذات عطا کرتی ہے۔ وہ کبھی لے کے آزماتا ہے کبھی دے کے اس کے ہر کام میں بہتری ہوتی ہے۔ میں بھی اس سے بہتری کی طلب کرتی ہوں اپنی خواہشات کی نہیں۔ میرے لیے بہتر کیا ہے یہ وہ جانتا ہے مجھے پتا ہے وہ پل کے پل میں سب کچھ بدل سکتا ہے۔ مگر کبھی کبھی رفتہ رفتہ عطا کرتا ہے۔ دعا میں اب بھی کرتی ہوں تمام امت مسلمہ کے لیے اپنے عزیز و اقارب...... اپنی اماں کے لیے اور خود اپنی دین و دنیا کے لیے ڈھیروں ڈھیر دعائیں اور وہ جو پل پھر کو ایک گمان نے سر اٹھایا تھا کہ مجھے خدا نے لیے کوئی حاجت نہیں، میرے پاس سب کچھ ہے خاک میں مل گیا ہے۔

شناخت

بینا عالیہ

اپنے احساس سے چھو کر مجھے صندل کر دو
میں کہ صدیوں سے ادھورا ہوں مکمل کر دو
نہ تمہیں ہوش رہے اور نہ مجھے ہوش رہے
اس قدر ٹوٹ کے چاہو مجھے پاگل کر دو

انہیں عادت تھی دیر تک اسٹڈی روم میں بیٹھنے کی، کمپیوٹر کے سامنے بیٹھے مضبوط انگلیوں کی پوریں تیزی سے کی بورڈ پر تھرتھرا رہی تھیں۔ ان کی توجہ اور نگاہیں چمکتی اسکرین پر مرکوز تھیں۔ یہ آخری ای میل تھی جو انہیں فرانس کی ایک ملٹی نیشنل فرم کو ارسال کرنی تھی۔ وہ ان کے دائیں جانب دودھ کا گلاس رکھ چکی تھی۔ انہوں نے سرعت سے نظریں اوپر اٹھائیں تشکرانہ مسکان ان کے چہرے پر پھیلی۔

"تھینکس مائی گورجس وائف۔"

"اوکے۔" ہمیشہ کی طرح شفق کی آنکھوں کی چمک بڑھی۔ "دودھ پئیں اور آ کر سو جائیں۔" ان نو ماہ گیارہ دن میں دودھ ان کے قریب رکھتے ہوئے شفق کے اس جملے کے وہ پہلے سے منتظر رہتے۔

"شفق تم جانتی ہو ساڑھے گیارہ سے پہلے میں نہیں اٹھنے والا۔"

"ہوں جانتی ہوں۔"

"پھر بھی؟"

"ہاں پھر بھی۔" وہ زیرلب مسکرائی۔

"ای میل سینڈ کر رہا ہوں پھر تھوڑا مطالعہ......"

"مجھے پتہ ہے۔"

"تم نے میڈیسن لیں؟"

"ہوں۔"

"اچھا اب تم سو جاؤ میں آدھے گھنٹے میں آتا ہوں۔"

"دودھ ضرور پی لینا۔" شفق نے مسکراتے ہونٹوں کو جنبش دی۔ وہ مڑی ریان خان نے اس کا ہاتھ اپنی طرف کھینچا۔ وہ ان کی جانب کھنچتی چلی آئی۔ انہوں نے نرمی سے اس کا ہاتھ دبایا، جواباً شفق نے ان کے کندھے پر ہاتھ رکھا اور دروازے کی جانب پلٹ گئی۔

❁......❁......❁

کچن میں ڈائننگ ٹیبل پر رکھی ان تمام اشیاء کو بسورے منہ کے ساتھ گھور رہی تھی جو افروز بانو نے اس کے سامنے رکھی تھیں۔ ریان ہنسی دبائے شفق کی حالت زار کو انجوائے کر رہا تھا۔ اس وقت وہ شفق کو زہر سے بھی برے لگ رہے تھے۔

"شفق بٹر والے سلائس ختم کرو پھر تمہیں ملک شیک بھی لینا ہے۔" کماں کا لہجہ حتمی تھا' جس میں نرمی کی قطعی کوئی گنجائش نہیں تھی۔

"کماں۔" اس نے ناک چڑھائی۔

"اماں دیکھیں آپ کی بہو ابھی تک اپنے سامنے ایک سلائس رکھے بیٹھی ہے۔" شفق نے ریان کو گھورا جو چائے کے بڑے بڑے گھونٹ بھرتے کرسی پیچھے دھکیلے اٹھ چکے تھے۔

"اچھا بائے۔" انہوں نے گاڑی کی چابی اٹھائی۔

"ریان شام سات بجے منتھلی ٹیسٹ کے لیے شفق نے کلینک جانا ہے۔"

"پیاری اماں مجھے یاد ہے۔" وہ تیزی سے باہر نکل گیا۔

ڈاکٹر حنا نے پھر تاکید کی تھی۔ "آپ خوب کھایا پیا کریں آپ میں خون کی کمی ہے۔"

"ڈاکٹر کھاتی تو بہت ہوں۔"

"فیجی روزانہ کھائیں' ساتھ میں دودھ فروٹس جوسز استعمال کریں۔ آٹھویں منتھ کی رپورٹس میں بے بی کا ویٹ نارمل سے چند پوائنٹ نیچے ہے۔" ڈاکٹر حنا الٹرا ساؤنڈ رپورٹس دیکھ کر اس سے کہہ رہی تھیں۔ شفق جسمانی طور پر بھی کمزور تھی خون کی کمی پوری نہیں ہو پا رہی تھی۔ بی پی بھی شوٹ کر جاتا۔

"اگلے ماہ آئیں تو آپ کا ویٹ بڑھا ہونا چاہیے۔"

"جی اچھا۔" ریان اور اماں اس کے لیے فکر مند تھے۔

❀......❀......❀

ریان خان پاکستانی معروف فرم میں اچھی پوسٹ پر فائز تھے۔ ان سے بڑی دو بہنیں تھیں۔ ثمرہ اور ثروت دونوں شادی شدہ تھیں۔ ریان نے شفق کو فیملی کی ایک شادی میں دیکھا تھا۔ جو اماں کی سیکنڈ کزن کی بیٹی تھی۔ اماں کو بھی شفق پسند آ گئی تھی۔ اس لیے ان کی شادی میں کوئی رکاوٹ نہ آئی۔ ریان کو اس سے پہلی نظر کی محبت ہوگئی تھی۔ اگر کوئی ان سے پوچھتا کہ محبت کیسے ہوتی ہے تو وہ ضرور بتاتے' محبت کی رمزیں خود کو بے خودی کے مجسم ایستادہ میں گھیرے اسیر کر لیتی ہیں۔ شفق گندمی رنگت کی خوش شکل لڑکی تھی۔ اس کی بے کش سبز آنکھوں نے ریان کو اپنا دیوانہ بنا لیا تھا۔ اس کے احساس کی دھنک ان کی روح کے ایوانوں کو مہکا گئی تھی۔ وہ جھکی جھکی متحرک آنکھیں' رکا رکا لہجہ بھینچے ہونٹوں سے ٹوٹتے فقرے' وہ ابر باداں کے پیرہن میں سموئی لڑکی ان کے نصیب میں لکھی جا چکی تھی تب قدرت نے ریان کی زیست میں اسے شامل کر دیا۔ شفق ریان خان کا جنون تھی' وہ مخملی سراپے والی لڑکی جسے تکتے تکتے ان کی آنکھیں سیراب نہ ہوتیں وہ اس کا یوں خیال رکھتے جیسے کانچ کی گڑیا ہو۔ اماں بیٹے کو مسرور دیکھ کر خوش ہوتیں۔ شفق بھی یہاں کے مکینوں کی امیدوں پر پورا اتری تھی۔ رفاقتوں کے یہ سلسلے دونوں کو خواب آگیں انمول ساعتوں میں لیے لیے پھرتے۔ شفق کی سبز آنکھیں ریان کی کمزوری تھیں۔ جن میں بار بار ان کا ڈوبنے کو دل چاہتا۔ ان متناطیسی آنکھوں میں جو ان کی دسترس میں تھیں تب بھی وہ ہراساں ہو جاتے' اس کی بے انتہا محبتوں کی بار آوری پر...... وہ گداز لبوں میں ان سے باتیں کرتی رہتی اور وہ ان دو آنکھوں میں کھوئے رہتے۔

وہ بہت سادہ تھی' وہ چوڑی دار پاجامے پر کوئی بھی شرٹ پہن کر مطمئن ہو جاتی اس کی طویل ہائٹ پر ہر لباس بجتا' کٹاؤ ہونٹوں کے اوپر خواب آگیں سبز آنکھیں جب وہ مڑی ہوئی پلکیں جھپکتی تو اس کی گندمی رنگت اسے اپسروں کے روپ میں رنگ جاتی۔ یہی آنکھیں ہی تو تھیں جو وہ ریان کا جنون بن چکی تھی۔ انتہائی مہذب پرسنالٹی کے ریان خان ان سبز آنکھوں کے سامنے اپنی سدھ بدھ گم کر بیٹھے' شانوں کو چھوتی سلکی بالوں کی پونی ٹیل اس پر بجتی تھی۔ ریان کو وہ ہر روپ میں اچھی لگتی' الوہی ماورائی کشش اس کے سراپے کی پور پور سے چھلکتی ان چند ماہ میں ریان کی محبتوں کی پناہوں نے شفق کو مزید سندر بن سونپ دیا تھا۔ جب اماں کو اس کی پریگننسی کا پتہ چلا تو کام نہ کرنے کا حکم نامہ جاری کر دیا گیا۔ اسے زبردستی کچھ نہ کچھ کھلاتی رہتیں۔

فرصتوں کے طویل لمحات سے وہ اوب جاتی' کچن میں مصروف اماں اور شمیم آپا کے قریب آ گئی۔

"اماں میں بور ہو رہی ہوں۔"

"میرے پاس بیٹھو۔" انہوں نے ڈائننگ چیئر کی طرف اشارہ کیا۔ شفق ان سے سبزی کی ٹوکری لیے سبزی بنانے لگی۔

"شام کو میں چائنیز بناؤں گی بتا رہی ہوں آپ دونوں خواتین کو۔" اماں مسکرائیں۔ "بس میں بناؤں گی اور آپ سب کھائیں گے۔"

آفس آف ہوتے ہی ریان فوراً گھر آ جاتے' ساس بہو انہیں فریش موڈ میں ویلکم کرتیں۔ اسے دیکھتے ہی ان کی دن بھر کی تھکان غائب ہو جاتی۔ وہ اسٹڈی روم سے نکل کر دبے پیروں بیڈ روم میں آئے تھے جانتے تھے شفق دس بجے تک سو جاتی ہے۔ صبح وہ جلدی اٹھتی تھی' نماز سے فارغ ہو کر کچن میں آ جاتی' اس وقت اماں لاؤنج میں قرآن پاک پڑھ رہی ہوتیں۔ تین کپ چائے بناتی اس دوران ریان اپنے روم سے برآمد ہوتے' چائے کے دوران ہلکی پھلکی گفتگو ہوتی' آج کل تو بات شفق کی صحت ہی کے بارے میں ہوتی تھی۔ چائے کے بعد ریان تیار ہونے چلے جاتے۔ اماں ناشتہ بنانے کچن میں آ جاتی۔ شفق ان کے پیچھے چلی آتی۔ ناشتہ کے دوران ریان بس اسے دیکھتے ان کی نگاہیں شفق کے چہرے کا طواف کرتیں نہ تھکتی۔

"یوں بھی کوئی دیوانگی دکھاتا ہے۔" شفق کے ہونٹ ہلکی سی سرزنش کرتے۔ تب اپنی آنکھوں کو اثبات میں جنبش دیتے گہری ہوتی معنی خیز مسکراہٹ اس کی طرف اچھالتے۔ اس ویک اینڈ پر اماں کے اصرار پر وہ دونوں گھومنے نکلے تھے۔ حالانکہ شفق کا دل نہیں چاہ رہا تھا بے قرار کر دینے والی بیزاری اس کے حواس پر مسلط رہتی' اس کا دل چاہتا کسی سے بات نہ کرے' بس اپنے کمرے میں لحاف میں دبکی رہے۔ ریان بھی اسے نوٹس کر رہے تھے۔ وہ جبراً مسکراتے ہوئے انہیں مطمئن کرنے کی کوشش کرتی۔ اس روز وہ خوب گھومے تھے۔ وہ چلتے چلتے تھکنے

لگی تھی۔ ہاتھ میں پکڑا اپنا کولاڈا کا کپ جوں کا توں تھا۔ ناریل اور اناناس کی رسیلی مہک بھی اسے اپنی جانب متوجہ نہیں کر پارہی تھی۔ جبکہ ریان نے اپنا کپ خالی کرکے ویسٹ باسکٹ میں پھینک دیا تھا۔ واپسی پر انہوں نے پی سی میں ڈنر لیا طبیعت قدرے بہتر ہونے کی بنا پر اس وقت وہ ریان خان سے خوب باتیں کررہی تھی۔ وہ تو بس اسے دیکھ رہے تھے۔ اس کے مقدم سراپے کو اپنی پتلیوں کے نور میں مقید کررہے تھے جو ہمیشہ کے لیے امر ہوچکی تھی ان کی آنکھوں کے نور میں۔

شفق کا الٹراساؤنڈ ہوا تھا بے بی کا وزن اور گروتھ تسلی بخش تھی۔ لیکن شفق کا بی پی کنٹرول نہیں ہوپارہا تھا۔ ڈاکٹر حنا فکرمند تھیں بار بار شفق سے خوش رہنے کی تاکید کرتیں۔ وہ مبہم سا مسکرا دیتی۔ ڈاکٹر میں خوش ہوں مطمئن ہوں اماں اور ریان اس کی وجہ سے پریشان تھے۔ اس دوپہر اچانک شفق کا بی پی خطرناک حد تک شوٹ کرگیا تھا ڈاکٹر حنا نے تفصیلی چیک اپ کے بعد بتایا۔

''ہمیں فوری طور پر انہیں آپریٹ کرنا ہوگا۔'' بی پی کنٹرول کی میڈیسن اسے دی جارہی تھیں۔ ''آپ بلڈ کی ارینج منٹ کرائیں اور باقی فارمیلٹی پوری کریں۔'' ریان خان کی پریشانی دیدنی تھی۔ اماں خداوند قدوس سے ماں بچے کی زندگی اور صحت یابی کی دعائیں کررہی تھیں۔ ریان نے اپنے قریبی دوست اویس کو بلوالیا تھا جو ان کے فسٹ کزن بھی تھے۔ آپریشن چل رہا تھا دو گھنٹے گزر گئے۔ اماں سیٹنگ ایریا میں بیٹھی جھولی پھیلا کے دعائیں کرتیں رہیں ریان آپریشن تھیٹر کے سامنے نڈھال قدم گھسیٹتے رہے۔ ڈاکٹر حنا کو باہر نکلتے دیکھ کر جیسے ریان خان پر رعشہ کی کیفیت طاری ہوگئی تھی۔ ڈاکٹر ان کے قریب آ گئی۔

''آپ کی بیٹی ہوئی ہے۔''

''شا..... فق.....؟'' لہجہ لڑکھڑایا۔

''آئی ایم سوری ہم آپ کی وائف کو نہیں بچا سکے۔'' ڈاکٹر حنا رنجیدگی سے گویا ہوئیں۔

''ریان صاحب صبر کریں اللہ کو یہی منظور تھا۔'' اس وقت اگر اویس انہیں تھام نہ لیتا تو وہ وہیں گر جاتے۔ اویس نے قریبی چیئر پر انہیں بٹھایا۔

''ڈاکٹر جھوٹ بولتی ہے شفق کو کچھ نہیں ہوا' بھلا وہ کیسے مرسکتی ہے۔ ہم نے تو بہت ساری زندگی ایک ساتھ جینی ہے۔ شفق نے خود مجھ سے کہا تھا' ہم ان گنت ساعتیں ایک دوسرے کی ہمراہی میں گزاریں گے۔'' ریان بمشکل اپنی جگہ سے اٹھے اور دھاڑیں مار کر روتی اماں کے گلے لگ گئے۔

''کیا وہ اب کبھی نہیں آئے گی..... نہیں آئے گی؟''

دل خراش حقیقت نے بارہا انہیں باور کرایا تھا۔ اس سچائی کو تسلیم کرلو لبوں میں پھیلی ان سفاک پکاروں کو وہ قطعی نہیں سننا چاہتے تھے۔ وہ لمحہ کی ہر ساعت اپنی لازوال محبتوں کے گجرے اس کی کلائیوں میں پہنایا کرتے تھے اب کہاں سے تلاشیں وہ شیشے جیسی کلائیاں' شفق تم نے کیوں مجھے منجدھار میں چھوڑ دیا۔ اس کی قربتوں کا احساس ریان خان کو بے بس کرجاتا۔ اندر کی کیک ان کی جلتی آنکھوں میں بے بسی کی تیز دھاریں اتار گئی تھیں۔ انہوں نے بڑھی ہوئی شیو پر زور زور سے چوڑی ہتھیلیاں رگڑی تھیں' تب جیسے وہ دھیمے سے مسکائی ہو۔ دس ماہ گیارہ دن کی اس ازدواجی زیست میں انہوں نے بس اسے دیکھا اسے سوچا اپنے ہر لمحے کا اقتباس اس کے نام کیا۔ وہ تو جل پری تھی جو اپنی سبز آنکھوں کی سپردگی انہیں دے گئی تھی۔ وہ ان سبزہ زاروں کی عمیق جنبشوں میں اترتے چلے جاتے۔ اس وقت ان کے سامنے رکھا ایش ٹرے ادھ جلے سگریٹ کے ٹکڑوں سے بھر چکا تھا۔ اب بھی ان کی دو انگلیوں کی پوروں کے بیچوں بیچ سگریٹ سلگ رہا تھا۔ جس کے کناروں پر راکھ کی لمبی دھار بن چکی تھی۔ ان کی نگاہیں دیوار گیر کھڑکی کے گرین پردوں پر رکی ہوئی تھیں۔ اس کی زمرد آنکھوں کی مناسبت سے ریان خان نے شادی پر اپنے روم کی کلر تھیم رکھی تھی۔ جو گرین اور اسکن میں تھی۔

''ریان لائٹ کیوں بند کی ہوئی ہے۔'' ثروت آپا اندر آتے ہوئے بولیں' اور تمام لائٹس آن کردی۔ ثروت نے

سوالیہ نگاہوں سے ایش ٹرے کی طرف دیکھا۔ پھر غم سے نڈھال اپنے اکلوتے بھائی کا جائزہ لیا۔ ملگجا لباس، بے ترتیب بال، گلابی آنکھیں، سگریٹ کی کثرت سے پڑیاں جمے سیاہی مائل ہونٹ۔

"سب لاؤنج میں بیٹھے ہیں، اٹھو وہیں بیٹھتے ہیں۔ تھوڑی دیر میں شکیل انکل اور ثوبیہ آنٹی جانے والے ہیں۔ آپ کو بلا رہے ہیں۔" ثروت نے شفق کے والدین کا نام لیا تھا۔

"آپی میں یہیں پر ٹھیک ہوں۔" انہوں نے پھر گال انگلیوں کی پوروں سے کھجایا۔

"اماں بلا رہی ہیں تمہیں۔" ثروت نے ایش ٹرے اٹھا کر سائیڈ ٹیبل پر رکھا۔ انہیں ہاتھ سے پکڑ کر اٹھانا چاہا، اب کی بار بغیر احتجاج کیے انہوں نے پیروں میں سلیپر پھنسائے اور کھڑے ہوگئے۔ سلام کرنے کے بعد وہ بیٹھ گئے۔ لاؤنج میں گمبھیر تا خاموشی مسلط تھی۔ ریان خان کو پل بھر کے لیے لگا یہاں پر شفق بھی موجود ہے۔ تمام نفوس کی سانسوں کے درمیان اس کی سانسیں بھی موجود ہیں۔ ان کی متورم آنکھوں میں اس کا چہرہ جھلملایا، ان پلوں میں شدت سے ان کا دل چاہا شفق کے نازک شانے انہیں میسر آ جائیں۔ جن پر اپنی آنکھیں ٹیک کر خوب روئیں کہ ان کے دل کا بوجھ ہلکا ہوجائے۔ اس وقت تمام لوگ خاموش تھے۔ کوئی کسی سے نگاہیں نہیں ملا سک رہا تھا۔ ثوبیہ آنٹی بار بار آنسو روکنے کی کوشش میں پلکیں جھپک رہی تھیں۔ ان کے ہونٹوں پر لرزہ طاری تھا۔ شکیل انکل ضبط کی طنابیں بمشکل سہارے بیٹھے تھے۔

اماں بچی کو گود میں لیے ہوئے تھیں۔ جو دنیا و مافیہا سے لاتعلق سو رہی تھی۔ یہ جانے بغیر کہ اسے جنم دینے والی اس دنیا سے جا چکی ہے۔ ثمرہ اور ثروت بھی بے آواز آنسو بہا رہی تھیں۔ اس حولنا کی سناٹے میں اچانک ارتعاش پھیلا، آواز آ رہی تھی اس ویل ٹی ٹرالی کی، جو تسنیم آپا گھسیٹتی ہوئی لاؤنج میں لائی تھیں۔ آپا نے خاموشی سے سب کے سامنے چائے کے کپ رکھ دیے تھے۔ چائے کی گرم گرم خوش بودار بھاپ نے بھی کسی کو اپنی طرف متوجہ نہ کیا۔

"ریان چائے پیو۔" شکیل انکل نے بات کرنے کا بہانہ تلاشا۔

"جی۔" ریان نے چائے کی طرف دیکھا۔

"آپا! بچی کا کوئی نام سوچا؟"

"ہاں ثوبیہ ریان اور شفق کو بیٹی کی خواہش تھی۔ ان دونوں نے سوچا تھا اگر بیٹی ہوئی تو اس کا نام احمرین رکھیں گے۔"

"تو پھر یہی نام ٹھیک ہے۔ کیوں ریان میاں۔" شکیل انکل نے اماں کی تائید میں ریان کی طرف دیکھا۔

"جی ٹھیک ہے۔"

"بیٹا ہم چاہتے ہیں احمرین کو ہم اپنے ساتھ لے جائیں۔" ثوبیہ آنٹی نے ریان کی طرف دیکھا جو سب سے لاتعلق دکھائی دے رہے تھے۔ جیسے انہیں فرق نہیں پڑتا بچی جہاں رہے جن کے پاس رہے۔

"ثوبیہ میں اپنی پوتی کو خود پالوں گی، ثوبیہ تمہارا اور میرا غم مشترکہ ہے۔ شفق کے بعد اب میں احمرین کی جدائی برداشت نہیں کرسکتی۔" ثوبیہ اب بھلا کیا تکرار کرتیں۔ بھی لوگ اپنے اپنے گھر سدھار گئے تھے۔ لاؤنج میں اس وقت صرف اماں اور ریان موجود تھے۔ پنک کمبل میں لپٹی بے بی اب بھی دادی کی گود میں تھی۔ آپا تسنیم کی بیٹی کو اماں نے مستقل یہاں رکھ لیا تھا، احمرین کی دیکھ بھال کے لیے۔ اچانک وہ کسمساتے ہوئے روئی اور پھر زور زور سے رونے لگی۔ ریان نے ایک بار بھی اپنی بیٹی کی طرف نہ دیکھا، ان کی پیشانی پر ناگواری کی گہری تیوریاں نمودار ہوئیں۔ اماں نے رینا کو آواز دی وہ فوراً کچن سے نکل کر اماں کے قریب پہنچی۔

"بیٹا بے بی کے لیے دودھ بنا لاؤ۔" منہ میں فیڈر کا نپل جاتے ہی احمرین نے رونا بند کردیا تھا۔

ہتھوڑے کی طرح مسلسل ایک ہی بازگشت ریان خان کے دماغ میں کھلبلی مچا رہی تھی۔ شفق میں تمہارے بغیر کیسے جیوں گا، کاش کاش یہ منحوس لڑکی اس دنیا میں نہ آئی

ہوتی جس نے تمہاری جان لے لی۔ یہ مر جاتی تم زندہ رہتیں۔" آنسوؤں نے بھینچے ہونٹوں کو مزید دبایا۔ برزخ جیسی برفیلی کاٹ ان کی روح کے ذرے ذرے میں یخ بستگی بھرتے انہیں شدید اذیت پہنچا رہی تھی۔

"کرب ناکیاں درد کی یہ انتہائیں میرے روشن مقدروں میں ایسی انمٹ سیاہی بھر جائیں گی اگر مجھے علم ہوتا تو تمہیں کبھی ماں نہ بننے دیتا۔ شفق تمہیں ہی تو شوق تھا ماں بننے کا۔ پھر میں تمہاری خواہش کیسے رد کرتا۔" وہ ہستی جس سے ریان خان کا دل کا رشتہ تھا۔ اس کے مقدس درجات یوں دل میں جاگزین ہوئے تھے جو متحرک رفعتوں کے ہنڈولوں میں محو پرواز ان کی دائمی ہمراہی کو امر کر دیتے۔ دیکھتے ہی دیکھتے ان دونوں کے عشق کی انتہائیں سپرخاک کی گہرائیوں میں طمانیت کی چادر اوڑھے ان سے بے خبر ہو گئی۔ وہ پھر سگریٹ سلگا چکے تھے۔ تہجد کی نماز کے لیے اماں اٹھیں تو ریان کے کمرے میں چلی آئیں۔ ان کی خواب گاہ سگریٹ کے کڑوے کسیلے دھویں سے بھری ہوئی تھی۔ وہ صوفہ پر بے سدھ نیم دراز تھے۔ سامنے ٹیبل پر ایش ٹرے جلے ٹکڑوں سے بھرا ہوا تھا' اماں دروازے کے بیچوں بیچ کھڑی ٹکر ٹکر اپنے اکلوتے بیٹے کو گھورتی دم بخود نگاہوں سے دیکھ رہی تھیں۔ ریان کو ان کی آمد کی خبر نہ ہوئی۔ وہ بے تلے قدم اٹھاتیں ان کے قریب آ گئیں۔ دل خون کے آنسو رو رہا تھا۔ بیٹے کی حالت زار پر۔ شفق کا اماں کو بھی بہت دکھ تھا۔ بیٹیوں سے بڑھ کر اس نے ان کا خیال رکھا۔

"ریان۔" بالوں میں الجھا ان کا ہاتھ اماں نے نرمی سے تھپتھپایا۔ وہ چونکے۔ سیدھے ہو کر بیٹھ گئے۔ اماں نے ان کے ہاتھ سے سگریٹ لے کر ایش ٹرے میں رکھا سلگ سلگ کر جس کی راکھ فلٹر تک پہنچ گئی تھی۔

"ریان سو جاؤ۔"

"جی۔" وہ ماں سے نگاہیں کترا رہے تھے۔

"بیٹا بستر پر جا کر لیٹو۔" انہوں نے جلتی آنکھوں کو انگلیوں کی پوروں سے دبایا۔

"اماں میں کیسے زندہ رہوں گا اس کے بغیر۔" انہوں نے گونگی سسکیاں گلے کے اندر روکیں۔

"ریان صبر کرو۔ اللہ کے حکم کے سامنے ہماری کیا مجال۔"

"نہیں ہو پا رہا صبر۔" وہ گلے کے بل رندھی آواز میں بولے۔ اماں نے انہیں گلے لگا لیا۔ "اماں میں کیا کروں۔" کس قدر بے بسی لاچارگی شکست خوردگی کمتی ہوئی تھی ان کی لغزش کھاتی آواز میں اور اب وہ چٹانوں کی مانند مضبوط ریان خان دھاڑیں مار مار کر رو رہا تھا۔ ان کے بے آواز آنسو اماں کے کندھے کو بھگوتے رہے۔ اماں نے انہیں چپ کرانے کی کوشش نہ کی اور واقعی تھوڑی دیر بعد دل کا غبار نکلنے سے وہ پرسکون ہو گئے تھے اماں نے انہیں صوفہ سے اٹھا کر بیڈ پر لٹایا کمبل اوڑھایا اور ان کے قریب بیٹھ کر قرآنی آیات پڑھتے انہیں دم کرتی رہیں۔ تھوڑی دیر بعد وہ نیند میں چلے گئے۔ اس دن کے بعد انہیں کبھی اماں نے روتے نہ دیکھا۔

❁.......❁.......❁

احمرین کے خدوخال ماں باپ کا مکسچر تھے۔ آنکھیں ماں کی طرح چمکتے زمرد کی مانند گرین تھیں۔ ناک بھی ماں کی طرح ستواں تھی۔ ہونٹ اور کشادہ پیشانی باپ پر گئی تھی اس کی آنکھیں کھول کر دیکھنے کا انداز بھی شفق جیسا تھا۔ احمرین کے معاملے میں تو ریان نے چپ سادھ رکھی تھی۔ انہوں نے ہمیشہ اسے اگنور کیا تھا۔ سفاکی دکھائی۔ وہ جھولے میں پڑی روتی رہتی' ان کے دل کو ذرہ احساس نہ ہوتا' نہایت بے زاری سے اسے دیکھتے' احمرین کو دیکھتے ہی ان کے زخم تازہ ہو جاتے۔ اگر یہ دنیا میں نہ آتی تو میری دنیا نہ اجڑتی۔ بیٹیاں تو بہت بڑی نعمت ہوتی ہیں' وہ غیر ارادی طور پر اس نعمت کی نفی کرتے' اللہ کی ناراضگی کے مرتب ہوتے۔ اللہ تو بے نیاز ہے وہ جو چاہے کر سکتا ہے۔ رب نے شفق کو اپنے پاس بلا لیا یہ اس مالک کی مرضی' بدلے میں ننھی پری بھی تو انہیں عطا کی۔ وہ بدستور اس سے انکاری ہو رہے تھے اللہ تعالیٰ کی ناشکری کر رہے

تھے۔ اماں نے بہت کوشش کی وہ زندگی کی طرف لوٹ آئیں۔ تب ان کی ویران آنکھوں میں بے بسی کی تلملاہٹ عود آتی۔ اگر ایسا ان کے اختیار میں ہوتا تو کب سے زیست کی طرف لوٹ آتے۔ جب بھی احمرین کو دیکھتے مندمل ہوتے زخموں کے کھرنڈ اکھڑنے لگتے۔ انہوں نے صبح کی بیڈٹی نہیں چھوڑی تھی۔ پہلے کی طرح صبح سات بجے آفس کے لیے نکل آتے' احمرین اب چلنے لگی تھی۔ وہ جیسے ہی ان کے قریب آتی' اس کے ننھے ننھے ہاتھ جھٹک دیتے۔ غصہ سے اسے گھورتے' وہ ڈر جاتی سہم کر ہونٹوں کو گولائی میں لرزنے سے نہ بچا پاتی۔ آنکھیں چھلک آنے کو بے قرار ہوتیں۔

''ریان کیا ہوگیا ہے تمہیں' اس بچی سے کون سی دشمنی نکال رہے ہو۔'' تب ان کی آنکھوں میں اس کے لیے ناپسندیدگی مزید بڑھتی کس قدر تنفر ہوتا تھا ان کے دیکھنے میں۔ احمرین نے پہلا لفظ ماں...... بابا...... اماں ہی تو سیکھا تھا۔ ان کی بصارتوں میں وہ دہکتی ریت بن کر چبھتی اس نحوست ماری نے میری شفق کو موت کے ذائقے سے ہم کنار کیا ہے۔ میں کیسے یہ سب بھلا سکتا ہوں۔ تیز آریاں ان کے سینے پر چلتی۔ اس شام وہ قالین پر ڈھیر لگے کھلونوں سے کھیل رہی تھی۔ ریان نیوز پیپر پڑھ رہے تھے اس کا کھلونا سامنے کے صوفے کے قریب جا گرا۔ وہ صوفے کا ہینڈل پکڑتی کھڑی ہوگئی۔ اس کے پیروں کا بیلنس برقرار نہیں ہو پا رہا تھا۔ اس نے مزید آگے پیر رکھنا چاہا معاً گر نہ جائے اس نے تیزی سے آگے بڑھ کر ریان کے گھٹنوں کو زور سے پکڑ لیا۔

''بابا...... با......'' وہ توتلی زبان میں ہونٹوں کو ہلا رہی تھی جو خود بخود لرزش کھانے لگے تھے۔ سبز آنکھیں آنسوؤں کے ریلے کی زد میں تھیں۔ ریان خان نے تھکی نگاہوں سے اسے دیکھا۔ بازوؤں سے اس سختی سے پکڑا کہ ننھی سی جان بلک اٹھی۔

''احمرین کیا ہوا۔'' اماں فوراً کچن سے نکلیں۔

''اماں پلیز اسے سنبھال لیا کریں۔'' ریان کی آواز میں تندی تھی۔

''آخر اس ایک سال کی بچی نے کہہ کیا دیا ہے۔'' اماں کے لہجے میں بھرپور احتجاج تھا۔

''مت اسے میرے سامنے لایا کریں۔'' اخبار ٹیبل پر پھینکتے ہوئے چیخے۔ اماں نے احمرین کو اٹھا لیا تھا۔ وہ اماں کے کندھے سے لگی آنکھیں بند کیے سانس پوری طرح روک چکی تھی۔

''خدا سے ڈرو ریان مرے ہوئے انسان کو ترجیح دے رہے ہو ایک زندہ بن ماں کی بچی پر۔ شفق سے تمہاری یہ کون سی محبت ہے۔ تم اس کی بچی کے ساتھ جو کر رہے ہو کیا اسے تکلیف نہیں ہوتی ہوگی۔ اس کی ماں تو خدا نے لے لی اور باپ نے بھی بے حسی سے منہ موڑ لیا۔ یہ تم کون سا ایصال تو اب شفق کی روح کو پہنچا رہے ہو۔'' حلیم الطبع اماں جو اکثر ریان کے رویے سے ڈسٹرب رہتیں۔ آج ان کی برداشت کی تمام طنابیں بے قابو ہوگئی تھیں۔ وہ بلا تکان بولے چلی گئیں۔ وہ حیرت سے اپنی ماں کو دیکھ رہے تھے۔ ریان خان خود کو حق بجانب گردانتے تھے۔ اماں کو تو ان کی سپورٹ کرنی چاہیے تھی ناں کہ وہ انہیں ڈانٹ رہی تھیں۔ وہ یک بارگی خود کو مزید بے بس اور نڈھال محسوس کر رہے تھے۔ آج سے پہلے اماں نے ان سے اس لہجے میں بات نہیں کی تھی۔ آخر اماں بھی تو پریشان ہو سکتی تھیں۔ ریان خان وہاں سے کب کے جا چکے تھے اماں احمرین کے لیے ریان خان کی فل پروٹیکشن چاہتی تھیں۔ انہیں اس شدید کریش سے باہر نکالنا چاہتی تھیں۔ احمرین ان کے کندھے سے لگے لگے سو گئی تھی۔ احمرین بڑی ہو رہی تھی سارا دن گھر میں گھومتی توتلی زبان میں اماں سے باتیں کرتی تو وہ اسے خود سے بھینچ لیتیں۔ ریان تھوڑی دیر پہلے آفس سے آئے تھے۔ کب سے ان کے سامنے چائے کا کپ رکھا تھا۔ اماں اپنا کپ خالی کر چکی تھیں۔ اچانک احمرین ان کے سلیپر اٹھا کے باپ کے نزدیک آ گئی۔

''بابا یہ پہنو۔'' وہ ان کے شوز پر ہاتھ مار رہی تھی کہ وہ اتاریں اور یہ پہنیں۔ ریان نے اس دو سالہ بچی کی طرف

دیکھا۔ اس کی روشن سبز آنکھیں باپ کے چہرے پر گڑی ہوئی تھیں۔ وہ مبہوت سے اسے دیکھتے رہے۔ آج فرسٹ ٹائم وہ اسے غور سے دیکھ رہے تھے۔ وہ ہو بہو ان کی شفق کا پرتو تھی۔ اس کی آنکھوں میں براجمان کشش' ریان خان نے بے قراری سے پہلو بدلا۔ پیشانی بلاوجہ عرق ریز ہوئی جارہی تھی۔ جسے بائیں انگلیوں سے دبایا۔

اماں بغور ریان کو دیکھ رہی تھیں۔ آج خلاف توقع انہوں نے احمرین کو تضحیک آمیز نظروں سے نہیں دیکھا تھا۔ سراسیمگی کیفیت میں مسلسل جتلا تھے۔ وہ شخص جو ہمیشہ احمرین کو دیکھتے ہوئے غصے سے چلاتا تھا' اس وقت نارمل دکھائی دے رہا تھا۔ ریان یہ دو سال کی بچی جانتی ہے کہ تم اس کے باپ ہو' وہ کچھ کہے بنا ٹھنڈی بدذائقہ چائے کے بڑے بڑے گھونٹ حلق سے اتار رہے تھے۔

❁......❁......❁

اس ویک اینڈ پر اویس اور اس کی بیوی ندا آئے ہوئے تھے۔ لنچ کے بعد لان میں گرین ٹی کا دور چل رہا تھا۔ ریان کا موڈ قدرے بہتر تھا۔ اویس کے بچے اور احمرین لان میں کھیل رہے تھے۔ ریڈ فراک میں سبز گھاس پر بھاگتی گرتی احمرین ریڈ روز معلوم ہو رہی تھی۔ اماں کی نگاہیں بار بار احمرین کی طرف اٹھتیں۔

"ریان بھائی میں نے آپ کے لیے ایک لڑکی پسند کی ہے۔" انہوں نے چونک کر ندا کی طرف دیکھا۔

"ریان ندا نے وہ لڑکی مجھے بھی دکھائی ہے۔ اچھی ہے۔" اویس نے شانے اچکائے۔

"تم تک چڑھے سے تو بہت زیادہ خوب صورت اور خوش مزاج ہے۔" ریان کے ماتھے پر گھمبیر تا تیوریوں کا جال دیکھ کر اویس ماحول کو مکدر ہونے سے بچانا چاہ رہا تھا۔

"پلیز اویس۔" ریان نے ہاتھ کے اشارے سے مزید کچھ کہنے سے روکا۔

"پھوپو کی بھی یہی خواہش ہے تم اب شادی کر لو۔"

"اویس میری شادی ہو چکی ہے۔" لہجہ سپاٹ تھا۔

"ریان بھائی بھابی اب اس دنیا میں نہیں ہیں۔" ریان نے اویس کی جانب معنی خیز تپی نگاہوں سے دیکھا۔ وہ سوچ رہے تھے' اویس تمہیں کیا معلوم وہ میرے ساتھ پل پل رہتی ہے۔ اس کا لمس ہر جگہ محسوس ہوتا ہے۔

"ریان ہماری بات پر غور کرو۔ مانا کہ تم بھابی کو کبھی نہیں بھول سکتے' لیکن اس بے ثبات زندگی کو قدرے ڈگر پر لانے کی کوشش کرو۔"

"ریان بیٹا مان جاؤ۔" اماں نے پہلی بار ان کی گفتگو میں حصہ لیا۔ ان کا لہجہ بہت ہی ملتجیانہ تھا۔

"آپ لوگ مجھ پر پریشر نہ ڈالیں' میں نے شادی نہیں کرنی۔ یہ میرا حتمی فیصلہ ہے۔ آئندہ اس ٹاپک پر مجھ سے بات نہ کی جائے۔" ان کی آنکھیں اچانک گلابی ڈوروں سے بھر گئی تھیں۔ چہرے پر اضطراب کی تہیں بڑھتی جارہی تھیں۔

کتنے ماہ و سال وقت اپنی پٹاری میں بھرتا لے اڑا۔ احمرین میٹرک میں پہنچ گئی۔ اس نے پوری ماں کی شکل چرائی تھی۔ اماں شفق کا ذکر احمرین کے سامنے یوں کرتیں جیسے وہ اس کے پاس ہر ساعت رہتی ہے۔ اس نے اپنے کمرے میں اپنی ماں کی ڈھیروں تصاویر لگا رکھی تھیں۔ ریان کی بے اعتنائی کا ذکر اماں نے مختصراً دو چار بار اس سے کیا تھا۔ احمرین نو سال کی تھی جب اس نے دادی سے سوال کیا تھا۔

"اماں بابا مجھ سے نفرت کیوں کرتے ہیں؟ میں نے تو مما کو نہیں مارا' میں نے آج تک ایک بار بھی بابا کے منہ سے اپنا نام نہیں سنا نہ ہی وہ میری طرف دیکھتے ہیں' کبھی میرا نام میرا ذکر نہیں کیا۔ میں نے بھی تو اپنی ماں کو کھویا ہے ایک بار بھی میں نے ان کی گود کی گرمائش و گداز پن محسوس نہیں کیا۔ میں نے تو کسی سے شکوہ نہیں کیا میں نے تو اللہ سے نہیں کہا تھا میری ماں کو لے لو پھر بابا مجھے کیوں ذمے دار ٹھہراتے ہیں' کیا واقعی میں قصوروار ہوں' ماں کی موت کی بابت' جب بھی بابا کے سامنے آؤں غصیلی نظروں سے دیکھتے ہیں' ان کا کوئی کام کروں تو جھڑک دیتے ہیں'

چلاتے ہیں' اماں میں ان کے چیخنے سے ڈر جاتی ہوں۔ اماں آپ بابا سے کہو ناں مجھ پر نہ چیخا کریں۔ میری سانسیں بند ہونے لگتی ہیں۔" روہانسی ہوتے ہوئے وہ گم صم بیٹھی دادی کے دونوں ہاتھ پکڑے زور زور سے انہیں ہلا رہی تھی۔ اماں کے کانوں میں احمرین کے جملے گرم سیسے کی مانند اترتے محسوس ہوئے۔ اماں نے کس کس طریقے سے ریان کو نہیں سمجھایا تھا' یا تو وہ اماں کو جواب نہ دیتے یا وہاں سے اٹھ جاتے۔ اس روز انہوں نے اماں سے کہا تھا۔

"اگر اب آپ نے مجھے شادی کے لیے یا اس لڑکی کے متعلق کچھ بھی کہا تو میں پاکستان چھوڑ کر چلا جاؤں گا' مجھے میرے حال پر چھوڑ دیں۔" ان کا انداز جارحانہ تھا' لہجے میں کرچیاں بھری ہوئی تھیں۔

"کس چیز کی کمی ہے اس لڑکی کو اچھے اسکول میں پڑھ رہی ہے لگژری لائف میسر ہے' آپ کو ایک بڑی اماؤنٹ اس کے لیے دیتا ہوں اور میں کیا کروں اس کے لیے۔"

"ریان احمرین کو تمہاری محبت چاہیے' توجہ کی ضرورت ہے اسے۔ یہ دنیاوی ظاہری چیزیں اس کے لیے اہمیت نہیں رکھتیں' یہ سب کچھ تو میں بھی اسے دلا سکتی ہوں۔"

"میں اس کے لیے اس سے زیادہ کچھ نہیں کرسکتا۔" خشمگیں نظروں میں بے مروتی کی حدیں عود آئی تھیں۔

"ریان وہ تمہاری اولاد ہے۔"

"جانتا ہوں۔" اس لڑکی نے ان سے ان کی خوشیاں چھین لی تھیں' یہ تو وہی جانتے تھے' تنہائی کو تنہائی سے کاٹنا کس قدر دشوار ہوتا ہے یہ وہی جانتے تھے۔ اماں زچ ہو کر رہ گئی تھیں۔

"ریان تم ٹھیک نہیں کررہے۔"

"یہ بھی شفق کے ساتھ چلی جاتی تو اچھا تھا۔" وہ اکثر احمرین کے ذکر پر آگ بگولا ہوجاتے۔ بے بس کردینے والا جنون و ہیجان ان پر مسلط ہوجاتا۔ ریان خان بہت اونچا بولتے تھے اوپن کچن میں کھڑی احمرین پیلی پڑگئی اس کا سر گھوم رہا تھا حواس باختگی میں وہ کانپ رہی تھی۔

"بابا اس میں میرا کیا قصور ہے؟" گھٹی گھٹی سسکیاں

اس نے گلے کی عمیق گھور کوٹھڑی میں چھپالی تھیں۔ گہرے گہرے سانس لیتے ہوئے وہ ہونٹوں کو سختی سے بند کیے ہوئے تھی۔ بلند ہوتی ہچکیوں کو اس نے آخری نیند سلانا چاہا۔ لاؤنج میں اب مکمل سناٹا تھا۔ وہ بھاگتے قدموں سے اپنے بستر پر اوندھی گر گئی تھی۔

''بابا خدا آپ کی دعا کو قبولیت بخش دے' اگر مما کے ساتھ میں نہیں مری تو اب مرجاؤں' میرے مرنے سے آپ کی زندگی میں سکون آسکتا ہے تو میرا رب مجھے اپنے پاس بلالے' میں اپنی ماں کے پاس جانا چاہتی ہوں۔''

ریان کی رعونت بھری نگاہیں اس کے وجود میں چنگاڑ رہی تھیں۔ شام کو اماں احمرین کے کمرے میں آئیں تو وہ تیز بخار میں پھنک رہی تھی۔ رو رو کر اس کی آنکھیں سوجھ گئی تھیں' ریڈ پپوٹوں پر بھیگی پلکوں کے درمیان سبز آنکھیں بری طرح سلگ رہی تھیں۔

''احمرین بیٹا کب سے سو رہی ہو۔'' ماتھے پر بکھرے اس کے بال اماں نے سنوارے۔ اس کی پیشانی تپ رہی تھی۔ اماں نے پریشان ہو کر اس کی کلائی چھوئی' وہ تیز بخار میں تھی۔

''بیٹا تمہیں تو تیز بخار ہے' اٹھو میں تمہیں ڈاکٹر کے پاس لے کر چلتی ہوں۔''

''اماں کیوں پریشان ہو رہی ہیں۔'' اس کی آواز میں شدید نقاہت تھی۔ درد و بے بسی تھی احمرین کے لہجے میں۔ اماں کا دل دھک سے رہ گیا۔ بے انتہا اذیت نا کی عود رہی تھی احمرین کی آواز میں۔ اماں کا کلیجہ پھٹنے لگا تھا۔

''میری جان ڈاکٹر کے پاس چلتے ہیں ناں۔'' اسے بٹھاتے ہوئے اماں نے پانی کا گلاس اس کے ہونٹوں سے لگایا' وہ پورا گلاس پی گئی۔

''تم اپنا حلیہ درست کر کے آؤ میں گاڑی نکالتی ہوں۔''

''مجھے کہیں نہیں جانا۔'' احمرین نے پھر تکیے پر سر رکھ لیا تھا۔ اب بھی اس کی آنکھوں میں نمی کی موٹی تہہ موجزن تھیں۔

''احمرین تمہیں تیز بخار ہے' جلدی اٹھو میں گاڑی کی چابی لے لوں۔'' اماں ہمیشہ خود اسے پک اینڈ ڈراپ کرتی تھیں۔ شاپنگ کے لیے بھی اسے خود لے جاتیں' اس کے لیے بہترین ڈریسز اور شوز خریدتیں ویک اینڈ پر اسے گھمانے لے جاتیں۔ لاہور کے تمام پارک باغات قدیم عمارتیں مسجدیں ان دادی پوتی نے ایک دوسرے کی سنگت میں خوب سیریں کیں واپسی پر فائیو اسٹار ہوٹل میں ڈنر لیتیں تو کبھی احمرین کی خواہش پر کسی ڈھابے سے کھانا کھاتیں۔ ہر بار احمرین باپ کو مس کرتی۔ کاش بابا آپ بھی ہمارے ساتھ ہوتے تب ہم خوب گپیں لگاتے' میں آپ سے ضدیں کرتی' فرمائشیں کرتی جو آپ فوراً پوری کرتے۔ میں خود کو آپ کی گود میں چھپائے کس قدر خوشی کا اظہار کرتی۔ آپ میرے لیے کھلونے لاتے میں توڑ دیتی تو آپ ہنستے ہوئے غصہ دکھاتے۔ میں زور زور سے تالی بجاتی تو آپ مجھے اپنی گود میں بھینچ لیتے۔ میں کھل کھلا کر ہنستے ہوئے بانہیں آپ کی گردن کے گرد حمائل کر لیتی' آپ فرط جذبات سے میرا ماتھا چومتے' میرے گالوں کے بوسے لیتے لیتے نہ تھکتے' میں چیختی زور زور سے ہنستی' میری ہلتی پونی ٹیل پر آپ اپنے ہونٹ ٹیک دیتے۔ تب میں آپ کی بانہوں کو مزید کستے ہوئے ان میں چھپنے کی کوشش کرتی۔

''بابا...... بابا جی......'' رقت آمیزی سے خود کو بچاتے ہوئے اس کی آنکھوں سے ایک بار پھر چشمے پھوٹ پڑے۔

ریان خان اس وقت اپنے کمرے کی دیوار گیر گلاس ونڈو کے قریب کھڑے لان کی طرف دیکھ رہے تھے۔ آج کا دن ان کا اداسی میں گزرا تھا۔ کچھ دیر پہلے آفس سے آئے تھے۔ آج شفق کی چودھویں برسی تھی' وہی احمرین کی برتھ ڈے بھی تھی۔ اس وقت وہ فریش ہونے کے بعد پردے سائیڈ پر کرتے ویڈ سلائیڈ کا ہک اوپر کھینچتے ہوئے انہوں نے سلائیڈ ایک طرف کی تھی۔ اس وقت احمرین لان میں ایزی چیئر پر تنہا بیٹھی چیئر غیر ارادی طور

پرآگے پیچھے کررہی تھی۔ اس نے سفید چوڑی دار پاجامے پر کاسنی لانگ فراک پہن رکھا تھا' گلے میں ٹائی اینڈ ڈائی دوپٹہ کسا ہوا تھا۔ وہ اداس تھی' ایک لحہ کو ریان کو لگا ان کے سامنے شفق ہے۔ احمرین کی رنگت بہت سفید تھی۔ جبکہ شفق گندمی سنہری رنگت رکھتی تھی۔ وہ ٹکٹکی باندھے مسلسل اسے دیکھ رہے تھے۔ ان کی چودہ سالہ بیٹی کا قد ماں جتنا ہو چکا تھا۔ وہ چونکے' ایک جھرجھری نے ان کے دماغ کے بخیے ادھیڑ دیئے۔

''یہ شفق نہیں ہے' نخوت بھری وہ لڑکی ہے جس نے شفق کو مجھ سے چھین لیا میری شادمانی ہڑپ کرگئی۔ زندگی کو مجھ پر عذاب بنادیا بوجھ بنادیا۔ منحوس ہے یہ۔'' ان کے دماغ کی نسیں پھڑ پھڑائیں آنکھیں دہکتے انگارے بن گئیں۔ چہرے پر غیض وغضب ابھرا اہانت آمیز انداز تھا ان کا۔

''ریان ہوش میں آؤ۔'' کسی نے انہیں جھنجوڑا' انہوں نے اپنے اطراف دیکھا۔ کمرے میں ملگجے اندھیرے کے سوا کچھ نہیں تھا۔ انہوں نے خود ایک نسوانی آواز محسوس کی تھی۔ ریان نے ذہن جھٹکا اور صوفے پر بیٹھ گئے۔ آنکھیں بند کیے اضطرابی کیفیت میں بند مٹھی بار بار آہستگی میں پیشانی پر مار رہے تھے۔

''ریان احمرین کے ساتھ ایسا کیوں کررہے ہو؟ وہ میری بیٹی ہے آپ خود غرض ہیں' ایسی محبت کرتے ہیں مجھ سے' میری بچی کے ساتھ آپ کا ناروا سلوک۔ احمرین کی کراہیں سسکیاں بے بسیاں بے آواز آنسوؤں کی صدائیں میری روح کو کچوکے لگاتی ہیں۔ مجھے تو اتنا ہی آپ کے ساتھ رہنا تھا' اس میں اس معصوم کا کیا قصور؟'' گھبرا کر انہوں نے آنکھیں کھول دیں۔ یہاں تو کوئی نہیں تھا۔ اندھیرا مزید ہیبت ناکی پھیلا چکا تھا۔

''ریان تم رونگ ہو۔'' اب بھی صدائیں ان کے کانوں میں ہتھوڑے برسا رہی تھیں۔ گھبرا کر وہ صوفہ سے اٹھے انہوں نے پھر کھڑکی سے لان کی جانب دیکھا۔ موم بتیوں کی تھرتھراتی لو میں جو کیک پر جھلملا رہی تھیں'

احمرین کا دبیز چہرہ مڑی لانبی پلکوں کی پناہوں میں اداس سبز آنکھیں لرزتے ہونٹ' اس نے یک بارگی غیر ارادی طور پر باپ کے کمرے کی ونڈو کی طرف دیکھا۔ جہاں مکمل اندھیرا تھا۔ اماں اور شمیم آپا ہیپی برتھ ڈے ٹو یو ڈیئر احمرین کہہ رہی تھیں۔ اس نے کیک کاٹا احمرین نے اماں کو کیک کھلایا' پھر شمیم آپا کو' اماں نے احمرین کے منہ میں کیک ڈالا' پھر اماں نے ریڈ گلابوں کا بکے اور ایک گفٹ پیک اس کے ہاتھ میں تھمایا۔ اس کی پیشانی کا بوسہ لیا۔ پھر شمیم آپا نے بھی کچھ ایسا ہی کیا۔ اس وقت احمرین کے چہرے کی خوشی دیدنی تھی۔ وہ مسکرا رہی تھی۔ یہ منظر دیکھ کر ریان خان کی آنکھوں کی یورش بڑھی' اندر سے سرزنش ابھری۔

''ریان تم سے اچھی تو وہ نوکرانی ہے۔ جو تمہاری بیٹی کی خوشی سلیبریٹ کررہی ہے۔ ایک غریب خدمت گار نے اپنی بساط کے مطابق اسے تحفہ بھی دیا ہے۔ تم اس کے باپ ہو جو آج تک اپنی اولاد کے لیے ایک مٹی کا کھلونا بھی نہ لاسکا۔ کیسا بدنصیب ہے تمہارا سراپا جس کے لمس سے ہمیشہ وہ محروم رہی' عدم تحفظ کا شکار رہی تمہاری پدرانہ محبت اس کے نصیب میں نہ رہی۔ تم نے مری ہوئی بیوی کی خاطر اپنی لخت جگر کو ہمیشہ اگنور کیا۔'' پھر سے چیخ وپکار برپا ہوئی۔

''ریان خان تم نے ہمیشہ صرف اپنے بارے میں سوچا۔ صرف تم' تمہاری محبت' تمہاری امنگیں' خواہشیں' خوشیاں تمہاری جن کے کھو جانے کی وجہ اس لڑکی کو منحوس ثابت کرکے اپنا دفاع کیا تم نے۔''

''یہ سچ ہے میری شفق اسی کی وجہ سے بچھڑی ہے' مجھ سے۔'' اندر کی صداؤں کو دباتے گھبراہٹ سے آواز بلند کرتے دوبارہ صوفہ پر بیٹھ گئے۔ سامنے کی دیوار پر ان کی شادی کی تصویر آویزاں تھی۔ وہ سوچ رہے تھے اگر آج شفق ہوتی تو میری یہ بوجھل زندگی کس قدر خوب صورت ہوتی۔ ایک دوسرے کی سنگت میں ہم کس قدر مسرور ہوتے۔

''ریان ہمیشہ تم دونوں بیٹی کی خواہش کرتے تھے۔ اللہ نے تمہارے گھر رحمت بھیجی تم نے اس کے ساتھ اچھا

سلوک نہیں کیا۔"

"نہیں ہے مجھے اس کی ضرورت۔" خود کلامی میں بڑبڑائے پھر سے اندر بیٹھے منصف نے انہیں راہ ہدایت کی تلقین دینا چاہی۔

"ریان خان کب سے اپنے خدا کی ناراضگی مول لے رہے ہو۔ بلاوجہ کسی کو موردالزام ٹھہرانا کسی سے نفرت کرنا گناہ کبیرہ ہے۔ تم نے اپنی اولاد کے ساتھ ایسا برتاؤ رکھا کیا قصور ہے اس لڑکی کا؟ وہ اپنی مرضی سے اس دنیا میں نہیں آئی اللہ کے حکم سے آئی اور سبب بنے تم اسے دنیا میں لانے کا۔ اب تم اس کے مرنے کی تمنا کرتے ہو۔ کیسے باپ ہو تم۔" اچانک ان کی نگاہوں میں وہ ننھی سی گڑیا جھلملائی۔

"بابا پانی پی لو۔" وہ اپنے چھوٹے چھوٹے ہاتھوں میں گلاس پکڑے ان کے سامنے کھڑی تھی۔ اس کی تمام توجہ باپ پر تھی۔ انہوں نے نفی میں سر ہلایا۔ "پیو ناں بابا۔" احمرین نے گلاس ان کے ہونٹوں سے لگانا چاہا تو وہ اسے گھورنے لگے۔ خوف سے اس کے ہاتھ کانپے پانی چھلک کران کے کپڑوں پر گرا۔

"جاؤ یہاں سے۔" اسے زور سے پیچھے ہٹایا۔ ضبط کی سسکاریاں اندر ہی اندر روکنے کی کوشش میں اس کے ہونٹوں پر لرزش طاری تھی۔ سبز آنکھوں میں موٹے موٹے آنسو تھے۔ وہ ہچکیاں روکنے کی کوشش کررہی تھی گلاس اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر نیچے گرا تھا۔ جس کی کرچیاں اطراف میں پھیلی تھیں۔

❁......❁......❁

احمرین کے اسکول میں پیرنٹس میٹنگ تھی۔ وہ ان کی ٹانگوں سے چمٹ گئی تھی۔ بابا میرے اور اماں کے ساتھ آپ بھی چلیں۔"

"نہیں جانا مجھے ہٹو میرے سامنے سے۔ اماں پلیز اسے میرے سامنے مت لایا کریں۔" اس روز وہ اماں سے کہہ رہے تھے۔ "اسے ہوسٹل بھیج دیں۔" وہ باپ کے پیچھے کھڑی سن رہی تھی۔ احمرین بھاگ کر آئی اور دادی کی گود میں چہرہ چھپائے سانسیں روک چکی تھی۔ اماں اسے گود میں بھرے اپنے کمرے میں لے آئیں تھیں۔

"اماں میں نے کہیں نہیں جانا۔"

"میری جان کوئی نہیں تمہیں بھیج رہا تم میرے پاس رہو گی۔"

"بابا نے ابھی آپ سے کہا ہے ناں۔" وہ ابھی تک خوف زدہ تھی۔ اماں نے اسے بیڈ پر لٹایا خود بھی اس کے ساتھ لیٹ گئیں۔

"اماں مجھے چھوڑ کر تو نہیں جائیں گی مجھے ڈر لگتا ہے بابا مجھے ہوسٹل بھیج دیں گے۔"

"میری جانو کو کوئی نہیں ہوسٹل بھیج رہا میں ہوں نا تمہارے پاس۔ سو جاؤ تم۔" وہ آہستہ آہستہ احمرین کا کندھا تھپتھپا رہی تھیں۔ ان دنوں احمرین میٹرک کے ایگزیم سے فارغ ہوئی تھی۔ بوریت سے اکتا کر اماں کے پیچھے پیچھے رہتی اماں کو کام کرتے دیکھتی رہتی۔ احمرین بہت کم گو تھی۔ اماں اس سے خوب باتیں کرتیں۔ اپنی جوانی کی اولین یادوں کی پٹاری کھول دیتیں۔ احمرین کے دادا افروزہ بانو کے کیسے مجنوں تھے اماں ہنستی چلی جاتیں احمرین مسکراتی رہتی۔ نہ سوال نہ جواب اماں ریان کے بچپن کی باتیں اسے بتاتیں وہ دلچسپی سے سنتی پھر شفق کی باتیں اس سے کرتیں ماں کے ذکر پر احمرین کی آنکھیں بھیگ جاتیں۔ ہونٹوں پر گہری آہ ابھرتی۔ اکثر لاشعوری طور پر ریان اپنے کمرے میں اندھیرا کیے لان میں گھومتی احمرین کو دیکھتے تھے۔ اب ان کی آنکھوں میں جوار بھاٹے نہیں اٹھتے تھے۔ چہرے کا تناؤ نہیں بڑھتا تھا وہ تو بس گم صم مبہوت دکھائی دیتے آج تک پدرانہ شفیق ہاتھ انہوں نے اس کے سر پر نہیں رکھا تھا۔ اچانک سے کیسے اس کی جانب متوجہ ہوتے جھجک اور انا پرستی کو کہاں چھپاتے۔

......☆☆☆......

اس دن اپنے لیے شاپنگ کرتے ہوئے انہوں نے لیڈیز سوٹ بھی پیک کرالیے تھے۔ اماں اور احمرین لاؤنج ہی میں تھیں۔ احمرین نے نگٹس بنائے تھے۔ کھاتے

ہوئے اماں اس کی خوب تعریفیں کررہی تھیں۔ احمرین خوش تھی' اس وقت باپ کی بے اعتنائی کے چھالے اس کی آنکھوں میں کہیں نہیں تھے۔ وہ اللہ کا شکر ادا کرتی جو ماں جیسی دادی کا سہارہ اسے ملا تھا۔ ورنہ اس کے ساتھ کیا ہوتا۔ شاید بابا مجھے کسی شیلٹر ہوم میں دے آتے۔ ان سے بعید کچھ بھی ہوسکتا تھا۔ وہ صرف اپنی خوشی و خواہشات کے پجاری تھے۔

"اماں اور لیں۔" وہ ان کی پلیٹ میں مزید نگٹس بھر رہی تھی۔

"بس کرو لڑکی۔" وہ مسلسل احتجاج کررہی تھیں۔ یکبارگی ریان لاؤنج میں انٹر ہوئے۔ احمرین اسی پل ساکن ہوگئی۔

"السلام علیکم بابا۔"

"وعلیکم السلام۔" آج انہوں نے قدرے بلند آواز میں جواب دیا ورنہ پہلے صرف سر ہلاتے تھے۔ وہ کھسیانی شکل سے انہیں دیکھ رہی تھی' خوشی کی کوئی انتہا نہیں تھی آج پہلی بار اس کے باپ نے زبان سے اس کے سلام کا جواب دیا تھا۔ اس کی سبز آنکھوں میں کیف آگیں ان گنت جگنو روشن ہوگئے تھے۔ آج بابا کے چہرے پر تناؤ نہیں تھا۔ انہوں نے شاپنگ بیگز ٹیبل کے کنارے پر رکھے تھے۔ اماں نے سوالیہ نگاہوں سے انہیں دیکھا۔

"ڈریسز ہیں۔" مختصراً جواب دیا۔

"کس کے لیے؟" اماں نے استفسار کیا۔ ان کی نگاہیں لحہ بھر کے لیے احمرین پر رکیں۔ باپ کی اتنی سی توجہ پاکر اس کی دنیا روشن ہوگئی۔ اس کا دل چاہ رہا تھا دنیا کو چیخ چیخ کر بتائے۔

"دیکھو تو سہی میں بختاور بن گئی۔ میں خوش نصیب ہوں میرے بابا جانی نے آج میرے لیے شاپنگ کی ہے۔" اماں خوشی سے ریان کو دیکھ رہی تھیں۔ بولنے کی صلاحیت جیسے مفلوج اور زبان گنگ ہوچکی تھی۔ شاکڈ تھیں دادی پوتی۔

"بابا فریش چائے بنا کر لاؤں۔" آج احمرین کی آواز کی کھنک میں زیست کا رنگ چھلک رہا تھا۔ ریان کی آنکھوں میں مستقل پشیمانی کا موسم ٹھہرا دکھائی دے رہا تھا۔ کمپوزڈ فیثر میں جانے کی سعی کررہے تھے۔

"ہاں ہاں پئے گا۔" ریان کی خاموشی کو اماں نے زبان دے دی۔ کچھ دیر بعد وہ مزے داری چائے لے آئی تھی۔ اس کی حیرت کی انتہا نہ رہی بابا نگٹس رغبت سے کھا رہے تھے۔ اب وہ چائے کے ہلکے ہلکے سپ بھی لے رہے تھے۔ وہ اپنے ایموشنز چھپا رہی تھی۔ ایسی سچویشن پر بدستور اس کے مرنے جینے کا عمل جاری تھا۔ وہ سراپا تشکر بنی ممنون نگاہوں سے باپ کو دیکھ رہی تھی جو بظاہر مصروف انداز اپنائے ہوئے تھے۔ وہ باپ کے چہرے پر اپنے لیے گداز رمق تلاش کررہی تھی۔ ریان خان کی آنکھوں میں اب بھی لاتعلقی کی ہلکی سی لکیر تھی۔ احمرین کی آنکھوں کی بڑھتی دھند میں ان کا چہرہ دھندلا ہوتا چلا گیا۔ احمرین کے لیے تو بابا کی اتنی توجہ ہی کافی تھی۔ یہ منظر اس نے اپنی سبز آنکھوں کے نور میں ہمیشہ کے لیے پرولیا تھا۔ اب وہ گزشتہ لمحوں کو کبھی نہیں پکارے گی۔ بس اسی میں خوش رہے گی۔ اس کے بابا اس پر توجہ دیتے ہیں۔ اس کے لیے اتنا ہی کافی تھا۔ ریان خان فیشل ٹور پر ترکی گئے تو وہاں سے بلجیم کی چاکلیٹ اور پرفیومز لائے تھے' احمرین کے لیے۔ اس وقت دادی پوتی لاؤنج میں بیٹھی تھیں جب وہ اپنے کمرے سے نکلے۔ ان کے ہاتھ میں دو بڑے بڑے شاپنگ بیگز تھے جو انہوں نے اس وقت اماں اور احمرین کے درمیان میں رکھے تھے' دونوں نے بے یقینی سے ریان کو دیکھا۔ ان کے چہرے پر دبی دبی مسکان تھی۔ جسے کنٹرول کرنے کی انہوں نے بہت کوشش کی تھی۔ وہ رکے نہیں تھے ہاتھ میں پکڑی گاڑی کی کی رنگ گھماتے باہر نکل گئے تھے۔

"اماں......؟" احمرین دادی سے لپٹ گئی۔ اماں کے چہرے پر اطمینان تھا۔

"آخر کو اولاد ہو اس کی احمرین' ریان تم سے بہت محبت کرتا ہے۔ بس انا کے نے اس کی سوچوں کو اپنی غلامی میں جکڑ رکھا ہے۔ اگر وہ اس خول سے باہر نکلے تو اس کی انگو

مجروح ہو۔ میری بچی وہ لوٹ رہا ہے تمہاری طرف۔ اسے جب اللہ نے ہدایت دینی ہے تب ہی ایسا ہونا ہے۔" خوشی بھرا وجدان تھا جو ابھی ابھی رب نے شرف قبولیت عطا کیا تھا۔ قوس قزح اس کے رستوں میں کہکشاں بن کر اتری تھی۔ جگ مگ کرتے ستارے اس کی سبز آنکھوں میں نئی امیدوں کی دھمال ڈال رہے تھے۔ ایک ماہ پہلے ریان خان اپنے کولیگ کے ساتھ اسلامک سینٹر کے اجتماع میں گئے تھے۔ موضوع تھا والدین اور اولاد کے حقوق۔ جہاں والدین کے حقوق ہیں وہاں اولاد کے لیے بھی حقوق مقرر کیے گئے ہیں۔

مقرر عراق سے آئے ہوئے تھے۔ انگریزی زبان میں ان کا لب ولہجہ بے حد پر تاثیر تھا۔ وہ نہایت سہل انداز میں قرآنی آیات کے ذریعے موضوع کی بابت بات کررہے تھے۔ خطیب کے بیان کا ایک ایک فقرہ ریان خان کے اندر بے چینی سمیٹ لایا تھا۔ انہوں نے بیٹی کے ساتھ کیسا برتاؤ رکھا جبکہ ان کی بیٹی تو بہت صالح تھی۔ لیکن ان کے اندر چودہ سال سے براجمان زہر'انا' ہٹ دھرمی انہیں روکتی رہی' کبھی انہوں نے سوچا ہی نہ کہ اللہ کی ناراضگی مول لے رہے ہیں۔ مقرر نے آنحضرت ﷺ کی زندگی میں بیٹیوں کی پرورش اور محبت کا ذکر کیا۔ وہ تمام باتیں فلیش کی طرح ان کے ذہن میں گھومتی رہیں۔ انہیں تو احمرین سے محبت کرنی چاہیے تھی' جس نے ماں کو کھویا تھا' باپ بھی اس سے دور ہوگیا۔ ان کے اندر ایک سرد جنگ جاری رہتی۔ اس روز وہ کئی دنوں بعد اسٹڈی روم میں آئے تھے جہاں فیملی وال فوٹوز میں شفق کی کئی تصاویر موجود تھیں۔ جہاں ان کی بیٹی تو کہیں بھی نہیں تھی۔ وہ کافی دیر سے شفق کی ایک تصویر کے سامنے کھڑے ہوئے تھے۔ انہیں محسوس ہوا شفق کی آنکھوں میں شکوہ ہے۔ جیسے وہ التجائیں کررہی تھی۔

"ریان احمرین کو مرنے کی بد دعائیں نہ دیا کرو' میں تمہارے پاس اسے امانت چھوڑ کر آئی تھی۔"

"شفق وہ تمہاری جدائی کی وجہ بنی ہے۔"

"ریان ایسا اللہ کا حکم تھا' احمرین کا کیا قصور۔ خدا کی رضا پر راضی رہنا سیکھو۔ ایسا کرکے دیکھو تم مطمئن وپرسکون ہو جاؤ گے۔" انہیں ایسا لگا جیسے شفق کے ہونٹ ہل رہے ہوں۔

"ہاں شفق احمرین میری بیٹی ہے۔ اب میں اسے بد دعائیں نہیں دوں گا۔" ان کی گلابی آنکھوں کے ڈورے اچانک گہرے ہوئے۔ دروازے میں کھڑی احمرین جسے اماں نے چائے دے کر بھیجا تھا۔ اس کے ہاتھ کانپے' ٹرے ہاتھ سے چھوٹ گئی۔ گرم گرم چائے اس کے پیر پر گری تھی۔ ہلکی سی کراہ اس کے ہونٹوں سے برآمد ہوئی۔ ریان خان نے چونک کر دروازے کی جانب دیکھا۔ کوئی غیر مرئی طاقت تھی جوان کے قدم احمرین کی طرف بڑھا رہی تھی۔ ان کے چہرے پر پریشانی تھی۔ احمرین کا پیر لال ہوچکا تھا۔ باپ کے چہرے پر اپنے لیے پریشانی اسے انہونی بات لگ رہی تھی۔ اس خوشی میں جلنے کی تکلیف وہ بھول چکی تھی۔

"بیٹا خیال رکھا کرو۔" وہ اس کے پیر پر جھکے ہوئے تھے۔

"بیٹا......!" وہ زیرلب بڑبڑائی' اسے یقین نہیں آرہا تھا' انہوں نے جیب سے رومال نکالا اور اس کے پاؤں پر لپیٹ دیا۔ ہلکی سی چیخ نما آواز اس کے حلق سے نکلی۔ اس نے جھٹ پیر سے رومال کھینچ کر آنکھوں سے لگا لیا۔ چودہ سالہ تمام نمی اس رومال میں جذب ہوچکی تھی۔

"احمرین برنال لگالینا' جب آرام آجائے تو میرے لیے اچھی سی چائے بنانا' جیسی شفق بناتی تھی۔" وہ تیزی سے اسٹڈی روم سے باہر نکل گئے۔

"جی......جی بابا۔" وہ ہنس رہی تھی۔ اس کی پلکیں ابھی بھی گیلی تھیں' تب اس نے اماں کی طرف دیکھا۔ جو تھوڑی دیر پہلے کچھ گرنے کی آواز سن کر ادھر آئی تھیں۔ اماں کی آنکھوں میں بھی خوشی کے آنسو تھے۔

خواہش نا تمام

ام اقصیٰ

تینوں میرے ہمدم ہیں
خواہش نا تمام، رات اور اداسی
آج پھر تیرے نام کی
شام، رات اور اداسی

ایک بچی کی سب سے بڑی خواہش...... ایک خوب صورت سا گڑیا کا گھر' ایک لڑکی کی سب سے بڑی خواہش...... خوابوں کا محل اور اس میں بستا شہزادہ...... ایک عورت کی سب سے بڑی خواہش' سکون کا مسکن گھر' خوش باش بچے' ایک خواہشِ نا تمام...... اس نے اپنے بیٹے سے خواہش کی وہ حیران سا اٹھ کے چلا گیا۔ اور وہ اپنے بیٹے کی حیرت انجوائے کرتی سوچ رہی تھی اگر اس دنیا کی ساری خواتین سے اس وقت ان کی برسوں سے دل میں دبی خواہش پوچھی جائے تو شاید سن کے رونا آجائے۔ خوب صورت سوٹ' جیولری سے متعلقہ کوئی چیز' گول گپے' چند فراغت کے سکون بھرے لمحے' عورتوں کی خوشی اس سے بڑھ کے کیا ہوتی ہے بھلا؟ پر کوئی سمجھے تو......؟

❁......❁......❁
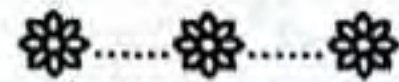
نجانے یہ خواہش اس کے دل میں کیسے در آئی تھی پر تھی بہت شدت بھری۔ ایک خوب صورت سا گڑیا کا گھر۔ وہ تندہی سے دن بھر لگی رہتی' گھر میں مٹی گھول کے دیکھا' نہر کنارے گیلی ریت کو پاؤں اوپر تھپکا' شیدے ترکھان کے گھر بچی کھچی لکڑیوں کو جوڑ دیکھا...... شبیر لالے کے بھٹے پہ کچی پکی اینٹوں کو ملا دیکھا مگر اس کا مطلوبہ گڑیا کا گھر بن کے نہ دیا ایسے میں اماں کی پکاریں۔

"او ستارہ کبھی کتاب بھی کھول کے دیکھ لیا کر...... اس بار قاعدے کا سبق نہ آیا تو استانی نے اگلی جماعت میں نہیں کرنا۔" سو ایک مضبوط اور پائیدار سے گڑیا کے گھر کی خواہش اس نے پھر کبھی پہ اٹھا رکھی۔ آٹھویں کا امتحان پاس کرلینے اور فی الوقت پڑھائی کا سلسلہ موقوف ہونے کے بعد ایک بار پھر سے گڑیا کا گھر بنانے کی خواہش شدت سے اس کے من میں جاگی...... مگر اماں نے ایک بار پھر اسے کڑھائی کے دھاگوں میں الجھا دیا...... اور ستارہ کی خواہش بھی انہی دھاگوں میں کہیں الجھ گئی۔ سلائی کڑھائی میں ہاتھ سیدھے کرلیے اپنی جہیز کی ساری چادریں کاڑھ کے وہ پھر ہارڈ بورڈ لے بیٹھی...... وہی گڑیا کا گھر بنانے کو جس میں سب کچھ ہو...... مگر اماں کی آوازیں۔

"اری او ستارہ چولہے میں جھونک یہ سب...... کچھ کھانا پکانا بھی تو سیکھ لے...... اگلے گھر ماں کی ناک کٹوائے گی کیا؟" اور ستارہ اپنی خواہش من کے چولہے میں جھونک کے کھانا پکانے لگ جاتی...... ادھر کھانا پکانا مکمل آیا ادھر ماں کو اسے بیاہنے کی فکر لاحق ہوگئی۔ مناسب تعلیم' گھریلو امور سلائی کڑھائی' صفائی ستھرائی' سگھڑاپا سب فکروں سے آزاد ہوکے ماں نے اپنا آخری فرض بھی چکادیا یعنی اسے بیاہ دیا۔

❁......❁......❁

عزیر کے سنگ زندگی نوے فیصد مشرقی لڑکیوں کی زندگی کی طرح سمجھوتے بھری تھی۔ مائیں مشرقی لڑکیوں کی تربیت میں سب کچھ سکھا دیتی ہیں، سوائے سمجھوتے کے...... مائیں سمجھوتہ نہیں سکھاتی پھر بھی بیٹیاں ماں کی تربیت پہ حرف نہ آنے اور باپ کے شملے اونچے رکھنے کی خاطر یہ ازخود سیکھ جاتی ہیں شاید اپنی ماں کی زندگی سے ہی...... یہ ایک خاموش سبق ہے جو ازل سے مشرقی لڑکیوں کی مڈل کلاس ماؤں سے بیٹیوں تک بغیر سکھائے منتقل ہوتا آرہا ہے۔ ایک پیارے سے گڑیا کے گھر کی خواہش ابھی بھی ستارہ کے من آنگن میں بستی تھی مگر گھریلو خرچے اس کی اجازت نہ دیتے تھے۔ ایک وقت کا کھانا مکمل کرتے ہی دوسرے وقت کے کھانے کے لیے کوشش شروع ہوجاتی' اوپر سے اگلے ہی برس عباد کی آمد...... پھر حوریہ...... جویریہ اور پھر جڑواں صائم اور صمد...... خواہش اور فرمائشیں تو نجانے کہاں جاچھپی تھیں' ضرورتیں پوری ہوجاتیں تو بڑی بات تھی۔

زندگی کچھ آگے سرکی بچوں کے رزق کا اللہ کا وعدہ پورا ہوا...... عزیر کے بزنس میں ترقی ہوئی...... بچے سارے ہی ذہین تھے۔ عباد کارڈیالوجی پڑھنے برطانیہ روانہ ہوگیا' حوریہ کی بی ایس سی کے بعد ہی شادی ہوگئی' جویریہ بی اے کے آخری سمسٹر میں تھی' صائم کی انجینئرنگ ختم ہونے کو تھی' صمد آرٹ سے وابستہ تھا' خواہشیں پوری ہوسکتی تھیں عزیر کے بزنس نے اتنی ترقی کرلی تھی مگر اب ستارہ کی خواہشیں بدل چکی تھیں' جویریہ کے جہیز کے لیے ملک بھر سے نادر اور قیمتی چیزیں...... صائم کے لیے چاند سی دلہن کی تلاش' عباد نے وہیں کسی پاکستانی فیملی کی لڑکی سے ستارہ کی رضامندی سے شادی کرلی تھی۔ جویریہ پیا کے سنگ رخصت ہوئی اور ثمن صائم کے سنگ' ان کے آنگنا میں مانند بہار اتری۔ عباد پاکستان شفٹ ہوچکا تھا' اس کی دو پیاری سی بیٹیاں فارینہ اور فاطمہ ستارہ کا خوب جی بہلائے رکھتیں' صمد کو اپنی کلاس فیلو پسند آگئی تھی' عزیر کو اس کا خاندان کوئی خاص پسند نہ تھا مگر ستارہ کو کوئی اعتراض نہیں تھا۔ عبیرا اچھی تھی سو خاندان سے کیا لینا دینا۔ سب نے مل کے بلآخر عزیر کو بھی منا ہی لیا۔ ستارہ اپنے بوڑھے وجود کو بازاروں میں لیے صمد کی دلہنیا کے لیے اچھی سے اچھی چیز پسند کررہی تھی' آج کے دن بری فائنل کرلینی تھی' حوریہ اور ستارہ کو صائم مارکیٹ تک ڈراپ کرگیا تھا۔ مارکیٹ کے داخلی دروازے پہ ہی مختلف چھوٹی چیزوں کی سیل لگی تھی' اسی میں ستارہ کو ایک خوب صورت گڑیا گھر نظر آیا پل کی پل میں اسے اپنے بچپن کی خواہش یاد آئی وہ چند قدم آگے سرکی کہ سامنے انشاء کی فریم شدہ تصویر پہ نظر پڑی' ساتھ ہی ذہن میں نظم تازہ ہوگئی۔

ایک چھوٹا سا لڑکا تھا میں جن دنوں
ایک میلے میں پہنچا ہمکتا ہوا
جی مچلتا تھا اک اک شے کو مگر
جیب خالی تھی کچھ مول لے نہ سکا
لوٹ آیا لیے حسرتیں سینکڑوں
ایک چھوٹا سا لڑکا تھا میں جن دنوں
خیر محرومیوں کے وہ دن تو گئے
آج میلہ لگا ہے اسی شان سے
آج چاہے تو اک اک دکان مول لوں
آج چاہے تو سارا جہاں مول لوں
نارسائی کا جی میں دھڑکا کہاں
پر وہ چھوٹا سا الھڑ سا لڑکا کہاں......!!!

"اماں آئیں بھی......" حوریہ کی آواز پہ وہ سانس

بھرتی پلٹی وہ شاید آگے تک جاکے ان کو نہ پاکر پلٹی تھی۔ ستارہ ایک نظر گڑیا گھر کو دیکھتی پلٹی تھی عباد کی بیٹیوں کو ایسی چیزوں سے کوئی دلچسپی نہ تھی ورنہ وہ شاید خرید ہی لیتی۔

❀......❀......❀
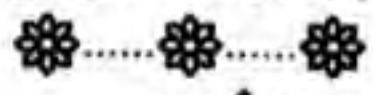
بڑھاپا...... بیماریوں کا مجموعہ!

بڑھاپا...... زندگی بھر کی گئی غلطیوں کا نچوڑ

بڑھاپا...... اپنی کرنیوں کا پھل

بڑھاپا...... خود کو خود سے کی ہوئی زیادتیوں کا نتیجہ

زندگی اللہ کی ایک بیش بہا نعمت اور اس نعمت کے ساتھ جو ناانصافی کی جائے جو سلوک برتا جائے بڑھاپے میں وہی سامنے آتا ہے۔ تبھی تو بہت کم لوگ بڑھاپے میں بیماریوں سے مبرا ہوتے ہیں۔ بچپن اور شادی کے ابتدائی ایام کے علاوہ ستارہ نے زندگی کو خوب برتا تھا اور زندگی اب اس کو برتنے پہ آئی تھی۔ کینسر کی تشخیص ستارہ میں تب ہوئی تھی جب وہ بالکل آخری اسٹیج پہ تھا...... سر درد کو ستارہ نے ہمیشہ معمولی لیا تھا...... اس وقت وہ بستر مرگ پہ بے بس لیٹی تھی، خواہشِ ناتمام کے سلسلے میں ایک وزیر ہسپتال میں بچے سے ملنے آئے ہوئے تھے۔ بچہ اتنا لاغر تھا کہ خود سے چل پھر نہ سکتا تھا، سب مل ملا کے اپنے گھروں کو لوٹ گئے تھے۔ ہسپتال کی سیکیورٹی بہت سخت تھی، ستارہ کے پاس صرف عباد تھا، تبھی اس نے ستارہ سے اس کی آخری خواہش پوچھی تھی۔

"گڑیا گھر......" عباد حیران سا اٹھ گیا۔ ستارہ بچپن کی محرومی سے کچھ دیر کھیلنا چاہتی تھی، جب دن رات اس کے لبوں پہ ایک دعا، ہاتھوں پہ ایک کوشش ہوا کرتی تھی، خوب صورت سے گڑیا گھر کی...... جب خواہش تھی تب لے نہ سکتی تھی اور جب لے سکتی تھی تو خواہش میں شدت نہ رہی تھی مگر آج یہ خواہش پھر اسی شدت سے ابھری تھی۔ تو ثابت ہوا خواہش وقت کے ساتھ معدوم نہیں ہوتی بلکہ دوسری خواہشات، ضرورتوں کے بوجھ تلے دب جاتی ہے۔

عباد ایک خوب صورت گڑیا گھر لیے عجلت بھرے انداز میں واپس آیا تھا...... اور ستارہ ہمیشہ کے لیے آنکھیں موند چکی تھی۔

کچھ خواہشوں کو زندگی بھر کے لیے ناتمام ہی رہنا ہوتا ہے شاید......!!

❀

تجھے دیکھوں

سلمیٰ غزل

یہ دشت ترک محبت یہ تیرے قرب کی پیاس
جو اذن ہو تو تیری یاد سے گزر جاؤں
میں زندہ تھا کہ تیرا انتظار ختم نہ ہو
جو تو ملا ہے تو اب سوچتا ہوں کہ مرجاؤں

میرا خون اس وقت جوش مارنے لگا جب میں نے سنا کہ حریم کے والدین آج کل اس پر طلاق کے لیے دباؤ ڈال رہے ہیں وہ اس کی دوسری شادی کرنا چاہ رہے تھے اور مجھے یقین تھا یہ شادی اس کے کزن ہی سے ہونا تھی جو بچپن ہی سے اس کے ساتھ رہ رہا تھا۔ مگر مشکل یہ تھی کہ میں اسے روک نہیں سکتا تھا' کیونکہ گھر سے نکالتے وقت میں نے ہی اسے طلاق کی دھمکی دی تھی۔ محبت میں نے اس سے طوفانی قسم کی ضرور کی تھی جو کڑھی کے ابال کی طرح جلد ہی بیٹھ بھی گئی تھی اور میں اس طبقاتی فرق کو مٹا نہیں سکا تھا جو میرے اور اس کے درمیان تھا کیونکہ میں جس کمپنی کا منیجنگ ڈائریکٹر تھا وہ اس کی ایک معمولی ورکر' مگر بے حد خوددار' انا پسند' لیکن حد سے زیادہ حسین اور خوب رو اور تو اور خود اس کو اپنی خوب صورتی کا قطعی احساس نہیں تھا۔ میری شادی کی پیش کش پر اس نے جس سادگی اور معذرت خواہانہ انداز میں انکار کیا اس نے مجھے سر سے پاؤں تک کھولا دیا تھا۔

''کیا پدی کیا پدی کا شوربہ۔'' بجائے اپنی خوش بختی پر ناز کرنے کے وہ شادی سے انکاری تھی؟ میرے والدین کے لاکھ سمجھانے کے باوجود میں نے ایڑی چوٹی کا زور لگالیا اور اسے اپنا کرہی دم لیا جس کزن کی وجہ سے وہ منع کررہی تھی' وہ آفس کی طرف سے ملک سے باہر گیا ہوا تھا۔

شادی کے بعد مجھ پر اس کی بہت سی خوبیوں کا انکشاف ہوا' وہ خوب صورت ہی نہیں ذہین' سلیقہ شعار اور خوددار بھی بے حد تھی' اتنے بڑے محل جیسے گھر اور پرتعیش زندگی میں اس نے کبھی کسی ہلکے یا چھچھورے پن کا مظاہرہ نہیں کیا۔ اس کی طبیعت میں ٹھہراؤ' متانت اور وقار تھا' اس کے رکھ رکھاؤ اور وضعداری نے جلد ہی میرے والدین کو اس کا گرویدہ بنادیا تھا۔ گو ان کے اپنے بیٹے کے بارے میں خواب بہت اونچے تھے مگر اپنی خدمت' محبت اور خلوص سے جلد ہی اس کو ان کی لاڈلی بہو کا درجہ دے دیا اور میں......؟ میں تو اس کو گھر میں رکھ کر اس طرح بھول گیا تھا جیسے کوئی بچہ اپنے پسندیدہ کھلونے سے کچھ دن کھیل کر اسے کونے میں رکھ کر بھول جاتا ہے۔ میرے لیے اب نہ اس کی حیثیت تھی نہ اہمیت۔

❁❁❁......❁......❁❁❁

اب اٹھتے بیٹھتے میں کم ظرفوں کی طرح اس کو اس کی

اوقات یاد دلاتا رہتا تھا حالانکہ آج کل اس کی طبیعت خراب تھی' نڈھال نڈھال کمزور سی' حریم میرے لیے کوئی اہمیت نہیں رکھتی تھی' اماں اور ابا چھ ماہ کے لیے لندن اپنے رشتہ داروں کے پاس گئے ہوئے تھے' مگر میں نے کبھی اس کی طبیعت پوچھنے کی بھی زحمت گوارہ نہیں کی البتہ ہر رات اس کی التجاؤں اور منتوں کے باوجود اس کو تختہ مشق بناتا رہا' جب بھی تسکین کے بعد میری آنکھ کھلتی اور میرے اندر کا وحشی مرد جاگ اٹھتا تو میں بھوکے شیر کی طرح اس پر ٹوٹ پڑتا یہ دیکھے بغیر کہ اس پر کیا گزر رہی ہے؟ وہ کیا محسوس کر رہی ہے؟

وہ بھی ایک ایسا ہی دن تھا جب رات بارہ بجے میں حسب معمول کلب سے لوٹا' عموماً وہ مجھے جاگتی ہوئی ملتی تھی' مگر آج وہ سو رہی تھی اور سوتے میں حد سے زیادہ خوب صورت بھی لگ رہی تھی۔ اس کے سیاہ گھنے بالوں نے اس کے چہرے کو ڈھانپ رکھا تھا اور چودھویں کے چاند کی طرح اس کا چہرہ بالوں میں سے جھانک رہا تھا' میں خود پر قابو نہ رکھ سکا' میری حیوانی خواہشات جاگ اٹھیں' جونہی میں اس کے چہرے کی طرف بڑھا اس نے کسمسا کر آنکھیں کھول دیں۔

"پلیز ریان! میری طبیعت بالکل ٹھیک نہیں ہے!" اس نے مجھے پیچھے دھکیلتے ہوئے کمزور سا احتجاج کیا۔

"کیوں تمہاری طبیعت کو کیا ہوا؟ سارا دن عیش سے رہتی ہو' اچھا کھاتی ہو اور غراتی ہو اور میری قربت تمہاری طبیعت خراب کر دیتی ہے؟" میں نے طنز سے کہا۔

"میں آپ سے سچ کہہ رہی ہوں میری طبیعت واقعی خراب ہے میں نے صبح سے کچھ نہیں کھایا۔" وہ روہانسی ہوئی۔

"جو کچھ کھاتی ہوں قے کی شکل میں باہر آ جاتا ہے۔"

"بدہضمی! اناپ شناپ کھانے کا نتیجہ! اس گھر میں ہر چیز تمہاری اوقات سے زیادہ ہے پھر یہ نخرہ کیوں؟ کبھی اپنے باپ کے گھر بھی یہ سب آسائشیں دیکھی تھیں؟ ٹکے ٹکے کے لیے آفس کے دھکے کھانے والی آج مجھے انکار کر رہی ہے؟" میں غصے سے دھاڑا' ایک لمحے کے لیے اس کا چہرہ فق اور پھر سرخ ہو گیا۔

"میں آپ کی بیوی ہوں کوئی طوائف نہیں جو آسائشوں کا حوالہ دے کر آپ میری بے عزتی کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے بیوی کے بھی حقوق رکھے ہیں' آپ مجھ سے ہر آسائش لے لیں لیکن میری عزت نفس مجروح نہ کریں۔" وہ متانت اور سنجیدگی سے بولی۔

"تیری عزت نفس کی تو ایسی تیسی!" مغلظات بکتا میں غصے سے اس کی طرف بڑھا تو وہ پھرتی سے کھڑی ہو گئی۔

"بس اس کے آگے ایک لفظ نہیں۔ بہت ہو گیا اب میں برداشت نہیں کروں گی۔ ہر شخص دوسرے کو وہی دیتا ہے' جو اس کے پاس ہو اور آپ کے پاس عزت نام کی کوئی چیز ہی نہیں آپ مجھے کیا دیں گے۔"

"دفع ہو جاؤ اب میں تمہیں تین لفظ لکھ کر بھیجوں گا' زبانی نہیں کہوں گا کیا خبر تم اس عیش و آرام کے چکر میں مکر جاؤ۔" اس نے دکھ اور صدمے سے میری طرف دیکھا اور خاموشی سے باہر نکل گئی بعد میں مجھے پچھتاوا ہونے لگا' ایک سال میں اس کے ساتھ سونے کی عادت سی پڑ گئی تھی اور جیسے نیند بھی مجھ سے روٹھ گئی ہو شاید آج کلب میں میں نے کچھ زیادہ ہی چڑھا لی تھی' میں نے پانی سے نیند کی دو گولیاں حلق سے نیچے اتاریں اور بے خبر سو گیا۔

❀❀❀ ...... ❀ ...... ❀❀❀

صبح کافی دیر سے آنکھ کھلی اور حسب عادت میں نے آواز لگائی۔ "حریم چائے لاؤ۔" اس لمحے دروازہ ناک کر کے ہمارا پرانا ملازم بچل کمرے میں آ گیا۔

"چھوٹے صاحب دلہن بی بی تو گھر میں نہیں ہیں۔"

"کہاں مر گئی......" میں غصے سے دھاڑا۔

"جی وہ رات کو اکیلی اپنے گھر جا رہی تھیں میں نے مجبور کر کے ڈرائیور کے ساتھ بھیج دیا۔"

"اف اتنا نخرہ اور غرور۔" میں غصے سے تلملا اٹھا۔

"جائے جہنم میں۔" میں نے کشن اٹھا کر دیوار پر دے مارا۔ "میں بھی اب نہیں بلاؤں گا' دو چار دن مفلسی میں گزارے گی تو یہ عیش و آرام یاد آئیں گے اور عقل ٹھکانے آ جائے گی۔" مہینے گزر گئے وہ نہیں آئی بلکہ جونہی میرے والدین کو پتہ چلا وہ بھی اسے لینے پہنچ گئے مگر اس کی ناہاں میں نہیں بدلی پھر میں نے سنا وہ میرے بیٹے کی ماں بن گئی ہے' میری خوشی کا ٹھکانہ نہ تھا' میں

بے قرار ہوکر اسے لینے پہنچ گیا لیکن اس نے آنے سے انکار کردیا۔ میرے والدین بھی اسے منانے میں ناکام رہے اب مجھے اپنے رویے کی بدصورتی کا احساس ہوا۔ اس تکبر غرور اور اکڑ نے مجھے کیا دیا؟ تنہائی اور بیوی بیٹے سے جدائی! ماں باپ بھی مجھے ہی لعنت ملامت کرتے تھے۔ وقت کا کام ہی گزر جانا ہے اور وہ گزر رہا تھا میرا بیٹا آریان بے حد خوب صورت تھا جو تین سال کا ہوگیا تھا اور جب میں اس سے ملنے جاتا تھا تو میرا دل اسے خود سے جدا کرنے کو نہیں چاہتا تھا یہ بھی غنیمت اور حریم کی اعلیٰ ظرفی تھی کہ اس نے دادا دادی اور باپ کی طرف سے آریان کے دل میں نفرت نہیں ڈالی تھی اس لیے ہمیشہ آریان بڑے والہانہ طریقے سے ملتا تھا البتہ کسی بھی قسم کی مالی امداد لینے سے حریم نے انکار کردیا تھا اور وہ خود ایک انگلش میڈیم اسکول میں پڑھا رہی تھی۔ بہت غور و فکر کے بعد میں اس نتیجے پر پہنچا کہ حریم کو شادی سے روکنے کا صرف ایک ہی طریقہ ہے آریان...... کیونکہ میں نے آج تک اس کو لینے کا مطالبہ نہیں کیا تھا شاید اندر کچھ تھوڑی بہت انسانیت تھی پھر میرے پاس اس کو سنبھالنے کا وقت بھی نہیں تھا اور نہ بوڑھے ماں باپ اس قابل تھے کہ اس کی دیکھ بھال کرسکیں مگر اب آریان کو خود سے جدا کرنے کا میرے پاس حوصلہ نہیں تھا میں نے جب فون کرکے حریم سے کہا کہ میں چاہتا ہوں آریان میرے ساتھ کچھ وقت گزارے۔" تو وہ عجیب سے لہجے میں بولی۔

"خوب تو آپ کو یاد ہے آپ کا ایک بیٹا بھی ہے۔"

"نہیں حریم ایسی بات نہیں۔" میں نے فوراً جواب دیا۔

"میں نے ہمیشہ اس کی سالگرہ اور عید بقرہ عید پر اس کے لیے تحفے اور پیسے بھیجے ہیں مگر تم نے لینے سے انکار کردیا۔ دراصل میں سوچتا تھا چھوٹے بچوں کو مائیں ہی بہتر طور پر سنبھال سکتی ہیں مگر اب وہ چونکہ تین سال کا ہوگیا ہے اس لیے میں اسے سیر کرانا چاہتا ہوں۔" شادی کے بعد تقریباً ہم ایک سال ساتھ رہے تھے لیکن یہ پہلا موقع تھا کہ میں نے بڑی عاجزی سے بات کی تھی۔

"صبح نو بجے لے جانا مگر اس کو اوٹ پٹانگ کھلانا اور نہ دلانا۔" اس نے سپاٹ لہجے میں کہتے ہوئے فون بند کردیا۔

آریان بہت خوش تھا میں نے گھمانے کے بعد اس کو اس کی پسند کا کھانا کھلایا پھر گھر پہنچتے ہی وہ سیدھا دادا دادی کے پاس چلا گیا اور گرم جوشی سے ان سے لپٹ گیا۔ حریم کی اس خوبی کا میں دل سے معترف تھا کہ اس نے میرے یا دادا دادی کے خلاف بچے کے ذہن میں کوئی نفرت پیدا کرنے کی کوشش نہیں کی تھی بلکہ اس نے دادا دادی کے پیار کرنے پر بھی کسی قسم کی ناگواری کا اظہار نہیں کیا تھا۔

❁❁❁ ...... ❁ ...... ❁❁❁

رات میں آریان کو چھوڑنے گیا تو حریم بے قراری سے گیٹ پر ٹہل رہی تھی آریان کو دیکھ کر وہ چیل کی طرح جھپٹی اور اسے اندر لے جانے لگی۔

"سنو حریم میں آریان کو ایک دو دن اپنے ساتھ رکھنا چاہتا ہوں۔" میں نے عاجزی سے کہا۔

"یہ ممکن نہیں نہ میں اس کے بغیر رہ سکتی ہوں نہ اس کو میرے بنا نیند آتی ہے۔" وہ بے رخی سے بولی۔

"ماما ہم سب ساتھ کیوں نہیں رہتے کیا آپ پاپا سے ناراض ہیں؟" آریان کے معصومانہ سوال نے حریم کو ٹپٹا دیا اور میں خوش دلی سے بولا۔

"بالکل بیٹا میں بھی یہی چاہتا ہوں مگر آپ کی ماما راضی نہیں ہوتیں۔" حریم نے کچھ کہے بغیر آریان کو جھپٹ کر گود میں اٹھایا اور اتنی زور سے غصے میں گیٹ بند کیا کہ اگر میں پیچھے نہیں ہٹتا تو گیٹ منہ پر لگتا۔

اب یہ میرا معمول ہوگیا تھا کہ جمعہ کی رات میں آریان کو اپنے ساتھ لے آتا اور اتوار کی رات حریم کے پاس چھوڑ آتا کیونکہ اس نے اسکول جانا شروع کردیا تھا اور باوجود کوشش کے حریم اس کو میرے ساتھ آنے سے روکنے میں قاصر تھی کیونکہ آریان جانتا ہی نہیں تھا کہ کس طرح میں اس کو قیمتی کھلونے آسائشیں اور محبت دے کر اپنی طرف مائل اور حریم کی طرف سے غافل کرنے کی کوشش کررہا ہوں۔ آریان کی وجہ سے میری باہر کی ایکٹویٹیز بھی نہ ہونے کے برابر رہ گئی تھیں۔ کلب جانے اور پینے پلانے کی باتیں تو خواب بن کر رہ گئی تھیں۔ میرا پورا ہفتہ آریان کے انتظار میں گزرنے لگا تھا اس کے معصوم

وجود نے میری زندگی کا رخ ہی بدل دیا تھا۔ ایک دن اماں نے وہ سوال کر ہی لیا جس کا مجھے ڈر تھا۔

"تم آخر چاہتے کیا ہو؟ کیوں بچے کو ماں سے جدا کررہے ہو؟" اماں کے پوچھنے پر میں بھڑک اٹھا۔

"آپ جانتی ہیں حریم کے والدین طلاق دلا کر اس کی دوسری شادی کرنا چاہ رہے ہیں غالباً اسی کزن سے جو ساتھ ہی رہتا ہے۔"

"ہاں تو اس میں حیرت کی کیا بات ہے۔ حریم جوان ہے' خوش شکل ہے اور پھر شادی کرنا اس کا حق ہے' آخر ماں باپ کب تک زندہ رہیں گے کون سے ماں باپ بیٹی کا تحفظ نہیں چاہتے اور پھر آریان کو بھی باپ مل جائے گا۔"

"آپ میری ماں ہیں یا حریم کی؟ میں آریان کا باپ ہوں۔" میں غصے سے بھنا کر بولا۔

"چلاؤ مت جو کچھ تم نے حریم کے ساتھ کیا ہے اس کے بعد تمہیں آریان پر حق جتانے کا کوئی حق نہیں' میں ان ماؤں میں سے نہیں جو بیٹے کے ہر غلط فیصلے پر خوش ہوتی ہیں اور بیٹے کی غلطیاں بھی بہو کے کھاتے میں ڈال دیتی ہیں۔ تم دراصل اس کے قابل ہی نہیں تھے' تم اگر اکلوتے تھے تو وہ بھی ماں باپ کی تنہا اولاد تھی' غریب ہونا کوئی جرم نہیں' مگر تم تو اسے اٹھتے بیٹھتے طعنے دیتے تھے' اسے اس کی اوقات یاد دلاتے رہتے تھے یہ سوچے بغیر کہ تمہاری خود کی اوقات کیا ہے کون سا شرعی عیب ہے جو تم میں نہیں' مجھے تو تمہیں اپنا بیٹا کہتے ہوئے بھی شرم آتی ہے۔ ہم نے تو تمہیں بہت سمجھایا تھا کہ یہ بے جوڑ شادی ہے مگر تم پر تو عشق کا بھوت سوار تھا یہ حریم ہی تھی جس نے اپنے خلوص اور محبت سے ہمیں اپنا اسیر کرلیا تھا اور تمہیں بھی برداشت کررہی تھی اگر تم اس کے ساتھ اتنی زیادتی نہ کرتے' آخر عورت ہی کیوں ظلم سہے' مرد چار شادیاں بیک وقت کرلیں اور تم لوگ عورت کو اپنی مرضی سے زندگی گزارنے کی اجازت بھی نہ دو۔ اپنے مطلب کے لیے تمہیں آخر شرع کیوں یاد آجاتی ہے' میں کیا نہیں جانتی کہ تم کہاں کہاں جھک مارتے ہو مگر مجھے لگتا ہے تم اس کہاوت پر عمل کررہے ہو کہ جب دودھ بازار میں مل جاتا ہے تو گھر میں بھینس پالنے کی کیا ضرورت ہے!' وہ اگر اپنا شرعی حق استعمال کرنا چاہتی ہے تو کرنے دو' تمہیں کیا تکلیف ہے' لیکن تم جو کررہے ہو وہ ٹھیک نہیں' آریان کو دو کشتیوں کا سوار مت بناؤ' ورنہ وہ دو باپوں کے درمیان پس کر رہ جائے گا' اگر وہ شادی کرنا چاہتی ہے تو کرنے دو بلکہ اسے طلاق دے کر اس کا راستہ سہل بنادو کیونکہ یہ تو طے ہے کہ تم گھر بسانے کے لائق ہی نہیں!" میرے پاس بغلیں جھانکنے کے سوا اور کوئی راستہ نہ تھا اماں کی ہر بات صحیح تھی لیکن میں اپنا بیٹا حریم کو نہیں دے سکتا تھا۔ اب تو ایک ایک پل اس کے بغیر گزارنا میرے لیے محال تھا اور میں نے سوچ لیا تھا دولت کے بل پر میں ہونے والے باپ کو تو کیا' میں ماں کو بھی بھلانے پر آریان کو مجبور کردوں گا۔

❁❁❁ ❁ ❁❁❁

آج کل حریم بے حد پریشان تھی' آریان دن بدن باپ سے قریب ہوتا جارہا تھا' آریان نے اس پر تحفوں کی برسات کردی تھی' ریموٹ کار' ہوائی جہاز' بائیسکل اور نہ جانے کون کون سے قیمتی کھلونے۔ اس نے اپنے گھر میں جمع کرلیے تھے اور اب آریان کو بے چینی سے باپ کی آمد کا انتظار رہتا تھا۔ دوسری طرف ماں باپ کا بھی کوئی بھی فیصلہ کرنے کے لیے دباؤ بڑھتا جارہا تھا ارحم بھی آج کل ٹور پر تھا ورنہ اسی سے مشورہ کرلیتی' اسے آریان دن بدن خود سے دور ہوتا محسوس ہونے لگا تھا' گھر آکر بھی اس کے پاس باپ اور دادا دادی کے علاوہ بات کرنے کے لیے کوئی بات ہی نہیں ہوتی تھی۔ کھانا' پینا' گھومنا پھرنا اور بے تحاشہ قیمتی تحائف یہ سب معصوم بچے کے ذہن کو متاثر کررہے تھے اور میری سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کس طرح آریان کے قدموں کو باپ کی طرف بڑھنے سے روکوں؟ اماں ابا الگ ریان سے صلح کرنے کے لیے دباؤ ڈال رہے تھے لیکن اس معاملے میں وہ اٹل تھی اس گھر میں قدم رکھنے کے بارے میں تو وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔ اس دن ریان بیٹے کو لینے آئے تو حریم باہر نکل آئی اور آریان سے پیار سے بولی۔ "بیٹا تم جاکر گاڑی میں بیٹھو میں ذرا تمہارے پاپا سے بات کرلوں!" آریان خوشی خوشی گاڑی کی طرف بڑھ گیا تب وہ ریان کی طرف متوجہ ہوئی وہ اسے ٹکٹکی باندھے والہانہ انداز میں دیکھ رہا

تھا' گزرے ہوئے وقت نے حریم کا کچھ نہیں بگاڑا تھا بلکہ وہ پہلے سے بھی زیادہ خوب صورت' خود اعتماد اور پروقار ہوگئی تھی' متانت اور سنجیدگی نے اس کے چہرے پر ایک الوہی نکھار بخش دیا تھا' ریان کی نگاہوں نے اسے تھوڑی دیر کے لیے پزل کردیا پھر وہ خود پر قابو پاتے ہوئے اعتماد سے بولی۔

"آپ اس پر اس قدر دولت لٹا کر کیا ثابت کرنا چاہتے ہیں' کہ وہ ایک لکھ پتی باپ کا بیٹا ہے اور اس کی ماں یہ سب افورڈ نہیں کرسکتی یا پھر آپ کی نیت آریان کو مجھ سے چھین لینے کی ہے؟" حریم کا اندازہ بالکل درست تھا مگر میں صاف مکر گیا۔

"آخر وہ میرا بھی بیٹا ہے میرے بھی کچھ فرائض ہیں!"

"آپ کو تین سال بعد یاد آیا کہ آپ کے بھی کچھ فرائض ہیں۔" حریم کا لہجہ خود بخود تلخ ہوگیا۔

"نہیں میں یہ کبھی نہیں بھولا مگر تمہاری خود ساختہ خودداری اور جھوٹی انا درمیان میں حائل رہی۔" میں نے سکون سے جواب دیا۔

"جھوٹی انا' خود ساختہ خودداری" حریم چیخ پڑی اور اس کی چیخ پر آریان بھاگتا ہوا آکر ماں کی ٹانگوں سے لپٹ گیا۔

"ماما آپ کیوں چیخی تھیں' پاپا نے آپ کو ڈانٹا ہے نا؟ میں پاپا سے ناراض ہوں اور میں اب ان کے ساتھ بالکل نہیں جاؤں گا۔" مجھے لگا میرا دل کسی نے مٹھی میں جکڑ لیا۔

"سوری میری جان میں نے آپ کی ماما کو کچھ نہیں کہا آپ خود پوچھ لیں۔" میں بری طرح اپنے بیٹے کے آگے گڑگڑایا' حریم نے ایک طنزیہ نگاہ مجھ پر ڈالی پھر پیار سے بولی۔

"بیٹا آپ پاپا کے ساتھ جائیں انہوں نے مجھے کچھ نہیں کہا؟" میں آریان کو لے تو آیا مگر مجھے آئینے میں اپنی شکل نظر آگئی' میں کوشش کے باوجود حریم سے اس کی محبت کم کرنے میں ناکام رہا تھا۔

❀❀❀ ...... ❀ ...... ❀❀❀

حریم بے چینی سے ارحم کے انتظار میں ٹہل رہی تھی جونہی وہ گھر میں داخل ہوا وہ چیل کی طرح جھپٹی۔

"کہاں چلے گئے تھے' کب سے انتظار کررہی ہوں تمہیں کچھ اندازہ ہے؟"

"زہے نصیب کہ آپ نے ہمیں یاد کیا' ہمارا انتظار کیا۔" وہ شوخی سے مسکرایا۔ "ورنہ آپ کو تو کسی اور کا ہی انتظار رہتا ہے۔"

"بکومت میں سنجیدہ ہوں۔" حریم چلائی۔

"تو میں کون سا رنجیدہ ہوں' پہلے یہ بتایئے ہمارا پارٹنر کہاں ہے؟"

"سو گیا ہے اور اسی کے بارے میں تم سے بات کرنی تھی ریان' دولت کی چمک دکھا کر میرے بیٹے کو مجھ سے چھیننے کی کوشش کررہا ہے اور میں ایسا ہونے نہیں دوں گی۔" وہ غصے سے چلائی۔

"بھئی آخر وہ اس کا باپ ہے اور پیسے والا بھی تم اس حقیقت کو تسلیم کیوں نہیں کرلیتیں؟" ارحم نے چھیڑا تو اس کے تلوؤں سے لگی اور سر پر بجھی۔

"ارحم مجھ سے بکواس کرنے کی ضرورت نہیں' اس کی دولت پر میں لعنت بھیجتی ہوں اور اگر اس کے لیے مجھے آریان کو بھی چھوڑنا پڑا تو میں چھوڑ دوں گی مگر اس کے آگے نہیں جھکوں گی۔"

"دھیرج...... دھیرج جذباتی ہونے کی ضرورت نہیں' اس وقت ہمیں جوش سے نہیں ہوش سے کام لینا ہے' آریان تمہارا بیٹا ہے کہیں بھی جائے تمہارا ہی بیٹا کہلائے گا مگر اس کے بہتر مستقبل کے لیے تمہیں کوئی ایک فیصلہ کرنا ہوگا یا اریان کو جانے دو اس کے بہتر مستقبل کی خاطر...... یا پھر خود چلی جاؤ ریان کے پاس۔" حریم اس پرکشن اچھالتی ہوئی بھنا کر کمرے سے باہر نکل گئی اور ارحم سوچ میں پڑ گیا۔

❀❀❀ ...... ❀ ...... ❀❀❀

جمعہ کا دن تھا اور آج ریان کو چھٹی کے بعد آریان کو اسکول سے پک کرتے ہوئے لے جانا تھا' وہ اسے سیدھا اپنے آفس لے آیا جو قیمتی سامان اور آرائش سے مزین تھا' آریان کافی خوش اور مرعوب تھا اور یہی ریان کا مقصد تھا' ۶ بجے وہ آفس سے نکلا تو تقریباً سارا آفس خالی ہوچکا تھا۔

"پاپا لفٹ سے نہیں سیڑھیوں سے چلیں گے۔" لفٹ کی طرف بڑھتے دیکھ کر آریان جلدی سے بولا اور سیڑھیوں کی طرف دوڑ لگادی تب ریان کی نظر پڑی' کوئی نوجوان سیڑھیاں چڑھ کر اوپر آرہا تھا۔

"ارحم ماموں!" آریان نے آواز لگائی جب تک ریان اس کو پکڑتا تیزی سے اترنے کی کوشش میں وہ سیڑھیوں سے لڑھکتا چلا گیا' بروقت وہ نوجوان نہ پکڑ لیتا تو شاید حادثہ اور شدید ہوتا' سیڑھیاں اندھا دھند پھلانگتا ہوا ریان جب نیچے پہنچا وہ نوجوان اسے گود میں اٹھانے کی کوشش کررہا تھا۔

"خبردار جو میرے بیٹے کو ہاتھ لگایا۔" ریان نے غصے میں اس کا ہاتھ جھٹک دیا۔

"ریان بھائی' یہ بحث کا وقت نہیں' ہمیں آریان کو فوراً ہاسپٹل لے جانا چاہئے وہ بے ہوش ہے۔" ہوسپٹل میں ڈاکٹروں نے اطمینان دلا دیا تھا کہ کوئی سیریس چوٹ نہیں ہے صرف خوف سے بے ہوش ہوا ہے بچہ۔ اب وہ دونوں بے چینی سے کوریڈور میں ٹہل رہے تھے۔ ریان نے غصے سے ارحم کا گریبان پکڑا اور چیخ کر بولا۔

"میری بیوی پر تو تم نے قبضہ کر ہی لیا ہے اب میرے بیٹے کو تو معاف کردو' تم جب چاہو حریم سے شادی کرلو لیکن میرے بیٹے کا پیچھا چھوڑ دو۔"

"ریان بھائی کیا بات کررہے ہیں پاگل تو نہیں ہوگئے' یہ ہاسپٹل ہے تماشہ مت بنائیے۔" ارحم نے نرمی سے گریبان چھڑاتے ہوئے کہا۔

"ہاں ہاں میں پاگل ہوگیا ہوں' تم چاہتے ہو کہ میں حریم کو طلاق دے دوں تو میں دے دوں گا مگر اپنا بیٹا ہرگز نہیں دوں گا۔ وہ میری زندگی ہے' میری جان ہے۔" آخر میں ریان کا لہجہ التجائیہ ہوگیا۔

"میرا خیال ہے آریان کی جگہ آپ کے دماغ میں چوٹ لگی ہے جو اس قدر بہکی بہکی باتیں کررہے ہیں' میں حریم سے شادی کیوں کرنے لگا' بلکہ کر ہی نہیں سکتا' کیونکہ وہ میری دودھ شریک بہن ہے مجھ سے ۶ مہینے بڑی' میرے والدین کی روڈ ایکسیڈنٹ میں وفات کے بعد یہ چاچی ہی تھیں جنہوں نے حریم کے ساتھ ساتھ مجھے بھی اپنا دودھ پلا کر نئی زندگی دی' یہ علیحدہ بات ہے کہ کبھی اس کی وضاحت کی ضرورت نہیں پڑی' مجھے تو حیرت آپ پر ہے کیوں ہم لوگ عورت اور مرد کے درمیان ایک ہی تعلق کو ڈھونڈتے ہیں' کیا ضروری تھا کہ میں اپنے گلے میں لیبل لگا کر گھومتا کہ حریم میری رضاعی بہن ہے۔" ارحم کے لہجے میں تلخی تھی اور میں شرمندگی اور خفت کی اتھاہ گہرائیوں میں ڈوبتا جارہا تھا۔ میری نگاہیں زمین میں گڑی تھیں' تب ہی حریم اپنے والدین کے ساتھ اور دادا دادی ہانپتے کانپتے آپہنچے انہیں ان دونوں نے ہی فون کرکے اطلاع دی تھی۔ حریم ارحم سے لپٹ کر دھاڑیں مار مار کر رونے لگی مگر اب مجھے قطعی برا نہیں لگا اسی لمحے ڈاکٹر نے آریان کے ہوش میں آنے کی اطلاع دی سب کمرے کی طرف بھاگے اور حریم اس کو لپٹا کر بری طرح چومنے لگی آریان نے نقاہت سے آواز لگائی۔

"پاپا کیا آپ میرے پاس نہیں آئیں گے؟ میں آپ دونوں کے ساتھ رہنا چاہتا ہوں' مجھے ماما پاپا دونوں چاہئیں۔"

"بس بیٹا بہت ہوگیا صبح کا بھولا اگر شام کو گھر آجائے تو اسے بھولا نہیں کہتے اور پھر ہم گواہ ہیں کہ ہمارا بیٹا سدھر چکا ہے تمہارے لائق ہوگیا ہے خدا کا شکر ہے ہم نے تمہارے ابو امی سے جو وعدہ کیا تھا اس کو پورا کرنے کا وقت اب آگیا ہے۔"

"کیسا وعدہ!" ریان نے حیرت سے ماں باپ کی طرف دیکھا۔

"تم خود کو جتنا بھی عقل مند سمجھو مگر ہو تو ہمارے بچے ہی' حریم تو اتنی سعادت مند بچی ہے کہ ہمارے اشارے پر فوراً آجاتی مگر ہم نے ہی منع کیا تھا کہ پہلے ہمارا بیٹا سیدھے راستے کا مسافر بن جائے' گمراہی کے راستے چھوڑ دے تم پھر اپنے گھر میں قدم رکھنا اور حریم کی شادی کی افواہیں پھیلانے میں ہمارا ہی ہاتھ تھا۔" ریان کو ماں باپ کی سازش پر پیار آنے لگا جو اسی کی بھلائی کے لیے تھی' حریم نے نظر اٹھا کر دیکھا ریان نے ہاتھ جوڑ رکھے تھے اور نگاہوں میں معاف کرنے کی التجا تھی اس نے بے ساختہ ارحم اور ماں باپ کی طرف دیکھا وہ بھی مسکرا رہے تھے وہ بے ساختہ ساس کے گلے سے لگ کر رونے لگی پھر آریان کو گود میں اٹھاتے ہوئے پیار سے بولی۔

"چلیے ریان' ہم اپنے گھر چلتے ہیں۔" اور اتنا سنتے ہی پورا کمرہ قہقہوں سے گونج اٹھا۔
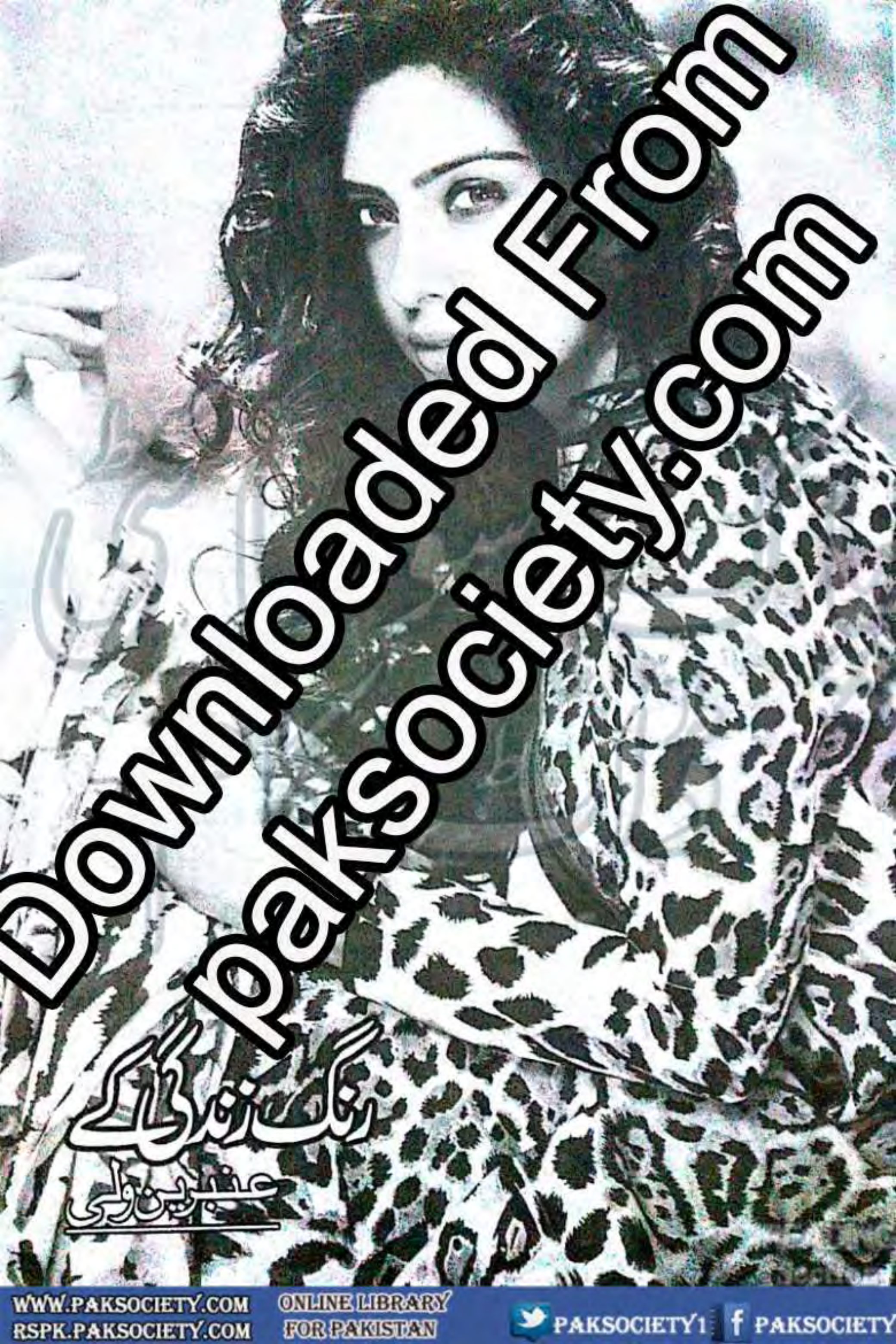
رنگ زندگی کے
عنبرین ولی

آہٹ پر میرے پاؤں کی دھیرے سے چونک کر
دیکھا ہے اس نے مڑ کے مجھے اس ادا کے ساتھ
پھیلی ہے جسم و جان میں عجب ایک سرخوشی
خوشبو سی کوئی اڑنے لگی ہے ہوا کے ساتھ

چہار سو گہری خاموشی کا راج تھا۔ باہر برف گر رہی تھی اس نے کھڑکی سے پردہ سرکا کر باہر دیکھا' سفید ننھے ننھے برف کے گولے زمین پر گر رہے تھے۔ پردہ برابر کر کے وہ آتش دان کے پاس رکھی کرسی پر بیٹھ گیا۔ بہت عرصے بعد اسے یوں پرسکون ماحول ملا تھا اور مطالعہ کرنے کا دل بھی چاہ رہا تھا۔ اس نے کتاب اٹھائی اور پہلا صفحہ کھولا' عمارہ احمد کا نام جگمگا رہا تھا' یہ کتاب اسے عمارہ نے تحفتاً دی تھی اور بڑی خوب صورت ہینڈ رائٹنگ میں پہلے صفحے کے بالکل آخری کونے میں اپنا نام لکھ دیا تھا۔

اس کا نام پڑھ کر اس کے ہونٹ مسکرا اٹھے۔ عمارہ نے اسے یہ کتاب ایک ماہ پہلے دی تھی اور آج اسے فرصت ملی تھی کہ کتاب کھول سکے۔ اس نے پڑھنا شروع کیا۔ ناول بے حد دلچسپ تھا۔ پڑھتے پڑھتے وقت گزرنے کا احساس ہی نہ ہوا۔ پانچ گھنٹوں میں اس نے ناول پڑھ لیا تھا کہ ناول طویل نہ تھا۔ مسلسل ایک ہی زاویے سے بیٹھنے کے باعث اس کی کمر اکڑ گئی تھی۔ وہ کمر پر ہاتھ رکھ کر کھڑا ہوگیا۔ چلتے ہوئے اس نے پھر سے پردہ سرکایا اور باہر جھانکا۔ برف باری تھم چکی تھی۔ وہ گہری سانس لیتا سیڑھیاں چڑھنے لگا۔ عمارہ احمد کا دیا ہوا تحفہ اس کے ہاتھ میں تھا۔ اس نے دائیں ہاتھ پر بندھی گھڑی میں وقت دیکھا۔ رات کے تین بج رہے تھے۔ عمارہ بارہ بجے تک سو جاتی تھی۔ اس وقت وہ گہری نیند میں ہوگی یہ جاننے کے باوجود اس نے اپنی پاکٹ سے موبائل نکالا اور پیغام لکھا۔

''تمہارا دیا گیا ناول میں پڑھ چکا ہوں۔ اتنے خوب صورت تحفے کا شکریہ۔'' اور اس کے نمبر پر بھیج دیا۔

اپنے کمرے میں آ کر اس نے شانوں پر پھیلی چادر اتار کر سائیڈ پر رکھی۔ ہیٹر بند کیا کمرہ کافی گرم ہو چکا تھا۔ وہ بستر پر لیٹ گیا اور آنکھیں موند لیں۔ ذہن و دل عمارہ اور اس کے تحفے سے ہٹ چکے تھے۔ اب وہ وہ ساری باتیں سوچ رہا تھا جو اسے بے چین رکھتی تھیں۔ وہ اس محبت کے بارے میں سوچ رہا تھا جس کا وہ مستحق تھا' مگر اسے غیر مستحق قرار دے کر اس سے اس کی جگہ تک چھین لی۔ فقط اس کی معصومیت کے باعث اس سے ایک بہت بڑی غلطی ہوگئی تھی مگر وہ غلطی اس کی زندگی کا ناسور بن چکی تھی۔ معافی طلب کرنے پر بس ایک گہری جامد خاموشی' یہ خاموشی کب ٹوٹے گی اسے کچھ خبر نہیں تھی۔ آنکھوں کے کنارے گیلے ہونے لگے۔ انہی باتوں کو سوچتے سوچتے اس کی آنکھ لگ گئی اور وہ غافل ہوگیا۔ ہر رات اس کی بھیگی آنکھیں نیند سے گلے ملتی تھیں۔

......☆......

''تمہاری ماں نے اس ذمہ داری کو نبھانے سے انکار کردیا ہے' میں سوچ رہا ہوں کہ یہ ذمہ داری تمہاری بڑی بھابی کو سونپ دوں۔ تم کیا کہتے ہو؟'' چھٹیوں پر وہ گھر آیا تو شکیل صاحب نے خیریت دریافت کرنے کے بعد اس سے جو پہلی بات کہی وہ یہی تھی۔ وہ لب بھینچ کر رہ گیا۔

''پاپا' میں نے ماما جان کی خوشی کی خاطر یہ کہا تھا کہ وہ میرے لیے اپنی پسند کی لڑکی تلاش کریں۔ اس گھر میں سب نے اپنی مرضی سے اپنی جیون ساتھی کا انتخاب کیا'

یقیناً ماما جان کے دل میں اپنی مرضی کی لڑکی کو بہو بنانے کی خواہش مچلتی رہی ہوگی۔ اس خواہش کی تکمیل کے لیے میں نے اپنی خوشی سے دستبردار ہونا چاہا تھا۔'' اس کے آخری جملے نے انہیں بری طرح چونکایا۔

''کیا مطلب ارمغان؟ کیا تم کسی کو پسند کرتے ہو؟'' شکیل صاحب نے بغور اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''میں عمارہ احمد سے بہت محبت کرتا ہوں پاپا۔'' اس نے دھیرے سے نرم لہجے میں اعتراف کیا۔

''تو پھر تم نے..... تمہارا دماغ خراب ہوگیا تھا؟'' وہ غصے سے بولے۔

''ماما جان نے کبھی زبان سے نہیں جتایا مگر میں جانتا ہوں کہ انہیں اس بات کا بہت دکھ ہے کہ ان کے کسی ایک بیٹے نے بھی شادی کے معاملے میں ان کی پسند کو اہمیت نہیں دی تھی۔ ان کو ارمان تھا کہ کوئی ایک لڑکی تو ایسی ہو جو خالصتاً ان کی پسند پر اس گھر کی بہو بنے مگر..... بس اسی لیے میں نے عمارہ احمد سے دستبردار ہونے کا فیصلہ کیا تھا وہ بھی اکیلے۔ میری وجہ سے انہیں بہت بڑا صدمہ جھیلنا پڑا میں تو بس اتنا چاہتا تھا کہ میری ذات سے انہیں تھوڑی خوشی مل جائے اور میرے دل کا بوجھ کچھ کم ہو۔'' اس کی آواز بھیگنے لگی تھی۔ وہ مضبوط اور توانا مرد تھا مگر جب دل روئے تو آنسو تو بہتے ہی ہیں۔ شکیل صاحب بہت دیر تک کچھ بول ہی نہ پائے تھے۔

''یہ سب کرنے سے تمہارے دل کا بوجھ کم تو ہرگز نہیں ہوگا۔ عمارہ کو خود سے الگ کرکے تم کبھی خوش نہیں رہ سکتے۔'' وہ گہری سانس بھر کر بولے۔

''مگر ماما جان تو خوش ہو جاتیں۔'' وہ مدھم لہجے میں بولا۔

''بہت اچھا ہوا جو تمہاری ماں نے تمہارے لیے لڑکی تلاش کرنے سے منع کردیا۔ دل ہی دل میں تو تم بھی شکر ادا کررہے ہوگے۔'' وہ شرارتاً بولے۔ ارمغان نے خفگی سے انہیں دیکھا۔ وہ ہنس دیئے۔

''میں عمارہ سے ملنا چاہتا ہوں کل ہی۔'' وہ آرڈر دینے کے انداز میں بولے تو وہ ہنس پڑا۔

''ٹھیک ہے میں اس سے بات کرلیتا ہوں۔'' وہ اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے بولا اب وہ اپنی جیب سے موبائل نکال رہا تھا' اس کے لبوں پر چمکتی مسکراہٹ کو شکیل صاحب نے بہت غور دیکھا تھا۔

☆......☆......☆

عمارہ نے انہیں لنچ پر انوائٹ کیا تھا۔ وہ شکیل صاحب سے ملنے کے لیے بہت ایکسائیٹڈ تھی۔ ارمغان نے گھر سے نکلنے سے پہلے اسے بتادیا تھا کہ وہ لوگ نکل چکے ہیں۔ وہ صبح سے ہی تیاریوں میں لگی ہوئی تھی' ان کے آنے کا سن کر وہ کچھ اور بھی تیزی سے کام نمٹانے لگی۔ آدھے گھنٹے بعد ہی اسے دروازے پر بیل بجنے کی آواز سنائی دی۔ دروازہ اسی نے کھولا۔

''السلام علیکم!'' بہت اعتماد اور بھرپور انداز میں اس نے سلام کیا اور پھر سائیڈ پر ہوگئی تاکہ وہ اندر آسکیں۔

شکیل صاحب نے سلام کا جواب دیا جبکہ ارمغان عمارہ کو دیکھ رہا تھا۔ عمارہ نے سفید رنگ کا پوری آستینوں والا جوڑا پہن رکھا تھا' سر پر بڑا سا دوپٹہ نہایت سلیقے سے اوڑھ رکھا تھا۔ وہ حیران ہی رہ گیا۔ اس نے عمارہ کو آج پہلی بار اس لباس میں دیکھا تھا۔ حیران ہونا لازمی تھا۔ شکیل صاحب کو تو وہ پہلی نگاہ میں ہی پسند آگئی۔ انہیں ڈرائنگ روم میں بٹھا کر وہ کچن میں غائب ہوگئی۔ پانچ منٹ بعد وہ چائے کی ٹرے کے ساتھ آتی دکھائی دی۔

''سردی کا موسم ہے' دل کرتا ہے بار بار چائے پی جائے۔'' عمارہ نے مسکرا کر کہا اور ٹرے ٹیبل پر رکھ دی۔ ٹرے میں تین کپ تھے۔ دو میں سادہ چائے جبکہ تیسرے کپ میں کشمیری چائے تھی۔ کشمیری چائے سے بھرا کپ اس نے شکیل صاحب کے سامنے رکھا۔ انہوں نے مسکرا کر ارمغان کو دیکھا' وہ تو خود حیران بیٹھا تھا۔

''عمارہ تمہیں یاد ہے کہ پاپا کو کشمیری چائے پسند ہے؟'' وہ حیرت اور خوشی سے ملے جلے انداز میں بولا' وہ

بس مسکرائی۔

''آپ نے محض پانچ منٹ میں اتنی جلدی چائے کیسے تیار کرلی؟'' وہ چائے کا کپ تھام کر حیرانگی سے بولے۔

''اصل میں گھر سے نکلتے وقت انہوں نے مجھے میسج کرکے بتادیا تھا کہ آپ لوگ آرہے ہیں پھر میں نے ٹائم کے حساب سے چائے بنائی اور باقی کام بھی نمٹالیے تاکہ جب آپ لوگ پہنچیں تو چائے تیار ہو اور میں زیادہ وقت آپ سب کے ساتھ گزار سکوں۔'' وہ مسکرا کر بے حد سادگی سے بول رہی تھی۔ وہ تو بس بے ہوش ہونے والا تھا۔ یہ عمارہ کون تھی؟ وہ گھر میں کام کرتی' کھانا پکاتی' مشرقی لباس پہنتی عمارہ کو تو ہرگز نہیں جانتا تھا' شکیل صاحب عمارہ سے چھوٹی چھوٹی باتیں کرتے رہے۔ ان کے انداز سے ظاہر ہورہا تھا کہ انہیں عمارہ بہت پسند آئی ہے۔ وہ تو بس اس بدلی ہوئی عمارہ کو دیکھتا رہا۔

☆……☆……☆

ارمغان کے شدید اصرار پر وہ اس سے ملنے کے لیے راضی ہوئی تھی۔ وہ کوکنگ کلاسز لے رہی تھی' اور سارا وقت کچن میں گزارتی تھی' اسی لیے کسی سے ملنے کے لیے وقت نکالنا مشکل تھا مگر پھر بھی وہ آگئی۔ ہلکے نیلے رنگ کی قمیص اور کھلا سا ٹراؤزر پہنے' سردی سے بچنے کے لیے اس نے ہلکے نیلے رنگ کی جرسی بھی پہن رکھی تھی۔ اس روز کی طرح آج بھی اس نے سر پر بڑے خوب صورت انداز میں دوپٹہ اوڑھ رکھا تھا۔ ارمغان اسے آتا دیکھ کر کرسی سے اٹھ کھڑا ہوا۔ یہ درمیانے درجے کا ریسٹورینٹ تھا' ارمغان کو دیکھ کر وہ تیزی سے اس کی سمت بڑھی۔

''میں آج بہت مصروف تھی' بڑی مشکل سے ٹائم نکال کرآئی ہوں۔'' وہ کرسی سنبھالتے ہوئے بولی۔

''یہ سب کیا ہے عمارہ؟'' وہ بے حد سنجیدہ لہجے میں بولا۔ ساری رات وہ اس کے اندر آنے والی اتنی بڑی تبدیلی کے بارے میں سوچتا رہا تھا۔ عمارہ نے ناسمجھی سے اسے دیکھا۔

''تم نے اپنا لائف اسٹائل کیوں تبدیل کرلیا۔'' وہ اتنا سنجیدہ تھا کہ عمارہ گھبرا گئی۔

''ارمغان' کیا میں تمہیں اس طرح اچھی نہیں لگ رہی؟'' وہ بری طرح پریشان ہوکر بولی۔ ارمغان نے بے اختیار اس کے سرد ہاتھ تھامے اور مسکرایا۔ اس کی مسکراہٹ دیکھ کر اس کا رکا ہوا سانس بحال ہوا۔

''میں نے ایسا کب کہا کہ مجھے یہ سب اچھا نہیں لگا تم یہ سب کیوں کررہی ہو عمارہ؟ تم جیسی ہو مجھے قبول ہو۔ میں تمہیں تمہاری شخصیت بدلنے کو مجبور نہیں کررہا نہ میں ایسا چاہتا ہوں کہ تم خود کو بدلو۔ تم اول روز سے جس طرح سے رہ رہی تھیں تم اس میں ایڈجسٹ ہوچکی ہو۔ میری وجہ سے تم پریشان رہو مجھے بالکل اچھا نہیں لگ رہا۔'' وہ نرمی سے بول رہا تھا۔ وہ ہلکا سا مسکرائی۔

''ارمغان تمہیں یاد ہوگا ایک بار میں اور تم شاپنگ کررہے تھے تو ہمارے قریب سے ایک لڑکی گزری تھی جس نے بڑا سا دوپٹہ اور اسکارف لے رکھا تھا۔ تم نے اسے نہایت احترام سے دیکھا تھا اور تب تم نے کہا تھا کہ عورت کا لباس ایسا ہونا چاہیے کہ مرد اسے دیکھتے ہی اس کی عزت کرنے پر مجبور ہوجائے۔ یہ بات تم نے بالکل بے اختیار کہی تھی۔ مجھے معلوم تھا کہ تم بھی چاہتے ہو کہ میں مغربی لباس پہننا چھوڑ دوں مگر زبان سے کبھی نہیں کہا۔ صرف میرے جذبات کا خیال کرکے۔ تمہاری پوسٹنگ کے بعد جب تم پہلی بار چھٹیوں پر آئے تب تم نے فیملی البم دکھائی مجھے تمہارے گھر کی ہر عورت نے بہت خوب صورت لباس پہن رکھا تھا۔ تب میں نے سوچا کہ اگر میں اس گھر میں اس حلیے میں گئی تو ان سب کے دل میں میرے لیے کیسے جذبات پیدا ہوں گے؟ شکیل انکل اور تمہارے بڑے بھائی میری موجودگی میں شرمندگی محسوس کریں گے۔ خواتین نگاہ نہیں اٹھا پائیں گی اور میری وجہ سے تمہیں تکلیف ہو' میں کبھی خواب میں بھی ایسا نہیں سوچ سکتی۔ تم میری محبت کی

وجہ سے مجھے بدلنے کو نہیں کہتے تو کیا ہوا؟ میں تمہارے لیے اپنے دل میں موجود محبت کے احترام میں تو خود کو بدل سکتی ہوں ناں؟ تم تھی آزادی کے قائل ہو میں جیسی ہوں تمہیں ویسے قبول ہوں مگر تم سے منسلک لوگ میری وجہ سے ضرور برا محسوس کریں گے اور میری ذات کسی کے لیے تکلیف کا باعث بنے میں کبھی ایسا نہیں چاہوں گی۔ اگر پاپا مجھے جینز اور اس چپکی ہوئی شرٹ میں دیکھتے تو وہ کبھی بھی مجھ سے مل کر خوش نہ ہوتے۔ وہ جو اتنے ریلیکس اور مطمئن ہو کر مجھ سے باتیں کررہے تھے اس طرح کبھی نہ کر پاتے۔ میں نے ان کی پسند کی چائے بنائی اس چیز نے انہیں کتنا خوش کیا' بس ان کی خوشی کے لیے میں نے تھوڑی سی محنت کی۔ میری اس ذرا سی محبت اور تبدیلی نے وہ دیا جس کے لیے میں ساری عمر ترستی رہی ہوں ارمغان۔ پاپا نے جاتے وقت جو میرے سر پر ہاتھ رکھ کر دعا دی اور میرے ہاتھ میں انعام کے طور پر پیسے رکھے ان کی اہمیت مجھ سے پوچھو۔ اس دعا اور اس محبت کے لیے میں برسوں ترسی رہی ہوں۔" وہ بغیر رکے بول رہی تھی اس کا گلا رندھ گیا تھا۔ ارمغان خاموشی سے اسے سن رہا تھا۔

"جب پاپا نے دوسری شادی کرنے کے لیے ممی کو طلاق دے دی تھی۔ اس وقت میں تیرہ سال کی تھی' جب ممی پاپا الگ ہوئے' مجھے ممی نے اپنے پاس رکھ لیا' پاپا ہر ماہ میرے اور ممی کے لیے خرچہ بھیجتے تھے۔ ممی پاپا سے بہت محبت کرتی تھیں۔ ان کی بے وفائی نے انہیں بیمار کر دیا تھا' سال بھر کے اندر اندر ان کا انتقال بھی ہوگیا تھا۔ میں پھر سے پاپا کے پاس آ گئی جہاں میرے پاپا میری سیکنڈ مدر کے ساتھ رہ رہے تھے۔ وہ بھی پاپا کی طرح بہت سوشل تھیں۔ پاپا نے پہلے بھی کبھی مجھے وقت نہیں دیا تھا مگر اب تو لمحہ بھر کے لیے بھی وہ مجھ سے نہیں ملتے تھے۔ جبکہ علیزے آنٹی تو مجھ سے سرے سے بات ہی نہیں کرتی تھیں۔ میرا وجود ان کے لیے رتی بھر اہمیت کا حامل نہیں تھا۔ میرا سارا وقت تنہا گزرتا۔ بظاہر میں نے اس سارے ماحول کو قبول کرلیا تھا مگر میرے اندر ایک مکمل گھر میں رہنے کی خواہش زور پکڑنے لگی۔ میری دوستی ان لڑکیوں سے ہوئی جو جوائنٹ فیملی سسٹم کا حصہ تھیں' ان کے گھر کی باتیں' ماں باپ کا پیار' دادا دادی کے دلار کے قصے سنتی......

اور پھر یونیورسٹی لائف میں مجھے تم ملے' میں اس روز بہت اداس تھی' کلاس لینے کو دل نہیں چاہ رہا تھا۔ یونہی ٹہلنے لگی تو تمہاری باتوں نے میرا دھیان تمہاری طرف کھینچ لیا۔ تم اپنے دوست سے اپنے پاپا کی باتیں کررہے تھے۔ میں تمہاری باتیں سننے لگی۔ میں نے تم سے صرف اسی وجہ سے دوستی کی۔ میں بہت سوچ سمجھ کر تمہاری طرف بڑھی تھی' میں نے پہلے دن ہی سوچ لیا تھا کہ میں تم سے شادی کروں گی۔" ارمغان نے چونک کر اس کی طرف دیکھا' وہ پہلی بار اسے یہ بات بتارہی تھی۔

"ہاں ارمغان تمہاری باتوں سے مجھے اندازہ ہوا تھا کہ تم اپنے گھر والوں سے بہت محبت کرتے ہو اور مجھے ایسے ہی گھر کی تلاش تھی۔ تمہاری شرافت تو ویسے بھی مشہور تھی۔ مجھ سے دوستی کرتے وقت تم جھجکتے رہے مگر بالآخر ہم دوست بن ہی گئے تھے۔ جب تم نے مجھ سے اظہار محبت کیا تو مجھے اسی لمحے ادراک ہوا کہ میں بھی تم سے پیار کرنے لگی ہوں' بات اب ضرورت کی نہیں رہی تھی' اس میں محبت بھی شامل ہوچکی تھی اور آج میں تمہارے سامنے اس حلیے میں ہوں تو صرف تمہاری وجہ سے' جن لوگوں سے تمہیں محبت ہے' مجھے بھی ان سب سے محبت محسوس ہوتی ہے اور جن لوگوں سے تمہیں محبت ہو انہیں تکلیف کیسے دیں گے؟" وہ دھیرے دھیرے بولتی ارمغان کو اپنے بے حد قریب محسوس ہوئی۔ وہ اپنے سگے رشتے کی خاطر اسے چھوڑ رہا تھا مگر وہ...... وہ تو محض اپنے دل کے رشتے کی وجہ سے اس کے لیے اتنا سب کررہی تھی۔ عمارہ نے جو بھی کیا اسے متاثر کرنے کے لیے نہیں' بلکہ صرف اور صرف اس کی محبت اس کے احترام میں کیا' وہ برملا کہہ سکتا تھا کہ وہ دنیا کا خوش قسمت ترین مرد ہے کیونکہ اس کے پاس عمارہ احمد ہے۔

☆

''آپ نے بلایا تھا مجھے۔'' وہ ان کے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے بولا۔ زبیدہ بیگم موجود نہیں تھیں' وہ کچھ دیر پہلے گھر آیا تھا۔ شکیل صاحب نے اس کے لیے پیغام بھیجا کہ وہ ان سے آ کر مل لے۔

''بیٹھو!'' وہ چشمہ اتار کرتا نکیں سمیٹنے لگے۔ وہ ان کے سامنے بیٹھ گیا۔

''اس روز میں عمارہ سے مل کر بہت خوش ہوا' مگر کیا تم مجھے یہ بتاؤ گے کہ اس کی فیملی کہاں ہے اور وہ اکیلی فلیٹ میں کیوں رہتی ہے؟'' ان کا دل تو اس وقت بھی چاہا کہ وہ یہ سوال پوچھیں جب وہ عمارہ سے ملے لیکن پھر انہیں یہ سب مناسب نہ لگا۔

''پاپا عمارہ کی مدر تو کافی سال پہلے گزر چکی ہیں۔ پچھلے سال اس کے پاپا کا انتقال بھی ہوگیا تو وہ اس فلیٹ میں رہنے لگی۔ اس کی اسٹیپ مدر موجود ہیں اور اس کے پاپا کے گھر میں ہی رہتی ہیں مگر عمارہ ان کے ساتھ ایزی فیل نہیں کرتی' اس لیے وہ اس گھر کو چھوڑ کر الگ رہنے لگی ہے۔'' اس نے تفصیل بتائی۔

''وہ الگ رہتی ہے مجھے اس بات پر کوئی اعتراض نہیں مگر یہ دنیا ہے' یہاں کے کچھ اصول ہیں اور ہم ان اصولوں کو فالو کرنے پر پابند بھی ہیں۔'' انہوں نے تمہید باندھی ارمغان بغور انہیں سن رہا تھا۔

''میں چاہتا ہوں کہ جب ہم اس کے گھر رشتہ لے کر جائیں تو اس کی اسٹیپ مدر موجود ہوں۔ وہ عورت بھلے ہی سوتیلی ہے مگر ہے تو اس کی ماں' ماں باپ کے انتقال کے بعد وہی اس کی وارث بھی ہیں۔ تم عمارہ سے پوچھ لو اگر اسے اعتراض نہ ہو تو میں چاہتا ہوں کہ وہ شادی تک کے عرصے میں اپنے باپ کے گھر چلی جائے' بہر حال یہ تو رسم ہے کہ لڑکی باپ کے گھر سے ہی وداع ہوتی ہے۔'' انہوں نے بات سمیٹتے ہوئے کہا۔

''ٹھیک ہے پاپا' میں عمارہ سے بات کر کے آپ کو بتا دیتا ہوں لیکن میں آپ کو کچھ بتانا چاہتا ہوں۔'' وہ اسے

سوالیہ نگاہوں سے دیکھنے لگے۔

"پاپا! جس عمارہ سے آپ ملے میں بھی پہلی بار اس سے مل رہا تھا۔ صرف اس لیے کہ آپ کو برا محسوس نہ ہو اس نے مشرقی لباس پہنا اور اتنا بڑا دوپٹہ اوڑھا۔ وہ کھانا پکانا سیکھ رہی ہے اور آپ کو معلوم ہے کہ اس نے سب سے پہلے کشمیری چائے بنانا سیکھی کیونکہ آپ کو پسند ہے۔ عمارہ نے جس ماحول میں وقت گزارا وہ بہت آزاد ہے' مگر صرف میری خاطر اس نے اپنے آپ کو بدل لیا۔ میرے بغیر کہے وہ میرے دل کی بات سمجھ گئی۔ مگر اس کی اسٹیپ مدر آج بھی ویسی ہی ہیں جیسی ایلیٹ کلاس کی بیگمات ہوتی ہیں۔ وہی لباس' وہی طرز گفتگو' وہی نشست و برخاست کا انداز' مجھے تو یہ بھی معلوم نہیں کہ وہ ہم سے ملنا بھی پسند کریں گی کہ نہیں' کیونکہ ایک تو ساری عمر انہوں نے عمارہ کو کوئی اہمیت نہیں دی دوسری بات وہ یہ کہ دولت میں وہ ہم سے بہت اونچی حیثیت رکھتی ہیں۔" وہ بچپن سے ان کے قریب رہا تھا اسی لیے وہ ہر بات ان سے بلاجھجک کہہ دیتا تھا۔ ایک طرح سے ذہنی طور پر وہ انہیں تیار کررہا تھا کہ اگر انہوں نے ان سے چھا رویہ نہ رکھا تو وہ گھبرائیں ناں۔

"بیٹا! بات یہ ہے کہ عمارہ ان سے اس لیے دور ہے کہ دونوں نے ایک دوسرے کے رشتے کو قبول نہیں کیا مگر ان کے درمیان جو رشتہ ہے اس کی اہمیت کبھی ختم نہیں ہوسکتی اور ماں کی موجودگی میں وہ باپ کے گھر سے رخصت نہ ہو یہ بات بہت غلط ہوجائے گی۔ میں نہیں چاہتا کہ عمارہ کے آنے سے پہلے ہی کوئی فضول بات اردگرد گردش کرے اور بچی کو دکھ ہو۔ اگر علیزے بیگم ہم سے اچھا رویہ نہیں رکھتیں تو بھی کوئی بات نہیں' ہم برداشت کرلیں گے' ہوسکتا ہے کہ تم جو کچھ ان کے بارے میں سوچ رہے ہو وہ غلط ہو' ان کے گزشتہ رویے کو دیکھا جائے تو یہ امکان ہے مگر گزرتا وقت تو بہت کچھ بدل دیا کرتا ہے۔" وہ رسان سے بولے۔ ارمغان نے گہری سانس بھری۔

"اگر گزرتا وقت بدلاؤ لاسکتا تو ماما جان کے رویے میں کچھ تو لچک پیدا ہوتی۔" اس نے تھکے ہوئے لہجے میں کہا۔ شکیل صاحب نگاہ چرا گئے۔

"تم تو اپنی ماں کو جانتے ہو بیٹا' ایک بار ان کے دل میں کوئی بات بیٹھ جائے تو بہت مشکل سے نکلتی ہے۔ انہیں وقت چاہیے' تم انتظار کرو' میں بھی انہیں سمجھاتا رہتا ہوں یقیناً جلد ہی انہیں اس بات کا احساس ہوجائے گا کہ ان کا رویہ شدت پسند ہے۔" وہ اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر دلاسا دیتے بولے۔ اس نے سر اٹھا کر عجیب نگاہوں سے انہیں دیکھا۔

"پاپا ایک بات بتائیں؟ میں ماما جان کی سگی اولاد ہوں ناں۔" اس کے لہجے میں عجیب سا درد تھا۔ شکیل صاحب نے بے اختیار اسے دیکھا۔

"کیونکہ کوئی بھی ماں اپنی سگی اولاد کے ساتھ اتنا نفرت انگیز رویہ نہیں رکھ سکتی۔ کبھی بھی نہیں۔" وہ بول کر اپنی جگہ سے یک دم اٹھا۔ شکیل صاحب کچھ بول ہی نہیں پائے' وہ پلٹا تو دروازے پر زبیدہ بیگم کو کھڑا پایا۔ وہ شاید ابھی ابھی آئی تھیں۔ وہ موجود ہوتا تو وہ کمرے سے کم باہر نکلتی تھیں' اگر وہ ان کے کمرے میں آجاتا تو کسی اور کمرے میں بیٹھ کر اس کے باہر نکلنے کا انتظار کرتیں۔ یقیناً وہ اس کی موجودگی سے لاعلم تھیں اسی لیے آگئیں۔ ارمغان نے ایک نظر انہیں دیکھا اور بنا کچھ کہے باہر نکل گیا وہ اسے جاتا دیکھتی رہ گئیں۔

......☆......

اپنی ضرورت کی چیزیں اس نے بڑے سے بیگ میں ڈالیں اور گھسیٹتے ہوئے باہر لے آئی۔ فلیٹ کو تالا لگا کر وہ بیگ گھسیٹتی نیچے پہنچی۔ وہ اپنے پاپا کے گھر جارہی تھی' ارمغان نے اس سے بات کرلی تھی اور وہ اس کی بات ٹالے ایسا تو ناممکن تھا۔ وہ اس گھر کی دیواروں سے ٹپکتی وحشت سے گھبرا کر بھاگی تھی اور اب صرف اور صرف ارمغان کی خاطر وہ اس گھر واپس جارہی تھی۔ علیزے بیگم کو اس نے فون کرکے بتادیا تھا کہ وہ واپس آرہی ہے' وہ

اس کی واپسی کا سن کر بہت خوش ہوئیں۔ ان کی خوشی کی وجہ عمارہ کو سمجھ نہیں آئی۔ وہ تو اس سے فون پر ہی ساری تفصیل پوچھ لینا چاہتی تھیں' مگر اس نے جلدی سے اللہ حافظ کہہ کر فون بند کردیا۔ وہ ان کے اتنے دوستانہ رویے پر شدید حیران تھی' گو کہ پہلے بھی ان میں روایتی دشمنی تو نہیں تھی مگر لاتعلقی تھی اور ان کا لہجہ اسے حیران کررہا تھا۔

ڈرائیو کر کے وہ گھر پہنچی۔ پورے ایک سال بعد اس نے یہاں قدم رکھا تھا۔ اس گھر سے اس کی ایک بھی خوش گوار یاد وابستہ نہیں تھی مگر پھر بھی اسے اچھا محسوس ہوا علیزے اس کی شدت سے منتظر تھی' اسے دیکھ کر ان کے لبوں پر بڑی خوب صورت مسکراہٹ پیدا ہوئی اور انہوں نے اسے خود سے لگالیا۔ وہ بس حیران ہوتی رہی۔

''بہت اچھا کیا تم نے واپس آ کر عمارہ۔'' وہ سچے لہجے میں بولیں۔ ان کی عمر اس وقت پینتالیس سال تھی مگر وہ عمارہ سے بھی کم عمر دکھتی تھیں۔ عمارہ نے انہیں دیکھا' آج بھی وہ پہلے جیسی ہی تھیں' ان کی ڈریسنگ' ان کے سجنے سنورنے میں کوئی فرق نہیں آیا تھا مگر' چہرے پر خوشی مفقود تھی۔ وہ مسکراہٹ غائب تھی جو شوہر کی موجودگی میں ان کے چہرے پر سجی رہتی تھی۔ وہ جتنی بے باک اور ماڈرن تھیں مگر محبت کے معاملے میں کافی مشرقی رہیں۔ احمد صاحب سے پیار کیا تو بس ان سے ہی جڑی رہیں۔ ان کے جانے کے بعد بھی وہ یہیں رہائش پذیر تھیں۔ نہ جانے کتنے لوگوں نے انہیں پروپوز کیا مگر ان کا دل نہ مانا۔ ریڈ کلر کی ہائف بلاؤز ساڑھی میں وہ آج بھی غضب ڈھا رہی تھیں۔ وہ صوفے پر بیٹھ گئی جبکہ علیزے ان کے سامنے بیٹھ گئی۔

''تم نے واپسی کا فیصلہ کیا میں بہت خوش ہوں تمہارے آنے سے۔ لیکن وجہ بتاؤ گی کہ اچانک سے تم......؟'' وہ اس کو دیکھتے ہوئے بولیں۔ عمارہ کے چہرے پر مسکراہٹ بکھر گئی۔

''اور تم نے ایسی ڈریسنگ کب سے شروع کردی؟'' انہوں نے اس کے کپڑوں کی طرف اشارہ کر کے حیرت سے کہا۔ ان کے لہجے میں صرف حیرت تھی اور بس۔

''بس کچھ ہی دن ہوئے ہیں۔'' وہ مسکرا کر مختصراً بولی۔

''کوئی خاص وجہ تو ہوگی کیوں؟'' وہ شرارت سے بولیں تو عمارہ جھینپ گئی اور اثبات میں سر ہلادیا۔

''اصل میں...... میں شادی کرنے والی ہوں۔'' وہ سکون سے بولی۔ علیزے کے لیے یہ خبر شدید حیرانی کا باعث تھی۔

''ارمغان کی فیملی کافی مذہبی ہے۔ اسی لیے میں نے سوچا کہ اپنے لباس کو تبدیل کرلوں' اگر مجھے اس گھر کو اپنا بنانا ہے تو ان کے رنگ میں رنگنا ہوگا۔ ارمغان نے مجھ سے کبھی نہیں کہا مگر مجھے لگا کہ مجھے اپنا حلیہ تبدیل کرلینا چاہیے اور میں اس گھر میں بھی صرف اسی لیے آئی ہوں تاکہ ارمغان کے پاپا کی خواہش پوری کرسکوں۔ ارمغان کے پاپا چاہتے ہیں کہ میری شادی اسی گھر سے ہو آپ کی موجودگی میں' آپ ہی میری بڑی ہیں' وہ سارے معاملات آپ سے ڈسکس کرنا چاہتے ہیں۔'' اس نے ساری تفصیل مختصراً بتادی۔ علیزے خاموش ہی ہوگئیں۔ وہ سوچ رہی تھیں کہ ارمغان کی محبت نے اسے کتنا تبدیل کردیا ہے۔ وہ ان لوگوں کے بارے میں کتنا سوچ رہی ہے جن سے اس کا رشتہ بھی اب تک نہیں بنا اور ایک وہ ہیں اگر وہ اس سے محبت کرتیں تو آج یوں تنہا نہ ہوتیں۔

آج وہ اسے محض اپنی شادی کی اطلاع نہ دے رہی ہوتی' بلکہ ہر بات میں ان سے ان کی مرضی پوچھتی' ان کے اندر عجیب سا خالی پن اتر آیا تھا۔ وہ تو خوش ہوگئی تھیں کہ اس گھر کا خالی پن کم ہوجائے گا' احمد صاحب کے جانے کے بعد تو ان کی مصروفیات بے حد کم ہوگئی تھیں اکیلے جانے کو دل ہی نہ چاہتا تھا۔ انہوں نے گہری سانس بھر کر اس درودیوار کو دیکھا اور سر جھکا دیا' دل میں ڈھیروں ملال اتر آئے تھے۔

......☆......

ارمغان کا قیاس قیاس ہی رہا علیزے...... کی آمد

پر خوب تیاری کروائی تھی۔ ارمغان نے شاید اسی لیے ان کے بارے میں منفی انداز سے سوچا تھا کہ اس عورت نے عمارہ کے ساتھ سرے سے کبھی کسی تعلق کو کوئی اہمیت ہی نہیں دی تھی تو پھر وہ جس لڑکی کو اہمیت کے قابل نہیں سمجھتی ہوں اس کے سسرالیوں سے وہ کیونکر خوش اخلاقی سے پیش آئیں گی؟ مگر وہاں پہنچ کر انہیں خوش گوار حیرت نے گھیر لیا تھا۔

علیزے نے اس بات کا خاص خیال رکھا تھا کہ ان کے لباس کی وجہ سے عمارہ کو شرمندگی محسوس نہ ہو۔ وہ ساری عمر اس سے لاتعلق رہیں مگر اب نجانے کیوں ان کا دل کہہ رہا تھا کہ وہ اس کے لیے کچھ کریں۔ بے حد خوب صورت جدید فیشن کے مطابق لمبی قمیص شلوار انہوں نے پہنا تھا صرف اس لیے کہ عمارہ خوش ہو اور وہ انہیں اس طرح دیکھ کر بے اختیار ان کے گلے لگ گئی تھی۔ وہ پہلی بار ان سے یوں قریب ہوئی تھی۔ ارمغان اور ان کی فیملی بھی ان سے مل کر بہت خوش ہوئی تھی۔ زبیدہ بیگم سارا وقت خاموش رہیں۔ البتہ شکیل صاحب اور گھر کے باقی افراد کافی خوش اخلاقی برت رہے تھے۔

''آپ کو عمارہ نے ہماری آمد کی وجہ تو یقیناً بتادی ہوگی۔'' شکیل صاحب نے گفتگو کا رخ اصل موضوع کی سمت موڑا۔

''عمارہ نے مجھے بتادیا تھا اور میں عمارہ کے اس فیصلے سے بہت خوش ہوں کہ اس نے اپنی زندگی کے لیے بہترین ساتھی اور ایک اچھا گھر منتخب کیا ہے۔'' وہ عمارہ کو دیکھتے ہوئے مسکرا کر بولیں۔

''میرا اور عمارہ کا رشتہ اگر میں چاہتی تو بہت خوب صورت بن سکتا تھا مگر میں نے کبھی اس تعلق کو سرے سے کوئی اہمیت دی ہی نہیں نہ عمارہ نے کبھی ایسی کوئی کوشش کی۔ وہ ایسی کوئی کوشش کرتی بھی کیسے؟ میری وجہ سے اس کی ماں کو طلاق ہوئی' وہ بھلا ایسی عورت کو اپنی ماں کی جگہ کیسے دے سکتی تھی؟'' ان کے لہجے میں شرمندگی تھی عمارہ نے سر اٹھا کر انہیں دیکھا' وہ پہلی بار ایسی کوئی بات کر رہی تھیں۔

''اب جب اس کے پاپا بھی نہ رہے تو اب مجھے اپنی غلطیوں کا احساس ہوتا ہے۔ جو وقت گزر گیا وہ واپس نہیں آسکتا مگر جو وقت بچا ہے اسے تو ہم اچھا بنا سکتے ہیں۔'' ان کی بات پر ارمغان نے بے اختیار زبیدہ بیگم کی طرف دیکھا مگر وہ اس کی طرف متوجہ ہی نہیں تھیں۔

''آپ نے بہت اچھا کیا جو عمارہ کو اس گھر سے رخصت کروانے کا سوچا' اب جبکہ آپ لوگ مجھے عمارہ کی ماں کی حیثیت دے رہے ہیں تو میں بھی عمارہ کے لیے کچھ کرنا چاہتی ہوں۔ اس کی شادی کی ساری تیاریاں میں خود کروں گی اور بہت دھوم دھام سے عمارہ کو اس گھر سے رخصت کروں گی۔'' وہ مسکرا کر بولیں۔ عمارہ خاموشی سے انہیں دیکھ رہی تھی۔ دل نجانے کیوں بھر آیا تھا۔ شکیل صاحب کو بھلا کیا اعتراض ہوسکتا تھا۔ عمارہ بہانہ بنا کر اٹھ گئی۔ آج اپنی سگی ماں کچھ زیادہ ہی یاد آرہی تھی۔ اس نے ایک نظر لاؤنج میں لگی اپنے پاپا کی تصویر کو دیکھا اور کچن میں آگئی تاکہ آنسو بہاسکے۔

......☆......
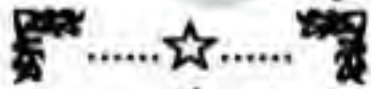
دونوں گھروں میں شادی کی تیاریاں زور وشور سے جاری تھیں۔ بری کے سارے کپڑے بڑی بھابی نے اپنی پسند سے خریدے تھے ان کی چوائس بہت زبردست تھی۔ اپنی ہونے والی سب سے چھوٹی دیورانی سے وہ اس سلسلے میں ایک بار مل بھی آئی تھیں۔ ارمغان انہیں بہت عزیز تھا' اسی حوالے سے عمارہ بھی انہیں عزیز ہوگئی تھی۔ عمارہ کی عادتوں کی وجہ سے وہ اسے بہت پسند کرنے لگی تھیں۔

تاریخ طے ہونے کے چند دن بعد ہی گھر میں ڈھولک رکھ دی گئی۔ ارمغان کے چاروں بھائی اس کی بھابیاں' ان کے بچے' اس گھر کے آخری بیٹے کی شادی پر بہت پرجوش تھے' سوائے زبیدہ بیگم کے۔ گھر کے سب لوگ اس وقت لاؤنج میں جمع تھے۔ محلے کی چند لڑکیاں بھی موجود تھیں اور خوب ہنگامہ مچا رکھا تھا۔ شور اور گانوں کی آواز بند کمرے کو چیرتی اندر آرہی تھی۔ زبیدہ بیگم کا نیچے جانے کا کوئی ارادہ

نہیں تھا۔ ڈھولکی ہی ہے کون سا مہندی کی رسم ہے جو میری شمولیت ناگزیر ہو۔ یہ ان کی سوچ تھی اسی لیے بیڈ پر دراز رہیں۔

''آپ بھی نیچے چلیے۔'' وہ انہیں دیکھتے ہوئے بے لچک لہجے میں بولے مگر وہ ان سنی کر کے لیٹی رہیں۔

''آپ پر کسی بات کا اثر ہوتا بھی ہے؟ خدانے آپ کو نجانے کس مٹی سے بنایا ہے۔'' ان کا جواب نہ پا کر وہ شدید غصے میں آ گئے۔

''اگر میری مریم زندہ ہوتی تو آج اس کی بھی ڈھولکی ہوتی۔'' وہ ان کی بات پر ہک دک رہ گئے پھر یک دم ان کے اندر شدید اشتعال اٹھ آیا۔

''جو مر گئی ہے اس کے ارمان جاگ رہے ہیں اور جو زندہ ہے اسے آپ اپنے رویے اور تلخ باتوں سے جیتے جی مارنے پر تلی ہوئی ہیں۔ ایسی باتیں وہ بھی ایسے موقع پر کر کے آپ کیا ثابت کرنا چاہتی ہیں؟'' وہ دھاڑ کر بولے۔

''آپ کو فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں، میری باتوں سے اسے مرنا ہوتا تو کب کا مر چکا ہوتا۔ بہت ڈھیٹ ہے وہ۔'' زبیدہ بیگم نے شدید نفرت سے کہا۔ شکیل صاحب ساکت رہ گئے۔ کتنی دیر تو وہ کچھ بول ہی نہ پائے۔ انہیں شدید حیرت ہو رہی تھی، ان کے اندر کتنی نفرت بھری ہوئی تھی۔ وہ جھٹکے سے اپنی جگہ سے اٹھ کھڑے ہوئے۔

''تم کیسی عورت ہو؟ اپنے منہ سے اپنی پیدا کردہ اولاد کے بارے میں تم اتنی گھٹیا بات کیسے کر سکتی ہو؟ ایسی بات تم اپنے منہ سے نکال بھی کیسے سکتی ہو؟'' ان کا دل تو جیسے کسی نے مٹھی میں دبا لیا تھا۔ ارمغان کے اندر تو ان کی جان تھی۔ انہوں نے سارے لحاظ بالائے طاق رکھتے ہوئے ان کو جھنجوڑا۔

''نفرت ہے مجھے ارمغان سے، سنا آپ نے۔ صرف ارمغان کی وجہ سے مجھ سے میری مریم دور ہوئی۔ قاتل ہے وہ میری مریم کا۔'' وہ چلانے لگیں۔

''ارمغان نے جو بھی کیا وہ ناسمجھی کی عمر میں کیا۔ وہ بہت معصوم تھا۔ تم یہ بات کب سمجھو گی؟'' وہ ہزار بار کی دہرائی بات پھر سے دہرانے لگے۔

''اس نے میری گود اجاڑ دی، میں اسے کبھی معاف نہیں کر سکتی۔ کبھی نہیں۔'' وہ اپنی آنکھیں رگڑتے ہوئے بولیں۔ شکیل صاحب نے بے بسی سے انہیں دیکھا۔

☆......☆

شکیل صاحب اور زبیدہ بیگم کی شادی بڑوں کی مرضی سے ہوئی تھی۔ زبیدہ اکلوتی بیٹی، چار بھائیوں کی ایک بہن، اتفاق ایسا کہ پورے ددھیال میں وہ اکلوتی تھیں۔ ان کی کوئی پھوپھو نہ تھیں۔ دو چچا تھے ان کے بھی بیٹے ہی بیٹے تھے۔ ساری عمر سہیلی کو ترستی رہیں، ابا ایسے سخت ملے کہ باہر کسی لڑکی سے بھی دوستی نہ کرنے دی۔ دل کی باتیں دل میں ہی رہ گئیں، سہیلی کا ارمان دل میں ہمکتا رہتا۔

شادی ہوئی تو وہاں بھی نند نام کی کوئی شے نہ تھی۔ شکیل صاحب اکلوتے بیٹے، یہاں بھی وہ افسوس میں رہیں کہ ایک نند تک نہ ملی۔ ساس سے اچھے تعلقات تھے مگر بے تکلفی نہ تھی۔ بہت سی باتیں کہنے کی خواہش

رکھتے ہوئے بھی وہ خاموش رہ جاتیں۔ شادی کے چند ماہ بعد ہی انہیں خوش خبری ملی کہ وہ ماں بننے والی ہیں۔ ساس تو یہ خبر سن کر بہت خوش ہوئیں۔ اکلوتے بیٹے کی اولاد کو کھلانے کا ارمان بھی شدید تھا۔ شکیل صاحب کو معلوم ہوا تو وہ بھی بہت خوش ہوئے۔

''آپ کیا چاہتے ہیں' خدا ہمیں کیا دے؟'' وہ شرماتے ہوئے ان سے ان کی خواہش جان رہی تھیں۔

''جو بھی اللہ عطا کرے وہ دینے والا ہے اور ہم لینے والے' تم بتاؤ کیا چاہتی ہو؟'' انہوں نے بھی پوچھ لیا۔

''مجھے تو بیٹی کا شدید ارمان ہے' آپ کو تو پتا ہے کہ میرے پورے ددھیال میں لڑکیوں کی کتنی قلت رہی ہے۔ ابا نے اتنی سختی رکھی کہ کسی سے دوستی تک نہ رکھنے دی۔ ہمیشہ بہن کے رشتے کو ترسی' سہیلی کے بغیر ساری عمر گزار دی۔ بیٹی آ جائے تو شاید دل کو کچھ اطمینان ہو۔'' ان کی حسرت پر وہ محض مسکرائے۔ وہ تو بس یہی سمجھے تھے کہ انہیں بیٹی کا ارمان ہے' مگر یہ سمجھنے میں انہیں دیر لگی کہ یہ محض ارمان نہیں ہے۔

پہلے بیٹے' عدنان کی پیدائش پر وہ سخت دکھی تھیں مگر پہلی پہلی بار ماں بننے کا احساس دکھ پر غالب آ گیا۔ بیٹی کی خواہش میں اگلے سال ارمان اور پھر اس سے اگلے سال عمران کی آمد ہوئی۔ بیٹوں کو پا کر وہ ذرہ بھر بھی خوش نہ تھیں۔ ان کی صحت خراب ہو رہی تھی مگر بیٹی کی خواہش انہیں اپنی صحت سے بے پروا کر دیا تھا۔ عمران کے سال بھر کے ہونے کے بعد منیب پیدا ہو گیا۔ تین سال بعد ارمغان پیدا ہوا' ارمغان کے نقوش ان کی ماں جیسے تھے اور کچھ اس کی حرکتیں اتنی پیاری تھیں کہ وہ اسے بہت پیار کرتیں۔ اپنی ساری اولادوں میں سب سے زیادہ ارمغان سے ہی انہوں نے پیار کیا' ارمغان پانچ سال کا ہوا تو انہیں پھر سے خوش خبری ملی۔ شکیل صاحب بری طرح خائف ہوئے مگر کچھ نہ بولے۔ زبیدہ بیگم دن رات بیٹی کی دعائیں کرتیں۔ ان کی طبیعت بھی خراب رہتی تھی۔ ارمغان ان سے اتنا قریب ہو گیا تھا کہ کسی اور سے بہلتا ہی نہ تھا۔ زبیدہ بیگم کی خراب طبیعت کے پیش نظر وہ ارمغان کو سنبھالنا چاہتے مگر وہ ماں کے سوا کسی اور کے پاس جانا چاہتا ہی نہیں تھا۔ خراب طبیعت اور ارمغان نے انہیں چڑچڑا کر دیا تھا۔ وہ ہر بار بیٹی کی دعا مانگا کرتی تھیں مگر دعا قبول نہ ہوئی۔ اس بار خدا نے ان کا ارمان پورا کر دیا۔ مریم پیدا ہوئی تو وہ نجانے کتنی دیر تک بے یقینی کی کیفیت میں رہیں۔ خوشی کی شدت نے ان کی زبان ہی بند کر دی تھی۔ آنسو تھے کہ رکنے کا نام ہی نہ لے رہے تھے۔ ان پر شادی مرگ کی سی کیفیت طاری ہو گئی تھی۔

مریم اس گھر کی پہلی بیٹی تھی' پورا گھر خوشی سے جیسے پاگل ہو گیا تھا۔ سوائے ارمغان کے۔ جب سے مریم پیدا ہوئی تھی وہ بری طرح نظر انداز ہو رہا تھا۔ ہر کوئی مریم مریم کرتا رہتا۔ زبیدہ بیگم تو جیسے مریم کی ہو کر رہ گئی تھیں۔ چاہے ساری دنیا اس سے دور ہو جاتی مگر وہ جس سے سب سے زیادہ محبت کرتا تھا' وہی اسے بھول بیٹھی تھیں۔ وہ تو ہر شے کو بھول گئی تھیں۔ مریم ذرا سا روتی تو وہ بے تحاشا گھبرا جاتیں۔ اسے ذرا سی تکلیف ہو جاتی تو ان کے ہاتھ پاؤں پھول جاتے۔ ان کی اس درجہ دیوانگی پر شکیل صاحب کبھی مسکرا دیتے تو کبھی جھنجلا جاتے۔ پورا گھر ڈسٹرب ہو کر رہ گیا تھا۔ یوں لگتا تھا کہ زبیدہ بیگم پہلی بار سالوں بعد ماں بنی ہیں اسی لیے ان سے یہ خوشی سنبھالے نہیں جا رہی۔

ارمغان بری طرح سے نظر انداز ہو رہا تھا' اس بات کو وہ محسوس ہی نہیں کر رہی تھیں۔ ان کی توجہ حاصل کرنے کے لیے وہ بستر گیلا کر دیتا' عجیب و غریب حرکتیں کرتا' ارمغان کی ان حرکتوں کا مطلب سمجھنے کے بجائے وہ الٹا اس سے زچ ہو جاتیں' اسے مارتیں' وہ معصوم سا بچہ تو بس اتنا سمجھ رہا تھا کہ ان کے گھر آنے والی اس مریم نے اس سے اس کی ماما جان کو چھین لیا ہے اور اسے اپنی ماما جان کو واپس پانا ہے' ان کا پیار ان کی توجہ مریم پر سے ہٹا کر خود پر لانی ہے۔
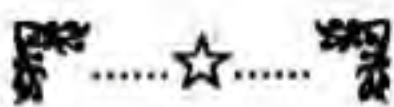
......☆......

onlinemagazinepk.com/recipes

تازہ شمارہ شائع

ہوگیا ہے

نومبر ۲۰۱۵ء کے شمارے کی ایک جھلک

روپ بہروپ اس دنیا میں لوگوں کے کئی روپ ہوتے ہیں ہر روپ دوسرے سے جدا اور نرالا ہوتا ہے۔ کوئی شخص یہ دعویٰ نہیں کرسکتا کہ اس نے دنیا کو جان لیا ہے سمجھ لیا ہے جو بھی دنیا کے روپ کو سمجھنے کا دعویٰ کرتا ہے اس کے سامنے ایک نیا بہروپ سامنے آجاتا ہے۔ اس رنگ بدلتی دنیا کا احوال' نئے افق کے کہنہ مشق لکھاری محمد سلیم اختر کے قلم سے ایک طویل ناول قلندر ذات : یہ کہانی ایک ایسے مرد آہن کی ہے جو ذات کا قلندر تھا۔ اس نے ان لوگوں کو اپنی انگلیوں پر نچایا جو اپنے تئیں دنیا تسخیر کرنے کی دھن میں انسانیت کے دشمن بن گئے تھے۔

نا معتبر: زندگی کے معتبر اور نا معتبر راستوں میں الجھی ہوئی زندگیاں بسا اوقات اپنی ہویت سے بھی انکار کردیتی ہیں۔ جو کچھ کھلی آنکھوں سے دکھائی دیتا ہے، وہ بھی جھوٹ اور افسانوی منظر محسوس ہوتا ہے اور جو دکھائی نہیں دیتا، اس پر دل یقین کی تمام تر دولتیں لٹانے پر کمر بستہ ہوتا ہے۔ یہ داستان بھی زندگی سے نبرد آزما شعلہ رو انسانوں کو درپیش آنے والے واقعات کے گرد دیوانہ وار رقص کرتی ہے۔ وہ دو مذاہب کے بیچ لٹکتے ہوئے زندگی گزار رہی تھی اور مایوس ہوئی تو روشنی کی کرن چمک اٹھی۔ اردو ادب کے معتبر قلم کار کے قلم سے ایک نا معتبر مخلص کا احوال۔

بے نام چہرہ: مرزا ناصر بیگ چغتائی آج کل صحافت کے میدان میں این بی سی کے نام سے مشہور ہیں، انتہائی سنجیدہ اور بردبار شخصیت کے مالک مانے جاتے ہیں اور ہیں بھی لیکن ہم انہیں اس وقت سے جانتے ہیں جب وہ کھلنڈرے نوجوان اور یونیورسٹی میں بائیں بازو (ترقی پسند) کے سرگرم کارکن کے طور پر جانے جاتے تھے۔ انہوں نے صحافت کا آغاز روزنامہ مساوات کراچی سے کیا۔ اسی دوران موصوف ماہنامہ نئے افق اور ماہنامہ نیا رخ سے وابستہ ہوئے اور محترم اظہر کلیم کی سرپرستی میں بڑی شاہکار کہانیاں قارئین کو دیں۔ ان کے لکھنے کا سلسلہ 1988ء تک جاری رہا۔ اس دوران وہ روزنامہ امن چھوڑ کر جب جنگ، جیو اور پھر اب تک سے وابستہ ہوئے تو لکھنے لکھانے کا سلسلہ موقوف ہوگیا۔ آج کل آپ بول چینل سے وابستہ ہیں مگر ہم آج تک یہ طے نہیں کرسکے ہیں کہ آپ صحافی اچھے ہیں یا لکھاری۔ اس ماہ انہوں نے بے حد اصرار پر ایک خوب صورت تحریر انگریزی ناول کا ترجمہ عنایت کیا ہے اسے پڑھ کر آپ خود کہہ اٹھیں گے الیکٹرانک میڈیا نے ہم سے کتنا خوب صورت لکھاری چھین لیا ہے۔ اک حسینہ کا فسانہ پر درد، اس نے بچپن میں اپنے والدین کو قتل ہوتے دیکھا تھا۔

اس کے علاوہ اور بھی بہت کچھ

''مہک کیا تم ایک دن کے لیے مجھے اپنی یہ ریڈ والی فراک دو گی؟'' چھ سالہ ارمغان اپنی کلاس فیلو اور پڑوسن سے اس کی فراک مانگ رہا تھا۔

''میری فراک تمہیں کیوں چاہیے؟'' مہک بھی اس کی ہم عمر تھی اور بلا کی ذہین' گھور کر بولی' وہ فراک اس کی پسندیدہ ہے پھر بھی وہ ایسی بات کررہا ہے' مہک کو غصہ آ گیا۔

''تمہیں تو معلوم ہے کہ ہمارے گھر نئی منی آئی ہے' وہ نئی منی اتنے کلرفل ڈریس پہنتی ہے کہ ماما جان کو میں نظر ہی نہیں آتا۔ ان کلرفل ڈریسز کی وجہ سے ماما جان اس سے بہت پیار کرتی ہیں۔ تم مجھے اپنی وہ والی فراک دے دو' میں ایسی ڈریس پہنوں گا تو ماما جان پھر سے مجھ سے پیار کرنے لگیں گی۔'' وہ اپنی سمجھ کے مطابق وجہ تلاش کررہا تھا۔

''مگر تم تو بوائے ہو ناں' بوائز تو ایسی ڈریس کبھی نہیں پہنتے۔'' اسے پھر سے اعتراض ہوا۔

''مجھے بھی پتا ہے کہ بوائز فراک نہیں پہنتے مگر میں تو صرف ماما جان کی وجہ سے فراک پہنوں گا ناں' جب سے مریم آئی ہے ماما جان نے مجھے پیار تک نہیں کیا اور نہ ہی مجھے اپنے پاس سلاتی ہیں۔ دیکھنا تم جب میں یہ فراک پہن کر جاؤں گا ناں تو وہ مجھ سے بہت پیار کریں گی۔'' ارمغان کی آنکھیں جھلملانے لگیں۔ مہک نے اس کے آنسو صاف کیے اور اسے اپنے کمرے میں لائی اور فراک اسے پکڑا دی۔

''تم یہ فراک پہنو میں اپنی ریڈ والی لپ اسٹک اور پونیاں بھی لے کر آتی ہوں۔ میں جب بھی یہ پہنتی ہوں ناں ممی' مجھے لپ اسٹک بھی لگاتی ہیں اور پونیاں بھی باندھتی ہیں۔'' وہ بول کر دراز کھنگالنے لگی۔ اس نے فراک پہنی' مہک نے اپنی سمجھ کے مطابق اسے لپ اسٹک لگائی اور پونیاں بھی باندھ دیں۔ بڑی بڑی آنکھوں اور سرخ سرخ گال' فراک پہنے وہ لڑکی لگ رہا تھا۔

''اب چلو تمہاری ماما جان کے پاس چلتے ہیں مگر چپکے سے ممی اپنے روم میں ہیں انہوں نے دیکھ لیا تو بہت ڈانٹ پڑے گی۔'' وہ آہستہ سے بولی' دوپہر کا وقت تھا۔ لاؤنج بھی خالی تھا' وہ آرام سے نکل آئے۔ گھر پہنچے تو وہاں بھی سکون تھا۔ سارے بچے مسجد گئے ہوئے تھے۔ دادی بھی اپنے کمرے میں تھیں۔ مہک نے اس کی بیسٹ فرینڈ ہونے کا پورا پورا حق ادا کیا تھا۔ وہ اسے بیسٹ آف لک بول کر بھاگ گئی جبکہ وہ ماں کے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔

''ماما جان!'' دروازہ کھول کر اس نے سر اندر گھسا کر کہا اور پھر اندر آ گیا۔ زبیدہ بیگم بیڈ پر دراز تھیں ان کی آنکھیں بند تھیں۔ مریم ان کے برابر لیٹی سو رہی تھی۔ ارمغان نے پھر سے انہیں پکارا تو انہوں نے آنکھیں کھولیں۔ اس پر نظر پڑتے ہی وہ جھٹکے سے اٹھ کھڑی ہوئیں۔ ارمغان نے مسکرا کر ان کی طرف دیکھا۔ وہ رات بھر کی جاگی ہوئی تھیں۔ مریم بیمار تھی' پریشانی اور نیند کی کمی نے انہیں چڑچڑا بنا دیا تھا اور ان چند دنوں میں ارمغان نے انہیں اتنا بیزار کردیا تھا کہ وہ اس سے حد درجہ عاجز آ چکی تھیں۔ اس کا یہ حلیہ دیکھ کر وہ غصے سے پاگل ہوگئی تھیں۔ انہیں یہ بھی یاد نہ رہا کہ ان کے چلانے سے مریم جو بڑی مشکل سے سوئی ہے جاگ جائے گی' ارمغان کو انہوں نے مار مار کر ادھ موا کردیا تھا۔ ارمغان کا رونا اور مریم کا سوتے سے جاگ کر چلانا سن کر دادی بھاگتی ہوئی آئیں کچھ لمحے تو وہ بھی ارمغان کی حالت دیکھ کر حیران رہ گئی تھیں پھر ارمغان کو ان سے چھڑا کر زبیدہ بیگم کو ٹھیک ٹھاک سنا کر اسے اپنے کمرے میں لے آئیں۔ وہ اس سے پوچھنا چاہتی تھیں کہ اس نے یہ سب کیوں کیا؟ مگر وہ بلک بلک کر رو رہا تھا اسے روتا دیکھ کر ان کی آنکھوں میں بھی آنسو آگئے۔ اس کا چہرہ بالکل سرخ ہوگیا تھا۔ اس کے چہرے پر انگلیوں کے نشان چھپ گئے تھے۔ انہوں نے ارمغان کو خود سے بھینچ لیا۔

شکیل صاحب کی واپسی پر وہ انہیں زبیدہ بیگم کے

غیر متوازن رویے کی بابت بتانا چاہتی تھیں تاکہ وہ انہیں سمجھائیں مگران کو تھکا ہوا دیکھ کر وہ خاموش ہو گئیں۔ مریم کی خرابی طبیعت کی وجہ سے ان کی نیند بھی پوری نہیں ہوئی تھی۔ان کی حالت دیکھ کر وہ چپ ہی رہیں۔

......☆......

اس پٹائی کے بعد سے تو ارمغان مریم کا پکا دشمن بن گیا تھا۔ اگر مریم کمرے میں اکیلی ہوتی تو وہ چپکے سے جا کر اسے کاٹتا' مارتا' زبیدہ بیگم پھر اس کی پٹائی کر دیتیں۔ انہوں نے اسے مریم کا رشتہ سمجھانے کی کوشش ہی نہیں کی۔ اگر وہ اسے سمجھاتیں کہ وہ اس کی چھوٹی بہن ہے' اسے اس سے پیار کرنا چاہیے اپنی محبت کا احساس دلاتیں کہ وہ آج بھی اسی کی ماما جان ہیں مگر ساتھ ہی مریم کی ماما جان بھی ہیں تو یقیناً ارمغان کے دل میں اتنی نفرت پیدا نہ ہوتی۔ ایک رات یونہی ان سے پٹنے کے بعد وہ دادی کی گود میں گھسا روئے جا رہا تھا۔ اس گھر کا وہ واحد بچہ تھا جو زبیدہ بیگم سے اتنے تسلسل سے پٹ رہا تھا۔ وہ اسے مسلسل چپ کروانے کی کوشش میں تھیں مگر وہ روئے جا رہا تھا۔

''دیکھو اب اگر تم خاموش نہ ہوئے تو میں تمہیں کالی چڑیل کے پاس بھیج دوں گی۔'' انہوں نے اسے ڈرایا۔

''کالی چڑیل' وہ کیسی ہوتی ہے؟'' وہ رونا بھول کر حیرت سے سوال پوچھنے لگا۔ وہ مسکرائیں۔

''کالی چڑیل بالکل کالی ہوتی ہے' اس کی سرخ سرخ بڑی بڑی آنکھیں ہوتی ہیں۔ لمبے لمبے دانت اور لمبے لمبے ناخن ہوتے ہیں۔'' وہ اسے حلیہ بتانے لگیں۔

''کالی چڑیل کیا کرتی ہے؟'' وہ ڈرنے کی بجائے سوالات پوچھنے لگا۔

''جو بچے ممی کو تنگ کرتے ہیں ناں اور بہت روتے ہیں وہ انہیں اٹھا کر لے جاتی ہے اور ان کا گلا دبا دیتی ہے۔'' دادی کی بجائے عدنان نے جواب دیا جو ان کے پاس ہی جڑ کر بیٹھا تھا۔ وہ سہم سا گیا مگر لمحے بھر کے لیے۔

''گلا کیسے دباتے ہیں؟'' ارمغان نے پھر سے سوال کیا عدنان چڑ گیا۔

''ایسے.....'' اس نے اپنے دونوں ہاتھ اس کی گردن پر رکھے اور ہلکا سا دبا ڈالا۔

''گلا دبانے سے کیا ہوتا ہے؟'' عدنان بال نوچنے لگا۔ دادی ہنس پڑیں۔

''گلا دبانے سے بندہ مر جاتا ہے۔ پھر اسے مٹی میں دفنا دیتے ہیں۔'' عدنان نے جواب دیا' ارمغان کی توجہ رونے سے ہٹ گئی تھی۔

''دفنانے سے کیا ہوتا ہے؟'' دادی نے اسے خود سے لپٹا لیا۔ اس کے سوال سنگین ہوتے جا رہے تھے۔

''جسے ایک بار دفنایا جائے تو وہ پھر کبھی واپس نہیں آتا۔'' دادی کے گھورنے کے باوجود عدنان بول پڑا۔

انہیں نہیں معلوم تھا کہ اسے بہلانے کے لیے دیئے جانے والے جوابات اس کے دماغ پر کس طرح اثر کریں گے۔

......☆......

چند دنوں میں وہ ہو گیا جس کے ہونے کا کسی کو گمان تک نہ تھا۔ مریم کو سلا کر زبیدہ بیگم کچن میں آ گئیں تاکہ کھانا پکا سکیں۔ بچوں کے آنے سے پہلے کھانا تیار ہو گیا تھا' ارمغان کی چھٹی پہلے ہو جایا کرتی تھی' اسکول گھر سے قریب ہی تھا۔ اسے دادی لے کر آیا کرتی تھیں۔ دادی ہی اسے اسکول چھوڑنے جایا کرتی تھیں۔ اسکول سے آ کر اس نے کپڑے تبدیل کیے اور زبیدہ بیگم کے کمرے میں آ گیا۔ مریم سوئی ہوئی تھی۔ اٹیچ باتھ سے پانی گرنے کی آواز آ رہی تھی۔ وہ نہایت خاموشی سے بیڈ پر چڑھ گیا۔

''تم کتنی گندی ہو۔ کالی چڑیل سے بھی زیادہ گندی۔'' ارمغان نے نفرت سے اس کے گال پر چٹکی کاٹی۔ مریم گھبرا کر جاگ گئی۔

''تم نے میری ماما جان کو مجھ سے چھین لیا۔ آئی ہیٹ یو۔'' اس کی آنکھیں ڈبڈبائیں۔ پھر اس کے بال نوچ وہ رونے لگی۔

''شٹ اپ' چپ کر جاؤ۔ ورنہ میں تمہارا گلا دبا

دوں گا۔'' یہ جملہ ادا کرتے جیسے اس کے ذہن میں جھما کا ہوا تھا۔

گلا دبانے سے بندہ مرجاتا ہے...... اسے مٹی میں دفنا دیا جاتا ہے...... پھر وہاں سے کوئی واپس نہیں آتا...... اس کے چاروں طرف عدنان کی آواز گونج رہی تھی۔

گلا کیسے دباتے ہیں......؟

''ایسے......'' اسے اپنے گلے پر عدنان کے ہاتھوں کا دباؤ محسوس ہوا۔ اس کے ننھے ہاتھ روتی مریم کے قریب بڑھنے لگے پھر کوئی واپس نہیں آتا...... بندہ مرجاتا ہے...... مٹی میں دفنا دیا جاتا ہے...... اس نے اپنے چھوٹے سے جسم کی ساری طاقت اپنے ہاتھوں کو دے دی تھی۔ مریم کی آنکھیں باہر کو ابل آئی تھیں۔ واش روم کا دروازہ کھلا تھا۔ ارمغان نے گھبرا کر اس سمت دیکھا۔ اس کے ہاتھ اب بھی مریم کی گردن پر تھے۔

تبھی دادی ارمغان کو دیکھنے کمرے میں آئی تھیں وہ کافی دیر سے انہیں دکھائی نہیں دیا تھا۔ اسے دیکھ کر تو وہ بھی منجمد ہوگئیں۔ مریم کا ساکت وجود ارمغان کا پسینے سے تر چہرہ' اور واش روم کے دروازے پر کھڑی ساکت زبیدہ...... انہیں لگا ان کا دل بند ہو جائے گا۔

......☆......

وہ دلہن بنی پور پور سجی پھولوں سے بھرے بیڈ کے عین وسط میں براجمان تھی۔ اس کی سب سے بڑی خواہش پوری ہوگئی تھی۔ بروکن فیملی کے ممبر کو آج ایک پورا خاندان مل گیا تھا۔ محبتوں کو ترسی ہوئی وہ لڑکی خوشی سے چھلکتے آنسوؤں کو بار بار صاف کر رہی تھی۔ اتنی خوش تھی وہ کہ اس نے زبیدہ بیگم کے رویے کو محسوس کیا ہی نہیں تھا۔

دروازہ کھلنے کی آواز پر وہ بالکل سیدھی ہو بیٹھی۔ وہ کبھی بھی شرمیلی نہیں رہی تھی' مگر آج اسے شرم آرہی تھی۔ ارمغان مناسب قدم اٹھاتا اس کے قریب آکر بیٹھ گیا۔ آف وائٹ شیروانی جس پر سرخ کام کیا گیا تھا۔ پہنے ہوئے بہت اچھا لگ رہا تھا۔ اس کا بڑا دل چاہ رہا تھا کہ وہ نظر اٹھا کر اسے دیکھے کہ وہ دلہا بنا کیسا لگ رہا ہے؟ مگر اس کی ہمت نہ ہوئی۔ اب بھی وہ شرمائی لجائی گہرے سرخ رنگ کے لہنگے میں نگاہیں جھکائے بیٹھی تھی۔ ارمغان نے اس کے مہندی سے سجے ہاتھوں کو تھام لیا۔

''آئی لو یو عمارہ......'' گو کہ وہ پہلے بھی اس سے اظہار کر چکا تھا مگر اسے یوں لگا جیسے اس کے کان پہلی بار یہ الفاظ سن رہے ہوں۔ وہ اندر تک سرشار ہوگئی اور مسکرائی۔

''آج تو تم میرے تصور سے بھی کہیں زیادہ حسین لگ رہی ہو۔'' وہ لو دیتی نگاہوں سے اسے دیکھتے ہوئے بولا۔ اس کا سر مزید جھک گیا۔ ارمغان کو وہ شرماتی اتنی پیاری لگ رہی تھی کہ اس کا جی چاہا وہ اسے دیکھتا رہے۔ یہاں اسے منع کون کر رہا تھا۔ وہ بھی جی بھر کر اسے دیکھنے لگا۔ عمارہ نے اسے خاموش دیکھ کر سر اٹھایا اور پھر جھکا دیا۔ وہ ہنس پڑا۔

''عمارہ' تم میری بیوی بن چکی ہو۔ میری بہترین دوست' محبوبہ اور بیوی بھی' اسی لیے آج میں تم سے کچھ شیئر کرنا چاہتا ہوں۔'' وہ تمہید باندھ رہا تھا۔ عمارہ نے سر اٹھا کر اسے دیکھا' چہرے پر گہری سنجیدگی طاری کیے وہ اسے ہی دیکھ رہا تھا۔

''میں نے چھ سال کی عمر میں اپنی چھوٹی تین ماہ کی بہن کا گلا دبا کر اسے مار ڈالا تھا۔'' ارمغان نے بڑی مشکل اور تکلیف سے سچائی کا اعتراف کیا۔ عمارہ کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ وہ اسے بتا تا رہا وہ شاک میں تھی۔

''میرے غصے اور نفرت نے مجھ سے سب کچھ چھین لیا' مریم کی ڈیتھ کے بعد ماما جان نیم پاگل سی ہوگئی تھیں۔ انہیں مریم سے عشق تھا اور میں نے ان سے ان کی مریم کو چھین لیا۔ یہ بات گھر کے لوگوں کے علاوہ اور کسی کو بھی معلوم نہیں کہ مریم کی موت میری وجہ سے ہوئی۔ مریم ان دنوں بیمار تھی' سب کو کہا کہ ہیضے کے باعث اس کا انتقال ہوگیا۔ ارمغان کی آنکھیں سرخ ہوگئی تھیں۔

''میں نے جو بھی کیا صرف ماما جان کو واپس پانے

کے لیے کیا' مگر وہ مجھ سے بہت دور ہوگئیں۔ اتنا کہ اگر میں یہ فاصلہ کاٹنا بھی چاہوں تو بھی نہیں کاٹ سکتا۔ وہ مجھ سے شدید نفرت کرتی ہیں' کلام تک کرنا پسند نہیں کرتیں۔ مجھ سے منسلک ہر شے سے انہیں نفرت ہے۔'' وہ گہرے دکھ بھرے لہجے میں بول رہا تھا۔ وہ اتنی حیران اور ساتھ ہی پریشان ہوگئی تھی کہ کچھ بول ہی نہ پارہی تھی۔

''وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ان کی نفرت میں صرف اضافہ ہی ہوا ہے۔ وہ مجھے اس گھر میں دیکھنا تک نہیں چاہتیں' اگر میں مرگیا تو مجھے یقین ہے وہ آخری بار میرا چہرہ دیکھنے کی خواہش بھی نہیں کریں گی۔'' ارمغان کے سفاکی سے کہنے پر وہ کانپ گئی۔

''تم کیسی باتیں کررہے ہو ارمغان؟'' وہ دہل کر بولی۔

''جو بھی کہہ رہا ہوں حقیقت پر مبنی ہے۔ میں جانتا ہوں کہ تم یہاں اس گھر میں سب کے درمیان رہنا چاہتی ہو۔ مگر ہم یہاں اس گھر میں نہیں رہ سکتے۔ میں تو خیر بچپن سے ان کی نفرت سہتا آرہا ہوں مگر تم یہ سب برداشت نہیں کرپاؤ گی اسی لیے میں نے فیصلہ کیا ہے کہ ہم جلد از جلد واپس چلے جائیں' تم میرے ساتھ چلوگی ناں؟'' وہ امید لیے پوچھ رہا تھا۔ عمارہ نے اثبات میں سر ہلایا۔

''تھینک یو سوچ۔'' وہ خوشی سے بولا۔ اسے معلوم تھا کہ وہ اس کی باتیں سن کر دکھی ہوگئی ہے' اس کے باوجود اس نے یہاں سے جانے کے لیے دل سے ہامی نہیں بھری محض ارمغان کی خاطر اس نے اقرار کیا تھا۔ عمارہ کی فرماں برداری نے اسے سرشار کردیا تھا۔

......☆......

دن تیزی سے گزر رہے تھے۔ ولیمے کے بعد علیزے نے انہیں ہنی مون کے لیے ٹکٹس گفٹ کیے تھے۔ دو دن میں ساری تیاری کرکے وہ جانے کے لیے تیار تھے۔ جاتے وقت سارے گھر والے ان سے مل رہے تھے۔ صرف زبیدہ بیگم ہی نہیں تھیں' عمارہ نے شکیل صاحب سے ان کا پوچھا تو وہ ٹال گئے۔ ان کے جانے کے بعد وہ غصے سے بھرے کمرے میں آئے۔

''عمارہ تم سے مل کر جانا چاہتی تھی مجھے جھوٹ بولنا پڑا کہ تم خراب طبیعت کی وجہ سے دوا کھا کر سو رہی ہو۔'' وہ افسوس بھرے لہجے میں بولے۔

''تو میرے نہ ملنے سے ان کا ٹرپ کینسل تو نہیں ہوگیا۔ دوسری بات آپ اتنا بھڑک کیوں رہے ہیں؟'' وہ لیٹی ہوئی تھیں ان کی طرف رخ موڑ کر تیوری چڑھا کر بولیں۔

''میں نے اپنی پوری زندگی میں تم جیسی پتھر دل عورت نہیں دیکھی نجانے کس مٹی کی بنی ہوئی ہو۔'' انہیں شدید ترین غصہ آرہا تھا۔

''آپ ہر روز ایک ہی بات دہرا دہرا کر میرا موڈ کیوں خراب کرتے ہیں؟'' وہ جھنجلا کر اٹھ بیٹھیں۔

''تم ارمغان کی غلطی کیوں نہیں بھول جاتیں؟'' وہ بھی دوبدو بولے۔

''نہیں بھول سکتی۔'' وہ پتھر ہوگئیں۔

''مت بھولو زبیدہ بیگم کہ اگر ارمغان نے ایسی حرکت کی تو اس کی پوری ذمہ داری صرف تم پر آتی ہے تم ہو جس کی غلطیوں نے ارمغان کو اس حد تک جانے پر مجبور کیا۔'' وہ ان کی طرف انگلی سے اشارہ کرکے بولے۔

''آپ کیسی......'' ان کی بات ادھوری رہ گئی۔

''ارمغان کو عرش سے فرش پر تم نے پٹخا۔ مریم کو پاکر تمہیں لگا کہ بس ایک وہی تمہاری اولاد ہے' باقی جائیں بھاڑ میں۔'' وہ صرف تمہاری توجہ کھینچنے کو الٹی سیدھی حرکتیں کرتا اور تم' تم اس پر ہاتھ اٹھاتیں' وہ تم سے پیار لینے کی خاطر مہک کا ریڈ فراک پہن کر تمہارے پاس آیا تھا۔ پر تم نے کیا کیا؟ مار مار کر اس کا حلیہ بگاڑ دیا۔ ارمغان کے دل میں مریم کے لیے جو بھی نفرت پیدا ہوئی وہ تمہارے اس غیر متوازن اور شدت پسند رویے کی وجہ سے ہوئی۔ نہ تم ارمغان کو نظر انداز کرتیں' نہ وہ مریم کو اپنے راستے سے ہٹانے کے لیے اس کا گلا دباتا۔ مریم تمہارے غلط رویوں کی بھینٹ چڑھی۔ ساری غلطی تمہاری ہے' قاتل

ارمغان نہیں قاتل تم ہو۔ بولو اب کیا کروگی؟ خود کو معاف کرسکوگی؟'' وہ ان کی بات کاٹ کر شدید غصے میں بولتے چلے گئے۔ وہ دھواں دھواں چہرہ لیے انہیں دیکھتی رہ گئیں۔الفاظ کہیں کھو گئے تھے۔

☆......☆......☆

دونوں بالکل خاموشی سے بیٹھے اپنی اپنی سوچوں میں گم تھے۔ لیکن دونوں کی سوچیں زبیدہ بیگم کے گرد گھوم رہی تھیں۔ عمارہ کو وہ ماضی پرست عورت لگی تھیں' جن کی سوچ اس لمحے میں قید ہو کر رہ گئی تھی' جب انہوں نے ارمغان کو مریم کا گلا دباتے دیکھا تھا۔ انہوں نے پہلے تو انجانے میں اور پھر جان بوجھ کر ارمغان کے لیے اپنے دل میں موجود مامتا کا گلا دبا ڈالا تھا۔ وہ کیوں اس سے محبت جتائیں جس نے ان کی اس اولاد کو مار ڈالا جو لاکھوں دعاؤں اور ہزاروں منتوں کے بعد پیدا ہوئی تھی۔ اس سارے معاملے میں وہ یہ یکسر فراموش کر بیٹھی تھیں کہ ارمغان اس وقت محض چھ برس کا تھا جو کچھ بھی ہوا وہ ایک معصوم اور ناسمجھ بچے کے ہاتھوں ہوا۔ اس نے سوچوں کے گرداب سے نکل کر اپنے برابر بیٹھے گم صم سے ارمغان کی طرف دیکھا' چہرے پر گہری سنجیدگی طاری کیے وہ کیا سوچ رہا ہے عمارہ جانتی تھی۔ اس نے ارمغان کے کندھے پر ہاتھ رکھا تو وہ چونک اٹھا۔ وہ اس کی سمت دیکھ کر مسکرائی' جواباً وہ بھی مسکرایا' اس کی جوابی کارروائی پر اسے ہنسی آ گئی۔

''ہنس کیوں رہی ہو؟'' وہ مسکراتے ہوئے پوچھنے لگا۔

''آج کل مجھے ہنسنے کے لیے کوئی خاص وجہ درکار نہیں ہوتی۔ زندگی نے اتنی ساری خوشیاں میری جھولی میں ڈال دی ہیں کہ دل ہر وقت خوشی سے بھرا رہتا ہے۔'' وہ اس کے توانا بازو پر سر ٹکا کر بولی اور آنکھیں موند لیں۔ ڈرائیور گاڑی چلا رہا تھا اور وہ دونوں پچھلی سیٹوں پر بیٹھے تھے' وہ پہلی بار یوں کسی اور کے سامنے اس کے قریب ہوئی تھی۔ ارمغان کو اس کی اس حرکت کی وجہ بھی سمجھ میں آ گئی۔ وہ اسے خود میں مصروف رکھ کر تکلیف دہ سوچوں سے نجات دلانے کی کوشش کر رہی تھی۔ وہ مسکرایا اور پھر اس سے باتیں کرنے لگا۔ سارا سفر وہ دونوں ہنستے' بولتے رہے۔

☆......☆......☆

ان پندرہ دنوں میں وہ شمالی علاقہ جات کی ہر خوب صورت جگہ دیکھ کر ڈھیر ساری قیمتی یادیں سمیٹ کر واپس آئے' عمارہ اور ارمغان دونوں نے گھر بھر کے لیے تحفے خریدے تھے اور اب وہ سب ساتھ بیٹھے باتیں کر رہے تھے۔ سفر کی تھکن گھر کے لوگوں سے مل کر ہی اتر گئی تھی۔

''تم تو بہت پیاری ہوگئی ہو اور صحت مند بھی۔'' عمران کی بیگم زونیرا نے اس کے بھرے بھرے چہرے کو دیکھ کہا تو وہ مسکرائی۔

''عمارہ واقعی بہت پیاری ہوگئی ہے۔'' بڑی بھابی نے بھی اس کی تعریف کی۔

''کوئی میری تعریف بھی کردو۔'' ارمغان نے دہائی دی سب ہنسنے لگے۔

کھانا کھانے کے بعد وہ سب لاؤنج میں بیٹھے تھے۔ ارمغان نے جو تحفے خریدے تھے وہ لے آیا جبکہ عمارہ اٹیچی کھول کر بیٹھ گئی۔ اٹیچی میں بھی کچھ گفٹس تھے۔ تحفے سب کو بہت پسند آئے تھے۔

''عمارہ...... یہ کس کے لیے خریدا ہے تم نے؟'' ارحمہ جو منیب کی بیگم تھی اس نے اٹیچی میں رکھے پنک اور ریڈ کلر کی بچوں کی فراک اٹھا کر تعجب سے دیکھا۔

''اس گھر میں تو کوئی لڑکی ہے ہی نہیں بس لڑکے ہی لڑکے ہیں پھر؟'' وہ فراک الٹ پلٹ کر دیکھتے ہوئے بولی تو سب ہی اس طرف متوجہ ہوگئے۔

''یہ فراک تو میں نے اپنی فرینڈ کی بیٹی کے لیے خریدی ہے۔'' اس نے جلدی سے مسکرا کر کہا۔

''منیب...... یہ ماما جان کے لیے ہم دونوں نے خریدا تھا' تم انہیں دے آؤ۔'' وہ گفٹ پیک ہاتھ میں تھامے اس سے بولا سب کی توجہ عمارہ پر سے ہٹ کر ارمغان کے

سخت سے لہجے پر ہوئی۔ سب یک دم ہی خاموش ہوگئے۔ منیب نے خاموشی سے تحفہ تھام لیا۔
تھکن جب بڑھنے لگی تو وہ اٹھ کر کمرے میں آ گئے۔ کپڑے بدل کر وہ بیڈ پر لیٹی تو اس نے ارمغان کو دیکھا۔ وہ گہری سوچ میں گم لگ رہا تھا۔ وہ بستر پر لیٹ گئی۔
''کیا سوچ رہے ہو؟'' وہ اس کی طرف کروٹ لے کر بولی تو وہ چونک اٹھا۔
''کچھ خاص نہیں۔'' اس نے ٹالتے ہوئے کہا۔
''گھر آ کر کتنا اچھا محسوس ہو رہا ہے ناں' کس قدر سکون مل رہا ہے۔'' وہ آنکھیں موند کر بولی۔ ارمغان نے کچھ نہ کہا۔
''عمارہ' تم نے وہ فراک کیوں خریدی تھی؟'' کچھ دیر بعد وہ بولا۔
''جب ہم بچوں کے لیے گفٹس خرید رہے تھے تو میری نظر اس فراک پر پڑی۔ مجھے وہ اتنی پیاری لگی کہ میں نے بنا کچھ سوچے سمجھے خرید لی۔ بھابی کے پوچھنے پر سمجھ نہ آیا کہ میں کیا جواز پیش کروں اس لیے جھوٹ بول دیا۔'' وہ گہری سانس بھر کر بولی۔
''مزے کی بات بتاؤں جو فراک میں نے مہک سے لے کر پہنی تھی اس کا اور اس فراک کا ڈیزائن کافی مشابہہ ہے۔'' وہ مسکرا کر بولا۔
''آپ کو ابھی تک اس کا ڈیزائن یاد ہے؟ اس کا مطلب آپ کافی ذہین ہیں۔'' وہ شرارت سے بولی۔
''تو اب تک تم مجھے کوئی اونگا بونگا سا بندہ سمجھ رہی تھیں؟'' وہ اسے گھور کر بولا تو وہ کھلکھلا اٹھی۔

☆......☆......☆

ایسا پہلی بار ہوا تھا کہ ارمغان واپس لوٹنے کے بعد ان سے ملنے ان کے کمرے میں نہیں آیا تھا۔ منیب نے اس کا دیا تحفہ ان کو تھمایا اور چلا گیا۔ وہ غیر ارادی طور پر اس کی آمد کی منتظر تھیں اور جب انہیں یہ بات محسوس ہوئی تو وہ گڑبڑا کر رہ گئیں۔
اپنی شادی کے وقت ارمغان نے ان کا جو رویہ دیکھا تھا اور ڈھولکی کے وقت ان کے لبوں سے نکلنے والے الفاظ جو اس نے غلطی سے سن لیے تھے۔ وہ انہیں پھر سے منانے اور اپنی خوشی میں شامل کرنے کی خواہش لے کر آیا تھا مگر ان کی غصے سے بھری نفرت میں ڈوبی آواز نے اس کے اندر زہر بھر دیا تھا۔ ایسے الفاظ اس نے پہلی بار سنے تھے اور ان کے زہر نے اس کے وجود کو نیلوں نیل کر دیا تھا۔ جاتے قدموں کی آواز تو زبیدہ بیگم نے بھی سنی تھی اور پہلی بار ان کا دل دھک سے رہ گیا تھا۔
اس روز کے بعد انہوں نے ارمغان کے رویے میں واضح فرق محسوس کیا تھا اور نجانے کیوں تب سے وہ بے چینی محسوس کر رہی تھیں۔ ارمغان نے ان کی طرف لپکنا' ان سے بات کرنے کے بہانے ڈھونڈنا بھی چھوڑ دیا تھا۔ ہنی مون گزار کر واپس آنے کے ایک ہفتے بعد زبیدہ بیگم پاؤں مڑنے کے باعث سیڑھیوں سے گر گئیں تھیں۔ انہیں فوراً ہسپتال لے جایا گیا۔ ان کے ٹخنے کی ہڈی ٹوٹ گئی تھی۔ سب ان سے ملنے آئے' خیریت دریافت کی جب تک وہ ہسپتال میں رہیں ان کے سارے بیٹے ان کی خدمت میں لگے رہے۔ ان کی بہوؤں نے بھی ان کا خوب خیال رکھا۔ عمارہ بھی مسلسل ان کا خیال رکھ رہی تھی۔ واحد ارمغان تھا جس نے ایک بار بھی انہیں اپنی شکل نہیں دکھائی تھی۔
جس روز وہ ڈسچارج ہو کر گھر آئیں اس کے دو روز بعد وہ اور عمارہ واپس چلے گئے۔ ارمغان کی چھٹیاں ختم ہو گئی تھیں اور اب اسے جانا تھا۔ ارمغان ان سے ملنے بھی نہیں آیا تھا۔ وہ منتظر رہیں کیوں؟ وہ خود بھی انجان تھیں۔ وہ اپنے کمرے کی کھڑکی میں کھڑی ان کی گاڑی کو جاتا دیکھتی رہیں۔

☆......☆......☆

عمارہ کو چند ہی دنوں میں بھرے پرے گھر میں رہنے کی اتنی عادت ہو گئی تھی کہ اب یہاں اس ٹھنڈے علاقے کے خوب صورت ماحول میں بھی اس کا دل نہیں لگ رہا تھا۔ دل تو اس کا وہیں شکیل ولا میں ہی رہ گیا تھا۔

بے شمار محبت کرنے والوں اور ننھی معصوم سی شرارتیں کرنے والوں کے بیچ۔

شروع شروع کے دن اس کے لیے بہت مشکل ثابت ہورہے تھے۔ اسے خود پر حیرت ہورہی تھی کہ اتنے سال تنہا رہنے کے باوجود بھی وہ اتنی جلدی سالوں پرانی عادت کیسے بھول گئی؟ سالوں سے وہ اکیلی رہتی آرہی تھی اب جبکہ ارمغان بھی اس کے ہمراہ تھا پھر بھی اسے یہاں رہنا اچھا نہیں لگ رہا تھا۔ بیزاریت اور بوریت سے بھرے دنوں میں اسے خوش خبری ملی کہ وہ ماں بننے والی ہے۔ دونوں بہت خوش تھے۔ ارمغان شکیل صاحب کو یہ خبر سناتے شرمارہا تھا۔ وہ بہت زیادہ خوش تھے اور انہوں نے تو ضد لگالی کہ وہ واپس آجائیں۔ اس کا کوئی ارادہ نہیں تھا مگر عمارہ کی ضد اور اس کی طبیعت کے پیش نظر وہ مان گیا اور ٹرانسفر کے لیے درخواست دے دی۔

پانچ ماہ بعد کہیں درخواست قبول ہوئی اور اس کا ٹرانسفر اپنے شہر ہوگیا' عمارہ بے حد خوش تھی۔ ارمغان بھی اسے خوش دیکھ کر خوش تھا۔

......☆......

گھر آنے کے بعد سے سب ہی اس کا بہت خیال رکھ رہے تھے۔ وہ یہاں بہت زیادہ خوشی محسوس کررہی تھی۔ زبیدہ بیگم کا رویہ ہنوز ویسا ہی تھا۔ وہ ان کی بہو ہے' ماں بننے والی ہے انہوں نے کچھ نہ پوچھا۔ عمارہ کو ان کے رویے نے آبدیدہ کردیا تھا۔ ارمغان کچھ زیادہ ہی خاموش طبع ہوگیا تھا۔ ہمہ وقت خاموش رہتا پہلے پہل تو وہ یہ سمجھی کہ اسے آفس کی کوئی ٹینشن ہے مگر جب اسے پرانے البمز کھول کر اپنی اور اپنی ماما جان کی تصویریں دیکھ کر روتے ہوئے پایا تو اسے سمجھ آگیا وہ کیوں اتنا چپ ہوگیا ہے وہ تیزی سے اس کے پاس آئی تھی۔ وہ تو یہی سمجھی کہ ارمغان نے سمجھوتہ کرلیا ہے یا پھر اس بارے میں سوچنا چھوڑ دیا ہے مگر وہ تو آج بھی وہیں کھڑا تھا۔

''ارمغان......'' وہ بس اتنا ہی بول پائی۔ اسے سمجھ نہیں آرہا تھا کہ اسے کیسے دلاسا دے۔

''مجھے کچھ سمجھ نہیں آتا کہ میں کیا کروں؟ ایسا کون سا اسم پڑھوں کہ ماما جان مجھ سے پیار کرنے لگیں' مجھے اپنا لیں ان کے اندر جو نفرت ہے وہ ختم ہوجائے۔'' وہ روتے ہوئے بول رہا تھا۔ عمارہ بھی رونے لگی۔ وہ ارمغان کو ڈھونڈتے ڈھونڈتے یہاں آئی تھی' اسٹور روم کی لائٹ جلتی دیکھ کر وہ یونہی اندر داخل ہوئی' وہ اندر موجود ہوگا یہ تو اس کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا وہ یہاں بے حد تکلیف میں بھی تھا۔ اسے زبیدہ بیگم پر شدید غصہ آیا اور ارمغان پر بے تحاشا ترس۔

''عمارہ' یاد ہے تمہیں جب تم مجھ سے کہا کرتی تھیں کہ تم خود کو بہت بدقسمت تصور کرتی ہو کہ تمہاری مما تمہیں اس وقت چھوڑ کر چلی گئیں جب تمہیں ان کی سب سے زیادہ ضرورت تھی اور تب...... تب میرے دل میں یہ خیال آتا تھا کہ اگر تمہیں میں اپنی حقیقت بتادوں تو تمہیں میرے لیے بدقسمت لفظ بھی سب سے چھوٹا محسوس ہوگا۔ مجھے تو ہر لمحہ ان کی نفرت سہنی پڑتی ہے۔ ان کا دل میری وجہ سے ٹوٹا' ٹوٹ گیا...... غلطی ہوگئی' کیا کروں میں؟'' وہ اپنے بال نوچتے ہوئے تڑپ کر بولا۔

''ارمغان پلیز تم......'' وہ اسے سمجھانا چاہتی تھی دلاسا دینا چاہتی تھی کہ دروازے پر اس کی نگاہ پڑی' زبیدہ بیگم کھڑی تھیں۔ شاید وہ وہاں کسی کام سے آئی تھیں۔ عمارہ انہیں دیکھ کر چپ ہوگئی اور اٹھ کھڑی ہوئی۔

''آنٹی...... دیکھ رہی ہیں ناں آپ؟ آپ کی نفرت سہہ سہہ کر ان کا کیا حال ہوگیا' ہے خدا کا واسطہ بس کردیں۔'' وہ روتے ہوئے بولی۔ زبیدہ بیگم چپ کھڑی رہیں۔ ان کا چہرہ زرد ہورہا تھا۔ ارمغان اٹھ کھڑا ہوا۔

''رہنے دو عمارہ' پتھروں سے سر ٹکرایا جائے تو صرف چوٹ ہی حاصل ہوتی ہے۔'' وہ تلخ لہجے میں بولا۔ زبیدہ بیگم نے اسے دیکھا اس کی آنکھیں سرخ ہورہی تھیں۔

''میں تمہارا گناہ کبھی نہیں بھول سکتی؟'' ان کے دل کو اس کی حالت دیکھ کر کچھ تو ہوا تھا مگر وہ ضدی لہجے میں بولیں۔

"تو پھر کیا چاہتی ہیں آپ؟ میرا گناہ آپ معاف نہیں کرسکتیں، میری غلطی آپ بھول نہیں سکتیں تو پھر آپ کیا چاہتی ہیں؟" وہ چلا کر بولا پھر یک دم جیسے اس کے ذہن میں جھماکہ ہوا۔

"اوہ..... اب سمجھا میں، آپ مریم کی موت کا بدلہ چاہتی ہیں..... ہے ناں۔" وہ جیسے چونک کر بولا، عمارہ تو عمارہ وہ بھی اس کی بات پر ساکت رہ گئیں۔

"مم....." الفاظ ان کے منہ میں ہی رہ گئے۔

"میں نے آپ کی مریم کا گلا دبا کر اسے مار ڈالا تھا ناں، تو آپ بھی میرا گلا دبا کر مجھے مار ڈالیں۔ حساب برابر ہوجائے گا۔ ٹھیک ہے ناں..... ٹھیک کہہ رہا ہوں ناں میں؟" وہ انہیں ہوش میں نہیں لگ رہا تھا، وہ ان کے قریب آیا۔

"ارمغان، بکواس بند کرواپنی۔" وہ چلا کر بولیں ان کے تو وہم وگمان میں بھی نہ تھا کہ وہ اس نہج پر بھی سوچ سکتا ہے اس نے ان کے دونوں ہاتھ اپنی گردن پر رکھ لیے۔ عمارہ آنکھیں پھاڑے دیکھ رہی تھی۔

"میں نے آپ کی مریم کا گلا دبا کر مار ڈالا تھا ناں تو آپ بھی یہی کریں۔" وہ ان کے ہاتھوں پر سختی سے اپنے ہاتھ جمائے زور ڈال رہا تھا۔ عمارہ گھبرا کر قریب آئی۔

"ارمغان کیا کررہے ہو چھوڑو۔" وہ اپنی پوری طاقت لگانے لگی۔ تبھی عمارہ نے دیکھا اور زبیدہ بیگم نے بھی کہ اس کے ہاتھوں کی گرفت ڈھیلی ہوگئی تھی۔ وہ لڑکھڑایا اور دھڑام سے نیچے گرا تھا۔

"ارمغان....." زبیدہ بیگم تڑپ کر چلائی تھیں۔ ان کی چیخ پورے گھر میں گونجی تھی۔

☆......☆......☆
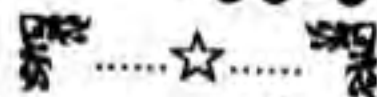
"اتنا ہائی بی پی اور وہ بھی اس عمر میں۔" ڈاکٹر حیرت سے پوچھ رہا تھا۔ ارمغان بستر پر دراز تھا۔ عمارہ قریب بیٹھی مسلسل رو رہی تھی، ارحما سے چپ کروانے کی کوشش کررہی تھی۔ سب اس کے کمرے میں جمع تھے۔ زبیدہ بیگم نگاہیں جھکائے مجرم سی کھڑی تھیں۔ ڈاکٹر کی بات پر

سب ان کی طرف دیکھنے لگے۔

"انہیں خوش رکھنے کی کوشش کریں اور پریشانیوں سے دور رکھیں۔" وہ دوائیں لکھنے کے ساتھ ساتھ ہدایات بھی دے رہے تھے۔ پھر ڈاکٹر کے جانے کے بعد سب آہستہ آہستہ ان کے کمرے سے جانے لگے۔

ارمغان بی پی ہائی ہونے کے باعث بے ہوش ہوگیا تھا۔ ہر وقت سوچنے اور پریشانی نے اس اعصاب اتنے کمزور کردیئے تھے عمارہ کے آنسو اس کے ہاتھوں پر گر رہے تھے۔

اسے وہ لمحہ یاد آیا جب وہ ٹوٹے شہتیر کی طرح زمین بوس ہوا تھا۔ اسے گرتا دیکھ کر وہ سانس لینا بھول گئی تھی۔ ذہن جیسے ماؤف ہوگیا تھا۔ ارمغان کی حالت دیکھ کر اس کی اپنی طبیعت خراب ہورہی تھی۔ مسلسل رونے سے وہ بالکل نڈھال ہوگئی تھی۔ وہ اب بھی رو رہی تھی۔

"عمارہ....." ارمغان نے مدھم لہجے میں اسے پکارا۔ اس نے آواز پر روتے روتے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔

"پلیز خاموش ہوجاؤ' مت رو۔ تمہارے رونے سے مجھے تکلیف ہوتی ہے۔" وہ اٹھ کر بیٹھ اور بے چارگی سے بولا تھا۔ عمارہ اور شدت سے رونے لگی۔ ارمغان نے اسے خود سے لگالیا۔ وہ اس کے سینے سے لگ کر سسکتی رہی۔

"آپ کے سوا میرا اور کوئی نہیں اس دنیا میں۔ اگر آپ کو کچھ ہوگیا تو میں بھی مرجاؤں گی۔" وہ اس کی شرٹ مضبوطی سے تھامے بلک رہی تھی۔ اس نے عمارہ کے گرد اپنی گرفت کچھ اور مضبوط کرلی تھی۔

"کچھ نہیں ہوا مجھے' میں بالکل ٹھیک ہوں۔ بس اب تم رونا بند کرو۔" ارمغان نے اس کے آنسو صاف کیے۔

"ارمغان' ہم یہاں نہیں رہیں گے۔" اس نے سر اٹھا کر اس سے کہا وہ مسکرایا۔

"ٹھیک ہے تم فارغ ہوجاؤ پھر ہم یہاں سے بہت دور چلے جائیں گے۔" وہ اس کے آنسو صاف کرتے ہوئے بولا۔ اس نے آنکھیں موند لیں۔

☆......☆......☆

وہ تنہا اپنے کمرے میں بیٹھی کیوں رو رہی ہیں انہیں سمجھ نہیں آرہا تھا۔ انہیں تو لگتا تھا کہ اگر ارمغان کبھی مر بھی گیا تو وہ نہیں روئیں گی لیکن اس کی ذرا سی طبیعت خراب ہوجانے پر ان کا دل کیوں بند ہوگیا تھا؟ اسے روتا بلکتا دیکھ کر وہ منجمد کیوں ہونے لگی تھیں اگر انہیں ارمغان سے اتنی ہی نفرت ہے تو پھر اس کی یہ حالت دیکھ کر تو انہیں مطمئن ہوجانا چاہیے تھا مگر وہ اتنی بے قرار کیوں ہوگئی تھیں؟ ان کے اندر درد کیوں اٹھ رہا تھا؟ ان کے قلب میں ٹیسیں اٹھتی محسوس کیوں ہورہی ہیں انہیں سمجھ نہ آئی۔ وہ بس روتی رہیں۔

☆......☆......☆

ارمغان کی طبیعت خراب ہونے کے بعد سے عمارہ کو بھی جیسے چپ لگ گئی تھی۔ وہ سارا دن اپنے کمرے میں رہتی جائے نماز پر کھڑی نجانے کون سے نوافل ادا کرتی تھی اس کی دعائیں طویل ہوتی جارہی تھیں' بچا کھچا وقت بہت تیزی سے گزرا تھا۔ صبح سویرے اس کی طبیعت خراب ہوئی تھی۔ ارمغان اسے ہسپتال لے آیا۔ اس کے ساتھ ارحمہ بھابی اور بڑی بھابی آئی تھیں۔ زبیدہ بیگم منتظر کھڑی رہیں مگر کسی نے بھی ان سے کچھ نہ کہا۔ ان کو اس رویے نے بہت تکلیف دی تھی۔ عمارہ کو لیبر روم میں پہنچا دیا گیا۔ وہ تینوں باہر کھڑے تھے۔ شکیل صاحب بھی پہنچ گئے۔ کافی انتظار کے بعد لیڈی ڈاکٹر باہر آئیں۔

"مسز عمارہ ارمغان کے ہسبینڈ کون ہیں؟" وہ شائستہ لہجے میں پوچھ رہی تھی وہ تیزی سے ان کے قریب آیا۔

"میں ہوں عمارہ کا ہسبینڈ۔" وہ جلدی سے بولا۔

"مبارک ہو اللہ نے آپ کو بیٹی کی رحمت سے نوازا ہے۔" وہ مسکرا کر بولیں وہ تو شاک رہ گیا۔ کچھ مہینے پہلے جب الٹرا ساؤنڈ کروایا تھا تو پتا چلا کہ بیٹا ہے۔ یقیناً ڈاکٹر نے اس وقت غلط بیانی کی تھی۔ ان کی بات سن کر تو اس پر ایسی کیفیت طاری ہوئی کہ وہ کچھ بول ہی نہ پایا۔

ارمغان تو ارمغان سب ہی شدید حیران تھے۔ پھر شکیل صاحب نے نرس کے ہاتھوں سے بچی کو لیا۔ ان کے دل کی عجیب کیفیت تھی، کچھ ایسی ہی کیفیت ان کے دل میں اس وقت بھی امڈی تھی جب انہوں نے مریم کو تھاما تھا اور آج بھی وہ بالکل وہی احساس محسوس کررہے تھے۔ خدا کی قدرت کہ بچی کی شکل وصورت بالکل مریم جیسی تھی۔ ان کی آنکھیں ڈبڈبا سی گئیں۔

بڑی بھابی نے سب کو فون کرکے خوش خبری سنائی۔ وہ سب عمارہ کے پاس آ گئے۔ اس کا چہرہ زرد ہورہا تھا۔ چہرے پر عجیب سی چمک تھی۔ دن رات کی مانگی دعائیں پوری ہوگئی تھیں۔ عمارہ بالکل ٹھیک تھی اور بچی بھی لہٰذا انہیں شام تک ڈسچارج کردیا گیا۔ ارحمہ نے فون کرکے کسی کو بھی اسپتال آنے سے منع کردیا تھا کہ وہ لوگ گھر آرہے تھے۔ اس گھر کی پہلی بیٹی آرہی تھی شاندار استقبال ہورہا تھا۔ ڈھیر سارے پھول ان پر نچھاور کیے گئے۔ کیا چھوٹے کیا بڑے سب ہی اس گھر کی پہلی بچی کو گود میں بھرنے کے لیے بے تاب تھے۔ ان سب کی بے شمار محبتیں اور جوش وخروش دیکھ کر اس کی آنکھیں جھلملا گئیں۔ ایسے ہی گھر کی تو چاہ تھی اسے۔

''ارمغان...... میں ماما جان کے کمرے میں جانا چاہتی ہوں۔'' اس نے ارمغان کو دھیرے سے کہا۔

''مگر کیوں؟'' وہ حیران سا بولا۔

''میں وہیں جاکر بتاؤں گی مجھے لے جاؤ۔'' وہ نقاہت زدہ آواز میں بولی۔ وہ اسے سہارا دیتا ان کے کمرے میں لے آیا۔ ان دونوں کو دیکھ کر وہ شدید حیران ہوئی تھیں۔ تیزی سے عمارہ کے قریب آئیں اور اسے بیڈ پر بٹھایا۔

''میں آپ سے کچھ کہنے آئی ہوں۔'' اس نے شرمندہ شرمندہ سی زبیدہ بیگم کو دیکھ کر کہا۔

''ارمغان کے غصے اور نفرت نے مریم کو آپ سے دور کردیا' اگر ہم آپ کی مریم آپ کو پھر سے لوٹا دیں تو کیا آپ ارمغان کو اپنا لیں گی؟'' وہ نہ چاہتے ہوئے بھی بولتے ہوئے رو پڑی۔ تب ہی شکیل صاحب اندر آئے ان کی گود میں مریم تھی۔ وہ لپک کر ننھی پری کو ان کی گود سے لے کر چومنے لگیں۔ وہ اسے دیوانہ وار چومے جارہی تھیں اور مسلسل رو رہی تھیں۔ ارمغان کمرے سے باہر نکلنے لگا۔

''ارمغان......!'' وہ اسے کمرے سے باہر نکلتا دیکھ کر جلدی سے پکار بیٹھیں۔ وہ ٹھہرا۔ اس ایک پکار کو سننے کی خاطر وہ بہت سال ترسا تھا۔ زبیدہ بیگم اس کے قریب آئیں اور اس کا چہرہ ہاتھوں میں تھام کر بوسہ دیا۔ ارمغان نے آنکھیں بند کرلیں۔ آنسو لکیر کی صورت اس کے چہرے پر پھیل رہے تھے۔ وہ اسے چومتی رہیں۔ اس لمس کے لیے وہ کتنا بے قرار تھا اور پھر انہوں نے اسے اپنے سینے سے لگالیا۔ وہ بلند آواز سے رو رہی تھیں۔ دونوں بس روئے جارہے تھے۔ دونوں کو لفظوں کی ضرورت ہی نہیں رہی تھی۔ خون کے رشتے ہوتے ہی ایسے ہیں۔ عمارہ بھیگی آنکھوں سے یہ جذباتی منظر دیکھ رہی تھی۔

''ماما جان! ہم اس کا نام مریم رکھیں گے۔'' عمارہ نے مسکرا کر کہا تو انہوں نے اثبات میں سر ہلایا۔

ساری نفرتیں ختم ہوگئی تھیں اس ننھی سی جان کی وجہ سے' عمارہ نے دل ہی دل میں لاکھ شکر ادا کیا۔ ارمغان نے اسے ایک خاندان دیا اور اس کی دعاؤں نے ارمغان کو اس کی ماما جان......!!!

روحانی مسائل کا حل

حافظ شبیر احمد

سائرہ...... گوجرانوالہ

جواب: بی بی اگر کوئی علاج کرے گا تو پیسے بھی لے گا نا، ڈاکٹروں کو کیوں پیسے دیتی ہیں۔

آپ آیتہ الکرسی پڑھیں اگر پانی پینا ہو تو ایک گھونٹ اگر کھانا کھانا ہو تو صرف ایک لقمہ کچھ دیر بعد (2 منٹ) دوسرا لقمہ ہر بار آیتہ الکرسی پڑھ کر کوشش جاری رکھیں، افاقہ ان شاء اللہ ہوگا۔

لائبہ رئیس...... سرگودھا

جواب: بیٹی کے لیے یاسین شریف روزانہ ایک بار پڑھ کر پانی پہ پھونک کے پلائیں۔

روزانہ 41 بار آیتہ الکرسی پڑھیں دکان میں۔

باہر جانے کے لیے 111 بار روزانہ سورۃ القریش پڑھ کر کامیابی کی دعا مانگیں۔

زوبیہ سلیم...... فیصل آباد

جواب: بی بی آپ صم بکم عمی فھم لا یرجعون کا ورد کریں ہر وقت۔

سعدیہ خورشید...... اسلام آباد

جواب: درد والی جگہ پر ہاتھ رکھ کر آنکھیں بند کر کے اللہ اللہ کریں، بہت ہی دھیان لگا کر، ان شاء اللہ درد دفع ہوگا (جب بھی درد ہو)

نوکری میں کامیابی کیلئے سورۃ القریش پڑھیں ہر نماز کے بعد 11 بار۔

شادی کے لیے فجر کی نماز کے بعد 70 بار سورۃ الفرقان کی آیت نمبر 74 پڑھیں عرصہ 4 ماہ۔

سب عمل کر سکتی ہیں۔

سمی...... صادق آباد

جواب: آپ فجر کی نماز کے بعد سورۃ الفرقان کی آیت نمبر 74 روزانہ 70 بار پڑھ کر رشتہ کی دعا مانگیں عرصہ 4 ماہ۔

بھائی روزانہ ہر فرض نماز کے بعد 21 بار سورۃ القریش پڑھ کر دعا مانگیں۔

ماریہ نوشین...... سرگودھا

جواب: سورج نکلنے کے بعد اور غروب ہونے کے بعد 41,41 بار آیتہ الکرسی پڑھ کر پانی پر پھونک کر پئیں بھی اور گھر میں کمروں میں چھڑکیں بھی، 3 ماہ تک

عظمت حنیف......

جواب: آپ ان کے لیے روزانہ 41 بار آیتہ الکرسی پڑھ کر تصور میں لا کر دونوں پر دم کریں ان کے اپنے کمرے کو بھی تصور میں لائیں۔ یہ عمل عشا کے بعد کریں۔

صوفیہ تبسم...... ضلع وہاڑی

جواب: آپ سورۃ الاخلاص ہر نماز کے بعد 21 مرتبہ پڑھ کر ان سب رکاوٹوں اور بندشوں کے دور ہونے کی دعا مانگیں، یا پھر رات میں 111 بار پڑھ کر دونوں میں سے ایک کرنا ہے۔

رابیل اکرم...... سرگودھا

جواب: بہتر ہے یہاں نہ کریں۔

آپ سورۃ الفرقان کی آیت نمبر 74 روزانہ 70 بار پڑھ کر دعا مانگیں 120 دن اللہ بہتر رشتہ عطا کرے۔

شہناز اختر...... لاہور

جواب: فجر کی نماز کے بعد 70 بار سورۃ الفرقان کی آیت نمبر 74 پڑھ کر دعا مانگیں، 4 ماہ۔ اور رات سونے سے پہلے 41 بار آیتہ الکرسی پڑھ کر ہر قسم کی رکاوٹیں ختم ہونے کی دعا مانگیں۔

نسرین اختر......

جواب: 40 روز تک روزانہ ایک ٹائم 111 بار آیتہ الکرسی پڑھ کر دعا مانگیں، سب رکاوٹوں کے دور ہونے کی۔

ش ر...... لال واہ

جواب: آپ سورۃ والضحیٰ روزانہ ایک ٹائم 111 بار پڑھ کر دعا مانگیں، اچھائی میں ہوا تو مل جائے گا۔

مہوش...... ہری پور

جواب: بی بی آپ اور آپ کے میاں 41 روز تک آیتہ الکرسی روزانہ صبح و مغرب کے بعد 41 بار پڑھ کر پانی پر پھونک مار کر پئیں، آپ کا اور شوہر کا مسئلہ حل ہو جائے گا۔

آپ کی بہن کا مسئلہ اٹھرا کا ہے اس کا علاج کرائیں۔

مہوش...... بوریوالا

جواب: روزانہ سورۃ القریش 111 بار پڑھ کر دعا مانگیں کامیابی ہوگی۔

شہناز بی بی...... شجاع آباد

جواب: آپ ہر نماز کے بعد سورۃ والضحیٰ 21 بار پڑھ کر دعا مانگیں کامیابی ہوگی۔

م ن...... گجرات

جواب: سورۃ القریش ہر فرض نماز کے بعد 11 بار پڑھ کر دعا مانگیں مستقل۔

آمنہ...... سکھر

جواب: آپ فجر اور مغرب کے بعد 41،41 بار آیتہ الکرسی پڑھ کر پانی پہ پھونک کر خود بھی پئیں اور گھر میں سب لوگوں کو بھی پلائیں۔ نیز تیل پہ بھی دم کر کے مالش کریں۔

آپ کے شوہر روزانہ سورۃ الاخلاص 111 بار پڑھ کر دعا مانگیں، کامیابی ہوگی۔

محمد عتیق...... ملتان

جواب: آپ سورج نکلنے اور غروب ہونے کے بعد 41،41 بار آیتہ الکرسی پڑھ کر اپنے اوپر دم بھی کریں اور پانی پر پھونک کر پانی پئیں 3 ماہ تک۔

حبیب الرحمان...... راولپنڈی

جواب: آپ دکان کھولنے اور بند کرنے پہ با آواز بلند آیتہ الکرسی پڑھا کریں سب صحیح ہوجائے گا۔

م ف...... چیچہ وطنی

جواب: اوپری اثر مکمل ختم نہیں ہوا، آپ نے جس مدرسے سے فرسٹ ٹائم علاج کرایا تھا جنھوں نے قبرستان میں تعویذ ڈلوایا تھا وہیں ایک بار دوبارہ رجوع کریں۔

بھائی سے اچھائی کی امید مت رکھیں اس کی ڈوری کسی اور کے ہاتھ میں ہے۔ بہتر ہے رشتہ فوراً منظور کرلیں والدہ فیصلہ دے دیں۔

ربیعہ شبیر...... منڈی بہاؤالدین

جواب: سورۃ القریش کامیابی کے لیے، ہر نماز کے بعد 11 بار پڑھ کر دعا مانگیں۔

نسیمہ......

جواب: آپ روزانہ صلوۃ الحاجات پڑھیں رات میں۔

سورۃ الاخلاص 111 بار پڑھ کر رکاوٹیں اور بندشیں ختم ہونے کی دعا مانگیں۔

http://facebook.com/elajbilquran
www.elajbilquran.com

نوٹ

جن مسائل کے جوابات دیئے گئے ہیں وہ صرف انہی لوگوں کے لیے ہیں جنھوں نے سوالات کیے ہیں۔ عام انسان بغیر اجازت ان پر عمل نہ کریں۔ عمل کرنے کی صورت میں ادارہ کسی صورت ذمہ دار نہیں ہوگا۔

موبائل فون پر کال کرنے کی زحمت نہ کریں۔ نمبر بند کردیا گیا ہے۔

اس ماہ جن لوگوں کے جواب شائع نہیں ہوئے وہ اگلے ماہ شائع ہوں گے۔

ای میل صرف بیرون ملک مقیم افراد کے لیے ہے۔

rohanimasail@gmail.com

روحانی مسائل کا حل کوپن برائے جنوری ۲۰۱۶ء

نام .... والدہ کا نام .... گھر کا مکمل پتا ....

....

گھر کے کون سے حصے میں رہائش پزیر ہیں ....

میمونہ رومان

سپاس گل..... رحیم یار خان
تم سبب ہو میری اداسی کا
تم کو یہ بات تو پتا ہے نا.....؟
سعدیہ رمضان سعدی..... 186 پی
حرف حرف رٹ کے بھی آگہی نہیں ملتی
آگ نام رکھنے سے روشنی نہیں ملتی
آدمی سے انسان تک آؤ گے تو سمجھو گے
کیوں چراغ کے نیچے روشنی نہیں ملتی
پری..... طور جہلم
ڈھونڈتے کیا ہو اُن آنکھوں میں کہانی میری
خود میں گم رہنا عادت ہے پرانی میری
بھیڑ میں بھی مل جائیں گے آسانی سے
کھویا کھویا سا رہنا ہے نشانی میری
ارم کمال..... فیصل آباد
تیرے آنے کی امید بھی ہو چلی معدوم
نئے برس کا اہتمام ہے دسمبر آن پہنچا ہے
خنک رُت میں تنہائی بھی چوکھٹ پر کھڑی ہے
جاڑے کی اداس شام ہے دسمبر آن پہنچا ہے
طیبہ سعدیہ عطاریہ..... کھٹیالہ سیالکوٹ
مجھے کر عطا اے میرے خدا تو بہت بندہ نواز ہے
میری ہر صبح محتاج ہے تیری رحمتوں کے نزول کی
سامعہ ملک پرویز..... خان پور ہزارہ
یا اللہ میری ارض پاک کا قریہ قریہ
ہو سکون کا محور ہو امن کا گہوارہ
اس کے ہر خطے میں کریں خوشیاں راج
نہ ہو کوئی سانحہ پشاور جیسا دوبارہ
سویرا فیاض اسحاق مہیانہ..... سلانوالی
پاؤں پھیلائے تو نہ دیکھی چادر ہم نے
تجھ کو چاہا تو پھر اوقات سے بڑھ کر چاہا
زیست آسان بھی ہو سکتی تھی لیکن ہم نے
تیری چاہت کو ہر اک بات سے بڑھ کر چاہا
ام احتل مریم شاہین..... گجرات
یارب یہ سال سب کی مسرت کا سال ہو
پیغام عیش لائے یہ عشرت کا سال ہو
آنسو کا سال ہو نہ یہ آہوں کا سال ہو
نغمے نئے سنائے بہاروں کا سال ہو
جویریہ ضیاء..... ملیر کراچی
منظر اداس ہے پس منظر اداس ہے
گھر بھی اداس ہے دیوار بھی در بھی اداس ہے
ہے دور تک اداسی کا یہ سلسلہ گیا
لگتا ہے میرے ساتھ دسمبر اداس ہے
جاذبہ عباسی..... دیول مری
اے دسمبر سُن
میری عمر رواں میں کبھی نہ آتا
تیری سرد شاموں میں مجھے
کوئی بچھڑا ہوا بہت یاد آتا ہے
عائشہ پرویز..... کراچی
ٹھنڈی ہوائیں کیا چلیں میرے شہر میں
ہر طرف یادوں کا دسمبر بکھر گیا
ارم وڑائچ..... گجرات
سنا تھا زندگی مختصر ہے
پھر درد بے حساب کیوں؟
سدرہ سلیمان..... شورکوٹ
لفظوں کی تمہید مجھے باندھنی نہیں آتی
کثرت سے یاد آتے ہو سیدھی سی بات ہے
تنہا..... نامعلوم
میں تو خود سے ناراض ہوں
کسی اور کو کیا مناؤں.....
شگفتہ خان..... بھلوال
اگر اپنی قسمت لکھنے کا ذرا اختیار ہو مجھے

تو اپنے نام کے ساتھ تجھے بار بار لکھوں
فرحت اشرف گھمن...... سیدوالا
کتابوں میں رکھ کے سلا گیا ہم کو
آنکھ بند تھی اور بھلا گیا ہم کو
کوئی عجیب مصور تھا جو بارشوں کے موسم میں
کچی دیوار پر بنا گیا ہم کو
حمیرا قریشی...... لاہور
کر کے تمام تر کوشش بھی تم ناکام ٹھہرو گے
مجھے چاہنا آسان تھا بھولنا محال ہے
ماریہ وسیم...... اللہ والا ٹاؤن، کراچی
کل تلک بہت بے کل تھے ہم غم دنیا کو سوچ کر
عشق الٰہی نے رات سے میرے سارے غم دھو دیئے
وہ جو مخلص تھے مجھ سے میرے ساتھ ہیں اب تلک
جن میں کھوٹ تھا وہ خود ہی میں نے کھو دیئے
سلمیٰ عنایت...... کھلابٹ ٹاؤن شپ
خوشبو سے ہواؤں سے بھی ملتے نہیں کچھ لوگ
موسم کی اداؤں سے بھی ملتے نہیں کچھ لوگ
مل جائیں تو جیون کو سجا دیتے ہیں
بچھڑ جائیں تو دعاؤں سے بھی ملتے نہیں کچھ لوگ
پروین افضل شاہین...... بہاولنگر
یہ سوچ کے غم کے خریدار آ گئے
ہم خواب بیچنے سر بازار آ گئے
آواز دے کے چھپ گئی ہر بار زندگی
ہم ایسے سادہ دل تھے ہر بار آ گئے
ہاجرہ ظہور...... پشاور، تاروجبہ
اٹھتے تھے جو قدم تیرے اللہ کے گھر کو
ناچار اب اٹھتے ہیں وہ بازار کی جانب
تم چھوڑ چلے کیا یونہی قرآن کی محبت
حق ہو گیا مغلوب اور باطل ہوا غالب
صائمہ ناز...... پشاور، تاروجبہ
اب بھی الزام محبت ہے ہمارے سر پر
اب تو بنتی کبھی نہیں ہماری، ان کی

اقراء وسیم...... اللہ والا ٹاؤن، کراچی
دل تو کسی اور ہی دیس کا پرندہ ہے سمیر
سینے میں تو رہتا ہے مگر بس میں نہیں رہتا
پارس...... چکوال
بس اک میری بات نہیں تھی، سب کا درد دسمبر تھا
برف کے شہر میں رہنے والا اک اک فرد دسمبر تھا
پچھلے سال کے آخر میں، حیرت میں تھے ہم تینوں
اک میں تھا، تنہائی تھی، اک بے درد دسمبر تھا
مہوش کلی...... بورے والا
جانے سے پہلے کوئی دعا کر جاؤ
بھولی ہوئی محبت کو وفا کر جاؤ
جس سے زندگی حسیں لگنے لگے تھی
ایسی کوئی چیز مجھے عطا کر جاؤ
نیلم ظہیر...... کوٹلہ جام، بھکر
اس وقت رگ جاں پر بڑی چوٹ لگے گی
جب مجھ سے بچھڑ کر میرے ہم نام ملیں گے
فرحین عمران...... کراچی
پھر دل کو ہو گئی ہے وہی راہ گزر عزیز
پھر آ گئے فریب میں ہم مدتوں کے بعد
ملک تحسین حیدر...... مچن آباد
حاجت نہیں تکلف کی میرے شعور کو
اقبال رہنما ہے بس اتنا ہی کافی ہے
اب وفا کی شمع جلانی ہے اے تحسین
شعور کا عالم تو پہلے بھی کافی ہے
سنیاں واقصیٰ زرگر...... جوڑہ
مجھے اس طرح اپنی محبت میں مصروف کر دے میرے اللہ
مجھے سانس تک نہ آئے تیرے ذکر کے بغیر

biazdill@aanchal.com.pk

ڈش مقابلہ

طلعت آغاز

چائنیز سوپ

اشیاء:۔

چکن (ثابت پیس)	ایک عدد
گھی	آدھا کپ
دودھ	ایک کپ
پانی	حسب ضرورت
سویا ساس	دو کھانے کے چمچ
شلغم	ایک عدد
ٹنڈا	ایک عدد
پیاز سبز	چار عدد
ادرک	ایک پیس
لہسن	آدھی پوتھی
پیاز خشک	ایک عدد
سبز دھنیا	چند پتے
سیاہ مرچ پاؤڈر	آدھا چائے کا چمچ
نمک	آدھا چائے کا چمچ
میدہ	ایک چائے کا چمچ

ترکیب:۔

ثابت مرغی کے چار ٹکڑے لے لیں، اسے دو لیٹر پانی میں ڈال کر پکائیں، اس میں ایک عدد خشک پیاز چار ٹکڑے کر کے ڈال دیں۔ ثابت لہسن، ادرک کا ایک ٹکڑا، نمک اور سیاہ مرچ شامل کر دیں۔ اس کے ساتھ شلغم چار ٹکڑے کر کے ڈال دیں اور ایک گھنٹہ تک ان سب کو ابالیں۔ سوپ تیار ہو جائے تو گوشت کو نکال کر ایک ایک انچ چوڑے ٹکڑے کر لیں۔ سوپ میں شامل تمام اشیا کو گرینڈ کر کے پیسٹ بنا لیں اور سوپ کو چھان کر ایک بڑی ساس پین میں ڈال دیں اور دوبارہ دھیمی آنچ پر رکھ دیں۔ ٹنڈے کے اوپر سبز چھلکا اتار کر اندر سے گودا بھی نکال دیں اور اس کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کر لیں۔ سبز پیاز کو بھی ایک ایک انچ برابر کاٹ لیں۔ گھی میں میدہ ڈال کر سرخ کریں اس میں سبز پیاز، ٹنڈا اور گوشت کے سلائس ڈال کر فرائی کریں، ساتھ ہی سویا ساس بھی ملا دیں۔ سوپ ڈال کر چند منٹ تک تمام اشیا کو ابال لیں، ابلتے ہوئے سوپ میں گرینڈ کیا ہوا آمیزہ بھی ملا دیں، سوپ تیار ہو جائے تو سبز دھنیا کاٹ کر چھڑک دیں اور نوش فرمائیں۔

اریبہ منہاج......کراچی

چکن ٹماٹو سوپ

اجزاء:

چکن	آدھا کلو
پیاز	ایک عدد (باریک کٹی ہوئی)
گاجر	ایک عدد (کش کی ہوئی)
ٹماٹر	آدھا کلو
مکھن	ایک کپ
لہسن	ایک جوا (پسا ہوا)
ادرک	ایک چمچ (پسا ہوا)
ہری مرچ	دو عدد
اجوائن	ایک چٹکی
نمک، کالی مرچ	حسب ذائقہ
سفید زیرہ	حسب ذائقہ

ترکیب:

سوس پین میں مکھن کو گرم کریں اور اس میں باریک کٹی ہوئی پیاز ڈال دیں جب پیاز تھوڑی سی سبز ہو جائے تو چکن ڈال کر فرائی کریں چکن ہلکا سا فرائی ہو جائے تو کش کی ہوئی گاجر، لہسن اور پسا ہوا ادرک ڈال کر مزید فرائی کریں سبزیاں اور گوشت فرائی ہو جائے تو ٹماٹر ڈال کر ڈیڑھ لیٹر پانی ڈال کر دھیمی آنچ پر سوپ تیار ہونے دیں سوپ گاڑھا ہونے لگے تو اجوائن، نمک سیاہ مرچ اور سفید زیرہ ڈال کر سبز مرچ کٹی ہوئی (بیج نکال کر) شامل کریں اور گرم گرم سوپ نوش فرمائیں۔

بیگم ناہید اختر...... اسلام آباد

لذیذ چائینز سوپ

اجزاء:

یخنی	چار پیالی
انڈہ	ایک عدد
سویا ساس	دو کھانے کے چمچ

انگور کی بیل کے خشک پتے چار چائے کے چمچ (پاؤڈر بنا لیں)

نمک	حسب ذائقہ
سیاہ مرچ	ایک کھانے کا چمچ

ترکیب:۔

ابلتی ہوئی یخنی میں سیاہ مرچ اور نمک حسب ذائقہ ملا دیں۔ انڈے کو اس قدر پھینٹیں کہ اس کا جھاگ ابھر آئے اب اسے کھولتی ہوئی یخنی میں دھار باندھ کر آہستہ آہستہ ملا دیں اور سیٹ ہونے دیں پھر چمچ سے ہلائیں سوپ کے پیالے میں تیار شدہ سوپ انڈیلیں اس میں سویا ساس ملائیں اور انگور کے پتوں کا پاؤڈر ڈال کر نوش فرمائیں۔

حریم زہرہ...... کراچی

چکن کوک ٹیل سوپ

اجزاء:۔

چکن	آدھا کلو
ٹماٹر	ایک عدد
شلغم	ایک عدد
لہسن	چھ جوے
ملائی	تین کھانے کے چمچ
ادرک	ایک ٹکڑا
نمک	آدھا چائے کا چمچ
سیلری	تھوڑی سی
گاجر	ایک عدد
پیاز	دو عدد
میدہ	تین چائے کے چمچ
گھی	آدھا کپ
دار چینی	ایک ٹکڑا
سیاہ مرچ	آدھا چائے کا چمچ

ترکیب:۔

چکن کو دو کلو پانی میں آگ پر رکھ دیں۔ اس میں ایک عدد پیاز، ٹماٹر، ادرک، لہسن، نمک مرچ اور دار چینی کا ٹکڑا ڈال کر پکائیں۔ پکتے ہوئے سوپ میں شلغم چھیل کر دو ٹکڑے کر کے ڈال دیں اور گاجر کے بھی دو ٹکڑے کر کے ڈال دیں۔ دو گھنٹہ کے بعد چکن کو نکال کر چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کر لیں اور سوپ کو چھان کر الگ دیگچی میں ڈال دیں۔ ایک فرائی پین میں پیاز کو براؤن کریں اور اسے سوپ میں ڈال دیں پھر میدہ اسی فرائی پین میں بھون کر سوپ میں تھوڑا تھوڑا ڈال کر ملائیں اور اس سوپ کو دوبارہ آگ پر رکھ دیں اور سیلری بھی ملا دیں۔ پکتے ہوئے آمیزے میں ملائی پھینٹ کر ڈال دیں اور اپنی پسند سے سوپ کو گاڑھا کر کے پیش کریں۔

نادیہ فاروق...... لاہور

بکرے کے پائے

اشیاء:۔

بکرے کے پائے	بارہ عدد درمیانے سائز
لہسن	ایک چھٹانک
پیاز	ایک پاؤ
سفید زیرہ	ایک چائے کا چمچ
سوکھا دھنیا	چائے کا آدھا چمچ
لونگ	آٹھ عدد
دار چینی	دو ٹکڑے
ادرک	آدھی چھٹانک
دہی	ایک چھٹانک
گرم مصالحہ	سب ملا کر ایک چمچ
ہرا دھنیا	تھوڑا سا

ترکیب:۔
پائے اچھی طرح آٹا یا بیسن مل کر دھولیں پھر ان میں بہت سا پانی ڈالیں۔ نمک، لہسن پیس کر ڈال دیں اور لونگ اور دار چینی ثابت ڈال کر پکنے رکھ دیں۔ اوپر سے دیگچی کا منہ بند کردیں، ان کو کم از کم چار گھنٹے پکنے دیں پھر دیگچی کا منہ کھولیں اور دیکھیں کہ پائے گل گئے ہیں تو اتار لیں ورنہ ایک گھنٹے اور پکنے دیں، اب سب مصالحہ ملا کر باریک پیس لیں، تھوڑا لہسن اور ادرک بھی پیس لیں اور تھوڑی پیاز بھی علیحدہ پیس لیں۔

اب ایک کھلے منہ کے دیگچے میں گھی کڑکڑائیں اور اس میں باقی پیاز باریک لچھے دار کاٹ کر مل لیں۔ پیاز بادامی ہونے پر اس میں کچی پسی ہوئی پیاز ملا دیں اور سب خوب بھونیں، جب پیاز خوب بھون جائے تو اس میں لہسن ادرک پسی ہوئی اور سب مصالحے پسے ہوئے ڈال دیں اور بھونیں۔ اب اس میں سرخ مرچ اور ہلدی پسی ہوئی ڈال دیں اور تھوڑا بھونیں۔ ساتھ پائے کی یخنی ایک ایک چمچ ڈالتی جائیں اب اس میں دہی پھینٹ کر ڈال دیں اور ساتھ ہی پائے یخنی میں سے نکال کر ڈال دیں اور حسب ضرورت یخنی (شوربے کے لیے) ڈال کر چند منٹ پکا کر اتار لیں۔ اتارنے کے بعد اس میں پسا ہوا گرم مصالحہ اور ہرا دھنیا ڈال دیں اور کھانے کے لیے پیش کریں۔

ہالہ و عائشہ سلیم...... کراچی

مولی کے پراٹھے

اشیاء:۔

مولی	ایک کلو
آٹا	ایک پاؤ
میدہ	ایک پاؤ
نمک، مرچ	حسب ضرورت
ہرا دھنیا	حسب ضرورت

ترکیب:۔
مولی کو کدوکش کرلیں اور گھی کو کڑکڑا کر اس میں نمک، سرخ مرچ ڈالیں اور ساتھ ہی کدوکش کی ہوئی مولی ڈال دیں۔ تھوڑا بھون کر دم پر لگا دیں، وہ اپنے ہی پانی میں گل جائے گی۔ گل جانے پر پانی خشک کر کے اتار لیں اور ٹھنڈا ہونے پر ہرا دھنیا باریک کاٹ کر اس میں ملا دیں، اب آٹا اور میدہ ملا کر گوندھ لیں اس میں آدھا چمچ نمک ڈال لیں اور چھوٹے چھوٹے پیڑے بنالیں۔ بیلن سے دو پیڑے ایک ہی سائز کے بیل لیں، اب ایک پر مولی اچھی طرح رکھ کر دوسری روٹی اس کے اوپر رکھ کر کنارے برابر کردیں توے پر ڈال کر پراٹھے کی طرح پکالیں، بہت ہی مزیدار پراٹھے بنیں گے۔

جویریہ ضیاء...... کراچی

شاہی ٹکڑے رنگین سویوں کے ساتھ

اشیاء:۔

رنگین سویاں	آدھا کپ
دودھ	ایک لیٹر
چینی	آدھا کپ
کھویا	آدھا کپ
بادام پستہ سلائس	حسب ضرورت
ڈبل روٹی کے سلائس	آٹھ عدد
تیل یا گھی	تلنے کے لیے
چینی	آدھا کپ
پانی	آدھا کپ

ترکیب:۔
دودھ کو ابال لیں، چینی اور سویاں ڈال کر پکائیں، سویاں نرم ہوجائیں تو چولہا بند کردیں اور ڈش میں نکال لیں۔ ڈبل روٹی کو کسی بھی شیپ میں کاٹ کر فرائی کریں۔ چینی میں پانی ڈال کر پکائیں کہ چینی گھل جائے، اب فرائی سلائس شیرے میں ڈال کر نکال کر سویوں پر رکھیں۔ سلائس پر کھویا، بادام پستہ رکھ کر پیش کریں۔

جویریہ رضا...... پشاور

شکر قندی کا حلوہ

ضروری اشیاء:۔

شکر قندی	چار عدد (درمیانے سائز کی)
اخروٹ کی گری	ایک کپ
چینی	ایک کپ
الائچی پاؤڈر	آدھا چائے کا چچ
کھویا	ایک کپ
دودھ	دو کپ
گھی	ایک کپ
چاندی کے ورق	حسب ضرورت

ترکیب:۔

شکر قندی کے چھوٹے ٹکڑے کاٹ کر دودھ ڈال کر ہلکی آنچ پر پکنے دیں' ساتھ اخروٹ بھی ڈال دیں جب دونوں چیزیں گل جائیں تو بلینڈ کرلیں۔

گھی گرم کر کے اس میں مکسچر ڈال دیں۔ چینی' کھویا اور الائچی پاؤڈر مکس کریں' حلوہ جب سمٹ جائے اور گھی چھوڑ دے تو اتار لیں۔ ایک خوب صورت سی سرونگ ڈش میں نکال کر چاندی کے ورق لگا کر سرو کریں۔

روبینہ ہمایوں......گجرات

دل بہار میٹھا

ضروری اشیاء:۔

سوجی	ایک کپ
بیسن	دو کپ
چینی	آدھا کپ
ناریل پاؤڈر	ایک کپ
خشک دودھ	آدھا کپ
زعفران	چند ریشے
بادام پستے	حسب خواہش
گھی	ایک پاؤ

ترکیب:۔

چینی میں ایک کپ پانی اور زعفران ڈال کر گاڑھا شیرہ بنالیں' ایک پین میں آدھا گھی ڈال کر بیسن بھون لیں پھر نکال لیں۔ اسی پین میں بقیہ گھی ڈال کر سوجی بھون لیں۔ بیسن میں ناریل' خشک دودھ مکس کریں پھر اسی میں بھونی ہوئی سوجی ڈالیں' مکس کریں' شیرہ کو ٹھنڈہ کر کے ڈالیں' کم کم ڈالنا ہے۔ ڈال کر مکس کرتے رہیں' جتنا شیرہ یہ لے سکے اتنا ڈالنا ہے۔ ڈش میں گھی لگا کر یہ مکسچر جمالیں پستہ' بادام اور ناریل سے گارنش کر کے سرو کریں۔

کوثر جہاں......کراچی

فروٹ کسٹرڈ ڈیلائیٹ

ضروری اشیاء:۔

ونیلا کسٹرڈ	دو کھانے کے چچ
دودھ	آدھا لیٹر
چینی	آدھا کپ
لال جیلی	ایک پیکٹ
میٹھے بسکٹ	حسب ضرورت
مکس فروٹ	ایک کپ
پائن ایپل	ایک کپ
کریم	حسب پسند
بادام (سلائس کرلیں)	دو کھانے کے چچ

ترکیب:۔

دودھ کو گرم کریں' چینی ڈالیں' کسٹرڈ تھوڑے ٹھنڈے دودھ میں مکس کر کے ڈالیں۔ چچ چلاتی رہیں' کسٹرڈ گاڑھا ہوجائے تو چولہا بند کردیں۔ کسٹرڈ ٹھنڈا ہوجائے تو آدھا کپ کریم اور مکس فروٹ مکس کردیں اور تھوڑے بسکٹ بھی کچل کر مکس کردیں' ڈش میں کسٹرڈ ڈالیں۔ اس پر بسکٹ کا چورا چھڑک دیں' کریم' جیلی' پائن ایپل اور بادام سلائس سے گارنش کردیں اور ٹھنڈا کر کے سرو کریں۔

بیگم پروین ارشد...... میر پور خاص

اسپیشل مصالحہ فرائیڈ رائس

ضروری اشیاء:۔

تیل	آدھا کپ
چکن	ایک کپ
گاجر	آدھا کپ
ہری پیاز	آدھا کپ
چاول	آدھا کلو
چلی ساس	ایک چوتھائی کپ
سویا ساس	ایک چوتھائی کپ
نمک	حسب ذوق
سفید مرچ	ایک چائے کا چمچ
چکن پاؤڈر	ایک چائے کا چمچ
انڈے	تین سے چار عدد

ترکیب:۔

چاولوں کو آدھے گھنٹے کے لئے پانی میں بھگوئیں۔ پھر اس کو ابال کر رکھ لیں۔ ایک پین میں تیل گرم کریں اور انڈوں کو پھینٹ کر اس میں ڈالیں۔

ایک الگ پین میں ابلے چاول، کٹی گاجر، ہری پیاز اور ساتھ میں نمک، دنی مرچ، چکن پاؤڈر اور سویا ساس اچھی طرح ڈال کر پکائیں۔ اب اس میں پکے ہوئے انڈے اور چکن شامل کر کے اچھی طرح مکس کر لیں۔

آخر میں چمچے کی مدد سے خوب ملائیں اور گرم گرم سرو کریں۔

آسیہ نورالدین...... لاڑکانہ

چنا پلاؤ

ضروری اشیاء:۔

چاول	750 گرم
پیاز	ایک کپ
ابلے چنے	تین کپ
دہی	ایک چوتھائی کپ
تیل	تین چوتھائی کپ
نمک	حسب ذوق
زیرہ	ایک چائے کا چمچ
شاہ زیرہ	ایک چائے کا چمچ
ادرک لہسن پیسٹ	ایک کھانے کا چمچ
بڑی الائچی دانہ	آدھا چائے کا چمچ
دار چینی	دو سے تین اسٹکس
ثابت ہری مرچ	آٹھ سے دس
ٹماٹر	تین سے چار
کالی مرچ	چھ سے آٹھ
لونگ	چھ سے آٹھ
ہری الائچی	چار سے پانچ
تیز پتہ	ایک عدد
چکن کیوبز	دو عدد
سلاد	سرونگ کے لئے
رائتہ	سرونگ کے لئے

ترکیب:۔

ایک پین میں تیل کو گرم کر کے پیاز کو براؤن کر لیں۔ ساتھ ہی گرم مصالحہ اور زیرہ ڈال دیں۔ اب اس میں ادرک لہسن کا پیسٹ، کٹے ٹماٹر، ثابت ہری مرچ اور پھینٹا ہوا دہی شامل کر کے ڈھک کر اتنا پکائیں کہ تیل علیحدہ ہو جائے۔

پہلے سے ابلے چنے شامل کر کے مزید چھ سے آٹھ منٹ پکائیں۔ پھر اس میں نمک اور چکن کیوبز ڈالیں۔ آخر میں بھیگے ہوئے چاول شامل کر کے تھوڑا سا پانی ڈال کر پکائیں۔ جب پانی خشک ہونے لگے تو پین کو توے کے اوپر رکھیں اور دم پر چھوڑ دیں۔ تیار ہونے پر رائتہ اور سلاد کے ساتھ سرو کریں۔

بیگم مہوش عادل...... راولپنڈی

روبین احمد

آج کل شام ڈھلتے ہی ہوا میں ہلکی ہلکی خنکی اپنے ساتھ یہ پیام لا رہی ہے۔ موسم ایک بار پھر لوٹ رہا ہے' دیگر موسموں کی طرح اس کی بھی اپنی ایک انفرادیت ہے گویا کہ سردیوں میں کھانے پینے کے لوازمات کے ساتھ پہننے اوڑھنے کے انداز یکسر تبدیل ہو جاتے ہیں بھلا وہ کیسے؟ تو وہ ایسے کہ سوپ' کافی' ڈرائی فروٹ کے ساتھ سوئٹر اور گرم ملبوسات کے بغیر سردیاں نامکمل رہتی ہیں۔

موسم سرما میں بالوں کی حفاظت

موسم سرما کی آمد کا آپ کو اس طرح بھی پتا چل سکتا ہے کہ جب آپ اپنے بالوں کو ہاتھ لگائیں گی تو آپ کو ایسا محسوس ہوگا جیسے آپ کے بال دھول اور گرد و غبار سے اَٹے ہوئے ہیں۔ اس موسم میں بال ناریل کے ریشے کی طرح اکڑنے لگتے ہیں اور آپ کی کھوپڑی کسی پیاسی اور خشک زمین کی طرح نظر آنے لگتی ہے اس کی وجہ سے کھوپڑی میں کھجلی ہونے لگتی ہے اور بالوں کے دیگر مسائل بھی جنم لینے لگتے ہیں۔

یہ سب تب ہوگا جب آپ سرد موسم میں بالوں کی مناسب دیکھ بھال نہیں کریں گی۔ اس موسم میں بالوں پر اسپیشل توجہ دینے کی ضرورت ہوتی ہے اور وجہ یہ ہے کہ سرد موسم میں ہوا میں نمی کا تناسب کم ہوتا ہے اور بال اور کھوپڑی بری طرح متاثر ہوتی ہے' نتیجہ میں بال کھردرے اور ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو جاتے ہیں اور اسی تناسب سے کھوپڑی کی جلد بھی متاثر ہوتی ہے۔

یہ آپ پر ہے کہ آپ بالوں میں نمی کی کمی نہ ہونے دیں اور اگر آپ موسم سرما سے لطف اندوز ہونا چاہتی ہیں تو پھر اپنے بالوں پر خصوصی توجہ دیں۔ اس حوالے سے سب سے اچھی بات یہ ہوگی کہ گھریلو نسخہ جات کو اپنایا جائے تاکہ زیادہ سے زیادہ فائدہ ہو۔ ان میں چونکہ ساری قدرتی اشیا شامل ہوتی ہیں' اس لیے ان کا کوئی سائیڈ ایفیکٹس نہیں ہوتا اور بازاری پروڈکٹس کے مقابلے میں زیادہ فائدہ مند ثابت ہوتے ہیں۔ ان پر اخراجات بھی بہت کم آتے ہیں مختصر یہ کہ ہر لحاظ سے قابل عمل ہیں۔

ایووکیڈ' مایو کنڈیشنز

اجزاء:۔

انڈے (سفیدی کے بغیر)	دو عدد
مایونیس	ایک چھوٹا جار
ایووکیڈو	آدھا

طریقہ

ایک بڑے پیالے میں ایووکیڈو کو کچل دیں اور اس میں انڈے کی زردی شامل کرلیں۔ اس کے بعد اس میں مایونیس بھی ملا دیں اور سب کو اچھی طرح مکس کرلیں۔ اس کنڈیشنز کو بالوں میں جڑوں سے شروع کرکے بالوں کی نوک تک لگائیں۔ لگانے کے بعد پلاسٹک ریپ کی مدد سے سر کو ڈھانپ لیں اس کے اوپر گرم اسٹیم کیا ہوا تولیہ رکھیں' پچیس منٹ کے بعد سادہ پانی سے سر کو دھولیں۔

بے رونق بالوں میں چمک لائیں

بالوں میں چمک پیدا کرنے کے لیے ایک ایسا جادوئی نسخہ موجود ہے' جو بالوں کو دیرپا رنگت عطا کرتا ہے۔

ایک کھانے کا چمچہ مہندی' ایک لیموں کا رس' ایک عدد انڈا' تھوڑی سی کافی شامل کرکے پھینٹ لیں ایک گھنٹے تک یہ آمیزہ بالوں میں لگا رہنے دیں۔ پانی میں ایک چمچہ گلیسرین ملا کر ابال لیں' ٹھنڈا ہونے پر اس سے بالوں کی جڑوں پر مساج کیجیے آخر میں ہلکا گرم تولیہ بالوں میں لپیٹ کر آدھے گھنٹے بعد دھولیں۔ یہ نسخہ خشک بالوں کے لیے غیر معمولی حد تک مفید ہے۔ بالوں کی ملائمت' چمک اور خوب صورتی لوٹ آئے گی' بالوں کی سکری سے بھی نجات حاصل ہوگی۔

چقندر کے پتوں میں بھی فولاد کثرت سے پایا جاتا ہے' چقندر کھائیں اور اس کے پتوں کو ابال کر ٹھنڈا ہونے

پر اس پانی سے سر دھولیں' سر کی جلد پر جمی خشکی سکری ختم ہوجائے گی۔

سکری کا خاتمہ...... شیمپو انتخاب

سکری کے خاتمے کے لیے کون سا شیمپو بہتر ہے؟

اس حوالے سے کچھ کہنا یوں مشکل ہے کہ اشتہارات کی صنعت اتنی فروغ پاچکی ہے کہ شیمپو کی ظاہری پیکنگ ہی صارفین کو متاثر کرنے کے لیے کافی ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ بعض شیمپو سکری سے نجات کے لیے موثر بھی ہیں لیکن بیشتر شیمپو میں زائد کیمیکلز کی بہتات بالوں کی حالت میں ابتری پیدا کرنے کا سبب بنتی ہے۔ اگر آپ کے بال بھی سکری کے شکار ہیں اور اس تکلیف سے مستقل نجات بھی چاہتے ہیں تو کچھ گھریلو نسخے مرض کی شدت کم کرسکتے ہیں۔ یہ نسخے انہی اجزا پر مشتمل ہیں جنہیں اشتہاری کمپنیاں اپنی مصنوعات میں شامل کرنے کے دعوے دار ہوتی ہیں۔

☆ گندھک کا سفوف' ریٹھا اور سیکا کائی کا پاوڈر ملا کر سر کی جلد میں لگائیں' سیکا کائی ملے پانی سے سر دھولیں' بالوں کی جڑوں سے سکری کا خاتمہ ہوجائے گا۔

☆ کیلے کے گودے میں ناریل کا تیل ملا کر آمیزہ بنائیں' ہفتہ میں ایک مرتبہ ہیئر ماسک کے طور پر جڑوں میں لگائیں' بال نا صرف خشکی سکری سے محفوظ رہیں گے بلکہ ملائم چمکدار ہوجائیں گے۔

☆ انڈوں کو پھینٹ کر ان میں نیم گرم پانی شامل کریں' اسے بالوں کی جڑوں سے سروں تک لگائیں' دس منٹ بعد دھولیں' بہتر نتائج کے لیے پانی کے برعکس دودھ بھی شامل کیا جاسکتا ہے۔

سردیوں کی مناسبت سے میک اپ کریں

سردیوں میں میک اپ کرتے وقت اس بات کو ذہن میں رکھیں کہ اس موسم میں ہوائیں بہت ٹھنڈی اور سخت ہوتی ہیں اور ہم اسی مناسبت سے گہرے رنگ کے لباس اور سادہ لباس زیب تن کرتے ہیں۔ گرمیوں میں ہم ہلکے پھلکے اور سادہ لباس زیب تن کرتے ہیں مگر سردیوں میں سب کچھ اس کے برعکس ہوتا ہے' سردیوں کا میک اپ موسم کی مناسبت سے ہونا چاہیے اور بھاری ملبوسات اور گہرے رنگ سے بھی اس کی ہم آہنگی ہو۔ اس کا مطلب ہوا کہ آپ ہلکا فاؤنڈیشن ایک طرف رکھ دیں گی اور ایسا موئسچرائزر اور فاؤنڈیشن لگائیں گی جن کی بنیاد تیل پر ہو یعنی آئل بیسڈ' اسی طرح آئی میک اپ بھی مٹیالا ہوجائے گا اور بھنوؤں کی رنگت اور شیڈ میں بھی تبدیلی آجائے گی۔

سرد موسم میں میک اپ کا آغاز آئل بیسڈ موئسچرائزر سے ہونا چاہیے جو موسم کی سرد ہواؤں سے جلد کو محفوظ رکھتا ہے اور خشک ہونے نہیں دیتا۔

رات کو قدرے بھاری موئسچرائزر استعمال کرنا چاہیے جس میں وٹامن اور جلد کو تروتازہ رکھنے کے اجزا بھی شامل ہوں۔ اسے غسل کرنے کے فوراً بعد لگانا چاہیے تاکہ جلد کی نمی جلد کے اندر ہی رہ جائے۔ میٹ (مٹیالا) فاؤنڈیشن سرد موسم کے لیے بہترین ہے' آنکھوں کا میک اپ آپ کے لباس کی مناسبت سے ہو۔ سردیوں میں عموماً آنکھوں کے نیچے حلقے سے بن جاتے ہیں ان کو ہلکے زرد رنگ کی آئی کریم کے ذریعے ماہرانہ انداز میں چھپایا جاسکتا ہے۔

گرمیوں میں جلد زرد ہوتی ہے مگر سردیوں میں ایسا نہیں ہوتا ہے' سرد موسم میں میک اپ ایسا ہو کہ اس سے جلد کی ٹون اور فنشنگ میں اور اضافہ ہو۔ گرمیوں میں چہرہ کھلا ہوتا ہے اور اس کی وجہ دھوپ ہوتی ہے جس میں وٹامن ڈی ہوتا ہے جو جلد کے لیے مفید ہے مگر سردیوں میں دھوپ کی کمی ہوتی ہے۔ مطلب جلد کو ذرا زیادہ توجہ اور ٹوننگ کی ضرورت ہوتی ہے اور میک اپ کو لائٹ رکھنا ہوگا۔ بنیادی اصول یہ ہے کہ میک اپ فاؤنڈیشن کا شیڈ آپ کی جلد کے ٹون سے ایک درجہ لائٹ ہو تبھی آپ کی جلد روشن نظر آئے گی۔

فاریہ بتول...... خانیوال

❀

نیرنگ خیال

ایمن وقار

دسمبر

دسمبر جب بھی آتا ہے
بارش کی بوندوں سے
میرے کمرے کی کھڑکی کے
شیشے سارے بھیگ جاتے ہیں
میرے آنگن کے پودوں پر
اداسی سی اترتی ہے
جہاں تک دیکھتی ہوں میں
نظارے بھیگ جاتے ہیں
بھیگی یخ بستہ راتوں میں
میں تنہا جب بھی ہوتی ہوں
میرے بستر کی سلوٹیں
اچانک بڑھنے لگتی ہیں
کبھی جو تم نے بھیجے تھے
وہ تحفے، پھول اور وہ ڈھیر سارے خط
میرے ٹیبل پر جو رکھے ہیں
وہ سارے بھیگ جاتے ہیں
مجھے "تم" یاد آتے ہو
میرا تکیہ......
میرا آنچل......
میری پلکوں کے کنارے
بھیگ جاتے ہیں......!

نزہت جبین ضیاء...... کراچی

غزل

ہمارے خوابوں کی خوشبو خیال کا موسم
بکھر رہا ہے ہر سو جمال کا موسم
ابھی تو وقت ہے اونچی اڑان اڑنے کا
ابھی تو آیا ہے ہم پر کمال کا موسم
عروج سب کو ہے پیارا مگر یہ یاد رہے
پلٹ کے آتا ہے اک دن زوال کا موسم
مصیبتوں میں ہی رشتے نبھائے جاتے ہیں
یونہی پنپتا ہے فکر و خیال کا موسم
خزاں کا ذائقہ ہر آن چکھنا پڑتا ہے
سدا کب رہتا ہے حسن و جمال کا موسم
ہر ایک شخص نیا دکھڑا ہمیں سناتا ہے
جبھی تو رہتا ہے اکثر و بال کا موسم
ہمیں امیدیں ہمیشہ ہی اچھی رکھنی ہیں
ہمارے رخ پر رہے گل گلال کا موسم

سباس گل...... رحیم یار خان

آہ یہ دسمبر

خزاں کے زرد پتوں کو وہ منظر یاد کرتا ہے
اسے کہنا بہت اس کو دسمبر یاد کرتا ہے
اسے کہنا کہ یخ بستہ ہوائیں زخم دیتی ہیں
اسے کہنا اسے اک شخص اکثر یاد کرتا ہے
اسے کہنا بن اس کے اداسی میں ہیں سب رستے
اسے کہنا اسے بچھڑا سمندر یاد کرتا ہے
اسے کہنا کہ اس کو بھول جانا بس سے باہر ہے
اسے کہنا اسے کوئی برابر یاد کرتا ہے

وقاص عمر بنگڑنو...... حافظ آباد

سانحہ پشاور

میرے غنچے
تو کیسا ہے؟
مجھے یقیں ہے
کہ تُو جنت کا مکیں ہے
یہ دنیا تیرے قابل نہ تھی
نفرتوں، شر انگیزیوں
میں لپٹی ہوئی
تیرے رہنے کے لائق نہ تھی
جب ہی تو میرے رب نے تجھے

اپنے پاس بلالیا
تجھے رحمت میں اپنی چھپالیا
تیری مسکراتی صورت کو
میں تصور کی آنکھ سے
روز دیکھتی ہوں
کہ تُو ستر ماؤں سے بھی زیادہ چاہنے والے
اپنے رب کے پاس ہے
مگر اس سب کے باوجود
ایک ماں کا دل
زخم خوردہ ہے غم زدہ ہے
تیرے سر سے ٹپکتے خون کے قطرے
میرے دل کو آج بھی لہولہان کرتے ہیں
نہیں میرے بس میں
اپنے آنسوؤں کو روکنا
مگر پھر بھی......
میں راضی بہ رضا ہوں
میں خوش ہوں کہ تُو جنت کا مکین ہے
جنت ہی تیرا اصل ٹھکانہ تھا
اور تُو وہیں ہے
میرے اللہ میں راضی ہوں
میں راضی ہوں

حمیرا نوشین...... منڈی بہاؤالدین

نظم

اے وقت رواں ذرا
تھم تو سہی......
ابھی ارماں
کچی کلیاں ہیں
کھلے پھول نہیں
سب چاہت کے
دل پر ابھی تو نقش
ہیں پچھلے برس کی آہٹ کے
وہ مدھم مدھم لہجے میں
کرتے تھے باتیں ہم دونوں
کچھ گزرے بیتے لمحوں کی
کچھ آنے والے سالوں کی
کچھ وعدے تھے سانجھے اپنے
کچھ درد بھی بانٹے تھے نئے
کچھ اشک بھی چن کے
پوروں سے
خوشیوں کے جگنو بنائے تھے
تو تھم جا ذرا
بات تو سن......
پلٹ کے گنتی پھر سے گن
ابھی دن ہی کتنے بیتے ہیں
سنگ قربت میں
جو آئے تھے
وہ بدل نہ جائے اس
بدلتے سال کے ساتھ
ہم تو رہبر اسی کو
مانتے آئے تھے

مدیحہ نورین مہک...... برنالی

غزل

میرے ہم درد میری زندگی کا منظر تو دیکھ
ہے کتنی اداس دل کی گہرائی جھانک کر اندر تو دیکھ
میری چاہتوں کی منزل کو پانے کا سوچ ذرا
سحر و شب تیرے لب پر میری محبت ہوگی
کبھی میرے دل کے قریب آ کر تو دیکھ
تم نے بس دیکھی ہیں خوشیوں کی بہاریں
کبھی میری زندگی کو لگا پت جھڑ تو دیکھ
میں تنہا جل جاؤں آگ محبت میں ندیم
کبھی اس آگ کو دل میں لگا کر تو دیکھ

ندیم عباس...... ڈھکو

اداس شام

دسمبر کی اداس شاموں میں

ویران آنکھوں میں نمی لیے
برف سے ڈھکے درختوں کے
خزاں رسیدہ پتوں پر
دبے پاؤں چلتی
سرد ہوا' خاموش فضا
بیتے پل' گزرے لمحے
یادوں کی گہری جھیل میں
آنکھوں میں آس کے جگنو لیے
دفن ہوتی پل پل مرتی
اداس فضاؤں کی اک تتلی

ماریہ طفیل پارس...... چکوال

شہدائے پشاور کے نام

انہیں ابھی کھلنا تھا
وہ پھول تھے بہاروں کے
وہ خواب تھے ستاروں کے
وہ جان تھے ہزاروں کے
جنہیں ٹہنی پر ابھی بجنا تھا
جن کی خوشبو پھیل جانی تھی
جن کے پروان چڑھنے سے
مہک جاتا چمن سارا
خزاؤں میں بہار آتی
جن کے مضبوط شجر سے
ابھی طوفانوں نے ٹکرانا تھا
جن کی نازک ٹہنیوں سے
ہوا نے ابھی گزرنا تھا
ان کلیوں کی خوشبو
پھیلنی تھی چار سو
مگر وائے نصیب......!
میرے وطن تیرا
جہاں خوشبو ہونی تھی
پھولوں کی
وہاں خوشبو آتی
خونوں کی
میرے وطن......!
کیسی خزاں آئی
سب کچھ لٹ گیا تیرا
سب کچھ لٹ گیا تیرا

غزل فاطمہ......

نظم

سنو ہمدم......!
ذرا ٹھہرو
میری اک بات سن جاؤ
سنو......
تم جارہے تو ہو مگر
یہ یاد رکھنا کہ
ہمارے دل کی یہ آنکھیں
دروازے پر رکھی ہیں

دعائے سحر...... فیصل آباد

نظم

اسے کہنا
مجھے آزاد کردے
اپنی یادوں کے زندان سے
اپنی باتوں کے گل رنگ جہاں سے
اس کی یاد کا یہ آواز رقص
میری ہستی میں کبھی تھمتا ہی نہیں
اور جاں گسل لمحہ انتظار کا بھی
اب تو کٹتا ہی نہیں
کہ سرد دوپہریں اور
راتوں کا مہیب سناٹا
اس کے خیالوں میں کٹنے لگا ہے
اور انتظار مسلسل سے
من میرا اب تو تھکنے لگا ہے
اسے کہنا......
اپنی یادوں کے زندان سے

مجھے آزاد کردے
پر سنو......
مجھے تو اس تھکن سے اب
چاہت سی ہوگئی ہے
اور اس کے انتظار سے
محبت سی ہوگئی ہے
نہیں کیونکر کہوں کہ وہ
"مجھے آزاد کرو
تم یوں کہنا اسے
پھر سے لوٹ آئے مری زندگی میں
اور مجھے آباد کردے

مدیحہ ارم...... ہری پور

نظم

میری تلاش میں نکلو تو یوں کرنا
سب سے پہلے شہر خموشاں کا رخ کرنا اور
وہیں مٹی کے کسی اداس ٹیلے کے قریب
مرجھائی ہوئی کلیوں کے جلو میں
سوکھی ہوئی گھاس تلے
کسی کتبے کے بنا
کسی تاریک گوشے میں
چراغوں کی روشنی سے بے نیاز
اک لاوارث قبر پر دعا مانگتے جانا
کہ یہ تمہاری چاہت میں مرجانے والی کی
التجا ہے
یا پھر آخری خواہش کہہ لو

لاریب انشال......اوکاڑہ

چاند

کل رات چاند کو میں نے
دیکھا تھا
چودھویں کا چاند
بالکل مکمل تھا
لیکن......
بہت اکیلا تنہا سا تھا
شاید میں بھی
اس کی طرح
بہت اکیلی تنہا سی تھی
چاند کے اردگرد بھی
اور......
میرے اردگرد
تمہاری یادیں

سیدہ فائزہ رازق......گھڑی سیداں

نظم

سنو اک بات کہنی ہے
مجھے تم سے محبت ہے
پر دیکھو تم ناراض مت ہونا
میری اس بات کو بھی تم
پرانی سب باتوں کی طرح
نظر انداز کردو گے
اک خفگی بھری نظر تم
میری طرف اچھال دو گے
پر جانتے ہو تم
کہ جب تم روٹھ جاتے ہو
منانا اچھا لگتا ہے
مگر میں جانتی ہوں سب
تمہیں تو بےزاری ہوتی ہے
میری ذات سے
میرے عشق سے
میرے لودیتے جذبات سے
پر پھر مجھ کو یہ کہنا ہے
سنو......
مجھے تم سے محبت ہے
کہ جب بھی صبح ہوتی ہے
کہ جب بھی شام ڈھلتی
تیری یاد کے پھول

دل کے آنگن میں کھلتے ہیں
اک خواہش دل کے سمندر میں
بپھری موجوں کی مانند
دل کے اندر شور بپا کرتی ہے
اور تم سے یہ کہتی ہے
سنو مجھے تم سے محبت ہے
رُت بدلتی ہے، جب بھی
میرا دل ایک سا رہتا ہے
یہ تیرا طلب گار سا رہتا ہے
مجھے ہر موسم ہر حال ہر جگہ
بس تم سے یہ کہنا ہے
مجھے تم سے محبت ہے
شائستہ جٹ...... چیچہ وطنی

غزل

چند تہمتیں جو ہمارے سر ہیں
مہر ہیں یا کوئی قہر ہیں
سیاہ مقدر کی سیاہ گھٹائیں
کسے خبر ہے؟ کس کے گھر ہیں
کس کو فرصت ہے ہم سے پوچھے
ہمیں کو لاحق غم دہر ہیں
تم اپنے محلوں میں خوش رہو
ہم تو برسوں سے دربدر ہیں
اسے یہ جا کے کوئی بتا دے
ہم بھی جلتے شام و سحر ہیں
یا تو ہے سب قیاس آرائی
یا تمہارے بھی کان ادھر ہیں
خود بتایا ہے تم نے سب کو
کب بولتے یہ بام و در ہیں
کوئی چندا کیوں جھوٹ بولے
جھوٹ کی عمریں تو مختصر ہیں
چندا چوہدری...... حویلیاں ڈپو گیٹ

غزل

نہیں پھول ہمیں خار ملتے ہیں
راستے بھی دشوار ملتے ہیں
عشق و وفا کے تذکرے میں
غم ہجر بار بار ملتے ہیں
بیچو وفا شوق سے یہاں
خریدار وفا بے شمار ملتے ہیں
دوسروں پر کیچڑ اچھالنے والے
لوگ ایسے بہت سر بازار ملتے ہیں
نہ گھبرا کڑی دھوپ سے حرا
راہِ شوق میں کہاں اشجار ملتے ہیں
حرا رمضان...... اختر آباد

غزل

زلفیں با کمال تیری
یہ چہرہ بے مثال تیرا
زمانہ چاہے لاکھ کہتا رہے
مگر نہیں ہے یہ غلط خیال میرا
کہہ بیٹھا ہوں ضد میں الوداع اس کو
مجھے سونے نہیں دیتا اب ملال میرا
میرے لفظوں میں دکھتے ہیں سب ہی رنگ اس کے
میرے لکھنے میں نہیں ہے کوئی کمال میرا
اک میں ہوں کرتا ہوں ہر وقت ذکر اس کا
اک وہ ہے کہ سنتا ہی نہیں کوئی سوال میرا
چلو آؤ دیکھتے ہیں صائم
تو جلال میرا میں جمال تیرا
ظہور احمد صائم...... مانگا منڈی لاہور

محبت مرچکی ہے اب

بہت پہلے کی باتیں ہیں
تمہیں دل میں بسایا تھا
تمہارا نام لینے سے
ہمارا دل دھڑکتا تھا
تمہارے خواب دیکھے تھے
تمہیں پہروں کبھی سوچا تھا

تمہاری آنکھ کے شیشے میں اپنا عکس دیکھا تھا
ہمارے لب جو ہلتے تھے
تمہارا نام لیتے تھے
تمہاری بات کرتے تھے
مگر جب ہم تھے مشکل میں
بہت ڈرتے تھے دنیا سے
تو تب اک آس کا جگنو
ہمیں تم میں ہی دکھتا تھا
ہمیں لگتا تھا رکھ لوگے
ہمیں سب سے چھپا کے تم
ہمارا ساتھ دو گے تم
ہمیں اک آس دو گے تم
مگر تم نے 'کیا' کیا جاناں!
ہمیں غم کے سمندر میں
اکیلا چھوڑ آئے تم
ہر رشتہ توڑ آئے تم
بہت مشکل کٹے وہ دن
بہت مشکل سے سنبھلے ہیں
حقیقت کو سمجھنے میں
بہت آنسو گرائے ہیں
اور اب جب مان بیٹھے ہیں
یہی ہے زندگی اپنی
تو اب تم لوٹ آئے ہو
"تمہارا ساتھ دوں گا میں"
یہ جملہ پھر سے کہتے ہو
تو اب خود ہی بتاؤ تم
یقین کیسے کریں گے ہم
تمہیں کیسے بتائیں اب
ہمیں اب بھول جاؤ تم
"محبت مر چکی ہے اب"

شفق راجپوت...... گوجرہ

ریت کے گھروندے

بھولی بھالی نادان سی لڑکی
چاہت کے انجام سے
انجان سی لڑکی
اپنی پلکوں پر ہر پل نیا
اک خواب سجاتی ہے
ساحل کی گیلی ریت پر اک گھر بناتی ہے
اور اس گھر کے ہر اک ذرے پر
اسی کا نام لکھتی ہے
جسے چپکے چپکے سب سے چھپ کے
ٹوٹ کے چاہتی ہے
چاہت میں مگن ہوئے
پھولوں کے دیس میں
تتلی کے بھیس میں
خوشبو کے سنگ
ہواؤں میں اڑی جاتی ہے
یہ بھولی بھالی پاگل لڑکی بھلا کیا جانے کے
خواب تو بس خواب ہوتے ہیں
آنکھوں کا سراب ہوتے ہیں
دل پر بہت عذاب ہوتے ہیں
اور......
ریت کے گھروندے تو
وقت کی اک ہی ظالم موج سے ٹوٹ جاتے ہیں

علینہ اشرف...... اسلام آباد

غزل

نہ تھا آغاز نہ انجام محبت
شب جو ہوا تھا انتقام محبت
آنکھوں نے تری مری آنکھوں کو
چپکے سے دیا پیغام محبت
چھونا چاہتا ہوں حواس اپنے
لبوں سے لگو اے جامِ محبت
یہاں دریا بہت گہرا ہے
یہاں دفن ہوگا کوئی نام محبت

اجڑ گئے زید ہاں اجڑ گئے
اجڑ گئے سبھی ناکام محبت
رانا محمد زید...... ٹھیکری والا، فیصل آباد

بتاؤ کیسا لگتا ہے

بتاؤ کیسا لگتا ہے؟
کسی کو پا کے کھو دینا
کسی کے ساتھ تو چلنا
مگر اس کا نہ ہو پانا
خود ہی کو کوستے رہنا
مگر اس کو نہ کچھ کہنا
خود ہی گرنا سنبھلنا
ہنسنا اور رو دینا
بتاؤ کیسا لگتا ہے کسی
کو پا کے کھو دینا
خزاں کی سخت سردی میں
ہجر کی لمبی راتوں میں
کسی کی یاد میں رونا
کسی کو سوچتے رہنا
اور اپنی آنکھیں بند کر لینا
اور اندھیروں میں چلے جانا
بتاؤ کیسا لگتا ہے؟
نئے رشتوں میں رنگ جانا
مگر کسی کو بھول نہ پانا
بتاؤ کیسا لگتا ہے؟
کسی کو پا کے کھو دینا
ثناء اعجاز...... ساہیوال

غزل

کچھ ایسی زندگی کرنی پڑے گی
ہوا کی پیروی کرنی پڑے گی
شب ظلمت مٹانے کے لیے بھی
دلوں میں روشنی کرنی پڑے گی
سلیقہ ڈھونڈنا ہے دوستی کا
کسی سے دشمنی کرنی پڑے گی
کسی سے پھر محبت ہوگئی ہے
محبت آخری کرنی پڑے گی
کسی پتھر کی میں پوجا کروں گا
طبیعت کافری کرنی پڑے گی
نگاہِ فقر میں سب کچھ ملے گا
نگاہ سروری کرنی پڑے گی
سفر کرنا پڑے گا کربلا کا
رقم ہر تشنگی کرنی پڑے گی
مرے نزدیک آتا جارہا ہے
جدائی سرسری کرنی پڑے گی
راشد ترین...... مظفر گڑھ

غزل

ڈالی سے گل ٹوٹ گیا
ساتھ تیرا میرا چھوٹ گیا
ملے گا وقت تو پوچھیں گے
ہم سے کیوں وہ روٹھ گیا؟
جس لڑکی کی ماں مرجائے
اس کا میکہ چھوٹ گیا
ہر رشتہ اک شیشہ ہے
ٹھیس لگی اور ٹوٹ گیا
سپنا کب ہوتا ہے کسی کا
آنکھ کھلی اور ٹوٹ گیا
کنولؔ ستارا قسمت کا
جانے کہاں اب ڈوب گیا
یاسمین کنول...... پسرور

دوست کا پیغام آئے

ہما احمد

آنچل کی تتلیوں اور خاص دوستوں کے نام

السلام علیکم فرینڈز! کیسے ہیں آپ سب؟ پہلے تو ان سب کا شکریہ جنہوں نے مجھے یاد رکھا' جاناں اینڈ نورین شاہد آپ دونوں کہاں غائب ہو؟ شاہ زندگی' کاجل شاہ' اریبہ شاہ' شاہ گروپ' شمع مسکان' ملالہ اسلم' رشک حنا' جاناں' نورین' زرش بخاری' ایس انمول شاہ' سید جیا عباسی' طیبہ نذیر' سار یہ چوہدری (کہاں گم ہو)۔ سباس گل' انا احب' دعا قریشی' پروین افضل شاہین' عدن چوہدری عاشی (ہمیں آپ کی دوستی قبول ہے)۔ زوباش خان' لاڈو ملک' سنیاں و اقصیٰ زگزام' مریم اور باقی سب دوستوں کو پیار بھرا اسلام۔ میری کالج فرینڈز اینڈ سویٹ کزنز' تابندہ 12 دسمبر کو آپ کی سالگرہ ہے اور 18 دسمبر کو سسٹر ایمان' 30 دسمبر کو سسٹر فروا کا برتھ ڈے ہے آپ کو سالگرہ بہت بہت مبارک ہو' خوش رہو جن فرینڈز کے نام رہ گئے ان سے معذرت' اللہ حافظ۔

پارس...... چکوال

صرف اپنے نام

السلام علیکم (آہم) امید و یقین ہے کہ میں ایک دم فٹ فاٹ ہوں گی' یار بادل تمہاری اسٹوری ناقابل اشاعت میں دیکھ کر تقریباً آدھا کلو دکھ ہوا لیکن وہ کیا ہے نا کہ گرتے ہیں شہسوار ہی میدان جنگ میں (بالکل جی) ہاں تمہیں دل پر لینے کی بجائے مزید بہتری اور محنت کرنی چاہیے نا کہ سر منہ لپیٹ کر لیٹ جاؤ' کیوں؟ (اب ایسی بھی بات نہیں' بہر حال تم نے ٹھیک کہا ہے میری بدروح سوری بلکہ اچھی والی دوست)۔ شکریہ ویسے ابھی بھی دو اسٹوریز کا پتا چلنا باقی ہے تو یار انتظار انتظار اور انتظار کرو...... ضرور کچھ نہ کچھ تو بن ہی جائے گا اور اگر نہ بھی بنا تو نو پرابلم تم مزید لکھو۔ ایک نہ ایک دن تمہارا قلم لائن پر آ ہی جائے گا' ان شاء اللہ (شکریہ دوست میرا حوصلہ بڑھانے کا) ہاں کوئی بات نہیں میں نے سوچا میں مما' تانیہ آپی اور فاطمہ آپی کی جانب سے کوئی تسلی ہی دے دوں یہ نہ ہو تم منہ بنا کر بیٹھ جاؤ (ہاں یہ تو ہے چلو جی اب میری ناراضگی ان تینوں فرینڈز سے تھوڑی تھوڑی ختم ہوگئی ہے)۔ او کے دعاؤں میں سب کے ساتھ خود کو بھی یاد رکھنا' اب چلتی ہوں' آنچل پڑھنے والوں کو سلام' آخر میں آنچل کے لیے ڈھیر ساری دعائیں۔ او کے جی اللہ نگہبان۔

وجیہہ خان (بادل)...... کھوٹہ

اپنوں اور دوستوں کے نام

السلام علیکم! آنچل قارئین! ہیلو کزن (تصور) یکم دسمبر کو تمہاری سالگرہ ہے' مبارک ہو۔ ہائے زرقا کیا ہوا؟ ہوش میں آؤ' پہچانو مجھے ہاں میں ہوں تمہاری دوست اور تمہیں سالگرہ کی مبارک باد دینے آئی ہوں' تمہیں یاد نہیں؟ کوئی بات نہیں مجھے تو یاد ہے کہ 7 دسمبر کو تم اس دنیا میں تشریف لائی' سالگرہ کی بہت مبارک باد۔ ٹریٹ کب دو گی؟ 25 یوم قائداعظم پوری قوم کو مبارک ہو۔ کیسی ہو صوبیہ ہاں جی مجھے یاد ہے کہ تم بھی 25 دسمبر کو پیدا ہوئی تھی غصہ تو نہ ہوا اچھا لو پیپی برتھ ڈے تو یو صوبیہ! سب سے اسپیشل لوگ یعنی نبیلہ اور بھائی طارق آپ دونوں کو سالگرہ بہت زیادہ مبارک ہو' 25 دسمبر کو آپ دونوں کی سالگرہ ہے تو ٹریٹ کون دے گا؟ آخر میں سب کو سالگرہ کی مبارک جن کی دسمبر میں ہے اور اللہ سب کو وہ سب کچھ عطا کرے جو ان کے حق میں بہتر ہو اور سب کا دامن خوشیوں سے بھرا رہے آمین ثم آمین' اللہ حافظ۔

شازیہ ریاض...... گجرات

سویٹ اینڈ کیوٹ ٹیچر اور وی ٹی آئی گرلز کے نام

السلام علیکم! سب سے پہلے تو تمام کڑیوں کو میری طرف سے ایک مشورہ ہے کہ ساری یہ بھیڑوں والے دوپٹے بدل لو' بہت ہنسی آتی ہے دیکھ کر۔ چلو اب لے لیے ہیں تو تم چاروں کائنات' سونیا' انیلہ' ثنا' دیا اس کو اپنی ماؤں کے لیے سنبھال رکھو (ہاہاہا)۔ یاد ہے نہ یہ کس نے کہا تھا بھلا؟

اور ہماری نائس میم ان کو میں ہمیشہ یاد رکھوں گی اللہ ان کو دائمی خوشیوں سے نوازے۔ دسمبر میں ہمارا کورس ختم ہو جائے گا تو سب بہت یاد آئے گا۔ ملیحا، اقراء، سارہ سب کو بہت مس کروں گی۔ سائرہ تم تو کنجوسی کم کرو پلیز اور اقراء تھوڑا کم بولتی ہو ٹھیک کہانا (ہی ہی ہی) اور باقی ساری کلاس بھی نائس ہے سب کو اللہ تعالیٰ خوشیاں عطا فرمائے اور سب کو صحت و تندرستی عطا فرمائے، آمین اور جس کی بھی سالگرہ ہے اس کو بھی ایڈوانس میں مبارک باد، باقی میں رہ گئی وہ تو تم سب جانتی ہی ہوگی کہ کتنی اچھی ہوں، ہے نا؟ ہاں ہاں اب جلو مت سب اور اچھے سے کام کرو اور ہمیشہ سچائی کا ساتھ دو، آخر میں سب کو سلام زندگی نے وفا کی تو لکھتی رہوں گی۔

شائستہ جٹ...... چیچہ وطنی

عدیلہ آپی اور بھائی سعید کے نام

السلام علیکم آپی اور بھائی کیسے ہیں آپ؟ آپ کو کیوٹ سے بیٹے داؤد احمد کی بہت ساری مبارک ہو۔ کیسا ہے میرا پیارا داؤد جانو! داؤد جلدی سے بڑے ہو جاؤ اور مجھے سعدی آنی کہنا شروع کردو۔ شاکرہ آپی، عائشہ آپی آپ کیسی ہیں؟ آپ کی پریاں کیسی ہیں؟ سعدیہ صدیقہ کیسی ہو؟ دل لگ گیا آپ کا، پڑھائی کیسی جارہی ہے آپ کی؟ حیدر بھائی آپ کیسے ہیں؟ ہیلو صفی! کیسے ہیں آپ (شرماتے ہوئے)۔ حمنہ کیسی ہو، تمہیں میں کہاں بھولتی ہوں چڑیل! ہیلو زارا خان، بشریٰ رفعت ندا کہاں مر کھپ گئی ہو یار! فرحت اشرف تھمن کیسی ہیں آپ؟ عمر بھائی دیکھ لو تمہیں بھی نہیں بھولتی میں اللہ حافظ۔

سعدیہ رمضان سعدی...... 186 پی

آنچل فرینڈز اور اپنوں کے نام

آنچل کی تمام پریوں کو میرا پیار بھرا سلام اور ڈھیر ساری دعائیں، سب سے پہلے پروین آپی آپ تو آنچل کی جان ہو میں نے اللہ تعالیٰ سے ڈھیر ساری دعائیں کی کہ وہ آپ کی گود بھر دے آپ کو چاند سا بیٹا یا بیٹی نواز دے اور اللہ پر گس بھائی کو جلدی ٹھیک کردے، اللہ تعالیٰ آپ کی جوڑی کو سلامت رکھے، آپ کی زندگی خوشیوں سے بھر دے، آمین۔ ڈیئر شمع مسکان کیسی ہو، مجھے پہچانا کہ نہیں۔ میرا اسلام تم تک نمرہ اور علیشبہ کے ذریعے پہنچتا ہے کہ نہیں؟ مہر گل، حمیرا عروش، جیا عباس، عائشہ نور عاشا، طیبہ نذیر، شاہ زندگی، دعائے سحر، ملالہ اسلم، جاناں ملک، حرا قریشی، لاڈو ملک، کرن ملک آپ سے مجھے دوستی کرنی ہے۔ کیا آپ مجھ سے دوستی کروگی؟ اب باری میری پیاری کزنز کی سب سے پہلے سہانہ بشیر میٹرک اتنے اچھے نمبروں سے کلیئر کرنے پر بہت مبارک باد، اللہ تعالیٰ تمہیں ہر قدم پر کامیاب کرے۔ فرحانہ بشیر تمہیں بھی فرسٹ ائر میں اچھے نمبر لانے پر مبارک باد۔ ریانہ باجی آپ کو ڈھیر سارا پیار اور سلام۔ گلشن عطا میری پیاری کزن میں تم سے اتنا کہنا چاہتی ہوں اگر مجھ سے کوئی بھی غلطی ہوئی تو سوری یار مجھ سے کبھی ناراض مت ہونا۔ ہماری دوستی اسی طرح برقرار رکھنا اپنے تمام پچھلے رویوں پر تم سے معافی مانگتی ہوں۔ کائنات سویرا کو ڈھیر سارا پیار اس کے ساتھ اجازت چاہوں گی اللہ حافظ۔

شمائلہ کرن...... داجل

اپنی فیملی کے نام

السلام علیکم! پیاری امی، ابو جان آپ کو شادی کی سالگرہ بہت مبارک ہو اور میری دعا ہے آپ دونوں ایسے ہی ہمیشہ ایک ساتھ رہیں اور آپ کا سایہ ہمیشہ ہمارے سر پر سلامت رہے، آمین اور پیارے ابو جی آپ کی 15 دسمبر کو سالگرہ ہے، مبارک ہو۔ اللہ تعالیٰ آپ کو صحت و تندرستی عطا فرمائے، آمین۔ احسن بھائی 11 دسمبر کو آپ کی برتھ ڈے ہے آپ کو بھی مبارک ہو۔ پیارے بھائی شکیل احمد فرام اٹلی آپ کو بھی سالگرہ بہت مبارک ہو، پچھلی برتھ ڈے پر آپ پاکستان میں تھے نا، پورا سال ہو گیا آپ لوگوں کو پاکستان آئے ہوئے جلدی آنا ٹھیک ہے اور پیاری عروہ سویٹ ڈول آپ کو بھی سالگرہ مبارک ہو اسکول جاتی ہو نا زارا آپ بھی جاتی ہو۔ عبیرہ آپ مت رویا کرو آپ بھی بڑی ہوگی تو اسکول جایا کروگی۔ شکیل، عقیل آپ دونوں کو پاس ہونے کی بہت بہت مبارک ہو، روا خالہ، چاچا آپ سب کیسے ہیں یقیناً اٹلی میں بہت سردی ہوگی۔ یاد ہے نا کہ جنوری کو میری برتھ ڈے

ہے دیکھتی ہوں کون پہلے وش کرتا ہے تمام آنچل فرینڈز کو دعاؤں سمیت پیار بھرا اسلام اللہ حافظ۔

مدیحہ نورین مہک...... برنالی

شازیہ ہاشم کے نام

آپی جان شازیہ! کیا حال ہے دعا میں یاد رکھنا اور جلدی سے پیا دیس سدھار جایئے۔ سویٹ سسٹرز نبیلہ اینڈ سائرہ کیا حال ہے اچھی بہنو ناراضگی دور کرلوں اور فون کرلیا کرو پیاری کلاس فیلوز ثمرینہ امرینہ سلمیٰ کہاں غائب ہو میری شادی پر بھی نہیں آئی اس لیے تم سے کٹی...... (ہاہاہا)۔ آنچل کے توسط سے میں شمع مسکان رابعہ بھٹی پتوکی اور اگر کوئی دوستی کرنا چاہے تو میزاب قصور سے فرینڈ شپ کرنا چاہوں گی۔

کے ایم نور الشال...... قصور

اپنوں کے نام

السلام علیکم! میرے پیارے پیارے مگر کڑوے بادامو! مابدولت کی جانب سے پُرخلوص دعائیں پیارے چاچو سہیل احمد آپ کو اللہ نیک ہدایت دے (ہاں تو) آپ میری گردن بہت بُری طرح سے دباتے ہیں۔ جانتے ہیں ناں کہ میں کمزور ہوں سو کیا کرلوں گی۔ اپنی کوشش تو کرتی ہوں مگر یہ کمزور بازو ساتھ نہیں دیتے تو دل مسوس کر رہ جاتی ہوں۔ چاچو وسیم اکرم جی آپ کسی دن نقصان اٹھائیں گے ہاں...... یہ جو ہر دوسرے شخص کو اپنے اعتماد میں لینے کے لئے کبھی پیٹ کی قسم کھاتے ہیں اور کبھی بھوک کی قسم...... بعد میں بھگتیں گے (بزرگوں کی بات ماننے میں ہی بھلائی ہوتی ہے)۔ چاچو شاہد اقبال اب میں آپ کا جھوٹا کھایا کرو گی ہاہاہا۔ چاچو سلیم سے میں ناراض ہوں کچی مچی مگر پھر بھی (السلام علیکم) کہہ ہی دیتی ہوں۔ چاچو جاوید جی آپ سے تو اللہ بچائے اور آپ کا بیٹا جنید جاوید تو ماشاء اللہ سے ڈبل شاہ ہے۔ چاچو خالد محمود بہت بہت مبارک ہو کہ آپ نماز کے پابند ہوگئے اور دین کی طرف رجحان کچی آپ سب کو نماز کی دعوت دیتے ہوئے بہت اچھے لگتے ہیں۔ میں اس تبدیلی پر بہت ایکسائٹڈ ہوں اللہ عرفان بھائی کے درجات بلند کرے اور انہیں عمر خضر عطا فرمائے آمین جنہوں نے آپ کو سدھارنے میں اہم کردار ادا کیا۔ یقیناً ایسے لوگ ہمارے راستوں میں راہ دکھانے والی مشعل ہوتے ہیں۔ چاچو محمد صابر صاحب آپ خاموش کیوں ہیں لگتا ہے کوئی نئی جلی کٹی سنانے ہی والے ہیں۔ بہت سی امیدیں ہیں آپ سے ویسے آپ محفل کو سنوار دیتے ہیں۔ چاچو تصور علی آپ سے تو ڈر بھی لگتا ہے ویسے آپ کڑوے کریلے نہیں ہیں کیونکہ آپ دیکھنے میں تو جلاد کی کاپی اور اگر بات کریں تو ٹپکتا شہد مگر آنکھیں قہر آلود (اُف)۔ ارے ارے میں آپ کو کیسے بھول سکتی ہوں آپ تو میرے پیارے سے بھیا زبیر جی ہیں بس مجھے آپ کے اس موبائل سے بڑی جیلسی فیل ہوتی ہے کچی (وجہ تو آپ جانتے ہیں) اور میں عرفان بھائی کو بتاؤں کی آپ نماز نہیں پڑھتے پھر آپ کے کان کھینچیں گے تو ہائے اللہ...... میں بہت انجوائے کروں گی ان شاء اللہ۔ میرے محترم والد جی آپ کیوں حیرت سے مجھے دیکھ رہے ہیں اپنے ذہن کو مضبوط کریں اور دماغ کو حاضر کرکے اپنی نیکیوں میں اس سب سے بڑی نیکی کو تلاش کریں جس کا میں ثمر ہوں ہاہاہا۔ پیارے بابا جان آپ نے مجھے جس ناز ونعم سے پالا سارے چاچوس نے جو محبت اور مان دیا خاندان کی ساری لڑکیوں سے زیادہ آزادی دی میں نے جو چاہا حاصل کیا اور آپ نے گردش حالات سے لڑتے ہوئے بھی مجھے ایک شاہی زندگی کی سہولیات دیں۔ میں نے جو چاہا پڑھا جسے چاہا چھوڑا حتیٰ کہ آپ نے میری پڑھائی کا فیصلہ بھی مجھ پر ہی چھوڑ دیا۔ یہ سوچتے ہی میرا دل چاہتا ہے میں ضرور آپ کو اس سب کا صلہ دوں مگر میری سمجھ میں کچھ نہیں آتا کہ کیا کروں دل چاہتا ہے کہ ایسا کچھ کروں جس سے نا صرف دنیا میں آپ کا نام درخشندہ ہو بلکہ آخرت میں بھی آپ کے سر پر سورج سے زیادہ روشن تاج پہنایا جائے آپ دعا کریں اللہ مجھے سرخرو کرے آمین۔ ابو جان آج تک آپ کو میری کوئی شکایت نہیں ملی ان شاء اللہ آئندہ بھی نہیں ملے گی۔ اگر آپ کی بیٹی دنیا گھوم آئے گی تو بھی کوئی شخص آپ کو یہ نہیں کہے گا کہ آپ کی بیٹی فلاں جگہ کھڑی تھی ان شاء اللہ۔ اس وقت میں اپنی زندگی کے سب

سے کڑے امتحان کے دورا ہے پر ہوں کہ یہ دنیا کا سب سے کڑا امتحان ہے اور وہ امتحان سود و زیاں کا ہے۔ قرآن پاک کی آیت کی تفسیر میں زمین کی پاتال ڈھونڈنے کا امتحان، مجھے آپ کی دعاؤں کی از حد ضرورت ہے اللہ حافظ۔

نورین مسکان سرور..... سیالکوٹ ڈسکہ

دل کی دھڑکن کے نام

السلام علیکم! پیاری پیاری اینڈ لولی فرینڈ کیسی ہو؟ تمہیں پتا ہے میں تو فٹ فاٹ ہوں۔ ڈیئر نورین! پیپر کیسے ہوئے ہیں آپ کے؟ آج کل گھر پر کیا کچھ ہو رہا ہے وہی کچھ یا کچھ نیا بھی۔ مسکان اب جلدی سے کسی بھی ڈائجسٹ میں ناول یا افسانہ سینڈ کرو جو پاس ہو جائے۔ ہمیں بہت جلدی ہے آپ کا کوئی افسانہ پڑھنے کی۔ ڈاکٹر بننے کی خواہش تو اب پوری نہیں کی اب رائٹر بننے کی ہی پوری کردو۔ مسکان آپ ہمت اور محنت اسی طرح جاری رکھنا رب تعالیٰ ایک نہ ایک دن آپ کو ضرور کامیاب کرے گا آمین۔ مجھے مسکان تمہاری ذہانت اور قابلیت پر ناز ہے۔ میرے لیے آپ بہت قیمتی دوست اور سسٹر ہو جسے میں کبھی بھی کھونا نہیں چاہتی۔ میری اللہ سے دعا ہے تمہاری جیسی مخلص اور سچی دوست سب کو عطا کرے۔ اللہ آپ کو زندگی کے ہر موڑ پر خوشیاں اور کامیابیاں عطا کرے۔ رب تمہاری نیک اور دلی خواہش جلد از جلد پوری کرے آمین۔ یار اپنا خیال رکھا کرو اب تو پیپر بھی ختم ہو گئے ہیں مجھے دیکھ کر ہی تھوڑی موٹی ہو جاؤ۔ آخر میں ایک چھوٹی سی ریکوئسٹ کرتی ہوں آپ کبھی بھی کسی بھی موڑ پر مجھ سے ناراض مت ہونا اور نہ ہی چھوڑنا پلیز، او کے رب راکھا۔

تانیہ جہاں..... سیالکوٹ ڈسکہ

پیارے بھائی راشد ترین کے نام

السلام علیکم! ڈیئر برادر کیسے ہو آپ؟ یقیناً آپ پریشان ہو رہے ہوں گے مجھے دیکھ کر کہ میں کون ہوں اور کہاں سے آئی ہوں؟ ظاہر ہے پریشان ہونا تو بنتا ہے آپ کا لیکن آپ زیادہ ٹینشن نہ لیں میں سب بتا دیتی ہوں، آخر ماجرا کیا ہے؟ وہ دراصل مجھے شاعری سے جنون کی حد تک عشق ہے میں آنچل میں سب سے پہلے بیاض دل اور نیرنگ خیال ہی پڑھتی ہوں جہاں کبھی کبھی آپ کی شاعری بھی ملتی ہے جو کہ مجھے بہت پسند آتی ہے۔ بھائی آپ بہت اچھی غزلیں لکھتے ہیں بھائی آپ سے ایک ریکوئسٹ کرنا چاہتی ہوں اگر قبول کرلیں گے تو بہت مہربانی ہوگی۔ آپ ہر ماہ اپنی شاعری سینڈ کیا کریں آنچل میں مجھے بہت اچھا لگے گا۔ بھائی میں صرف آپ کو آنچل کے ذریعے ہی جانتی ہوں۔ او کے اللہ حافظ۔

سائیہ کنول..... سیالکوٹ ڈسکہ

نزہت جبیں ضیاء اور آنچل بہنوں کے نام

السلام علیکم! امید کرتی ہوں سب خیریت سے ہوں گی اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنی امان میں رکھے آمین۔ نزہت جبیں آپ کے شکریہ کے جواب میں ویلکم بلاشبہ بھی رائٹرز بہت محنت سے اور بہت اچھا لکھتی ہیں اور اچھی تحاریر کی تعریف کرنے میں کوئی حرج نہیں بلکہ ایک طرح سے ہم قاری بہنیں اچھی تحاریر کی تعریف کرکے آپ رائٹرز کا شکریہ ادا کرتی ہیں جو ہمارے لیے اتنی پیاری اور خوب صورت تحریریں لکھتی ہیں، بہت شکریہ آپ کا خوش رہیں۔ روبی علی الحمدللہ میں ٹھیک ہوں امید کرتی ہوں آپ بھی خیریت سے ہوں گی، جزاک اللہ۔ صائمہ سکندر سومرو، نجم انجم سلام و دعا کے لیے شکریہ۔ اللہ تعالیٰ آپ کو خوش رکھے آنچل کی سب ہی قاری بہنوں کو میرا اسلام اور دعا۔ اتنا کہنا چاہوں گی میں آپ سب کی تحریریں جو کسی بھی سلسلے میں موجود ہوں غور سے پڑھتی ہوں۔ دوست کا پیغام میں بھی جو بہنیں مجھے اپنی دعاؤں میں یاد رکھتی ہیں ان کی تہہ دل سے مشکور ہوں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر دے آمین۔ کبھی بھی کسی کو نظر انداز نہیں کیا یہ اور بات ہے کہ مخاطب بہت کم ہوتی ہوں اس کے لیے معذرت خواہ ہوں، فی امان اللہ۔

دلکش مریم..... چنیوٹ

شاہ گروپ کے سویٹ ستاروں کے نام

السلام علیکم! آنچل اسٹاف اور شاہ گروپ کی چمکتے تارو، دعا ہے صدا چمکتے ہی رہو۔ جیزی آپ کا میٹرک کا شان دار

رزلٹ دیکھ کر بہت خوشی ہوئی' میری طرف سے ڈھیروں مبارک باد اور کالج جوائن کا سن کر خوشی ہوئی۔ زونی شاہ ثمر عباس پوچھ رہی ہے ڈاکٹر بننے کے چانسز کتنے فیصد ہیں تاکہ یہ میرے دماغ کا علاج بھی تم سے کرواسکے۔ ثمر عباس آپ کو کہنا چاہتی ہوں خوش رہا کرو اور میری دعا ہے اللہ خوشیاں تمہارا مقدر کرے اور میرے پیارے پاکستان' آنچل اور شاہ گروپ کو ہر آفت سے محفوظ رکھے' آمین خوش رہو اللہ حافظ۔

ثمر عباس' لیلیٰ شاہ...... جنڈانوالہ

اپنی سویٹ کیوٹ فیملی کے نام

السلام علیکم کیسے ہیں سب؟ امی جان' ابو جان' میری پیاری بہنیں اور بھائی؟ اللہ سے دعا ہے آپ کو ہمیشہ ہنستا مسکراتا رکھے' آپ کو اپنی رحمتوں کے حصار میں رکھے آمین۔ باجی مصباح اور شبیر بھائی جان آپ کو بیٹے کی بہت مبارک ہو اللہ میرے بھانجے کو صحت وتندرستی عطا فرمائے' آمین۔ مصباح باجی آپ کی خراب طبیعت کا سن کر دل بہت پریشان ہوگیا' اللہ آپ کو صحت عطا فرمائے' آمین۔ اوہ ہیلو...... آپ سب کیوں منہ لٹکا کے کھڑے ہوگئے' آپ سب میں تو میری جان ہے میرے سویٹ بھانجے بھانجیوں' حفصہ' انوش ذرا کم کھایا کرو ناں بٹیا جی۔ ابوبکر' عبدالوہاب زیادہ سے زیادہ پڑھائی پر توجہ دیا کرو' ارحم علی میرا ننھا منا سویٹ بھانجا آپ نے بڑے ہوکر کیا بننا ہے؟ تازیب میری سویٹ بھانجی آپ کب آرہی ہو ہمارے گھر؟ عائشہ میری شہزادی ذرا کم شرارتیں کیا کرو' سن رہی ہو ناں۔ عیشال فاطمہ آپ کا ذکر آنٹی عشاء نہ کرے ایسا ہوسکتا ہے آپ میں تو میری جان ہے اپنی مما کو کم اور اپنے پاپا کو زیادہ تنگ کیا کرو سمجھ گئی ناں میری بات۔ خاقان بھائی' عبدالحسین' خضر اپنی عشاء بہن کا سلام قبول کرو شاباش۔

اسماء نور عشاء...... بھوج پور

جیہ جی کے نام

جیہ جی کیسی ہیں آپ؟ جب آپ کی شادی ہوچکی ہوگی تب یہ آنچل پر آئے گا' اللہ آپ کو ڈھیر ساری خوشیاں عطا کرے کوئی غم چھو کر بھی نہ گزرے۔ آپ نے جو مدرسے میں وقت گزارا اور جو تعلیم آپ نے بچوں کو دی جس کی وجہ سے وہ معصوم پھول مستقبل کے لیے بہت پاور فل ثابت ہوں گے۔ اللہ آپ کی زندگی دراز کرے اور آپ کے شوہر کو بھی لمبی عمر دے' میری طرف سے ترنم اینڈ خان کو سلام کہنا بلکہ مجید خان لالہ کو بھی سلام کہنا۔

غزل فاطمہ......

آنچل پڑھنے اور اوڑھنے والیوں کے نام

السلام علیکم! تمام آنچل پڑھنے اور اوڑھنے والی بہنوں کو میرا خلوص بھرا سلام۔ کچھ پیاری ہردل عزیز ہستیوں نے قلم اٹھانے پر مجبور کردیا تو میری پیاری دوستو "نازیہ کنول نازی اور سمیرا شریف طور آپ کو اپنی نئی زندگی بہت مبارک ہو اللہ آپ کو اپنے اپنے ہمسفر کے ساتھ بہت خوش رکھے' آمین۔ نازی جی آپ کے بارے میں جو کچھ آنچل میں پڑھتی رہی ہوں' ہر موڑ پر دل سے دعا کی ہے آپ کی خوشیوں کی۔ میری امی بھی آپ کی فین ہیں آپ کے لیے بہت دعائیں کرتی ہیں' جب آپ کے ساتھ ماؤں کی دعائیں ہیں آپ ہر مصیبت سے دور رہیں گی اور یہ کہ میں سب رائٹرز کو ہی پڑھتی ہوں سب کے قلم میں جادو ہے' آنچل میں چمکنے والا ہر ستارا اپنا ایک خاص مقام رکھتا ہے۔ میری دعائیں آپ سب کے ساتھ ہیں' عفت سحر طاہر! آپ کیسی ہیں اللہ آپ کو خوش وآباد رکھے۔ سعدیہ امل کاشف' اقراء جی آپ کی تحریریں تو دل موہ لیتی ہیں۔ کتنی سچائی سے لکھتی ہیں آپ اور حنا ملک آپ کہاں گم ہوگئیں' جب دل نے آپ کو اپنا مان لیا تو آپ آنچل کی محفل ہی چھوڑ کر چلی گئیں' اللہ آپ سب کو خوش وخرم رکھے آمین۔

روشنی...... حیدرآباد

دل میں بسنے والیوں کے نام

سلمٰی چوہان' سدرہ چوہان' شاہدہ رمضان' ملتان کی میری ننھی سی کلیو! تمہاری مما تمہیں کیسے بھول سکتی ہے تم تو میرے دل میں بستی ہو۔ تمنا بلوچ میرے لیے اولاد کی دعا کرنے کا بہت بہت شکریہ۔ نزہت جبین ضیاء آپ کو

مختلف رسالوں میں پڑھتی تھی، آنچل میں آنے پر ہم تمام رائٹرز آپ کو خوش آمدید کہتی ہیں۔ سعدیہ رشید بھٹی! آپ کو میرے بغیر آنچل ادھورا سا لگتا ہے یہ تو آپ کی نظر کا کمال ہے ورنہ ہم کہاں کے طرم خان ہیں۔ ارم کمال! میرے سوالات آپ کو مسکرانے پر مجبور کردیتے ہیں، آپ کے سوالات بھی غضب کے ہوتے ہیں۔ لائبہ میر! میں مان لیتی ہوں کہ آپ نے واقعی میرے نام پیغامات بھیجے ہوں گے دل چھوٹا نہ کریں۔ میں تمہارے دولہا بھائی پرنس افضل شاہین کے قلم کیوں چراؤں گی وہ تو خود میرے قلم استعمال کرتے ہیں (کنجوس جو ہوئے)۔ رضوانہ ہاشم! ہماری دعا ہے اللہ تعالیٰ تمہارے ماموں کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے آمین۔

پروین افضل شاہین...... بہاولنگر

پروین افضل شاہین کے نام

السلام علیکم! ہاؤ آر یو؟ اللہ تعالیٰ اس جوڑے کو ہمیشہ سلامت و خوش رکھے، کبھی غم نہ آئے۔ اپیا آپ بہت نائس ہو اللہ سے دعا ہے کہ وہ آپ کی ہر دلی خواہش پوری کرے اللہ آپ کی فیملی مکمل کرے، بیسٹ آف لک۔

لاریب انشال...... اوکاڑہ

پیارے بھائی راؤ سلیم کے نام

پیارے بھائی! کچھ لوگ کم عمر لکھوا کر لاتے ہیں، آپ بھی اپنی مختصر زندگی لے کر آئے، آپ نے بوڑھی ماں کا خیال بھی نہ کیا کہ وہ تیرے بغیر کیسے رہے گی جو کہیں جا کر بھی آپ کی فکر کرتی تھی آپ بھی کبھی اس کو تنہا نہیں کرتے تھے۔ بچوں کا بھی نہ سوچا چھوٹے ہارون کا اور مشعب جو تمہارے بغیر نہیں رہتا تھا۔ طلحہ، یہ چھوٹے چھوٹے ننھے منے کیا کریں گے ہم سب بہنیں تمہارے بغیر نہ جی رہی ہیں نہ مر رہی ہیں۔ آپ ہمیں چھوڑ کر منوں مٹی تلے جا سوئے، ہم جانتے ہیں کہ موت ایک اٹل حقیقت ہے، ہم سب نے ہی مرنا ہے پر ابھی تک ہمیں صبر نہیں آرہا۔ اگست 6 تاریخ جمعہ کو آپ نے روتے بلکتے چھوڑا آپ نہیں جانتے یہ جمعہ کا دن ہم کیسے گزارتے ہیں، بس اللہ پاک سے دعا کرتے ہیں کہ وہ آپ کو جنت کے اعلیٰ درجوں میں آپ کا اعلیٰ مقام کرے آپ کی امی، بیوی، بہن، نسرین، شمیم، تسنیم، شاہین، بھائی نسیم، عظیم، وسیم اور آپ کے بچوں کو صبر جمیل عطا فرمائے، آمین ثم آمین آپ سب سے بھی دعا کی اپیل ہے۔

تسنیم سحر شاہین لقمان...... بھکر

مرحوم دادا جان کے نام

بچھڑا کچھ اس ادا سے کہ رُت ہی بدل گئی
ایک شخص سارے شہر ویران کرگیا

مندرجہ بالا شعر جب میں کسی رسالے میں پڑھتی یا سنتی ہوں تو مجھے اس کا مفہوم سمجھ نہ آتا تھا کہ کیسے ایک شخص کے بچھڑ جانے سے شہر ویران ہو جاتا ہے مگر مجھے اس شعر کا مفہوم اس موقع پر سمجھ آیا جب میرے معزز و محترم اور جان سے پیارے دادا جان ہمیں چھوڑ کر اس دنیا سے رخصت ہو گئے میرے دادا کی جدائی نے مجھے مفہوم سمجھا دیا پھر میں سمجھ گئی ہاں...... جب ہماری معزز ہستی جس سے ہم بہت پیار کرتے ہیں اور وہ بھی ہمارا خیال رکھتا ہے اور جب وہ بچھڑ جائے تو بہت دکھ ملتا ہے۔ میرے پیارے دادا جان! آپ کیوں ہمیں چھوڑ کر چلے گئے، ہماری تو دادی بھی نہیں ہمارا سب کچھ آپ ہی تھے تو کیوں آپ ہمیں داغ مفارقت دے کر چلے گئے۔ آپ کو تو پتا تھا کہ میرے پاپا آپ سے کتنی محبت کرتے تھے، ان کے لیے تو آپ بہت ہی اہم تھے۔ دادا جان! آپ نے بھی میرے پاپا کو چھوڑ دیا میرے پاپا جس کو چاہتے ہیں وہ کیوں بچھڑ جاتا ہے۔ پہلے دادی گئیں اور اب آپ، میرے پاپا اور کلثوم پھوپو کیسے آپ کی جدائی کو برداشت کریں۔ پاپا تو آپ کو بھلا ہی نہیں پا رہے کیونکہ آخر وقت بھی وہی آپ کے پاس تھے جب آپ ہمیں چھوڑ کر چلے گئے۔ آپ کے بغیر ضیاء چچا کا گھر ویران ہے رونق تو آپ کے دم سے ہی تھی۔ دادا! آپ کے بچھڑ جانے سے گھر کیا، شہر کیا؟ ہمارے دل ہی ویران ہو گئے ہیں۔ عجیب بے سکونی، دل بے چین ہیں۔ ہمیں بالکل یقین نہیں آتا کہ آپ چلے گئے ہیں اس دنیا سے۔ آپ تو ایسی جگہ چلے گئے ہیں جہاں سے کوئی واپس نہیں آتا آپ

نے سچا رستہ اپنالیا' پیارے دادا جان! آپ کے لیے میری دعا ہے کہ اللہ آپ کو جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے اور ہم سب کو صبر جمیل عطا فرمائے آمین۔

سلمیٰ عنایت...... کھلابٹ ٹاؤن شپ

امبر سکندر علی سومرو کے نام

السلام علیکم! فرینڈز کیا حال ہے' امبر سکندر سومرو جی کہہ رہی ہوں تم نے کسی دن میرے ہاتھوں ضائع ہو جانا ہے۔ دسمبر سے لے کر اب تک تمام شمارے کھول کر دیکھو اور پھر کہنا کہ بے وفا کون ہے میں یا تم اور ہاں آپ کو اور جیجو کو میرہ علی کی ڈھیروں مبارک باد اور میرو کو آنی کی طرف سے ڈھیر سارا پیار۔ سویٹ شاہ زندگی' شمع مسکان' ایمن وفا' پارس شاہ اینڈ اقصیٰ کنزہ بھول تو نہیں گئیں حنا کو۔ سویٹی فوزیہ ثانیہ' سمیرا تعبیر' زدباش خان' چندا چوہدری اینڈ زرسحر ڈیئر! کب درشن کروا رہی ہو اپنے۔ وثیقہ زمرہ آپ کو منگنی کی مبارک باد ڈیئر روشنی وفا اینڈ عروسہ' ہمیں آپ کی دوستی قبول ہے' اب بھول مت جانا ورنہ...... بلیو مون ڈیئر! سالگرہ کی ڈھیروں مبارک باد اور دعائیں' کیک فارورڈ کرنا مت بھولنا۔ سامعہ بہنا کیا کہوں آپ سے بے شک والد کا سایہ سر سے اٹھ جانا آپ کے لیے ایک ناقابل عظیم نقصان ہے مگر صبر کے علاوہ کیا کر سکتے ہیں سو صبر کرو' اسپیشل فرینڈز ابرش اینڈ زیست بھول گئیں نا' مائی پریٹی ڈول حورعین بہت شوق تھا نا مجھ سے دوستی کرنے کا اب پورا ہو گیا سویٹی در نجف سیال گم ہو گئی ہو بالکل نہیں مل رہی اے جاناں اینڈ عائشہ تم لوگ مجھے گھور کیوں رہی ہو۔ نورین شفیع تم بالکل بھی مجھے یاد نہیں ہو' ہیلو خوب صورت پری شزا بلوچ اینڈ تمنا بلوچ! اداس کیوں ہیں' میں آ گئی ہوں نا پروین افضل کیا آپ میری آپی بنیں گی' پکی والی۔ فاخرہ ایمان' کومل رباب' رینا طاہر' صباء بھٹی' انا احب' حمیرا عروش' لاڈو ملک' سجو جیا عباس' لائبہ میر اینڈ مسکان قصور نادیہ کامران' دھڑکن بلوچ کیسی ہیں؟ آپ سب فی امان اللہ۔

ماہ رخ سیال' رشک حنا...... سرگودھا

حنا اشرف اور آنچل کی چڑیلوں کے نام

السلام علیکم! آنچل والو کیسے ہیں سب؟ حنا آخر کار تمہاری وجہ سے آنچل میں انٹری مارنا ہی پڑی' حنو بہت بہت مبارک ہو آنچل میں پہلا افسانہ شائع ہونے پر۔ تمہارا افسانہ دیکھ کے جو خوشی ہوئی وہ بیان نہیں کی جا سکتی' بہت اچھا لگا لکھتی رہو۔ اللہ پاک تمہیں بہت سی کامیابیاں دے اور جو خواب دیکھ کے تم نے قلم اٹھایا وہ سب پورے ہوں' تمہیں توقع سے زیادہ کامیابیاں ملیں آمین ثم آمین۔ اب آ ہی گئے ہو تو کالی پیلی نیلی چڑیوں کو بھی منہ لگالوں' کیسی ہو سب' لو یو آل۔ نام کسی کا نہیں لوں گی کیونکہ اس میں ایک تو ڈر ہے کسی کا نام رہ گیا تو آہ و شکوے گلے شروع دوسرا نام لینے سے تمہیں پتا چل جائے گا کہ چڑیلوں کی لسٹ میں کون کون شامل ہے' ہاہاہا۔ دشمہ تمہیں شادی کی پہلی سالگرہ مبارک ہو ان ایڈوانس۔ اگر حنا شادی کے تین ماہ بعد شادی کی مبارک باد دے سکتی ہے تو میں آٹھ ماہ پہلے شادی کی سالگرہ کی مبارک باد نہیں دے سکتی کیا۔ اب آتی ہوں میری موسٹ فیورٹ رائٹر عفت آپی کی طرف پلیز آنچل کے لیے پھر سے کوئی ناول لکھیں میں آپ کو آنچل میں بہت مس کرتی ہوں' عفت آپی رئیلی لو یو۔ سمیرا شریف طور آپ سے تو ناراضگی پکی' ہر بار عباس کے زیادہ سینز کا کہہ کے آخر پر دو ڈائیلاگز کے بعد اسے بھگا دیتی ہیں' ہونہہ...... لیکن اس سب کے باوجود ایک اور انتہائی زبردست ناول لکھنے پر جو آل موسٹ مکمل ہو گیا ہے' مبارک باد قبول کریں۔ سباس گل بہت بہت مبارک ہو' ماشاء اللہ آنچل میں ایک اور زبردست ناول مکمل ہوا۔ صدف اپنی اچھی اچھی تحریروں کے ساتھ آتی جاتی رہا کرو' فاخرہ آپ نے اشارہ تو دے دیا کہ نیا ناول آ رہا ہے' اللہ کرے وہ آنچل میں آئے۔ ان شاء اللہ ہو گا تو وہ شاہکار ہی ہے' ہمیشہ کی طرح۔ اجازت چاہتی ہوں' اللہ حافظ۔

dkp@aanchal.com.pk

یاد گار لمحے

جویریہ سالک

خامشی

ضبط جب انتہا پر آجائے
دکھ سے ہونٹوں پر قفل پڑ جائیں
آنکھیں ساکت ہوں
دل پریشاں ہو
ایسے عالم میں غم کے ماروں کی
"خامشی" بھی شور کرتی ہے

سباس گل...... رحیم یار خان

انمول موتی

❖ اپنے وقت کو کارآمد بناؤ ورنہ یہ تمہیں ناکارہ بنادے گا۔
❖ ذکر الٰہی سے بڑھ کر دل کو کوئی شے سرور نہیں دے سکتی۔
❖ محنت اور لگن کے علاوہ مستقل مزاجی بھی کامیابی کے لیے ضروری شرائط میں سے ایک ہے۔
❖ منفی خیالات سے حتیٰ الامکان بچنا چاہیے یہ ہر صلاحیت کو مقفل کردیتے ہیں۔
❖ انتہا وہ مقام ہے' جس کا کوئی وجود نہیں۔
❖ تحمل سے کیا گیا کام آپ کو پچھتاوے سے بچا سکتا ہے۔

مدیحہ ارم کشش

مرسلہ: اقراء...... ہری پور

پہلی بارش

آج دسمبر کی پہلی بارش
کے ساتھ ہی
تیری یاد کی کتنی ہی بوندیں
پلکوں کی باڑ توڑ کر
میرے چہرے کو بھگو کر
تن کو جل تھل کر گئیں

روبی علی...... سیدوالا

کام کی باتیں

⌘ موت کے علاوہ کلونجی ہر مرض کی دوا ہے۔
⌘ گلے کے درد کے لیے دودھ سے بہتر کوئی بھی دوا نہیں۔
⌘ چاول ایک ایسی غذا ہے جو معدہ کو تقویت پہنچاتی ہے اور بواسیر کے خاتمے کے لیے انتہائی مفید ہے۔
⌘ ماش کی دال کھانے سے جسم پر پڑنے والے سفید داغ ختم ہوجاتے ہیں۔
⌘ شدید قسم کے دست و پیچش میں چاول کی روٹی انتہائی مفید و موثر ہے۔

ثناء اعجاز

آپ جانتے ہیں

جب اللہ کسی کے دل میں قیام کرنا چاہتا ہے نہ تو وہاں پہلے کسی اور کو ٹھہرا کر دیکھتا ہے' آیا یہ مٹی اس کی محبت کے لیے کتنی زرخیز ہے اور جب اللہ کسی کو اس کی غفلت سے نکالنا چاہتا ہے تو اسے ٹھوکر لگاتا ہے۔ ٹھوکر سے مراد آپ غم بھی لے سکتے ہیں' غم کی شدت میں بہت کم لوگ ہیں جو ہواس بحال رکھیں اور رب سے شاکی ہونے کی بجائے شکر گزاری اور رضا مندی میں راضی بارضا رہنا جانتے ہیں۔

ثمر عباس' لیلیٰ شاہ...... جنڈانوالہ

گرہ میں باندھ لو

تین ایسی نیکیاں جن کو کرنے سے قیامت کے دن عرش کا سایہ ملے گا۔
کسی ٹوٹے ہوئے دل کو جوڑنا
دل نہ چاہتے ہوئے بھی معاف کرنا
کسی کی غلطی پر پردہ رکھنا

لاریب انشال...... اوکاڑہ

زبان کا وار

⌘ زبان کے وار سے دلوں کو زخمی نہ کریں۔

❀ زبان سے نکلی ہوئی نامناسب بات پتھر سے زیادہ سخت' ایلوے سے زیادہ کڑوی' آگ کے انگاروں سے زیادہ گرم' زہر سے زیادہ زہریلی اور تلوار کی دھار سے زیادہ تیز ہوتی ہے جو دل و روح کو چھلنی اور لہولہان کر دیتی ہے۔

صباء الیاس...... ماہندر

رخصتی

ایک لڑکی کی رخصتی ہو رہی تھی اور وہ اپنے سب گھر والوں سے گلے مل کر رو رہی تھی پاس کھڑا بچہ اپنے بابا کو کہتا ہے کہ بابا دلہن رو رہی ہے۔

"بیٹا یہ تو صرف چوکھٹ تک روئے گی اور جس سے اس کی شادی ہوئی ہے وہ بے چارہ اب قبر تک روئے گا۔"

کرن ملک...... جتوئی

دل میں اتر جائے میری بات

✦ سچا انسان جھوٹ بھی کسی اچھے مقصد کے لیے بولتا ہے جبکہ جھوٹا انسان سچ بھی آگ لگانے کے لیے بولتا ہے۔

✦ پسند اس کو نہ کرو جو دنیا میں سب سے زیادہ خوب صورت ہو بلکہ پسند اس کو کرو جو تمہاری زندگی خوب صورت بنا دے۔

✦ صرف دل ہی ہے جو بنا آرام کیے سالوں کام کرتا ہے اسے ہمیشہ خوش رکھیے چاہے یہ آپ کا اپنا ہو یا آپ کے اپنوں کا۔

✦ ہر کسی کے لیے اپنے آپ کو اچھا ثابت نہ کرو آپ ان کے لیے بہترین ہو جو آپ کو اپنا سمجھتے ہیں۔

صدف سلیمان...... شورکوٹ شہر

یا رب

میں جب بچہ تھا
تو اکثر کھلونے ٹوٹ جاتے تھے
میرے رونے پر
ماں آ کر جوڑ دیتی تھی
سنا ہے ماں سے بڑھ کر
تجھے الفت ہے بندوں سے
تو آ کر جوڑ دے یا رب
میں خود کو توڑ بیٹھا ہوں

ایس گوہر طور...... خواتین کالج ناندلیانوالہ

گولڈن ورڈز

○ کتابیں جوانی میں رہنما' بڑھاپے میں تفریح' تنہائی میں رفیق ہوتی ہیں۔

○ جو تمہارے چہرے سے تمہاری خواہش پڑھ لے تم سمجھو کہ وہ تمہارا سچا دوست ہے۔

○ ہم جو کہتے ہیں اگر وہ کر بھی لیں تو پارسا بن جائیں۔

○ نام اور کردار کو اس حد تک مضبوط کریں کہ لوگ آپ کی شرافت کی مثالیں دیں۔

○ توبہ گناہ کو اور جھگڑا رزق کو کھا جاتا ہے۔

○ اللہ سے ہمیشہ وہ طلب کرو جو تمہارے حق میں بہتر ہو نہ کہ وہ جو تم چاہتے ہو' ہو سکتا ہے تمہاری چاہت بہت کم ہو اور تمہارا حق بہت زیادہ ہو۔

○ جو تمہارے متعلق اچھا گمان رکھے اس کے گمان کو سچ ثابت کرو۔

پروین افضل شاہین...... بہاولنگر

مہکتی کلیاں

❀ کسی سے محبت کرنا اور اس کو کھو دینا محبت کرنے سے بہتر ہے۔

❀ صرف اللہ سے مانگیں دوسروں سے کوئی امید نہ رکھیں' دینے والا اللہ ہے۔

❀ غم اور مشکلات صرف اللہ کو بتایا کرو اس یقین کے ساتھ کہ وہ تمہیں جواب بھی دے گا اور تمہاری تکلیف بھی دور کرے گا۔

❀ ہمیشہ کم کی خواہش کرو زیادہ کی خواہش ہوس پیدا کرتی ہے۔

❀ اپنے آپ پر اعتماد رکھنے والے ہی فتح حاصل کرتے ہیں۔

❀ انسان کو اچھی سوچ پر وہ انعام ملتا ہے جو اسے

اچھے اعمال پر بھی نہیں ملتا۔

فیاض اسحاق مہیانہ...... سلانوالی

اچھی باتیں

جو دوست تمہاری برائیوں کے باوجود تمہیں دوست مانے اور تمہاری خطاؤں کو معاف کردے۔ تمہارا غصہ کرنے کے باوجود درگزر کردے تو اسے مت کھونا۔

بختاور افتخار...... عارف والا

لباس

دولت کا لباس...... تجارت ہے

آدمی کا لباس...... علم ہے

جسم کا لباس...... تندرستی ہے

علم کا لباس...... عمل ہے

درویش کا لباس...... قناعت ہے

اولاد کا لباس...... سعادت مندی ہے

عورت کا لباس...... حیا ہے

مسز نگہت غفار...... کراچی

خوب صورت اقتباس

مرد محبت آسانی سے کرلیتا ہے مگر اسے نبھانے کی آزمائش نہیں سہ پاتا۔ بہت کمزور ہوتے ہیں یہ مرد' جذبات میں آکر محبتیں سر پر تاج کی طرح سجا لیتے ہیں۔ کب انہیں ٹھوکروں میں لے آئیں پتا ہی نہیں چلتا' ان میں معاف کرنے کا حوصلہ نہیں ہوتا۔

جھوٹ (نادیہ احمد)

دعائے سحر اناحب...... فیصل آباد

دیکھو

◉ کسی ملک کے عوام کی ذہنی حالت کو دیکھنا ہو تو اس ملک کی ٹریفک کو دیکھو۔

◉ خاتون خانہ کے سگھڑپن کا اندازہ لگانا ہو تو اس کے گھر کے کچن اور واش روم کو دیکھو۔

◉ رشتہ طے کرنے سے پہلے لڑکی سے آلو چھلوا کر دیکھو اگر کہیں سے چھلکا اتارے کہیں سے چھوڑ دے تو بے پروا' اگر انتہائی باریک چھلکا اتارے تو کنجوس' اگر ایک ڈیزائن میں لگاتار رنگ (چھلے) کی شکل میں اتارے تو نفاست پسند اگر موٹا موٹا چھلکا اتارے تو فضول خرچ۔

◉ طالب علم کی اصلیت کو دیکھنا ہو تو اس کے موبائل کا ان بکس اور کمپیوٹر کا ڈیٹا دیکھو۔

◉ ہٹ دھرمی دیکھنی ہو تو ہندو بنیے کی کشمیر میں دیکھو۔

◉ دوست کی دوستی دیکھنی ہو تو اسے غصے کی حالت میں دیکھو۔

◉ محنت کی عظمت دیکھنی ہو تو عوامی جمہوریہ چین کو دیکھو۔

فرحت اشرف گھمن...... سیدوالا

اچھی باتیں

☐ جس پر بھروسہ ہو' اسے دکھ مت دیجیے۔

☐ جس سے پیار نہیں' اس سے نفرت بھی مت کیجیے۔

☐ جس سے محبت ہو اس کی عزت بھی کیجیے۔

☐ دوستوں کا احترام کیجیے کیونکہ دوست دوبارہ مل جاتے ہیں۔

☐ مخلص رشتوں سے کبھی بھی ناتا مت توڑیے۔

مدیحہ شفیق مدو...... بورے والا

دل کی غذا

آج ساری دنیا میں ایک عالمگیر بے چینی پائی جارہی ہے' کوئی ملک' کوئی شہر' کوئی گاؤں بلکہ کوئی گھر ایسا نہیں جہاں بدامنی اور بے چینی نہ ہو۔

آج ہر شخص بے چینی کا شکار نظر آرہا ہے' آہ! نادان انسان! شراب و رباب کی محفلوں میں' سینما میں' گھروں کی گیلریوں میں' فحش و عریانی سے مرصع نائٹ کلبوں اور جنسی و رومانوی ناولوں کے مطالعہ میں سکون کی تلاش میں سرگرداں ہے۔

آخر سکون کہاں ملے گا؟

اپنے قرآن پاک سے سوال کرتے ہیں:۔

اے اللہ عزوجل کے سچے اور پاکیزہ کلام تو ہی ہماری

رہنمائی فرما اور ہمیں بتا کہ سکون کہاں ملے گا؟

جب ہم نے قرآن مجید کی خدمت میں استفسار کیا تو جواب ملا۔

ترجمہ:۔ ”سن لو اے ایمان والو اللہ تعالیٰ کی یاد ہی میں دلوں کا چین ہے(کنزالایمان)“

گویا یہ بے چینی اور بے اطمینانی اللہ تعالیٰ کے ذکر سے غفلت کی وجہ سے ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ذکر ”دل کی غذا“ ہے۔

اگر اپنی غذا نہ پائے تو وہ بے چین نہ ہو تو کیا ہو؟

معلوم ہوا کہ یہ پریشانیاں اور حیرانیاں محض اللہ تعالیٰ کے ذکر سے غفلت کی وجہ ہے۔

آیئے ایک وعدہ کریں۔ ہم مسلمان ادھر اُدھر سے سکون ڈھونڈنے کی بجائے قرآن پاک سے اپنے دلوں کو منور کریں وہ قرآن مجید جسے ہم غلاف میں بند کر کے کھولنا بھول گئے ہیں۔

غافل انسان اپنے ربّ کو یاد کر
دل کی اجڑی بستیاں آباد کر

عقیلہ رضی...... فیصل آباد

محبت

میں نے ایک کتاب پڑھی
جس کے پہلے صفحے پر لکھا تھا
”آؤ محبت کریں“
اور آخری صفحے پر لکھا تھا
”جو سمجھ کر کی جائے وہ محبت نہیں ہوتی“
اور آج تک میں محبت نہیں سمجھ پائی کیونکہ
محبت جب ہوتی ہے تو سمجھ نہیں رہتی

اقتباس: صائمہ ناز...... پشاور، تاروجبہ

نیا دور نئے تقاضے

□ مجنوں نے لیلیٰ سے ملنے کے لیے بھکاری کے بھیس میں جانا چھوڑ دیا ہے کیونکہ اب وہ اپنا موبائل استعمال کرتا ہے۔

□ رانجھے نے بھینس چرانا چھوڑ دی ہے کیونکہ اب اس نے ملک پیک کا دودھ استعمال کرنا شروع کر دیا ہے۔

□ پنوں نے سسی کی خاطر تھر میں جانا چھوڑ دیا ہے اس لیے کہ اب وہ ہوائی جہاز سے سفر کرتا ہے۔

□ سوہنی نے ماہیوال سے ملنے کے لیے گھڑے پر بیٹھ کر جانا چھوڑ دیا ہے کیونکہ اب اس کے باپ نے اسے موٹر بوٹ خرید کر دے دی ہے۔

□ فرہاد نے شیریں کی خاطر پہاڑ کاٹنا چھوڑ دیا ہے کیونکہ یہ کام وہ بلڈوزر اور بلاسٹنگ کی مدد سے کرتا ہے۔

سمیرا تعبیر...... سرگودھا

سوچ

بعض لوگوں کی سوچ کی خوب صورتی ان کے عام سے چہرے کو بھی پاکیزہ اور جاذب نظر بنا دیتی ہے

طیبہ نذیر...... شادیوال گجرات

اچھی بات

☆ جب آپ مجھ میں کوئی عیب دیکھو تو مجھے ہی بتاؤ کسی اور کو نہیں کیوں کہ اس عیب کو میں نے ہی بدلنا ہے کسی اور نے نہیں۔

☆ مجھ سے کہو گے تو نصیحت کہلائے گی اور اجر ملے گا دوسروں سے کہو گے تو غیبت کہلائے گی اور گناہ ملے گا۔

پاکیزہ علی...... جتوئی

سنہرے موتی

❖ انسان یہ نہ سوچے کہ اللہ فوراً دعا قبول نہیں کرتا بلکہ شکر ادا کرے کہ فوراً غلطی کی سزا نہیں دیتا۔

❖ ہزار دوستوں سے بہتر وہ ایک دشمن ہے جو کھل کر مخالفت تو کرتا ہے لیکن منافقت نہیں۔

❖ انسان کا نقصان جان اور مال کا چلا جانا نہیں، انسان کا سب سے بڑا نقصان کسی کی نظروں سے گر جانا ہے۔

❖ دنیا میں دو طرح کے لوگ کبھی کامیاب نہیں ہو سکتے، ایک جو کسی کی نہیں سنتے اور دوسرے وہ جو سب کی سنتے ہیں۔

ان مشہور شخصیات کے فین مت بنو جو آپ کو جانتے تک نہیں محمد ﷺ کے فین بنو جو آج سے 1400 سو سال پہلے آپ کے لیے روئے تھے۔

سحرش بٹ...... دینہ جہلم

سوالاً جواباً

☆ علاقے میں لوگوں کی بھلائی کے لیے تالاب بنانا ضروری ہے آپ تعاون کریں گے کیا؟

⌘ "جی جی! کیوں نہیں میری طرف سے چار بالٹی پانی حاضر ہے۔"

☆ میرا گانا سن کر تمہیں اندازہ ہوگیا ہوگا کہ میری آواز کتنی درد بھری ہے؟

⌘ واقعی...... تمہارا گانا سن کر میرے سر میں درد ہونے لگا۔

☆ اگر رات کو دیر تک نیند نہ آئے تو کیا کرنا چاہیے؟

⌘ نیند کا مزید انتظار کیے بغیر اطمینان سے سو جانا چاہیے۔

☆ ارے وہ آدمی مجھے اتنے دیر سے کیوں گھورے جا رہا ہے؟

⌘ کباڑیہ ہے خالہ! پرانی چیزوں کو یونہی غور سے دیکھتا ہے۔

لائبہ میر...... حضرو

قرآن کی فریاد

طاقوں میں سجایا جاتا ہوں
آنکھوں سے لگایا جاتا ہوں
تعویز بنایا جاتا ہوں
دھودھو کے پلایا جاتا ہوں
جزداں حریر و ریشم کے
اور پھول ستارے چاندی کے
پھر عطر کی بارش ہوتی ہے
خوشبو میں بسایا جاتا ہوں
یہ مجھ سے عقیدت کے دعوے
قانون پر راضی غیروں کے
یوں بھی مجھے رسوا کرتے ہیں
ایسے بھی ستایا جاتا ہوں

ثانیہ مسکان...... گوجر خان

دو خصلتیں

حضرت لقمان حکیم نے کہا کہ جس آدمی میں دو خصلتیں ہوں اللہ اس سے محبت کرے گا۔

⌘ تقویٰ اور اچھا اخلاق۔

جس آدمی میں دو خصلتیں ہوں گی لوگ اس سے محبت کریں گے۔

⌘ سخاوت اور لوگوں سے بھلائی کرنا۔

جس آدمی میں دو خصلتیں ہوں گی اس کے دوست اس سے محبت کریں گے۔

⌘ ان کی بھلائیوں کو یاد کرنا اور ان کی برائیوں کو مٹانا۔

جس میں دو خصلتیں ہوں گی اس کے شاگرد اس سے محبت کریں گے۔

⌘ نرم برتاؤ اور ان کی مشکلات دور کرنا۔

جس میں دو خصلتیں ہوں گی اس کے بڑے اس سے محبت کریں گے۔

⌘ فرماں برداری اور ان کے کام خوبیوں سے انجام دینا۔

حافظہ صائمہ کشف...... فیصل آباد

پھول

دنیا میں ہزار ہا قسم کے پھول ہیں مگر لازوال مہک رکھنے والا پھول صرف دوستی کا ہے۔ جس سے نگاہیں خیرہ اور دل مسحور ہوتا ہے۔ فی زمانہ بے لوث دوستی مشکل سے ملتی ہے اس پھول کو دل کی نرم گداز اور حساس زمین میں کاشت کر کے خون جگر سے سینچا جاتا ہے اس کی نشوونما کے لیے اعتماد، اعتبار، خلوص، چاہت بہترین کھاد کا کام دے سکتے ہیں۔ محبت و ایثار اور ہمدردی و انکساری کی لطیف اور مرطوب آب و ہوا میں یہ خوب پھلتا پھولتا ہے۔ اسے شکوک و شبہات اور بدگمانیوں کی باد سموم سے محفوظ

رکھیں ورنہ حسد، بغض اور کینہ جیسے امراض اسے تباہ و برباد کردیں گے اور محبت کی دلکش پتیاں سوکھ جائیں گی۔
بے جان ٹہنیاں تلخ یادوں کی مانند رہ جائیں گی، اس طرح ہم دنیا کی انمول ترین دولت سے محروم ہوجائیں گے۔

اقراء وکیل...... للیانی، سرگودھا

بہترین دوا

حکیم لقمان کہتے ہیں......
"میں نے زندگی میں مختلف دواؤں سے لوگوں کا علاج کیا ہے مگر اس طویل تجربے سے میں نے سیکھا ہے کہ انسان کے لیے بہترین دوا محبت اور عزت ہے۔"
کسی نے پوچھا "اگر یہ اثر نہ کرے تو؟"
حکیم لقمان مسکرا کر گویا ہوئے "تو پھر دوا کی مقدار بڑھادو۔"

ثناء رسول ہاشمی...... صادق آباد

وفا

☆وفا کیا ہے؟
وفا وہ پھول ہے جو محبت کے دامن میں آنے سے پہلے ہی مرجھا جاتا ہے۔
وفا ایک آئیڈل ہے جو مشکل سے ہی محبت کو حاصل ہوتا ہے۔
وفا وہ غزل ہے جس کا پتا محبت آج بھی ڈھونڈتی ہے۔
وفا وہ رنگ ہے جو آج کل دنیا میں نایاب ہے۔
وفا وہ دل ہے جو ہر جگہ نہیں دھڑکتا۔
وفا ایک آنسو ہے جو خاموشی سے چھلک جاتا ہے۔
وفا وہ دامن ہے جو ہمیشہ محبت کے آگے پھیلا رہتا ہے۔
وفا وہ کٹھن راہ ہے جس پر چلنا مشکل ہے۔

رشک حنا...... سرگودھا

بے وفا زندگی

○ساحل سمندر کے کنارے پر بہت دور خلاء پر نظریں جمائے دل میں چاروں طرف سناٹے پھیلائے ہوئے......
○نا جانے کون سا سوال الجھائے ہوئے، کس کی تلاش میں؟ ہر طرف گہما گہمی دیکھ کر...... ہر کوئی مگن تھا اپنی اپنی زندگی میں کوئی دولت کے پیچھے، کوئی شہرت کے پیچھے، کوئی حسن کے پیچھے اور کوئی سیاست کے پیچھے......
○جیسے ہمیشہ رہنا ہو اس دنیا میں، بڑی حسرت سے دیکھ رہی تھی ان رنگینیوں کو، تب ہی اس بے خودی کے عالم میں اپنی انگلی پانی میں ڈبوئی اور انگلی پر ایک قطرے کا پانی دیکھ کر میں چونک پڑی۔
○مجھے سارے سوالوں کا جواب مل گیا تھا، جیسے ہمیشہ کا ہم سفر مل گیا تھا۔ بڑی حسرت سے میں اس باقی سمندر کو دیکھ رہی تھی اور محسوس کیا سمندر میں کوئی خلاء یا کسی کے جانے کی کمی محسوس نہیں ہوئی۔
○وہ تو اپنے سفر پر رواں دواں تھا، چاروں طرف ویسے ہی گہما گہمی تھی، ویسے ہی قہقہے اور رنگینیاں تھیں تب ہی مجھ پر بھید کھلا بے وفا زندگی کا، آہ...... بے وفا زندگی کا......
○دیکھو اس ساحل کی طرح، دنیا ہے اگر ایک قطرے کی طرح نکال لیا جائے تم کو دنیا سے، تو کسی کو کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ ہاں...... کسی کو کوئی فرق نہیں پڑے گا۔

نادیہ گل نادی سیال...... مخدوم پور

شہلا عامر

السلام علیکم! ابتدا ہے رب ذوالجلال کے بابرکت نام سے جو وحدہ لاشریک ہے' زندگی بے حد مختصر ہے اس لیے آپ دوسروں کی غلطیوں کو دل میں جگہ دینے کے بجائے انہیں نظر انداز کرتے ہوئے معاف کردیں' جیسے آپ رب العزت سے معافی کی امید رکھتے ہیں۔ ہماری زندگی کا ایک اور سال اپنے اختتام کی طرف گامزن ہے اور ہم نئے سال کی طرف بڑھ رہے ہیں' رب تعالیٰ سے دعا ہے:۔

کوئی رنج کا لمحہ نہ کسی کے ہاتھ آئے
خدا کرے کہ یہ سال سب کو راس آئے

اب بڑھتے ہیں آپ بہنوں کے خوب صورت تبصروں کی جانب۔

کوثر خالد...... جڑانوالہ۔ السلام علیکم! پیاری شہلا سدا سلامت رہو۔ سب سے پہلے سرگوشیوں نے خوش خبری سنائی پھر حمد و نعت سے رشک قمر ملا۔ در جواب آں میں ٹوٹے دل کو مشکلوں سے جوڑا۔ سلام کی نیت میں بھی اضافہ کیا' ہمارا آنچل میں عقیلہ فٹ لگیں' بشریٰ ماہی منڈا لگیں' اللہ اسے مکمل لڑکی بنائیں۔ فاخرہ گل تو بہت ہی سمجھدار ہیں' مکمل شخصیت ہیں۔ عشناء کوثر کا قلم تو جان دار ہے مگر ایسی کہانی ہماری ضرورت ہرگز نہیں' سرسری نگاہ ڈالی۔ "شب ہجر کی پہلی بارش" صمید' بریرہ نام اچھے لگے۔ شاعری ڈائری میں نوٹ کی اس بار "میرے پاس جینے کے سامان بہت ہیں" سندس نام مجھے بہت پسند ہے اور ناول بھی انہی کا ہٹ لگا۔ ذاتی پسند میری ایسی ہی تحریر ہوا کرتی ہیں' کیا اچھا عنوان "دست شفا" انعام یافتہ مکمل کہانی' کاش سب کے ہاتھ دست شفا بن جائیں۔ افسانے نئی و پرانی سب مصنفین کے اچھے لگے مگر "فصل گل" زینب یا زینت نمبر لے گئیں۔ دلچسپ پیرائیہ آسان فہم مزاحیہ انداز اور نفس کی بندش پر ملنے والا انعام لطف دے گیا۔ فرحین اظفر نے گٹھڑی میں اچھا سبق چھپا رکھا ہے۔ "ارے ارض وطن" مقابلہ بہت اچھا لگا زویا خان فٹ لگیں۔ ایسی تحریر ہر بار ہوں تو آنچل مزید فیض پہنچائے گا باقی تمام مستقل سلسلے تو عزیز از جان ہیں اس بار بیوٹی گائیڈ بھی پڑھا۔ شاعری میں کس کس کی تعریف کروں (واہ)۔ دوست کا پیغام میں ہمارا پیغام آنچل کی زینت نہ بن سکا۔ ارم کمال' حرا قریشی' فرحت اشرف' روشنی وفا' لائبہ مہر کا شکریہ' نجم کی بیٹی نورین کو پیار بھی دیں' باقی سب کو سلام۔

مہوش فاطمہ بٹ...... دینہ' جہلم۔ السلام علیکم شہلا آپی! کیسی ہیں آپ سب سے پہلے تمام آنچل اسٹاف اور قارئین کو میرا پیار بھرا اسلام۔ امید ہے سب خیریت سے ہوں گے۔ "ٹوٹا ہوا تارا" میں سمیرا آپی آپ بے جا طوالت لکھنا بند کریں۔ انا اور ولید کی کہانی ختم کریں اور پلیز پوری قسط بابا سائیں کے ماضی پر لکھا کریں۔ "موم کی محبت" میں راحت آپی آپ یہ ضرور بتایئے گا کہ اذان کی اصل ماں کون ہے۔ "شب ہجر کی پہلی بارش" نازیہ آپی آپ زیادہ لکھا کریں اور سدید اور نائلہ کی شادی کروادیں۔ صائمہ قریشی کی کہانی "اناڑی پیا" بڑی فنس مکھ کہانی تھی۔ نگہت آپی! آپ کی والدہ کا سن کر بہت افسوس ہوا اللہ انہیں جنت میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے آمین۔ 16 دسمبر کو سانحہ پشاور کو ایک سال ہوجائے گا اس دن ظالموں نے کئی ماؤں کی گودیں اجاڑ دیں اور اسی دن پاکستان دو حصوں میں تقسیم ہوا تھا۔ پاک آرمی کو سلام جو اپنا سب کچھ چھوڑ کر سرحدوں پر ہماری حفاظت کے لیے ڈٹے رہتے ہیں' اللہ سے دعا ہے کہ ہمارے ملک کو اپنی حفاظت میں رکھے اور دشمن کی بُری نظر سے بچا کر رکھے آمین' اب اجازت چاہتی ہوں' اللہ حافظ۔

ارم کمال...... فیصل آباد۔ پیاری شہلا جی السلام علیکم! ہمیشہ ہنسیں مسکرائیں اور کھلکھلائیں آمین۔ امید ہے کہ سردیاں انجوائے کرنے کے لیے تیار ہوں گی اس دفعہ آنچل بروقت ملا۔ ٹائٹل اس دفعہ بالکل پسند نہیں آیا' مرجھایا مرجھایا سا تھا۔ حجاب کی آمد کا انتظار اب تقریباً ختم ہوا' در جواب آں میں آپ کی تسلی سے ڈوبتا ہوا دل ابھر آیا۔ دانش کدہ سے روحانی موتی چنے اور سلام کی برکات کو اپنے ذہن کی میموری میں فیڈ کیا' ہمارا آنچل میں عقیلہ رضی اور خصوصاً بشریٰ رانا (واہ جی بڑی گل اے تو ڈی) نے چونکایا۔ بہنوں کی عدالت میں فاخرہ گل کی شخصیت کے کئی اور خوش نما اور دل فریب پہلو اجاگر ہوئے۔ سلسلے وار ناول "موم کی محبت" موم کی ناک ہی بنتا جارہا ہے اس میں کوئی تبدیلی لائیں جبکہ "ٹوٹا ہوا تارا" دلچسپیوں کی بلندیوں پر چھلانگیں ماررہا ہے اس کے علاوہ "منالیتا" بالکل نہیں منا سکی بلکہ ناراض کرگئی ہے۔ "تیرے عشق نچایا" میں نشاء کو تو اپنے عشق کا تاوان بھرنا پڑ رہا ہے۔ رشتوں کی یہ خود غرضی انسانیت کی تذلیل ہے۔ "آزمائش" میں ہمیشہ صنف نازک

ہی ہے جو پورا اترتی ہے جبکہ مرد حضرات کے نمبرز زیرو بٹا زیرو ہی ہوتے ہیں۔ ”یار مان بھی جاؤ“ رفاقت جاوید کا ہنستا مسکراتا انداز چرا کر لے گیا۔ ”دست شفا“ سندس جبیں کی اس شمارے کی اے ون تحریر رہی جس میں ماں کی ماملتا سے لے کر بیٹے کی آئیڈیل شخصیت سب نے بہت پر اثر رہا۔ ”وہ جو ہم میں تم میں قرار تھا“ عشق کی جنونی حالت کی ترجمانی کر رہا تھا اللہ ایسے عشق کے جنونیوں سے بچائے۔ ”اپنے حصے کی ٹھڑی“ نے سوچوں کے در کو وا کر دیا۔ ”زرد آنچل“ بلآخر اپنی قربانیوں اور نیکیوں کے طفیل سرخ ہو گیا اس کے علاوہ ”فصل گل“ اور ”دھندلی یاد“ بھی لائق تحسین رہیں۔ بیاض دل میں مدیحہ کنول‘ پارس شاہ‘ ثانیہ مسکان اور بختاور افتخار کے اشعار آنکھوں کے راستے دل میں اتر گئے۔ ڈش مقابلہ میں کچھ پسند نہیں آیا کیونکہ سب میں گوشت تھا اور ہم ٹھہرے سبزی کھانے والے۔ نیرنگ خیال میں سامعہ ملک پرویز‘ حمیرا نوشین‘ مسز نگہت غفار‘ عائشہ اختر بٹ‘ نورنا نور اور انجم کی شاعری بڑے پائے کی تھی۔ دوست کا پیغام آئے میں نورین شفیع‘ ملالہ اسلم (چھوٹی سی کیوٹ سی گڑیا رانی) مجم انجم ماریہ کنول ماہی (جانو میں نے بالکل مائنڈ نہیں کیا‘ آپ مجھے آنٹی‘ آپی جو دل چاہے کہہ سکتی ہیں) آپ سب نے مجھے یاد کیا‘ بے حد شکریہ جزاک اللہ۔ یادگار لمحے میں مسرت فاطمہ رشید‘ مبین ناز روشی وفا‘ طاہرہ غزل اور سلمیٰ فہیم گل کے مراسلے حاصل مطالعہ ٹھہرے۔ آئینہ میں سب سے مل کر طبیعت ہشاش بشاش ہوگئی خصوصاً پاکیزہ علی اور حافظہ صائمہ کشف نمایاں رہیں۔ پروین افضل شاہین کے پرنس افضل کے لیے خصوصی دعا کہ اللہ تعالیٰ انہیں پوری صحت وتندرستی عطا فرمائے‘ آمین۔ ہم سے پوچھیے میں سعیدہ رشید بھٹی‘ شازیہ اختر شازی‘ پروین افضل شاہین اور نیلم شرافت کے سوال اور آپ کے کرارے اسپائسی جوابات اُف...... ابھی تک مزا آ رہا ہے۔ تمام بہنیں میری بیٹی کرن کمال (جس کی شادی میں نے محض اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے 11 اکتوبر کو کردی ہے) کے لیے دعا کریں کہ وہ اپنے میاں رؤف کے ساتھ ہمیشہ خوش و آباد رہے اور زندگی کی ساری مسرتیں اور کامیابیاں اس کے دامن میں بھر جائیں (آمین)۔

☆اللہ رب العزت خوشیوں بھری زندگی کے ساتھ آپ کی بیٹی کو سدا سہاگن رکھے آمین۔

منزہ یاسمین‘ مصباح جاوید...... فیصل آباد۔ تمام قارئین کو السلام علیکم! 25 تاریخ کو آنچل دیکھ کر دل خوش ہو جاتا ہے سب سے پہلے حمد و نعت سے مستفید ہوئے اس کے بعد دوڑ لگائی نازیہ کنول نازی کے ناول ”شب ہجر کی پہلی بارش“ پڑھ کر مزہ آ گیا۔ خوب ہر کردار کے ساتھ انصاف کیا‘ بیسٹ رائٹرز نازیہ کنول نازی بہان سے یہ سوال ہے کہ آپ اتنے اچھے الفاظ کہاں سے لاتی ہیں آپ بہت اچھا لکھتی ہیں میں آپ کی شاعری اور کہانیاں بہت شوق سے پڑھتی ہوں اور بہت زیادہ آپ کی فین ہوں اللہ تعالیٰ آپ کو ہمیشہ خوش رکھے۔ اس کے بعد سمیرا شریف طور کا ”ٹوٹا ہوا تارا“ پڑھا اب شہوار کے ماضی کو بڑی خوب صورتی سے کھول رہی ہیں۔ پلیز انا اور ولید کی جنگ کو ختم کر دیں۔ آنچل میں مکمل ناول بھی بہت اچھے ہوتے ہیں‘ ہمارے لیے کوئی نہ کوئی سبق ضرور ہوتا ہے۔ نگہت عبداللہ کیا کمال کا لکھتی ہیں‘ یادگار لمحے بڑے زبردست ہوتے ہیں‘ افسانے بھی اچھے ہوتے ہیں۔ اللہ حافظ۔

شائستہ جٹ...... چیچہ وطنی۔ السلام علیکم! تمام قاری بہنوں آنچل اسٹاف کو‘ شہلا آپی امید ہے آپ بالکل خیریت سے ہوں گی‘ اللہ تعالیٰ آپ کو ہمیشہ شاد و آباد رکھے۔ اب ذرا بات ہو جائے نومبر کے شمارے کی‘ سرورق ماڈل کچھ دل کو نہ بھائی‘ نعت اور حمد سے قلب کو ایمان کے نور سے منور کیا۔ سرگوشیوں کو رازداری سے پڑھا‘ اپنی غزل لگی دیکھ کر دل مسرت و شادمانی سے جھوم اٹھا۔ اب ذرا بات ہو جائے ہمارے پسندیدہ ناولز کی تو بھئی ”ٹوٹا ہوا تارا“ پڑھ کر مزہ آ گیا‘ پلیز یہ مصطفیٰ بھی تفتیشی افسر بن گیا ہے اس کو پھر سے وہی پہلے جیسا کر دیں۔ شہوار جیسی لڑکی پر شک کرنا درست نہیں۔ ”موم کی محبت“ جمود کا شکار ہے‘ پتا نہیں عارض کیوں بے قصور لگ رہا ہے مجھے۔ نازی جی تو کمال کا لکھ رہی ہیں‘ مکمل ناولز میں ”منالیما“ اور ”دست شفاء“ دونوں زبردست رہے۔ ”تیرے عشق نچایا“ دوسرا حصہ پڑھ کر مزہ آیا‘ افسانے بھی اچھے رہے۔ ”آزمائش“ اچھی کاوش تھی اور ”جو ہم میں تم میں قرار تھا“ اور ”اپنے حصے کی ٹھڑی“ دونوں سپر تھے۔ اب تو اداسی کی ہوائیں یعنی سردیوں کی ہوائیں چلنے لگی ہیں‘ موسم انگڑائی لے رہا ہے۔ سب کو سردیوں کی آمد مبارک الله آنچل اور اس کے اسٹاف کی محنت کو یوں ہی ترقی کی منازل عطا کرتا رہے۔ آنچل جھلملاتے رنگوں سے یوں ہی ہماری زندگی بھی رہے آمین۔ اب اجازت دیں‘ ان شاء اللہ اگلی بار حاضر محفل ہوں گی اللہ نگہبان۔

☆دعاؤں کے لیے جزاک اللہ۔

عائشہ پرویز...... کراچی۔ السلام علیکم! بائیں جانب کھلی کھڑکی اور دائیں جانب آنچل دھرا ہے اور مابدولت دونوں کے درمیان مسہری پر گاؤ تکیے سے کمر لگائے ہاتھوں میں قلم تھامے‘ قلم کا ڈھکن دانتوں تلے دبائے‘ نظریں چھت پر جمائے اس سوچ میں غرق کہ ”آئینہ“ میں شمولیت کے واسطے لکھیں۔ تو کیا لکھیں...... الفاظ ہیں کہ ساتھ نہیں دے پا رہے‘ خیالات کا تسلسل رو کے نہیں رک رہا‘ سمجھ میں آ کے نہیں دے رہا کہ کہوں تو کیا کہ اپنے پاس تو لفظوں کا ذخیرہ مفقود‘ علم کا فقدان‘ لکھنے کا طریقہ‘ سلیقہ ندارد لیکن پھر کوشش کی زبردست

قلم صفحے پر جمایا' ہاتھ چلایا اور پھر...... قلم کی روانی میں کیا سیک پیدا ہوئی کہ مابدولت نے جو لکھا وہ حاضر خدمت ہے۔ سرگوشیاں' حمد ونعت' ہمیشہ کی طرح ایسا ہی پایا کہ جوں جوں پڑھتی گئی توں توں تشنگی مٹتی گئی پھر صفحہ پلٹا' نظر اچانک ''بیوٹی گائیڈ'' پر پڑی اس پر کیا تبصرہ کروں پھر کچھ صفحے پلٹے کہ نظر پڑی ''کام کی باتیں'' عمر کے ساتھ ساتھ خوب سمجھ میں آرہی ہیں۔ ''بیاض دل' نیرنگ خیال'' ہمیشہ سے سب کے پسند آرہے ہیں۔ ''یادگار لمحے'' اور ''ہم سے پوچھیے'' تو ٹاپ پر ہیں۔ سلسلے وار ناول بھی بہتری کی طرف رواں دواں ہیں۔ افسانے' تعارف ابھی زیر مطالعہ ہیں اور آئینہ کی شان کے بھی کیا ہی کہنے بڑی شان ہے۔ آخر میں مجھے یاد کرنے والوں کو سلام' ڈھیر سارا پیار اور ڈھیر ساری دعائیں بس مجھے دعا میں یاد رکھیے گا' اللہ حافظ۔

پروین افضل شاہین...... بہاولنگر۔ پیاری باجی شہلا عامر صاحبہ السلام علیکم! اس بار آنچل نومبر کا شمارہ سدرہ کے سرورق سے سجا حجاب کی خوش خبری دیتا ہوا موصول ہوا۔ سلسلے وار ناولز تو ٹاپ پر جا ہی رہے ہیں ان کے علاوہ ''منالینا' دست شفاء' تیرے عشق نچایا' آزمائش زروآنچل' فصل گل ہے' دھند کے بعد'' پسند آئے۔ میری نگارشات پسند فرمانے پر پاکیزہ علی' حافظہ صائمہ کشف' ارم کمال کا بہت بہت شکریہ۔ ملالہ اسلم! ہماری دعا ہے اللہ تعالیٰ آپ کے بڑے ابو کو جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے' حمیرا نوشین! اللہ تعالیٰ آپ کے بھائی کو اور دعائے سحر! اللہ تعالیٰ آپ کی امی کو جنت الفردوس میں جگہ دے آمین۔ اب تو ہمیں حجاب کا انتظار ہے' امید ہے وہ بھی آنچل کی طرح ترقیوں کی منازل طے کرے گا اور تمام بہنوں سے گزارش کروں گی کہ اس میں بھرپور انٹری دیں تاکہ ہماری آپی کو حوصلہ ملے آمین۔

شگفتہ آرزو...... چنیوٹ۔ السلام علیکم! امید کرتی ہوں کہ اللہ کے فضل وکرم سے آپ اور آنچل کی ساری ٹیم خیریت سے ہوں گے۔ جی جی ہم بھی بالکل فٹ فاٹ اور مزے سے ہیں' میں نے آج زندگی میں پہلی بار کسی ادارے کو خط لکھنے کے لیے قلم اٹھایا ہے۔ آنچل کی ماشاء اللہ سے ساری رائٹرز ہی بہت اچھا لکھتی ہیں' مگر سباس گل جی' فرحت آپا' نازیہ کنول نازی' فاخرہ گل تو کمال کا لکھتی ہیں آنچل کے تمام سلسلے مجھے بہت پسند ہیں' دانش کدہ سے بہت اچھی باتیں معلوم ہوتی ہیں۔ غرض سرگوشیاں سننے سے لے کر حمد ونعت سے ہوتے ہوئے بیاض دل' نیرنگ خیال' ڈش مقابلہ' آپ کی صحت اور یادگار لمحے سب ہی بہت اچھے اور مفید سلسلے ہیں' اللہ ہمیں ان سے فیض یاب ہونے کی توفیق دے آمین۔ پہلی دفعہ آنچل کی محفل میں آئی ہوں تو پلیز مجھے بھی اس فیملی کا حصہ بنالیں ہوسکتا ہے اس چراغ میں تھوڑا تیل ہم بھی ڈال دیں' پلیز موقع ضرور دیجیے گا۔ آنچل کی تمام قارئین سے درخواست ہے کہ وہ میری امی جان کے لیے دعا کریں' اللہ انہیں صحت اور بینائی کی نعمت سے نواز دے اور انہیں صحت یاب کردے آمین۔ آخر میں اجازت چاہوں گی اس دعا کے ساتھ کہ آپ سب جہاں رہیں خوش وآباد رہیں اور آنچل کی محفل یونہی روشنی سے جگمگاتی رہے اور اس شمع پر ہزاروں پروانے منڈلاتے ہیں' اللہ حافظ۔

☆ پہلی بار آمد پر خوش آمدید۔

لائبہ میر...... حضرو۔ السلام علیکم پاکستان! کیسے ہو سب؟ ڈھیروں دعاؤں کے ساتھ ہمیشہ خوش رہو آنچل 22 کو مل گیا تھا ٹائٹل بس اچھا ہی تھا۔ حجاب اور نئے افق کا ٹائٹل اچھا لگا۔ ''ٹوٹا ہوا تارا'' میں شہوار ویسے ہی چھوٹی سی بات کا بتنگڑ بنا کر اپنے لیے مسائل پیدا کررہی ہے۔ کم از کم دریہ کا جو فون سنا تھا مصطفیٰ کو بتاتی۔ ورنہ یہ شاید اس فائل کی بات کررہی ہوگی یا پھر شہوار کو باہر لے کر جانے کی۔ ماضی خاصہ دلچسپ تھا لیکن پتا نہیں اب شہوار کی ماں کون ہوگی اور وہ تابندہ کے پاس کیسے آئی اور راحت وفاجی پلیز پلیز بڑی معذرت کے ساتھ آپ بہت بور کررہی ہیں' ہر قسط میں وہی ایک سچویشن ایک دو ماہ میں اینڈ کردیں۔ زیبا کو اب کیا کہوں خود ہی غلطیاں کرکے مظلوم بھی بنتی ہے اگر صفدر کو پہلے دن یہ سب نہ بتاتی تو یہ نوبت نہ آتی اور اگر بتا بھی دیا تھا تو بعد میں سلجھا سکتی تھی مگر بات کرنے کا طریقہ ہی نہیں کوئی۔ ہر وقت رونا دھونا اُف...... ''تیرے عشق نچایا'' پہلی قسط زبردست تھی' انٹرسٹنگ لیکن دوسری تھوڑے بور دونوں لڑکوں کے والدین کی خودغرضی پر بہت غصہ آیا (محسن اور بنٹی)۔ احسن کے ساتھ ایسا نہیں ہونا چاہیے اب دیکھتے ہیں محسن بھی اپنے والدین کی طرح خودغرضی کا مظاہرہ کرتا ہے یا انکار۔ نازیہ آپی کی زبردست یقیناً یکسانیت توڑے گی ان شاء اللہ۔ گزشتہ ماہ لاسٹ اسٹوری شاید ''بٹیا کا انگنا'' نام تھا اس کا زبردست موضوع کا انتخاب کیا' معنف نے' مجھے بہت اچھی لگی۔ ''دست شفاء'' بہت سے اہم پوائنٹس لیے ہوئے تھی بہترین۔ ''منالینا'' بس اچھی ہی تھی' محبت محبت...... اُف! ''وہ جو ہم میں تم میں قرار تھا'' اور ''آزمائش'' ملتی جلتی سی تھیں لیکن عائشہ لیاقت کی زیادہ اچھی تھی۔ حنا اشرف' سمیرا غزل' بیسٹ۔ ''فصل گل ہے'' پڑھ کر دل خوش ہوگیا' بھئی کرارے کرارے جملوں سے اسپیشلی خدا جھوٹ نہ بلوائے تو اماں لیٹی صحت مند لگ رہی تھیں ہاہاہا۔ ''دھند کے رنگ'' کبھی بہت اچھی بالکل بھی نہیں لگتا کہ تم تینوں پہلی بار لکھ رہی ہو' انداز بہت اچھا ہے ویلکم۔ ''ارض وطن'' میں فرسٹ روشنی' بیوٹی گائیڈ ہمیشہ کی طرح بیسٹ۔ لاڈو ہائے...... نجم انجم' نازیہ کنول' کرن ملک' طیبہ نذیر' بشریٰ رانا' کیسی ہو سب؟ انیلہ سخاوت' نورین انجم' کشف فاطمہ فرینڈ شپ پلیز (انیلہ کردی میں نے آفر خوش)۔ روشن میری آنکھوں میں جو وفا کے دیے ہیں سب تیرے لیے ہیں' پاکستان زندہ باد آؤ ہم

سب مل کر پاکستانی بنیں نوالسلام۔

حنا اشرف...... کوٹ ادو۔ السلام علیکم! نومبر کے آنچل کا سرورق بہت خوب صورت تھا آنچل ٹیم اس قدر خوب صورتی و محنت سے ڈائجسٹ کو سنوارتی ہے دل سے بے شمار دعائیں نکلتی ہیں۔ بہنوں کی عدالت میں فاخرہ گل آپی کے جوابات بہت اعلیٰ ہوتے ہیں بار بار پڑھنے کو دل کرتا ہے ویل ڈن آپی! سمیرا آپی "ٹوٹا ہوا تارا" کو فی الحال ختم مت کیجیے گا پلیز ابھی تو اس کی کافی قسطیں رہتی ہوں گی مگر کبھی نہ کبھی تو ختم ہوگا ہی جب آنچل کے صفحات پر "ٹوٹا ہوا تارا" نہیں ہوگا تب ہم نے بہت اداس ہو جانا ہے۔ بہت خوب صورتی سے آپ ہر کردار کو ساتھ لے کر چل رہی ہیں جتنی تعریف کی جائے کم ہے۔ نازیہ آپی "شب ہجر کی پہلی بارش" آپ کا ناول بھی بہت زبردست جارہا ہے ویل ڈن۔ راحت آپی "موم کی محبت" کو اختتام کی طرف لے جائیں اور جلدی سے مکمل ناول کے ساتھ دوبارہ آنچل میں حاضری دیں۔ مکمل ناولز میں عشناء آپی اور سندس جی کو دیکھ کر بہت خوشی ہوئی۔ آپ دونوں کی تحریریں ہمیشہ لاجواب ہوتی ہیں۔ سندس جی آپ تو بس میری اچھی والی دوست بن جائیں آہو جی! اتنا خوب صورت آپ لکھتی ہو دل کرتا ہے ہر ماہ آپ کی تحریر پڑھنے کو ملے۔ ناولٹ اور افسانے بھی اچھے تھے خصوصاً آنچل میں جو نیو رائٹر حنا اشرف کی تحریر تھی۔ "چلو تم کو بتاتے ہیں" بہت پسند آئی (ہاہاہا)۔ فرحین اظفر آپی ایک اور ڈائجسٹ اور اب آنچل میں آپ کا اور میرا افسانہ ایک ساتھ آیا بہت اچھا لگا آپ کو آنچل میں دیکھ کر۔ سب دوستوں کے لیے ڈھیر ساری دعائیں اللہ پاک آپ سب کو ڈھیروں ڈھیر خوشیاں اور کامیاب عطا فرمائے آمین۔

اسماء نور عشا...... بھوج پور۔ السلام علیکم! آنچل اسٹاف کو میری طرف سے چاہتوں محبتوں بھرا اسلام قبول ہو اس ماہ کا سرورق بس ٹھیک ہی تھا۔ سرگوشیاں میں قیصر آرا آپی نے حجاب کی آمد کا بتا کر دل خوش کردیا۔ "بہنوں کی عدالت" میں فاخرہ گل سب کے سوالات کے جوابات بہت خوب صورت انداز میں دیتی ہوئی نظر آئیں۔ عشناء کوثر سردار کو اتنے عرصے بعد آنچل میں دیکھ کر خوشی ہوئی۔ راحت آپی پلیز زیبا کے ساتھ کچھ تو اچھا کردیں مانا کہ اس کی غلطی بڑی تھی لیکن اب اسے سزا بھی کافی مل چکی ہے اب تو رحم کردیں بے چاری پر۔ سمیرا آپی آپ کے ناول کی ہیروئنز میں اتنی انا کیوں ہے؟ آنچل شفا انا اور شہوار میں۔ نازیہ جی پلیز سدید اور عائلہ کو الگ نہ کرنا۔ آج کے نوجوانوں کی سوچ سدید جیسی ہوجائے تو کتنا اچھا ہو آپ کے ناول میں میرا موسٹ فیورٹ کردار سدید ہے۔ افسانہ "دھند کے بعد" ہمارا اؤ پہلی دفعہ آئیں اور چھا گئیں تم تو "واقعی بدگمانی محبت کو آلودہ کردیتی ہے۔" "تیرے عشق نچایا" نگہت جی پلیز ایسا تو بالکل نہیں۔ نشاء احسن کی دلہن ہی بنتی چاہیے باقی سارے افسانے بیسٹ تھے۔ عائشہ لیاقت اگر سچ کہا جائے تو نازنین آفاق سے بھی محبت نہیں کرتی تھی وہ آفاق کی پرسنالٹی اور ڈگری سے محبت کرتی تھی اور یہ محبت پائیدار نہیں ہوتی' افسانہ بیسٹ رہا۔ بیاض دل میں ہر شعر ایک سے بڑھ کر ایک رہا۔ نیرنگ خیال میں سیدہ جیا عباس' عائشہ اختر بٹ ٹاپ پر رہیں او کے جی رب راکھا زندگی رہی تو پھر ملیں گے۔

ماریہ کنول ماہی...... گوجرانوالہ۔ السلام علیکم! شہلا آپی کیسی ہیں آپ؟ سدا خوش رہیں آنچل ہاتھ میں آیا تو سب سے پہلے آئینہ اور دیگر سلسلوں میں اپنا نام ڈھونڈتے ہوئے دوست کے پیغام میں پہنچے تو وہاں کا منظر دیکھ کر دل خوش ہوگیا۔ نجم انجم نورین انجم اینڈ صائمہ سکندر نے مجھے یاد فرمایا موسٹ ویلکم جی۔ "ٹوٹا ہوا تارا" کھولا تو ولید کو ہوش آگیا گڈ انا ڈیئر! ایسا نہیں کرتے بری بات ہے۔ محبت میں انا کی دیوار کھڑی نہیں کرتے انا کی جنگ میں ہمیشہ دوری اپنا مقدر بنتی ہے۔ شہوار تم بہت بری ہو مصطفیٰ تمہارے شوہر ہیں اور بات کلیئر کرنا ان کا فرض تھا' تم دونوں دوستیں ایک دم پاگل ہو۔ "موم کی محبت" راحت آپی پلیز اس کہانی کا کچھ کریں چارم ختم ہوتا جارہا ہے بس اس کو اب بند ہی کردیں۔ زیبا نوشامت' مستقل مزاجی کامیابی کی ضمانت ہے۔ اچھا ہوا انجنا کا مقصد بھی کھل کر سامنے آگیا۔ "شب ہجر کی پہلی بارش" ویری نائس کالی رات میں کون سا راز دفن ہے غالباً ان سپنوں نے ہی ان سب کو موت کی نیند سلایا ہوگا۔ افسانے سب ہی اے ون تھے ناول "دست شفاء" بھی زبردست تھا۔ "وہ جو ہم میں تم میں قرار تھا" اس افسانے نے تو مجھے رلا ہی دیا تھا بہت ہی نائس تھا۔ "تیرے عشق نچایا" پھر آئندہ ماہ "منالینا" بھی ناول اچھا تھا بس تھوڑا سیر لیس تھا۔ بہنوں کی عدالت میں فاخرہ گل آپی کی ملاقات اچھی رہی' ہمارا آنچل میں سب ہی دوستوں کے تعارف پسند آئے۔ یادگار لمحے سب ہی زبردست تھے آئینہ میں پاکیزہ علی الحمدللہ میری بصارت بالکل ٹھیک ہے بس تم ڈاکٹر سے رجوع کرو پھر میرا تبصرہ دوبارہ پڑھنا۔ حافظہ صائمہ آپ کا تبصرہ پسند آیا اللہ آپ کی خالہ جان کو جنت الفردوس میں جگہ نصیب فرمائے۔ نگہت عبداللہ آپ کی والدہ کا اور حمیرا نوشین آپ کے بھائی کی وفات کا بہت دکھ ہوا اللہ ان کے درجات بلند فرمائے اور آپ کو صبر جمیل عطا کرے آمین۔ آنچل سے منسلک سب ہی دوستوں کو اللہ پاک اپنے گھر کی زیارت نصیب فرمائے آمین اللہ حافظ۔

رابعہ افضل خان...... نارتھ کراچی۔ ڈیئر قیصر آرا آپی آنچل اسٹاف' قارئین و رائٹرز کو ڈھیروں خلوص اور محبت سے بھرا سلام حاضر ہے۔ نومبر کا آنچل ہاتھوں میں آیا تو دل خوش ہوگیا' سب سے پہلے سرگوشیاں پڑھیں حجاب کی اشاعت کے لیے ڈھیروں مبارک

باد۔ دانش کدہ میں مشتاق انکل کے قلم سے بکھرے بہت قیمتی لفظوں کو دل میں محفوظ کرتے آگے بڑھے۔ ہمارا آنچل میں عقیلہ رضی، رابعہ لاریب، بشریٰ رانا اور کرن ملک کا تعارف دلچسپ تھا۔ بہنوں کی عدالت میں فاخرہ گل سے بہنوں نے بہت زبردست سوالات پوچھے۔ عشنا کوثر بہت وقفہ سے حاضر محفل تھیں مگر زبردست تحریر کے ساتھ پڑھ کر مزا آ گیا۔ نگہت عبداللہ کی تحریر بھی زبردست ہے تمام سلسلے وارناولز کی تو کیا ہی بات ہے۔ سب ہی اپنی مثال آپ ہیں افسانے سب ہی اچھے لگے۔ بیاض دل بھی بہت اچھا تھا، بیوٹی گائیڈ میں بھی میک اپ سے متعلق بہت اچھی معلومات تھیں۔ نیرنگ خیال میں سب کا ہی کلام بہت پسند آیا، ہم سے پوچھئے کا سلسلہ تو ہے ہی زبردست اتنے مزے مزے کے سوال و جواب ہوتے ہیں دل خوش ہو جاتا ہے۔ دوستوں کے نام پیغام بہت ہی اچھا سلسلہ ہے اللہ تعالیٰ آنچل اور حجاب دونوں کو مزید ترقی و کامیابی سے ہم کنار کرے آمین۔ اس کے ساتھ ہی مجھے اجازت دیجیے، پھر ملاقات ہوگی ان شاء اللہ۔

زیبا امانت...... خانیوال۔ السلام علیکم! میری طرف سے تمام آنچل اسٹاف اینڈ رائٹرز کو محبتوں بھرا اسلام قبول ہو۔ کیسے ہیں آپ سب جناب؟ آپ چونک گئے ہوں گے کہ یہ کون بن بلائے مہمان کی طرح آ ٹپکی تو...... کچھ لوگ زیبا امانت عرف زیب کے نام سے جانتے ہیں فرسٹ ٹائم آنچل میں حاضر دے رہی ہوں لیکن میرا اور اس کا ساتھ بہت پرانا ہے۔ آج میں آنچل میں سمیرا آپی اور نازیہ آپی کی وجہ سے لکھنے پر مجبور ہوگئی ہوں۔ سمیرا آپی کی تو میں بہت عرصے سے فین ہوں ارے جی دیوانی کہیں تو زیادہ اچھا ہوگا۔ سمیرا آپی آپ کا ناول "یہ چاہتیں یہ شدتیں" اُف میں کیا کہوں آپی اس کا سحر ہے کہ ٹوٹتا ہی نہیں سمعان اور خاص طور پر شارق کو آپ دوبارہ کسی ناول میں لے کر آئیں۔ نومبر کا آنچل پڑھا تو دوستو کے نام پیغام میں اپنا نام دیکھ کر بہت خوشی ہوئی تو میں نے سوچا میں کیوں ملالہ اسلم (منزہ) سے پیچھے رہوں ہاہاہا۔ "ٹوٹا ہوا تارا" پڑھی پلیز سمیرا آپی انا اور ولید کو جلدی سے ملا دیں مصطفیٰ کے دل میں شہوار کے لیے بدگمانی مت ڈالیں پلیز یہ میری کیوٹ سی ریکوئسٹ ہے۔ "موم کی محبت" تو میرا فیورٹ ناول ہے فرسٹ آف آل شکریہ۔ "راحت آپی آپ نے میرا نام لکھا میری پسندیدگی کی فرسٹ ریزن تو یہی ہے لیکن پرسنلی طور پر مجھے بہت پسند ہے۔ نازیہ کنول نازی آپ کے تو کیا ہی کہنے آپ کی میں جتنی بھی تعریف کروں کم ہے۔ مجھے دوریوں کے امکان نظر آ رہے ہیں آپ کے ناول میں...... (پلیز ہم جیسی نازک جانوں پر زیادہ ظلم مت کریں) پلیز عشنا کوثر اور اقراء صغیر سے زیادہ سے زیادہ لکھوایا کریں۔ اب تک کے لیے اتنا ہی کافی ہے اگر میری حوصلہ افزائی کی گئی تو ان شاء اللہ اگلے ماہ تفصیلی تبصرے کے ساتھ انٹری دوں گی۔ اللہ حافظ۔

☆ پہلی بار آمد پر خوش آمدید۔

ثوبیہ سحر...... بستی ملوک۔ السلام علیکم! پیاری سی آنٹی شہلا اور آنچل کی نٹ کھٹ سی پریو کیا حال ہیں سب ٹھیک ہے اور مزے میں ہوں گی۔ اب بات ہو جائے تبصرے کی سب سے پہلے دوڑ لگائی فیورٹ ناول "ٹوٹا ہوا تارا" کی طرف اور جلد ہی پہنچ گئے یہ کیا سمیرا آپی پلیز شہوار کے ساتھ اب مزید کچھ نہیں ہونا چاہیے اور کاشف اُف دل کرتا ہے گولی سے اڑا دوں۔ میری فیورٹ انا کے ساتھ اتنا برا کر رہی ہے سمیرا آپی اب انا کی حقیقت کھول دیں نا جی اور ہادیہ کو چاہیے وہ عباس کے پرپوزل کو قبول کرلے اس کے بعد جمپ لگا کے پہنچے "تیرے عشق نچایا" زبردست نگہت آپی سو سویٹ پلیز آپی نشاء اور احسن کو جدا مت کیجیے گا اور جاذب کو بھی اب ہمت کر لینی چاہیے کہ وہ اپنی پہلوان امی سے صبا سے شادی کے بارے میں بات کرے۔ یادگار لمحے بھی اس بار زبردست تھا اور بیاض دل میں پارس شاہ چکوال کا شعر پسند آیا۔ باقی آنچل پڑھا نہیں اس لیے زندگی ملی تو پھر ملیں گے اللہ حافظ۔

ستارہ آمین کومل...... پیر محل۔ السلام علیکم! الیقین کامل ہے آپ سب احباب اللہ پاک کے کرم سے خیریت سے ہوں گے اللہ پاک آپ سب کو سلامت شاد و آباد رکھے آمین۔ محنت اور بہت محبت سے سجا ہوا نومبر کا آنچل ہمارے سامنے ہے سرورق نے بالکل متاثر نہیں کیا۔ حجاب کا تو بہت پیارا لگا اس ماہ دانش کدہ بہت اعلیٰ ترین تھا۔ ہماری یعنی بہنوں کی عدالت میں فاخرہ نے بہت زبردست جواب دیئے۔ میری موجودگی سے تو محفل کو چار چاند آٹھ چاند تو لگ ہی گئے ناں۔ عشنا کوثر سردار کا جتنا انتظار تھا پر اتنا ناول پسند نہیں آیا۔ تیرے عشق نچایا" میں ہم آگے جا کر رونے والے ہیں۔ یار یہ جلال احمد تو کمال سازشی بندہ نکلا تو یہ ہے۔ ہماری اقبال بانو ہوں اور زبردست ناں لکھیں یہ کیسے ہوسکتا ہے بہت خوب۔ سندس جبیں شاباش آپ کو ارے واہ کمال فرحین اظفر اپنی گٹھڑی کے ساتھ حاضر تھیں تسی گریٹ او باجی۔ ہماری پیاری سی دوست حنا اشرف اپنے افسانے کے ساتھ موجود تھیں سب سے پہلے اسے پڑھا شاباش بہت سی دعائیں اور پیار تمہارے نام حنا۔ "فصل گل" بھی بہترین رہا اور دھند کے بعد بہت اعلیٰ مجموعاً ہماری تمام لکھاری بہنوں نے اچھی محنت کی خوب لکھا۔ اکتوبر میں بہن نازیہ کنول کے ناول نے بہت متاثر کیا۔ صدف آصف کا "زبان دراز" بہت بہترین تحریر تھی۔ زمنت جیسے لوگ بھی بہت عام ہیں اور دعا جیسے خاص لوگوں کی کمی بھی نہیں ہے۔ اللہ آپ سب کی زندگیوں میں آسانیاں پیدا فرمائے آمین۔

بختاور ناز...... سنجر پور۔ السلام علیکم! شہلا آپی آپ کا بہت شکریہ آپ نے میرے خط کو آنچل میں جگہ دی۔ آپی آپ سے تمام لکھنے پڑھنے والی بہنوں سے گزارش ہے کہ میری امی کے لیے دعا کریں شاید کسی بہن کی دعا سے ہمیں ہماری امی کا پیار پھر سے مل جائے اور وہ بھی زندگی کو جینے لگیں پہلے کی طرح۔ اب بات ہو جائے آنچل کی اس دفعہ 22 تاریخ کو ملا سرورق کچھ خاص نہیں لگا پھر سیدھی دوڑ لگائی قسط وار ناول کی طرف سب سے پہلے "ٹوٹا ہوا تارا" پڑھی یہ اسٹوری آنچل کی بیسٹ اسٹوری ہے پھر نازیہ آپی کی "شب ہجر کی پہلی بارش" پڑھی۔ صیام کے گھر کے حالات پڑھ کر دل دکھ سے بھر گیا آپی صیام میرا پسندیدہ کردار ہے پلیز اس کے ساتھ اچھا کرنا۔ راحت آپی آپ کا ناول بور ہوتا جارہا ہے پلیز کچھ تبدیلی لائیں یا پھر بند کردیں۔ نگہت آپی آپ کا ناول "تیرے عشق نچایا" اچھا جارہا ہے آپی نشاء کو احسن کے ساتھ ہی رکھنا اور مونی مریم کی جوڑی اچھی لگے گی۔ عشنا آپی آپ کا ناول "منالیتا" زبردست تھا۔ آپی آپ کا ناول "اور کچھ خواب" ابھی تک دل میں سمایا ہوا ہے اشعال اور ایلیاہ نے دامیان ور انابیتا کی یاد دلا دی پلیز آپی لکھتی رہا کریں غائب مت ہو جایا کریں مجھے آنچل میں آپ کی کمی بہت محسوس ہوتی ہے۔ "دست شفاء" سندس جبیں نے بھی اچھا لکھا افسانے سارے اچھے لگے خاص طور پر "آزمائش"۔ "ہمارا آنچل" میں سب نے اچھا تعارف کروایا اور سارے مستقل سلسلے اچھے تھے۔ آئینہ میں شاہد سول ہاشمی آپ ہمارے ہمسائے میں رہتی ہیں آپ کا ہر ماہ تبصرہ کرنا اچھا لگتا ہے مجھ سے دوستی کرو گی؟ طیبہ نذیر دعائے سحر انجم خان میں آپ سے دوستی کرنا چاہتی ہوں پہلے خط میں بھی لکھا تھا آپ نے جواب ہی نہیں دیا۔ پروین آپی میری ایک بھائی کی شادی کو بیس سال اور دوسری کی شادی پندرہ سال ہو گئے ان کو اولاد نہیں ہے آپی میں جب بھی ان دونوں کے لیے دعا مانگتی ہوں آپ کے لیے بھی ضرور دعا مانگتی ہوں۔ آخر میں آنچل کے لیے دعا ہے کہ یہ سدا پھولوں کی طرح مہکتا رہے اللہ حافظ۔

☆ تبصرہ شائع ہونے پر شکریہ کی ضرورت نہیں، یہ آپ کا اپنا ماہنامہ ہے۔

گل مینا خان، حسینہ ایچ ایس...... مانسہرہ۔ آنچل کا شمارہ بروقت ملا تو پیارا سرورق دیکھ کر دل خوش ہو گیا اتنے اچھے اچھے سرورق بنانے میں جس کا عمل دخل ہے وہ یقیناً قابل داد تحسین ہے کیونکہ پہلی نگاہ سرورق پر پڑتی ہے یہاں سے ہی دل کھنچ جائے تو اندر کی دنیا دل ونگاہ کو تہہ و بالا کرنے کے لیے ویسے ہی کافی ہوتی ہے آنچل کے تمام سلسلے ہی انگوٹھی میں نگینے کی طرح فٹ ہیں اس مرتبہ سارا آنچل ہی زبردست رہا۔ تمام تحریریں اے ون تھیں۔ بیاض دل سب ایک سے بڑھ کر ایک رہے نیرنگ خیال بھی پسند آیا۔ صوفیہ ماریہ ہمیرا گل اور بشریٰ شاہ کو سلام جو ہمیں چھوڑ کر اپنے گھر جا کر بھول ہی گئی ہیں۔ ارم ناز اور گل بہار یار تم بھی آنچل میں انٹری دو نا اللہ حافظ۔

مدیحہ نورین مہک...... برنالی۔ السلام علیکم! سب سے پہلے حجاب کی مبارک باد اس کے بعد آنچل کی طرف آتے ہیں آنچل کا ٹائٹل بہت عمدہ تھا۔ حمد و نعت پڑھ کے دلی سکون ملا پھر پڑھا "تیرے عشق نچایا" نگہت عبداللہ بہت اچھا لکھ رہی ہیں سلسلے وار ناولز بہت خوب جارہے ہیں اور عشنا کوثر سردار نے بہت منفرد انداز میں لکھا اچھا لگا پڑھ کے سندس جبیں کا دست شفاء بھی عمدہ تھا۔ نیرنگ خیال میں اپنی نظم دیکھ کر بہت خوشی ہوئی۔ بیاض دل یادگار لمحے ہم سے پوچھیے میں ہم شامل نہیں تھے بہت افسوس ہوا۔ اللہ آنچل کو بہت ترقی عطا کرے آمین تاکہ اس سے ایسے ہی سبق حاصل کرتے رہیں۔ طیبہ نذیر آپ کو بھائی کی شادی بہت مبارک ہو۔ پرنس افضل شاہین اللہ آپ کے میاں کو جلد صحت یاب کردے آمین سب اپنا خیال رکھیے گا اللہ حافظ۔

شمائلہ کرن...... داجل۔ السلام علیکم! شہلا آپی کیسی ہیں آپ؟ امید کرتی ہوں آپ بخیریت ہوں گی۔ میری طرف سے آنچل اسٹاف مصنفین اور قارئین کو ڈھیر سارا پیار اور سلام 3 ماہ کی غیر حاضری کے بعد لکھ رہی ہوں کسی نے مجھے یاد کیا کہ نہیں؟ اب آتے ہیں آنچل کی طرف تو اس دفعہ آنچل 22 تاریخ کو ملا سب سے پہلے قیصر آنی کی سرگوشیاں پڑھیں اور یہ جان کر خوشی ہوئی کہ حجاب 10 نومبر کو ہمارے ہاتھ میں ہوگا اس کے بعد سیدھی چھلانگ لگائی اپنے فیورٹ ناول "ٹوٹا ہوا تارا" کی طرف تو میری خوشی کی انتہا نہیں رہی کہ ولید کو کچھ نہیں ہوا اور شہوار مصطفیٰ کزن ہیں یہ جان کر اچھا لگا۔ اس کے بعد "موم کی محبت" کی طرف گئے راحت آپی پلیز عارض اور شرمین کو ملا دیں اور زیبا بے چاری کی مشکلات ختم کردیں۔ نازی آپی کے ناول "شب ہجر کی پہلی بارش" میں مجھے عائلہ اور سدید کی جوڑی اچھی لگتی ہے آپی میری دعا ہے کہ آپ کا یہ ناول بھی باقی ناول کی طرح سپر ہٹ ہو۔ مکمل ناول میں عشنا آپی کے ناول "منالیتا" چھوٹی چھوٹی نوک جھونک سے بھری محبت کی زبردست کہانی تھی۔ "دست شفاء" سندس آپی ماں اور بیٹے کی محبت کی مثال قائم کردی۔ آگے بڑھے تو "تیرے عشق نچایا" نگہت آپی کے ناولٹ پر پڑی مجھے لگتا ہے جو مریم کو فون کرتا ہے وہ محسن ہے اگلی قسط کا بے صبری سے انتظار ہے۔ افسانوں میں "آزمائش" ٹاپ پر تھا مرد ہمیشہ عورت کو آزماتا ہے اور عورت ہمیشہ آزمائش پر پوری اترتی ہے لیکن وہ خود کبھی آزمائش پر پورا نہیں اترتا۔ طاہرہ نے آفاق کے ساتھ اچھا کیا وہ اسی لائق تھا۔ "وہ جو ہم میں تم میں قرار تھا" نازنین کی کیسی محبت تھی جو اتنی جلدی ختم ہو گئی بہر حال اینڈ پڑھ کے افسوس ہوا۔ باقی تمام افسانے

اچھے تھے۔ بیاض دل میں دعائے سحر، صائمہ محبوب، مونا قریشی، جاذبہ عباسی کے شعر پسند آئے۔ نیرنگ خیال میں سید جیا عباس ہمیشہ کی طرح چھائی رہیں۔ ارم وڑائچ کی نظم بھی اچھی تھی، ہم سے پوچھیے تجم انجم شائلہ عباسی اور ہماری پیاری سی نورین انجم کے سوال پسند آئے۔ کراچی والوں کے لیے خوش خبری شاید میں بھی اگلے ماہ سے کراچی سے خط لکھوں اس کے ساتھ ڈھیر ساری دعاؤں کے ساتھ اللہ حافظ۔

ودیعہ یوسف زماں قریشی...... لانڈھی، کراچی۔ السلام علیکم! پیارے قارئین اور آنچل فیملی کو پیار بھرا سلام قبول ہو۔ اس بار آنچل لیٹ ملا ہے تو ابھی زیادہ کچھ پڑھ نہیں سکے، دو ماہ بعد ڈائجسٹ لیا اور ایک خوب صورت افسانہ دیکھ کر دل خوش ہوگیا۔ "اے ارض وطن" وطن سے متعلق کچھ بھی ہو پڑھ کر بہت اچھا لگتا ہے۔ گزارش ہے کہ اس کو جاری رکھیے گا۔ آئینہ میں شرکت کی وجہ بھی یہ ہی تھی ورنہ اتنا پڑھا بھی نہیں کہ ٹھیک سے تبصرہ کرسکوں۔ در جواب آں پڑھ کے قیصر آرا جی پر پیار آ گیا۔ خیر وہ تو ہمیشہ ہی آتا ہے کیونکہ وہ اتنے پیار سے جو مخاطب کرتی ہیں۔ سلسلہ وار ناولز میں سب سے پہلے "ٹوٹا ہوا تارا" پڑھا حد ہے بس یہی باقی رہ گیا تھا۔ سمیرا جی! ولید بے چارے کے ساتھ بھی کچھ اچھا بھی کردیا کریں جناب! عشنا جی ناول دیکھا تو مزہ آ گیا لیکن جب پڑھا تو جی بھر کر بور ہوئے۔ بیاض دل میں شاہ رسول ہاشمی کا شعر بہت بہت پسند آیا۔ حافظ سمیرا شہزادی، پارس شاہ، شاہ دل، وقاص عمر، تہمینہ خان آپ سب ہی کے اشعار بہت اچھے رہے اور بہت پسند آئے۔ رانا محمد زید کو ہٹا کر باقی سب نے اچھا لکھا۔ پیارے قارئین اپنا اور اپنوں کا بہت خیال رکھیے گا اور دعاؤں میں ہمیں بھی یاد رکھیے گا، فی امان اللہ۔

وثیقہ زمرہ...... سمندری۔ السلام علیکم! آنچل 27 کو ملا، عین کہ زلزلہ آنے کے دوسرے دن ہمارے پیارے پاکستان پر ایک بار پھر برا وقت آچکا ہے اللہ تعالیٰ اس مصیبت سے نجات دے جو اس حادثے میں زخمی ہوئے ہیں انہیں صحت و تندرستی عطا فرمائے اور وفات پانے والوں کو جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے آمین۔ اب آتے ہیں آنچل کی طرف تو سب سے پہلے آئینہ میں پہنچے یہ دیکھنے کہ ہمیں کس کس نے یاد کیا ہے عائشہ نور، پاکیزہ علی، صائمہ کشف یاد کرنے کا شکریہ اور کیوٹ سی نورین انجم آپ کا شکریہ اور آپ کی دوستی قبول کرتے ہیں، سلسلے وار ناول اچھے جارہے ہیں لیکن "موم کی محبت" کچھ بور کررہا ہے وہی زیبا اور صفدر کی لڑائی شرمین کا بولی سے گریز پلیز تھوڑا تیز کریں۔ "ٹوٹا ہوا تارا، شب ہجر کی پہلی بارش" اچھے جارہے ہیں۔ "منالیتا" پسند آیا لیکن "دست شفاء" اس ماہ کی بیسٹ تحریر تھی۔ حیدر نقوی جیسا دکھ وہی محسوس کرسکتا ہے جو اپنوں کا ڈسا ہوا ہو۔ ناولٹ "تیرے عشق نچایا" بہت اچھا تھا افسانوں میں "آزمائش اپنے حصے کی" کھڑی وہ جو ہم میں تم میں قرار تھا" اچھے لگے باقی ابھی پڑھ نہیں سکی۔ "اے ارض وطن" یہ نیا سلسلہ شروع کیا ہے یا صرف اسی ماہ شائع کیا ہے۔ باقی سلسلے ہمیشہ کی طرح زبردست رہے اسی کے ساتھ اجازت دیجیے اللہ حافظ۔

☆ اے ارض وطن کوئی نیا سلسلہ نہیں ہے یہ ایک انعامی مقابلہ تھا جو فیس بک پر آنچل کے پیج پر ہوا تھا اور جو بہنیں جیتی تھی ان کے مضامین آنچل میں شائع کیے گئے تھے۔

سمیرا مشتاق ملک...... اسلام آباد۔ السلام علیکم! پوری امید ہے کہ آپ بالکل خیریت سے ہوں گی یہ ڈائجسٹ میری نظر میں شروع سے اچھا ہے اور اچھا رہے گا کیونکہ یہی ایک ڈائجسٹ میرے زیر مطالعہ رہتا ہے اس لیے میرا اس کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ نومبر کا آنچل ملا تو ایک ٹھنڈک کا احساس ہوا سرورق بس کچھ خاص نہ تھا۔ "شب ہجر کی پہلی بارش" نازیہ کنول نازی کا ناول لاجواب ہے آپ کے لکھنے کا انداز بہت اچھا ہے عشنا کوثر سردار کا ناول "منالیتا" کافی اچھا لگا۔ "ٹوٹا ہوا تارا" میں شکر ہے ولی کو ہوش تو آیا باقی کے افسانے بھی اچھے تھے۔ بیاض دل میں حرا ہانیہ، صدف اور شفق کے اشعار پسند آئے۔ یادگار لمحے میں ثناء، حرا اور غزل کی تحریریں اچھی لگیں۔ سامعہ آپ کے والد صاحب کی اللہ تعالیٰ مغفرت فرمائے آمین۔ تمام لکھنے والوں کو سلام دعاؤں میں یاد رکھیے گا اللہ حافظ۔

ماروی یاسمین...... 44ج۔ السلام علیکم! ڈیئر آپی اینڈ تمام آنچل پڑھنے والی پریوں کیسی ہو سب؟ یقیناً ٹھیک ہوں گی۔ جناب ٹائٹل اچھا تھا۔ ماہنامہ "حجاب" کے آنے کی خوش خبری مدیرہ آنٹی سے ملے تو پھر حمد و نعت سے دل کو سکون پہنچایا۔ مشتاق انکل کا درس پڑھا پھر عقیلہ رضی، کرن ملک، رابعہ اور بشریٰ سب سے مل کر بہت خوشی ہوئی۔ قسط وار ناول سب ہی اچھے ہیں۔ مکمل ناول "منالیتا" دست شفاء" بہت اچھا لکھا۔ آپی عشنا کوثر اور سندس آپی نے ویل ڈن جی۔ "تیرے عشق نچایا" نگہت آپی پلیز اب ختم کردیں کہانی۔ نشاء پر بڑا ترس آرہا ہے پلیز نشاء کے تایا جی کی سازش کبھی کامیاب نہ ہونے دیں۔ افسانے سب ہی اچھے تھے بیاض دل ہالہ سلیم، نورین لطیف، رخ کومل کے شعر لاجواب تھے۔ نیرنگ خیال سارا ہی بیسٹ تھا، یادگار لمحے اچھا تھا، پڑھ کر بہت مزا آیا۔ باقی ابھی پڑھنا ہے، زندگی رہی تو پھر ملیں گے، پاکستان زندہ باد۔

دلکش مریم...... چنیوٹ۔ السلام علیکم! 25 اکتوبر کی شام کو آنچل ہاتھ آیا تو اس میں اپنی فیورٹ رائٹر عشنا کوثر سردار کا ناول دیکھ

کر دل بے انتہا خوش ہوا ان کے علاوہ بھی فہرست میں ہماری بہت سی پسندیدہ رائٹرز کے نام تھے۔ دل پُر جوش ہوا کہ جلدی سے سارا آنچل پڑھ کر تبصرہ کرنا ہے (بغیر جانے کہ اگلے دن کیا ہونا ہے ہم ایسے ہی تو ہیں جانے کیا کیا سوچ لیتے ہیں جبکہ اگلے لمحے کا بھی پتا نہیں ہوتا)۔ 25 اکتوبر کی رات کو سب سے پہلے عشنا کوثر کا ناول "منالیتا" بہت خوشی کے ساتھ پڑھا کہ آخر اشعال نے ایلیاہ کو منا ہی لیا (کاش ہم نے اپنے رب کو بھی منالیا ہوتا)۔ اگلے دن 26 اکتوبر کی دوپہر "ٹوٹا ہوا تارا" پڑھ رہی تھی کہ قدموں کے نیچے سے زمین ہلنے لگی۔ در و دیوار لرزنے لگے اور ایسے لگا ابھی چھت اوپر آ گرے گی بے اختیار منہ سے نکلا زلزلہ...... اے اللہ ہمیں معاف کردے ہم پر رحم فرما۔ میری آپ سب سے درخواست ہے اپنی عبادت میں استغفار کو شامل کریں اور روزانہ کم از کم ایک تسبیح استغفار ضرور کیا کریں۔ اللہ تعالیٰ امت مسلمہ کو پاکستان کو ہمیشہ اپنی امان میں رکھے آمین۔

ھاجرہ ظھور...... پشاور' تاروجبہ۔ السلام علیکم! پیاری سی کیوٹ سی بجو جان کیسی ہیں آپ؟ امید کرتی ہوں بالکل خیریت سے ہوں گی اللہ آپ کو پھولوں جیسا ہنستا مسکراتا رکھے آمین۔ یقین نہیں آرہا کہ مجھ غریب کا خط بھی آئینہ میں شامل کرلیا گیا' بہت شکریہ۔ سرورق ماڈل دل کو چھوگئی اپنی تمام تر سادگیوں کے ساتھ' سب سے پہلے حمد و نعت سے دل کو منور کیا پھر در جواب آں میں جھانکا مدیرہ آنٹی سب بہنوں سے کس قدر خوب صورتی سے مخاطب ہوتی ہیں اس کے بعد اپنی فیورٹ اسٹوری پر بریک لگائی تو جناب "ٹوٹا ہوا تارا" یہ کیا ولید کے نخرے دیکھو ولید جی اگر انا کی عقل ٹھکانے آ گئی ہے تو آپ کو بھی چاہیے تھا کہ پیار سے بات کرتے مگر ناجی نا آپ دونوں نے تو قسم کھا رکھی ہے ہمیں دکھی کرنے کی اور آپی جان! پلیز شہوار اور مصطفیٰ کو ایک دوسرے پر اعتبار کرنا سکھا دیں' کہیں ایسا نہ ہو کہ ایاز اور دریہ اپنے پلان میں کامیاب ہوجائیں۔ انا بی بی اور ولید کی وجہ سے ہم پہلے سے ہی بہت پریشان ہیں' شہوار باجی اور مصطفیٰ بھیا آپ دونوں بھی ذرا عقل سے کام لیں پلیز۔ آپی کاشفہ کا راز تو انا نے فاش کر ہی دیا اب اس کاشفہ کی بچی کو ایسی کڑی سزا سنائیں کہ بس ہم اور ہمارا دل خوش ہوجائے۔ "موم کی محبت" شرمین بے چاری کے امتحان کب ختم ہوں گے اور عارض کے ساتھ تو بہت اچھا کررہی ہے' صفدر کو بھی چاہیے کہ ذرا ٹھنڈے دماغ سے زیبا کی بات سنے اور عارض کو بے نقاب کردیں۔ ہمیں بہت بے چینی سے انتظار رہے گا اور پتا نہیں پھر صفدر کا کیا ری ایکشن ہوگا اور بوبی اس کے متعلق تو اور کچھ بھی نہیں کہوں گی ہاں البتہ اتنا بتا دوں پہلے وہ مجھے بہت اچھا لگتا تھا مگر اب اس سے بھی زیادہ برا لگتا ہے کیونکہ اس کی بچکانہ حرکتیں ہی ختم نہیں ہوتیں۔ مجھے تو ایسے لگتا ہے جیسے چھوٹا بچہ جس کی سمجھ میں کوئی بات آتی ہی نہیں۔ "شب ہجر کی پہلی بارش" نازی آپی مجھے اس کہانی میں گھریلو مسائل کا شکار اور پریشان پریشان سا صیام بہت پسند ہے آپ اس کو الٰہ دین کا چراغ دے دیں تاکہ اس کی مشکلات اور پریشانیاں سیکنڈوں میں ختم ہوجائیں۔ آپی آپ بہت اچھا لکھتی ہیں اور امید ہے آپ کہانی کو اور بھی اچھے موڑ پر لے جائیں گی' میری نیک تمنائیں آپ کے ساتھ ہیں۔ "تیرے عشق نچایا" زبردست اسٹوری ہے' تبصرہ کہانی مکمل ہونے پر کروں گی۔ ہمارا آنچل میں کرن ملک اور بشریٰ رانا کا تعارف بہت اچھا لگا۔ بشریٰ رانا' ارم کمال اور کرن ملک آپ پیاری سی اور کیوٹ سی لڑکیوں سے میں دوستی کرنا چاہتی ہوں اگر منظور ہو تو اپنی رائے سے ضرور آگاہ کرنا' او کے بڑی شدت سے انتظار رہے گا۔ بیاض دل میں نائلہ بدر' شفق راجپوت' صائمہ محبوب' ارم کمال' شاہ رسول ہاشمی' وقاص عمر بنگش' یو انزلہ خان' ایس انمول' ہالہ سلیم' نورین لطیف' نزہت جبین ضیاء' طلعت نظامی اور پارس شاہ کے اشعار پسند آئے۔ نیرنگ خیال میں سامعہ ملک پرویز' حمد' واجد محمود قریشی کا نعت' مدیحہ نورین مہک' صبا الیاس' وقاص عمر بنگش کے غزل دل کو چھوگئی۔ ہم سے پوچھیے میں وثیقہ زمرہ' شائستہ جٹ' نورین انجم اعوان' نجم انجم' پروین افضل شاہین' شازیہ اختر شازی کے سوالات اور شمائلہ آنی کے جوابات پر مسکرائے بنا نہ رہ سکے۔ واہ جی شمائلہ جی کیا ذہن پایا ہے آپ نے ماشاء اللہ۔ اللہ تعالیٰ پروین افضل شاہین کے میاں جانی کو صحت کاملہ عطا فرمائے آمین۔ اللہ نگہبان۔

رابعہ مبارک...... پتوکی۔ السلام علیکم اہل آنچل! سب سے پہلے حمد اور نعت پڑھی اچھا لگا پھر "ٹوٹا ہوا تارا" کی جانب آئے شکریہ بے چاری شہوار کی شناخت ملی' سکندر کے ساتھ اچھا نہیں ہوا۔ اسٹوری میں تھوڑی سی تیزی آنی چاہیے۔ "شب ہجر کی پہلی بارش" بہت اچھی جارہی ہے اور نازی آپی اسے اچھا ہی رہنے دیں یہ نہ ہو کہ لڑائی' پیار اور پھر لڑائی کروا کر اسٹوری لمبی کرنے کے چکر میں چارم ختم کردیں۔ "دست شفا" کا حیدر ایک غیر معمولی لڑکا تھا۔ "منالیتا" عشنا کوثر ہمیشہ کی طرح اچھی لگیں۔ "موم کی محبت" ابھی تک سمجھ ہی نہیں آئی۔ "دھند کے بعد" پڑھ کے دل عجیب سا ہوگیا' بڑی اچھی کاوش تھی ہماراؤ کی۔ "آئینہ" میں سب بہنوں کے تبصرے اچھے لگے۔ "ہم سے پوچھیے" شمائلہ آپ سب سوالوں سے دو دو ہاتھ کرتی نظر آئیں۔ یادگار لمحے سیدہ جیا عباس کی بات دل کو چھوگئی' دوست کا پیغام آئے اچھا نہ لگے یہ کیسے ہوسکتا ہے سب ہی بہت اچھے لگے۔ شاہ زندگی یاد کرنے کا شکریہ' پلیز مدیرہ جی نمرہ احمد سے بھی آنچل کے لیے کوئی اچھا سا ناول لکھوائے اور عائشہ نور محمد سے بھی ویسے تو آنچل سارہ ڈائجسٹ اچھا ہوتا ہے لیکن اس کا دوست کا پیغام آئے بہت اچھا سلسلہ ہے۔ اب اس دعا کے ساتھ اجازت

چاہوں گی کہ اللہ ہم سب پر رحم کرے اور آنچل کو ترقی دے آمین۔

فائزہ بھٹی...... پتوکی۔ السلام علیکم! آنچل کا دیدار 2 نومبر کو ہوا فہرست پر نظر دوڑائی تو افسانوں کی ایک لائن لگی نظر آئی' کسی چیز پر بھی باقاعدہ تبصرہ کرنے سے پہلے آپ کو ماہنامہ حجاب کے اجرا پر مبارک باد پیش کروں گی۔ اس نئے ماہنامے سے پتا چلتا ہے کہ ہمارا یہ ادارہ بہت تیزی سے ترقی کی راہوں پر گامزن ہے اللہ پاک اسے مزید ترقی دے' آمین۔ ''بہنوں کی عدالت'' فاخرہ گل ہمارے جواب تو دے ہی نہیں رہیں سب قاری لوگوں کے سوال پڑھ کر سوچ رہی ہوں میں نے تو ایسا کوئی بھی سوال نہیں پوچھا یقیناً فاخرہ گل جب بھی سوال دیں گی یہ ضرور سوچیں گی کیسی انوکھی لڑکی ہے یہ۔ ''ٹوٹا ہوا تارا'' شکر ہے سکندر صاحب کا بھی ذکر ہوا' اوہ پلیز سمیرا اب مصطفیٰ اور شہوار کے درمیان دراڑ مت ڈال دینا۔ مشکل سے ہی تو دونوں ٹھیک ہوئے تھے' ولید کو بھی ہوش آ گیا' یہ اچھا ہوا اب یہ دیکھنا ہے آگے کیا ہوتا ہے۔ ''موم کی محبت'' یہ اسٹوری بھی ٹھیک ہے' صفدر کی ضد کو رائٹر لمبا ہی کیے جا رہی ہیں' اُن کے مسئلے کو کسی ایک طرف لگائیں۔ شرمین بے چاری صحیح پھنسی ہے اب کوئی ہمت والا ہی اسے نکالے تو نکالے۔ نازی کی اسٹوری ''شب ہجر کی پہلی بارش'' کافی اچھی جا رہی ہے لگتا ہے نازی اس اسٹوری کے بارے میں بہت آگے تک سوچی ہوئی ہیں۔ عشنا کوثر تم بھی بہت اچھی ہے' تمہاری اسٹوریز سب سے منفرد انداز لیے ہوئے ہوتی ہیں۔ آپ کا انداز بیان بھی سب سے جدا ہے' اب زیادہ تبصرہ نہیں کر سکتی کیونکہ خط بھیجنے کی تاریخ نکل جائے گی' اللہ پاک اس ملک اور اس کے باسیوں پر اپنی رحمتوں کا نزول کرے آمین' اللہ حافظ۔

فیضہ جٹ' مائرہ جٹ...... السلام علیکم! شہلا آپی کیسی ہیں؟ تین ماہ بعد آئی ہوں ہم کو یاد تو کیا ہوگا' آنچل اسٹاف کو پیار بھرا سلام قبول ہو۔ آنچل ڈائجسٹ تو ہماری جان ہے سچ میں یہ تو ہمارے دلوں میں بستا ہے' ناول اچھی لگ رہی تھی۔ سب سے پہلے سمیرا آپی کو پڑھا' آپی جی مصطفیٰ بھائی اور شہوار کی لڑائی ختم کریں یہ تو صرف ہنستے اور مسکراتے ہوئے ہی اچھے لگتے ہیں۔ اللہ کرے ولی کو انا سے بہت زیادہ محبت ہو جائے' انا کو تو ولی سے عشق ہے۔ نازی آپی آپ کا ناول بہت پیارا ہے' میں اور میری کزن بہت شوق سے پڑھتی ہیں۔ اُف اللہ عشنا آپی آپ کا ناول پڑھ کر مزہ آ گیا' اشعال نام بہت پیارا لگا۔ اس کا مطلب تو بتا دے' ''موم کی محبت'' کی تو کیا بات ہیں' زیبا اور صفدر کی لڑائی ہی نہیں ختم ہوئی۔ ان کی لڑائی ختم کریں اتنا پیارا تو ان کا بیٹا ہے' باقی سارے افسانے اچھے تھے' باقی ڈائجسٹ ابھی پڑھا نہیں۔ فائزہ بھٹی' عائزہ بھٹی (پتوکی) کہاں غائب ہیں آپ' ہم سے دوستی کریں گی' اب اجازت' فی امان اللہ تمام اہل وطن کو سلام۔

سمیہ کنول...... بھیر کنڈ' مانسہرہ۔ السلام علیکم شہلا آپی' قارئین اینڈ رائٹرز خوشیوں کے سارے رنگ آپ پر برسیں' جہاں رہیں خوش و آباد رہیں اور مجھے اپنی دعاؤں میں یاد رکھیں۔ نومبر کا شمارہ 28 اکتوبر کو ملا اور اسی دن سارا پڑھ لیا۔ سرورق بہت اچھا لگا' سب سے پہلے آنچل میں اپنا نام ڈھونڈا پر نہ جی ہمارا نام تو کہیں نہیں تھا اس کے بعد تعارف پڑھا' بشریٰ رانا یہ کیا میری ساری عادتیں تم سے ملتی ہیں' ایک بھی ایسی نہیں جو مختلف ہو (ہاہاہا)۔ اسٹوریز میں سب سے پہلے ''منالیتا'' پڑھا اتنا خاص نہیں لگا' اس کے بعد موم کی محبت پڑھی۔ ایسا بس کریں نہ ہر بار تجسس میں ڈال دیتی ہیں سوچ سوچ کے کہ آگے کیا ہوگا۔ ''تیرے عشق نچایا'' بہت اچھی لگی۔ ''شب ہجر کی پہلی بارش'' کے لیے میرے پاس الفاظ نہیں ہیں کہ تعریف کروں اور ساری کہانیاں بہت بیسٹ تھیں۔ بیاض دل میں علامہ اشمشاد حسین کا شعر بہت اچھا لگا۔ نیرنگ خیال میں مدیحہ نورین مہک کا (الوداع) بہت اچھا لگا۔ یادگار لمحے میں سید جیا عباس کی بات بہت اچھی لگی' آئینہ میں سب کے خط بہت زبردست تھے' صائمہ کشف آپ کا بہت شکریہ کہ آپ نے میرا نام اپنے خط میں شامل کیا' آنچل سارا پڑھ لیا' ساری کہانیاں بہت اچھی اور سبق آموز تھیں۔ اجازت چاہوں گی اس دعا کے ساتھ ہمیشہ خوش رہیں اور دوسروں کو خوش رکھیں' پاکستان زندہ باد۔

صوبیہ بلال صبح...... ظاہر پور' السلام علیکم! سب سے پہلے حجاب کی مبارک باد' آنچل کے سارے سلسلے بہت خوب ہوتے ہیں' امید ہے کہ اب حجاب بھی کچھ کم نہیں ہوگا۔ سلسلے وار تینوں ناول بہت اچھے جا رہے ہیں اور مکمل ناول میں عشنا کوثر کا نام ہی کافی ہے۔ اب کے لیے اتنا کافی ہے' ان شاء اللہ اگلے ماہ ملاقات ہوگی' اللہ حافظ۔

افشاں علی...... کراچی۔ آنچل کی تمام پیاری پیاری قارئین' رائٹرز' اسٹاف اور ایڈیٹر کو افشاں علی کی جانب سے پیار بھرا سلام۔ بہت ساری پر خلوص دعاؤں' بھرپور محبتوں و چاہتوں کے ہمراہ افشاں علی ایک بار پھر سے حاضر محفل ہے۔ بہت خوب صورت و دیدہ زیب سرورق کے ساتھ آنچل کا شمارہ ملا' چہرے پر دھیمی دھیمی مسکان لیے سدرہ کا خوب صورت سا انداز دل میں اترتا چلا' یہ جان کر از حد خوشی ہوئی کہ 9 نومبر تک ہمیں ماہنامہ حجاب بھی مل ہی جائے گا۔ یعنی جب تک یہ سندیسہ ملے گا تب تک ہمیں حجاب بھی مل جائے گا۔ دعا ہے کہ آنچل کی طرح حجاب بھی دن دگنی ترقی کرے اور یوں ہی مقبول ہو جائے کیونکہ خواتین کے لیے آنچل اور حجاب ضروری ہے۔ 322 صفحات کا خوش آئند اضافہ دل خوش کر گیا۔ ہماری ریڈنگ ایکسپریس نے ریڈنگ سفر پر جانے سے پہلے پیاری پیاری سی سرگوشیاں سنی۔ حمد و نعت سے

دل وروح کو سرشار کیا اور در جواب آں میں اپنا نام نہ پا کر تھوڑا مایوس ہوتے ہوئے آگے بڑھے۔ جہاں دانش کدہ میں معطر الفاظ مہک رہے تھے۔ آگے جا کر عقیلہ رضی، رابعہ اریب، بشریٰ رانا اور کرن ملک سے ملاقات ہوئی اگلے اسٹاپ پر فاخرہ گل کو بہت سارے سوالات کے نرغے میں گھیرا پایا۔ مزے دار سوالوں کے مزے دار جوابات پڑھنے کو ملے سب سے پہلا اسٹیشن ”منالینا“ آیا جہاں پیاری سی عشنا کوثر سردار نے محبتوں سے گوندھی پیار کے رنگوں سے بھی خوب صورت سی تحریر پڑھنے کو دی۔ بالآخر محبت نے دو دلوں کو ملا کر خاموش لبوں سے محبت کا اقرار منوا ہی لیا۔ اگلے اسٹاپ ”ترے عشق نچایا“ پر ہم نے آرام نہیں کیا کیونکہ قسط وار اور سلسلے وار ناول ہم بعد میں آرام سے پڑھتے ہیں آگے بڑھے تو ”آزمائش“ کے عنوان سے اسٹاپ آیا۔ جہاں اقبال بانو آپا نے بہت گہرائی سے حقیقت بیان کی کہ ہر انسان اور ہر رشتہ آزمائش کے لیے نہیں ہوتا آزمائش انسانوں کو ایک دوجے سے دور اور رشتوں کو کمزور بنا دیتی ہے۔ خیر جناب آگے بڑھے تو ستاروں کا جہاں آیا یعنی ”ٹوٹا ہوا تارا“ جو ٹوٹ کر بھی روشن ہے۔ سمیرا جی کا یہ خوب صورت سا ناول اختتام کی جانب رواں دواں نظر آرہا ہے۔ ہماری ریڈنگ ایکسپریس بھی اپنے سفر کی جانب رواں دواں تھی تبھی اگلا جنکشن ”دست شفا“ چلا آیا۔ جہاں نقوی ولا کے پرسکون وادبی ماحول میں رہنے والے مکینوں کے باہمی تعاون کی داستان رقم تھی۔ سندس جبین نے بہت ہی پیاری سی تحریر ہمیں پڑھنے کو دی۔ آگے بڑھے تو ”وہ جو ہم میں تم میں قرار تھا“ کے عنوان سے عائشہ لیاقت اپنی تحریر کے ہمراہ نظر آئیں پیار کی راہ گزر اتنی بھی آسان نہیں کیونکہ راہ میں ان دیکھے کانٹے بھی بچھے ہوتے ہیں اسی جملے کا عکس اس تحریر میں نظر آیا کچھ ناسمجھ لوگوں نے محبت جیسے خوب صورت جذبے کو سر راہ رسوا کر دیا ہے۔ سفر آگے بڑھا تو ”اپنے حصے کی ٹھوکر“ کی جانب توجہ دلاتیں فرحین اظفر نظر آئیں، ان کی تحریریں ہمیں بے حد پسند ہیں کیونکہ عام سے انداز سادہ اور روزمرہ کے واقعات میں ہی وہ بڑے سے بڑا سبق سکھلا جاتی ہیں۔ ہر انسان یونہی ایک دوسرے کا درد بانٹنے میں لگ جائے تو دکھوں کے انبار تلے دبے انسان کھلی بے فکر فضا میں سانس لے پائیں۔ ویل ڈن فرحین آپی، اگلا جنکشن ”زرد آنچل“ تھا جہاں سمیرا غزل صدیقی نے بڑے ہی سادہ انداز میں بتلا دیا کہ جیسی ماں ویسی بیٹی کے مصداق ماں کے طور طریقے اور سبھاؤ دیکھ کر اس کی بیٹی کے بارے میں رائے قائم کی جاتی ہے وہی بیٹیاں شاد وآباد رہتی ہیں جن کی مائیں گرہستی میں طاق ہوں اور بیٹیوں کو بھی اسی زیور سے آراستہ کیا ہو ہلکا پھلکا خوب صورت سا افسانہ اچھا لگا۔ اگلے اسٹاپ پر حنا اشرف اپنے افسانے ”چلو ہم کو بتاتے ہیں“ کے ہمراہ ملیں سب سے پہلے تو آنچل میں ویلکم اور پھر اس افسانے کے لیے ویلڈن، مختصر مگر پر اثر تحریر رہی ہم آگے بڑھے تو ”فصل گل“ کھل رہی تھی، زینب چوہدری نے ہلکی پھلکی نوک جھونک کے ساتھ دو دلوں کو ملوایا آگے بڑھنے سے پہلے ہم نے ”فیس بک مقابلے“ کی بھی چھان بین کی اور پھر دل سے صدا نکلی ”اے ارض وطن تو سدا رہے سلامت“ آمین۔ سفر کافی طویل ہو چلا تھا ہمیں بھوک ستائی تو ہم ”ڈش مقابلہ“ جنکشن پر اتر چلے جہاں ساگ گوشت، پسندے آلو، لال قلعہ حلیم، اچاری قورمہ، مٹن رائس، مغز مصالحہ، کوفتے، مٹر گوشت بریانی، کلیجی پیاز، چانپ اور گرم مصالحہ ران موجود تھی اس کے ساتھ ہی بیوٹی گائیڈ کے نام سے ایک کارنر موجود تھا سفر کی وجہ سے حلیہ تھوڑا عجیب ہو چلا تھا اس لیے پھر سے نکھار لانے کے لیے ہم اندر چل دیے۔ میک اپ اور بالوں کے اسٹائل سے فراغت پا کر ہم پھر سے سفر کے لیے روانہ ہوئے جہاں ”موم کی محبت“ اور ”شب ہجر کی پہلی بارش“ کے عنوان سے اسٹیشن بھی گزرے جبکہ بیچ میں کافی چھوٹے اسٹاپ بھی آئے جیسے ”روحانی مسائل کا حل، بیاض دل، نیرنگ خیال، دوست کا پیغام آئے، یادگار لمحے، ہم سے پوچھیے آپ کی صحت، اور کام کی باتیں“ وغیرہ نمایاں تھے۔ ہماری ریڈنگ ایکسپریس کا سفر پر لطف ومزے کے ساتھ جاری وساری تھا کہ ہمارا اسٹاپ ”آئینہ“ آیا اور یوں ہمارا سفر اختتام پذیر ہوا۔ آہ! یہ سفر صرف اس ماہ کے لیے ہی اختتام پذیر ہوا ہے اگلے ماہ ریڈنگ ایکسپریس میں افشاں علی کے ہمراہ پھر سے نئے سفر پر نکلیں گے تب تک کے لیے افشاں علی کو اجازت دیجیے اپنی دعاؤں میں ہمیں بھی یاد رکھیے گا۔ اللہ حافظ۔

☆ دعاؤں کے لیے جزاک اللہ۔

☆ اب اس دعا کے ساتھ اجازت چاہوں گی کہ نئے سال کو رب تعالیٰ ہم سب کے لیے خوشی وسکون کا سال بنائے اور جو لوگ ہم سے جدا ہو گئے ہیں ان کی مغفرت فرما کر انہیں جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے‘ آمین۔ میری جانب سے آپ بہنوں کو پیشگی نئے سال کی مبارک باد۔

aayna@aanchal.com.pk

ہم سے پوچھیے

شمائلہ کاشف

پاکیزہ ایمان...... کہروڑپکا

س: آپی جان! کوئی بہت اپنا آپ سے اچانک ہمیشہ کے لیے بچھڑ جائے تو......؟

ج: تو فوراً اس کا ادھار واپس کر کے منا لینا چاہیے بس۔

س: آپی جانی جسے ہم اچھا سمجھتے ہیں وہ ہمیں دھوکہ کیوں دے دیتے ہیں؟

ج: کیونکہ تم بھی تو مرغی کی قربانی کر کے ان سے حصہ کے پیسے مانگتی ہو زبردستی' شرم کرو تھوڑی سی۔

فاطمہ بھٹی......وہاڑی

س: کل مارکیٹ میں آپ کے پوتے کا پوتا دیکھا' تھا تو بہت کیوٹ مگر آپ کی عمر بتا گیا۔ کہیے کیسا لگا جان کر؟

ج: مجھے کیوں برا لگے گا جب تم جیسی بابا آدم کے زمانے کے لوگ ہو تو' پھر ابھی تو میری عمر ہی کیا ہے۔

س: آخر یہ ہمارے ہیرو (کرکٹرز) اتنی مستقل مزاجی سے کیوں ہار جاتے ہیں؟

ج: تا کہ ان کو جیتنے والی ٹیم ہمیشہ فخر سے یاد رکھے کہ کوئی تو ہے جو ہم سے ہار بھی جاتی ہے۔

س: آنچل کی دیوانوں شیوانیوں کے لیے کچھ تو ہونا چاہیے تو کیا آپ ہمیں دعا دے سکتی ہیں؟

ج: سدا مسکراتی رہو' اپنی دیورانیوں اور نندوں کے ساتھ اور ساس کے پیر تلے۔

س: کیسا لگتا ہوگا کسی اپنے منہ سے اپنے لیے برا سن کر؟

ج: کسی بہت ہی اپنے کو برا کہہ کر دیکھ لو خود ہی اندازہ بھی ہو جائے گا اور تجربہ بھی۔

س: کوئی نصیحت ہی کر دیں' ٹیک کیئر بی ہیپی' اللہ حافظ۔

ج: صبر کیا کرو اس وقت جب کوئی تمہاری برائی کر رہا ہو چاہے وہ تمہارا ہونے والے وہ ہی کیوں نہ ہوں۔

اقراء وکیل......للیانی' سرگودھا

س: آپی پہلی دفعہ شرکت کی ہے جگہ ملے گی یا نہیں؟

ج: آج کل میرے پاس ایک عدد ماسی کی جگہ خالی ہے اس جگہ میری نظر میں تم پوری فٹ ہوتی ہو اب اپنی رائے بتا دینا۔

س: آپی بھلا ہم یہاں آئے کس لیے......؟

ج: بس بس ان اتنے ذرا سے کام کے پیسے مانگ کر خود شرمندہ مت ہو۔

س: آپی ہمارا آنا آپ کو کیسا لگا؟

ج: کسی ماسی سے کم نا زیادہ' اب منہ مت بناؤ بس جاتے جاتے کچن کے برتن دھوتی جاؤ۔

اسرا......ڈی جی خان

س: آپ کے بے حد اصرار پر ہم آ گئے' ہماری شان میں کچھ فرمائیں؟

ج: آپ کا آنا بھی کسی اسرار سے کم نہیں' اور شان آج کل چھٹی پر گاؤں گیا ہوا ہے۔

س: آپی میں ایک ہی ڈش کتنی بار بنالو اس کا ذائقہ ایک ہی کیوں نہیں ہوتا آخر کیوں؟

ج: بنایا نہیں کرو پکایا کرو تو ہی ایک جیسا ہوگا۔

س: آپی میں جو اپنے شوہر سے کہتی ہوں آنچل لے کے آؤ تو وہ کہتے ہیں...... بھلا کیا؟

ج: پڑھنے کے ساتھ ساتھ عمل بھی کیا کرو پھر لاؤں گا۔

س: اچھا تو ہم چلتے ہیں آپ تو بہت کنجوس ہیں' ہم سے پانی تک کا نہ پوچھا' اللہ حافظ۔

ج: پانی ہی کی تو چائے بنا کر پلائی ہے وہ بھول گئی ہو کیا؟

رشک حنا......سرگودھا

س: آنی مزاج کیسے ہیں؟

ج: ہمارے مزاج بخیر ہیں البتہ تمہارے مزاج گرم ہونے والے ہیں۔
س: ارے دیکھیں بارش ہو رہی ہے جلدی آئیں کہیں......؟
ج: بارہ من کی دھوبن اگر تم اس بارش میں گری پڑی تو ہم سے نہیں کہنا اٹھانے کو۔
س: آپ نے کتنے عرصے کے بعد آئینہ دیکھا ہے؟
ج: ہم آئینہ دیکھتے نہیں بلکہ تم جیسوں کو آئینہ دکھاتے ہیں نظر آیا پھر اپنا اصلی چہرہ۔

سحرش بٹ......دینہ جہلم

س: کیا آپ میرا حال پوچھتی ہیں تو جی جناب میں پہلے سے زیادہ حسین خوب صورت اور دلکش ہوگئی ہوں بس نظر نہ لگایئے گا۔
ج: اس کو کہتے ہیں اپنے منہ میاں مٹھو بننا اب سچ سن کر کڑوے کریلے جیسا مت بناؤ۔
س: آپی جی نومبر میں میرے منگیتر صاحب پاکستان تشریف لارہے ہیں ان کا کیسے استقبال کروں آخر کو دبئی سے پہلی بار آرہے ہیں؟
ج: بکرے والے ہار پھول پہنا کر کہنا لوٹ کے بدھو گھر کو آئے اور پھر دیکھنا۔
س: آپی جی شوہر کے دل میں راج کرنے کے لیے کون سے اقوال زریں ہوتے ہیں؟
ج: پہلے شوہر والی تو بن جاؤ پھر سب خود ہی پتا چل جائے گا۔

مدیحہ نورین مہک......برنالی

س: لڑکے کا سالا ہوتا ہے لڑکی کا سالہ کیوں نہیں ہوتا؟
ج: یہ سوال ضرور تمہارے شوہر نامدار نے کیا ہوگا اپنے سالے سے تنگ آنے کے بعد۔
س: گدھے کے سر پر سینگ کیوں نہیں ہوتے؟
ج: اس لیے تو تم بھی تو سینگوں سے محروم ہو اب بتاؤں کیوں؟
س: فلک تک چل ساتھ میرے......؟
ج: تم ہی جاؤ اور نیچے آجاؤ کیونکہ آسمان سے گرا تو کھجور میں اٹکا۔
س: آپ خفا خفا کیوں ہیں؟
ج: تمہارے فضول سوالوں کی وجہ سے کبھی تو ڈھنگ کا بھی سوال کیا کرو۔
س: کالا چشمہ لگانے کا کیا فائدہ ہوتا ہے؟
ج: تم کسی کو بھی آنکھ مارو گی تو پتا نہیں چلے گا کم از کم تمہارے لیے تو یہی فائدہ بہت ہے اور تمہارا بھنگا پن بھی چھپ جائے گا۔
س: بلغ کا مذکر بتایئے گا؟
ج: تم کو اپنے مذکر کا نہیں پتا بی بلغ! اب اسی بات پر چمگادڑ سے رشتہ جوڑلو اس کو اپنی مونث کی تلاش ہے۔
س: مجھے آپ نے عیدی اور سری پائے کیوں نہیں بھیجے؟
ج: وہ ہمارا قصائی لے اڑا تو تم کو کیا دیتے۔

طیبہ نذیر......شادیوال گجرات

س: آپی آپ سیریس کب ہوتی ہیں؟
ج: جب رات کو نیند آتی ہے سیریسلی میں سو جاتی ہوں کیونکہ نیند کے ساتھ مذاق پسند نہیں کرتی۔
س: سوچیں ہمیشہ میرا ہی کیوں تعاقب کرتی رہتی ہیں؟
ج: کیونکہ تم کوئی کام بھی جو ڈھنگ کا نہیں کرتیں کام چور کہیں کی۔
س: مجھے سمجھنے میں لوگ غلط اندازے کیوں لگاتے ہیں سب مجھے چالاک سمجھتے ہیں (لیکن میں ہوں نہیں) مجھے بہت غصہ آتا ہے پھر؟
ج: ان کے صحیح اندازوں پر غصہ تو آئے گا ہی اب اگر لومڑی کو گدھے سے مشابہت دیں گے تو پھر لوگ احمق ہوئے۔

نینا خان......ہری پور

س: شمائلہ آپی پہلی بار آپ کی محفل میں چار چاند

لگانے آئی ہوں کیا کہیں گی؟

ج: یہ چاند تم اپنے میاں جی کے سر پر لگانا یہاں تو رہنے ہی دو کیونکہ یہاں تو میں ہی کافی ہوں بس۔

س: آپی آپ اتنے سوالوں کے جواب کہاں سے تجویز کرتی ہیں؟

ج: اپنی پڑوسن کی ناقص عقل سے ادھار لے کر جبکہ تمہاری عقل شریف تو گھاس چرنے گئی ہے وہ بھی سوکھی۔

س: اب اچھی سی دعا دیجیے تاکہ جلدی سے آپ کا پیچھا چھوڑوں اللہ حافظ۔

ج: جلد از جلد پیا دیس سدھار جاؤ اور زندگی کی بہاریں دیکھو اور دوسروں کی زندگی اجیرنا کرو۔

پروین افضل شاہین...... بہاولنگر

س: میرے میاں جانی پرنس افضل شاہین کہتے ہیں کہ 2016ء کی پہلی تاریخ کو میں تمہاری آنکھوں میں ڈوبنا چاہتا ہوں کیا کروں؟

ج: ان کو کہہ دو جوتے باہر ہی اتار کر آؤں ورنہ افضل صاحب کے بڑے جوتے ان کو تمہاری آنکھوں میں ڈوبنے نہیں دیں گے۔

س: میں جب بھی میک اپ کر کے اپنے میاں کے سامنے جاتی ہوں تو وہ زور زور سے ہنسنا کیوں شروع کر دیتے ہیں؟

ج: کیونکہ میک اپ بھی اب تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتا اس لیے میاں ہنسیں گے نہیں تو اور کیا کریں گے۔

س: میرے میاں میری اس سالگرہ پر مجھے ہاتھی، اونٹ، گھوڑے دینے والے ہیں پر میں انہیں رکھوں گی کہاں؟

ج: ان سے کہہ دو کہ ایک عدد ان جیسا بندر اور آپ جیسی لومڑی گھر میں موجود تو ہیں اور جانور آ گئے تو پھر تم دونوں کو ایک ہی گھر میں رہنا مشکل ہو جائے گا۔

ایس گوہر...... تاندلیانوالہ

س: آپی جی ویسے تو میں ہر دوسرے ماہ بعد آنچل میں حاضری لگواتی ہوں مگر کبھی آپ سے واسطہ نہیں پڑا سوچا آپ سے مل لیں کیسا لگا؟

ج: اتنی غیر حاضری کی بناء پر مرغی بن کر کھڑی رہو اور آواز بھی نکالو۔

س: آپی جان! پیسے (دولت) کے آ جانے سے لوگ اپنی آنکھوں کا زاویہ کیوں بدل لیتے ہیں؟

ج: ضرور بھینگے پن کا مرض لاحق ہو جاتا ہوگا انہیں۔ اب اپنی آنکھیں ٹھیک تو کر لو۔

س: آپی جی اچھی دوست کی کوئی نشانی بتائیں؟

ج: وہ اچھی دوست کی تلاش نہیں کرتی، سمجھی کم عقل۔

س: آپی جان اگر میں آپ سے بہت سنجیدہ قسم کا سوال کروں تو کیا آپ مجھے مذاق میں جواب دیں گی یا پھر؟

ج: اتنا سیریس سوال اور ایسا مذاق میں اب تمہیں جواب نہیں......

س: بہت اچھی سی دعا کے ساتھ رخصت کیجیے سفر بہت لمبا ہے۔

ج: سدا خوش رہو اپنی اکلوتی ساس کے ساتھ اس دعا پر بتیسی مت نکالو ورنہ گر جائے گی یار۔

لاریب انشال...... اوکاڑہ

س: شمائل آپی دعا کریں میں ڈسٹرکٹ پولیس آفیسر اوکاڑہ بن جاؤں۔

ج: پھر تو شہریوں کا اللہ ہی حافظ ہے ویسے تھانیدارنی جی تم کرو گی کیا۔

س: شمائل آپی ناممکن کو ممکن کیسے بنائیں؟

ج: صرف "نا" ہی تو ہٹانا ہے ہوگا ہو گیا نا...... ممکن، بدھو!

س: آپی یو آر ویری نائس۔

ج: بس یہ سب اللہ کی دین ہے کبھی غرور نہیں کیا۔

س: آپی میری دعا ہے کہ آپ اور آنچل ایک سنگ صدیوں تک جیو۔

ج: اور آپ ان صدیوں سے بھی کہیں آگے تک جیو، خوش۔

س: شمائل آپی میرے لیے کوئی تعریفی جملہ؟
ج: سب کے سامنے نہیں کہہ سکتی کیونکہ تمہاری تھوڑی سی جو عزت ہے وہ بھی نہیں رہے گی اور جھوٹی تعریف مجھ سے ہوتی نہیں۔
س: آپی یہ پرنس افضل شاہین کی پروین بھی نا؟
ج: کیوں تم سے ادھار لے گئی ہیں کیا' ویسے ایسی لگتی تو نہیں وہ۔

نورین انجم اعوان...... کورنگی' کراچی
س: سویٹ آنٹی یہ بتائیے کہ خوش رہنا مشکل ہے یا کسی کو خوش کرنا مشکل ہے؟
ج: آج کل تو کسی کو خوش کرنا مشکل ہے کیونکہ دوسرے کو خوش کرنے میں ہمارا اپنا بہت پیسہ خرچ ہو جاتا ہے اور دوسرا پھر بھی منہ لٹکائے رکھتا ہے۔
س: آنٹی آپ مجھے کھانے پر کب بلا رہی ہیں' اپنے گھر کیوں کہ میں نئی ہوں آپ کی محفل میں اس لیے؟
ج: نئی ہو پھر بھی اتنی جلدی فری ہو رہی ہو' بہت تیز ہو تم بھی بالکل اپنی......
س: جب اسکول جانے کا دل نہ چاہے تو کون سا بہانہ کروں؟
ج: تمہاری اماں کسی حیلے بہانے کو قبول نہیں کریں گی اس لیے چپ چاپ اسکول چلی جانا ورنہ...... آگے تم خود سمجھ دار ہو۔

عروسہ شہوار رفیع...... کالا گوجراں' جہلم
س: ڈیئرسٹ اپیا! خوش رہیں شاد رہیں' آباد رہیں اللہ کی رحمتوں کی آپ پر پھوار سدا رہے' آمین۔
ج: آپ بھی خوش رہیں' ویسے اتنی دعائیں دال میں کچھ کالا تو نہیں۔
س: اپیا آج اس سوچ میں ہوں کہ آپ کون ہو کیا ہو' ایک خواب ہو' خوش بو ہو یا میرے دل کی صدا ہو؟
ج: سوچتی رہا کرو صحت کے لیے اچھا ہوتا ہے اور سوچتے وقت تمہاری چپ سب کو متاثر بھی تو کرتی ہو گی نا۔

س: میں جو گم ہوں کبھی تو میرا پتا بھی لے لیا کریں' میں کہاں تک آپ کی یادوں کے تعاقب میں رہوں؟
ج: تلاش گمشدہ کا اعلان کروایا تو تھا نہیں نیوز چینلو پر۔
س: میں اپنے "اُن" کو حیران کرنا چاہتی ہوں کیا کروں کہ وہ حیران رہ جائیں؟
ج: اپنے سر کی ٹنڈ کروالو بس پھر وہ تم کو دیکھ کر نا صرف حیران بلکہ......
س: مدت ہوئی اک نام لکھا تھا دل پر اب وہ مجھ سے مٹایا نہیں جاتا کیا کروں؟
ج: اپنی ساس سے اس نام کو آشنا کروا دو پھر نا وہ نام رہے گا اور نا ہی اس کا کوئی نشان بھی اب عمل کرو۔
س: میں جب آئینہ دیکھتی ہوں تو وہ منہ پھیر کر مجھ سے کہتا ہے جو کہتا ہے کیا کہتا ہے بھلا؟
ج: مجھ پر اتنا ظلم مت کیا کرو' ہٹ جاؤ میرے سامنے سے ورنہ میرا وجود بکھر جائے گا۔

ہیر یوزج...... باغ' آزاد کشمیر
س: یہ جو تم ہو ناں موٹی بھدی' قاتلانہ ادائیں رکھتی ہو منہ نہ بناؤ غصے میں کچھ اور بھی خطرناک لگتی ہو
ج: یہ شعر تو آپ کی تمام صفات بیان کر رہا ہے ویسے اپنے بارے میں اتنا سچ تم ہی بتا سکتی ہو' شاباش۔
س: کیا آپ نے مسجد کے باہر سے جوتے چرانا چھوڑ دیے ہیں؟
ج: تم کو جو رنگے ہاتھوں پکڑ لیا تھا تو اب یہیں کہوں گی۔
س: ذرا میٹھا بولا کرو آپ' کیا کریلوں کے باغ سے تعلق فرماتی ہیں؟
ج: کریلے کو جواب میں بھی کریلا ہی ملے گا' ایک تو کریلا اوپر سے نیم چڑھا۔

ہومیوڈاکٹر ہاشم مرزا

سدرہ جہلم سے لکھتی ہیں کہ میں آپ کے پاس بہت سے مسائل لے کر حاضر ہوئی ہوں پلیز میرے تمام مسائل آپ حل کر دیں میں بہت پریشان ہوں بڑی امید سے آپ کو خط لکھ رہی ہوں مجھے مایوس مت کیجئے گا میں سر سے پیر تک بیماریوں میں مبتلا ہوں بہت سی دوائیں کھائیں مگر افاقہ نہیں ہوا۔ میرے چہرے پر چھوٹے چھوٹے براؤن تل ہیں ماتھے اور ناک پر زیادہ ہیں گالوں پر بھی ہیں دوسرا مسئلہ معدے کا ہے کھانے کے بعد پیٹ پھول جاتا ہے۔ کھائی غذا بار بار منہ میں آتی ہے اور بار بار مرچوں والی ڈکاریں بھی آتی ہیں۔ اگر خالی پیٹ رکھوں تو گیس بھر جاتی ہے۔ باتھ روم میں خون بھی آتا ہے کبھی کبھی ناف کے ارد گرد اندر سے پیٹ درد کرتا ہے تھوڑا سا بھی کچھ کھالوں تو فوراً حاجت ہوتی ہے۔ دن میں 5 سے 6 بار باتھ روم جانا پڑتا ہے۔ بہت بادی اور ہوا والا جسم ہے میرا وزن بھی بہت بڑھ گیا ہے۔ لیکوریا بھی ہے 6 سال پرانا مرض ہے اور ماہواری نظام بھی ٹھیک نہیں رہتا۔ مجھے ان سب مسائل کی اچھی سی دوا بتادیں آپ کی بڑی مہربانی ہوگی۔ اللہ آپ کو اس خدمت کا اجر دنیا اور آخرت میں دے گا ان شاء اللہ۔

محترمہ آپ CARBO VEG-6 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر صبح شام پیا کریں اور PHYTOLACCA BARRY-Q کے 10 قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر دوپہر اور رات کو پیا کریں یہ دوائیں آپ کو کسی بھی ہومیو پیتھک اسٹور سے جرمنی کی بنی ہوئی حاصل کرنا ہوں گی۔

آمنہ کراچی سے لکھتی ہیں کہ بریسٹ کی خرابیوں کا علاج آپ کے کلینک میں آلات کے ذریعے کیا جاتا ہے اس کے کیا اوقات کار ہیں۔

محترمہ آپ صبح 10 تا 1 بجے کلینک تشریف لاسکتی ہیں ڈاکٹر سیدہ حسن بانو آپ کے علاج کے لیے موجود ہوں گی۔

الیاس احمد حیدرآباد سے لکھتے ہیں کہ مجھے پیشاب کے بعد قطروں کی شکایت ہے۔ عمر 55 سال ہے میں بہت پریشان ہوں ڈاکٹر آپریشن کا مشورہ دیتے ہیں آپ کوئی مناسب علاج بتائیں۔

محترم آپ CONIUM-30 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تینوں وقت روزانہ کھانے سے پہلے پیا کریں۔

فتح محمد کوہاٹ سے لکھتے ہیں کہ مجھے حد سے زیادہ کمزوری ہوگئی ہے نہ کوئی خواہش ہوتی ہے نہ کوئی قوت عمل ہے شادی شدہ ہوں حق زوجیت ادا کرنے سے قاصر ہوں۔

محترم آپ NUPHUR LUTA-30 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تینوں وقت کھانے سے پہلے پیا کریں۔

کلثوم فاطمہ دہاڑی سے لکھتی ہیں کہ میری بیٹی کی عمر 18 سال ہے کسی کی زیادتی کا شکار ہوگئی ہے ہم بہت پریشان ہیں بڑی امید کے ساتھ آپ کو خط لکھ رہی ہوں۔ کیا ہماری پریشانی کا بھی کوئی حل آپ کے پاس ہے۔

محترمہ آپ اتوار کے علاوہ روزانہ صبح 10 تا 1 بجے یا شام 6 تا 9 بجے ٹیلیفون نمبر 021-36997059 پر رابطہ فرمائیں۔

عدنان سمیع سیالکوٹ سے لکھتے ہیں کہ میرا مسئلہ شائع کیے بغیر کوئی مناسب علاج بتائیں۔

محترم آپ SELENIUM-30 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تینوں وقت کھانے سے پہلے پیا کریں۔

شہر یار خان ٹوبہ ٹیک سنگھ سے لکھتے ہیں کہ ہمارے خاندان میں گنج پن کا مرض ہے چالیس سال کی عمر کے بعد سر کے بال اڑ جاتے ہیں چندیا صاف ہوجاتی ہے۔ کیا اس مرض کا کوئی مستقبل علاج آپ کے پاس ہے۔

محترم آپ HAIR GROWER استعمال کریں ان شاء اللہ لمبے گھنے اور مضبوط بال پیدا ہوں گے۔

حنا طاہر گوجرانوالہ سے لکھتی ہیں کہ میرے چہرے پر مردوں کی طرح داڑھی کے بال ہیں تھریڈنگ کرنے سے بال مزید موٹے اور سخت ہوجاتے ہیں۔

محترمہ آپ 900 روپے کا منی آرڈر میرے کلینک کے نام پتے پر ارسال کردیں۔ APHRODITE کی ایک بوتل آپ کے گھر پہنچ جائے گی۔ تین، چار بوتل کے استعمال سے آپ کے چہرے سے بالوں کا مکمل خاتمہ ہوجائے گا۔

نسیم عالم چیچہ وطنی سے لکھتے ہیں کہ مجھے بہت بری بیماری ہے تفصیل سے آپ کو حالات لکھ رہا ہوں میرا خط شائع کیے بغیر کوئی دوا تجویز کریں۔

محترم آپ AGNUS CAST-30 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تینوں وقت کھانے سے پہلے پی لیا کریں۔

لبنیٰ ظفر لاہور سے لکھتی ہیں کہ خاص وقت میں مجھے بے حد تکلیف ہوتی ہے شوہر کو خوش نہیں رکھ سکتی۔

محترمہ آپ ARGENTUM-NIT 30 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تینوں وقت کھانے سے پہلے پیا کریں۔

ن م راشد اسلام آباد سے لکھتے ہیں کہ میں شدید خواہش کے باوجود وظیفہ زوجیت ادا کرنے سے قاصر ہوں عین وقت پر قوت عمل ختم ہوجاتی ہے۔

محترم آپ SELENIUM-30 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تینوں وقت کھانے سے پہلے پیا کریں۔

گلزار فاطمہ وہاڑی سے لکھتی ہیں کہ مجھے ایک ماہ سے بخار کا سلسلہ جاری ہے۔ اتر جاتا ہے پھر چڑھ جاتا ہے۔ بے حد کمزور ہوگئی ہوں۔

محترمہ آپ ECHNACEA-3X کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تینوں وقت کھانے سے پہلے پیا کریں۔

فضل احمد قریشی لیہ سے لکھتے ہیں کہ میرا مسئلہ شائع کیے بغیر علاج بتائیں۔

محترم آپ CALC CARB-30 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تینوں وقت کھانے سے پہلے پیا کریں۔

ندا فاطمہ لیہ سے لکھتی ہیں کہ میں ایک بچے کی ماں ہوں بچہ میرا دودھ پیتا ہے لیکن اس کا پیٹ نہیں بھرتا دودھ کی بہت کمی ہے۔

محترمہ آپ ASAFOETIDA-6 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تینوں وقت کھانے سے پہلے پیا کریں۔

خالد محمود پشاور سے لکھتے ہیں کہ میری والدہ محترمہ ضعیف خاتون ہیں صحت خراب رہتی ہے مکمل کیفیت لکھ رہا ہوں کوئی مناسب دوا تجویز فرمادیں۔

محترم آپ والدہ محترمہ کو VANADIUM-30 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تینوں وقت روزانہ کھانے سے پہلے دیا کریں۔

سلیم قادر ملتان سے لکھتے ہیں کہ مجھے پیشاب میں پس آتا ہے بہت پریشان رہتا ہوں میرا بھی کوئی علاج بتائیں۔

محترم آپ STIGMATA-Q کے دس قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تینوں وقت کھانے سے پہلے پیا کریں۔

سیف الاسلام کراچی سے لکھتے ہیں کہ خون میں

ہیموگلوبن کی کمی ہے۔
محترم آپ LECETHIN-3X کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تینوں وقت روزانہ کھانے سے پہلے پیا کریں۔
فیض احمد خان اسلام آباد سے لکھتے ہیں کہ مجھے نیند بہت کم آتی ہے میں بہت پریشان رہتا ہوں مجھے کوئی اچھی سی دوا بتائیں۔
محترم آپ COFFEA-30 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تینوں وقت کھانے سے پہلے پیا کریں۔
منیر احمد گمبٹ سے لکھتے ہیں کہ میری کلائی کی ہڈی ٹوٹ گئی تھی چھ ماہ ہوچکے جڑ تو گئی ہے مگر تکلیف نہیں جا رہی کوئی وزنی چیز نہیں اٹھا سکتا۔
محترم آپ SYMPHYTUM-30 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تینوں وقت پیا کریں۔
رضیہ سلطانہ لاہور سے لکھتی ہیں کہ میری شادی کو چار سال ہوگئے میں ابھی تک اولاد سے محروم ہوں برائے مہربانی میرے لیے کوئی دوا تجویز کریں۔
محترمہ آپ اپنی الٹرا ساؤنڈ رپورٹ اور شوہر کی SEMEN رپورٹ ارسال کریں اس کو دیکھنے کے بعد ہی کوئی دوا تجویز کی جاسکتی ہے۔
نگہت فیصل آباد سے لکھتی ہیں کہ میری عمر سولہ سال ہے حسن نسواں کی بے حد کمی ہے میں بہت پریشان ہوں۔
محترمہ آپ SABAL SERULATTA-Q دس قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تینوں وقت کھانے سے پہلے پیا کریں مبلغ 550 روپے کا منی آرڈر میرے کلینک کے نام پتے پر ارسال فرمائیں BREAST BEAUTY آپ کے گھر پہنچ جائے گا دونوں چیزوں کے استعمال سے قدرتی حسن بحال ہوگا۔

عبدالستار مری سے لکھتے ہیں کہ میرے خصیوں میں درد ہوتا ہے کبھی کبھی ورم سا ہوجاتا ہے۔
محترم آپ RHODENDRON-30 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تینوں وقت روزانہ کھانے سے پہلے پیا کریں۔
کنول ناز تلہ گنگ سے لکھتی ہیں کہ مجھے ورم الرحم کی شدید شکایت ہے۔
محترمہ آپ SEPIA-30 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تینوں وقت کھانے سے پہلے پیا کریں۔
بیگم قمرالدین جہلم سے لکھتی ہیں کہ میرا سینہ بہت بھاری ہے جبکہ میری عمر ابھی بائیس سال ہے۔
محترمہ آپ CHIMA PHILLA-30 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تینوں وقت کھانے سے پہلے پیا کریں۔
ممتاز بیگ سکھر سے لکھتے ہیں کہ مجھے دائمی قبض کی شکایت ہے کئی کئی دن بعد حاجت ہوتی ہے۔
محترم آپ OPIUM-30 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تینوں وقت کھانے سے پہلے پیا کریں۔
توفیق بھکر سے لکھتے ہیں کہ میرے کمر کے مہروں میں گیپ آگیا ہے شدید درد رہتا ہے برائے مہربانی مجھے بھی کوئی علاج بتائیں۔
محترم آپ THRIDINO-30 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تینوں وقت کھانے سے پہلے پیا کریں۔
ثمرین کراچی سے لکھتی ہیں کہ مجھے پائیریا کی شکایت ہے اس کا علاج بتادیں۔
محترمہ آپ MERCSOL-6 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تینوں وقت کھانے سے پہلے پیا کریں۔
بشیر احمد حیدرآباد سے لکھتے ہیں کہ میرے سر کے

بال بہت تیزی سے گررہے ہیں اور خشکی بھی ہوگئی ہے اب بال سفید بھی ہورہے ہیں۔
محترم آپ میرے کلینک سے ہیئر گرو ور حاصل کرلیں اس کے استعمال سے آپ کے بالوں کے مسئلے حل ہوجائیں گے۔
فوزیہ جہانگیر اوکاڑہ سے لکھتی ہیں کہ میرے شوہر کو ہرنیا کا مرض ہے اس کے لیے کوئی اچھی دعا بتائیں۔
محترمہ ہرنیا کے مرض کو کسی دوا سے فائدہ نہیں ہوتا اس کا واحد علاج ایک معمولی آپریشن ہوتا ہے بے فکر ہوکر آپریشن کرالیں۔
جنید شاہ گوادر سے لکھتے ہیں کہ میرے دوست کو ایک بیماری تھی اس نے آپ کے مشورے پر دوا استعمال کی تھی اللہ کا کرم ہے کہ اس کی بیماری ختم ہوگئی اب میں اپنی مکمل کیفیت لکھ رہا ہوں شائع کیے بغیر کوئی مناسب دوا تجویز کردیں۔
محترم آپ LYCOPODIUM-30 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تینوں وقت کھانے سے پہلے پیا کریں۔
نسیم ناز بنوں سے لکھتی ہیں کہ میرا بچہ جس کی عمر تین سال ہے عام طور پر موشن رہتے ہیں اور کانچ نکلتی ہے کئی جگہ علاج کرایا مگر فائدہ نہیں ہوتا اس کے لیے کوئی مناسب علاج بتائیں۔
محترمہ آپ بچے کو PODOPHYLUM-30 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تینوں وقت روزانہ کھانے سے پہلے پلایا کریں۔
فیضان اٹک سے لکھتے ہیں کہ میرا قد بہت چھوٹا ہے مجھے کوئی اچھی سی دوا بتادیں۔
محترم آپ CALC PHOS-6X کی چار چار گولی تینوں وقت کھانے سے پہلے کھائیں اور BARIUM CARB-200 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر ہر آٹھویں دن ایک بار پیا کریں۔
نزہت منڈی بہاؤالدین سے لکھتی ہیں کہ مجھے ماہانہ نظام کی خرابی ہے کئی کئی مہینے بعد آتا ہے۔
محترمہ آپ SENECIO-30 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تینوں وقت روزانہ کھانے سے پہلے پیا کریں ان شاء اللہ مسئلہ حل ہوجائے گا۔
عبدالقدیر خان ڈیرہ غازی خان سے لکھتے ہیں کہ میں نے 900 روپے لفافے میں رکھ کر رجسٹرڈ پوسٹ کے ذریعے بھیجا تھا مجھے ایفروڈائٹ ابھی تک نہیں ملا۔
محترم ہزاروں بار لکھا گیا ہے کہ رقم کبھی بھی لفافے میں رکھ کر نہ بھیجی جائے اس رقم کا ذمہ دار ڈاک خانہ بھی نہیں ہوتا۔ خالی لفافہ موصول ہوجاتا ہے۔ آئندہ خیال رکھیں کہ رقم ہمیشہ منی آرڈر کے ذریعے ارسال کریں اس کے علاوہ یہ بھی خیال رکھیں کہ رقم ہمیشہ کلینک کے نام پتے پر ارسال کریں آنچل کے نام پتے پر ارسال کی ہوئی رقم ہمیں ایک ماہ کی جمع شدہ ڈاک کے ہمراہ ملتی ہے اس کے بعد دوا بھیجی جاتی ہے۔
ملاقات اور منی آرڈر کرنے کا پتا۔
صبح 10 تا 1 بجے شام 6 تا 9 بجے فون نمبر 021-36997059 ہومیو ڈاکٹر محمد ہاشم مرزا کلینک دکان نمبر C-5 کے ڈی اے فلیٹس فیز 4 شادمان ٹاؤن نمبر 2، سیکٹر B-14 نارتھ کراچی 75850
خط لکھنے کا پتا
آپ کی صحت ماہنامہ آنچل کراچی پوسٹ بکس 75 کراچی۔

کام کی باتیں

حنا احمد

سبزیوں کے خواص اور ان کے فائدے

ہمارے روزمرہ کے استعمال میں جو سبزیاں آتی ہیں' قدرت نے ان میں بیماریوں کے خلاف قوت مدافعت بھی رکھی ہے اگر ہم ان سبزیوں کو متواتر اور صحیح طریقے سے استعمال کریں تو یہ ہمیں بہت سی بیماریوں اور پریشانیوں سے بچاسکتی ہیں۔

غذا کا مقصد انسان کی بقا ہے' بھوک کے تقاضے کو پورا کرنے کے لیے محض پیٹ بھرنا ہی مقصد نہیں بلکہ ایسی غذا کا استعمال کرنا ضروری ہے جو ہمارے جسم کو بھرپور توانائی بخش سکے۔ خون میں اچھی غذا کی شمولیت تمام جسم کو چاق و چوبند رکھتی ہے۔

اسلامی طب کا جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوتا ہے غذا کو بنیادی اہمیت شروع سے دی گئی ہے اور غذاؤں سے علاج کیا گیا۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک کا ذکر ہے' مدینہ منورہ کے طبیب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس شکایت لے کر آئے کہ ہمارے پاس کوئی مریض نہیں آتا اور ہم بے کار بیٹھے رہتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ''یہ لوگ اس وقت تک کھانے کی طرف ہاتھ نہیں بڑھاتے جب تک شدت کی بھوک نہ لگے اور پیٹ بھرنے سے پہلے کھانے سے ہاتھ روک لیتے ہیں۔ ان کی صحت مندی کا راز کم خوری میں ہے' غذا پر کنٹرول کرنے سے انسان بہت سی بیماریوں سے محفوظ ہوجاتا ہے۔''

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے ''انسان نے اپنے پیٹ سے بڑے کسی برتن کو نہیں بھرا۔''

کھانا اس قدر کھانا چاہیے کہ کمر سیدھی رہے' اگر آنتوں کی وسعت کو تین حصوں میں تقسیم کیا جائے تو اس کا ایک حصہ کھانے کے لیے رکھا جائے۔ دوسرا پانی کے لیے اور تیسرا ہوا کے لیے۔

اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''معدہ انسان کے جسم میں حوض کی مانند ہے اس سے جسم میں ہر طرف نالیاں جاتی ہیں اگر معدہ تندرست ہوگا تو یہ تمام نالیاں صحت مند اشیا لے کر جائیں گی اگر معدہ بیمار ہوا تو نالیاں بھی بیماری لے کر جائیں گی۔''

شاید یہی وجہ ہے کہ آج کل غذا کے ماہرین کو اہمیت دی جاتی ہے' وہ بڑے بڑے مرض کا علاج سبزیوں سے کرتے ہیں اور کامیاب ہیں۔

گہرے سبز رنگ کی سبزیاں اہم غذائی خزانہ ہیں جو قدرت نے فیاضانہ طور پر عطا فرمایا ہے۔ ان میں دیکھا جائے تو پروٹین سے لے کر فولاد' کیلشیم' لحمیات بھی شامل ہوتا ہے اور وہ خاص جز بھی شامل ہیں جو چربی اور تیل کو جسم میں حیاتین الف میں تبدیل کردیتا ہے۔ اس حیاتین کی کمی سے آنکھیں متاثر ہوتی ہیں بینائی میں کمی ہوتی جاتی ہے۔

اکثر ممالک میں ہری سبزیاں استعمال نہ کرنے سے نابیناؤں کی تعداد میں اضافہ ہورہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ عالمی ادارہ صحت اور ماہرین صحت اب ہری سبزیوں کے استعمال پر زور دے رہے ہیں۔

ہماری غذا میں چند بنیادی اجزا شامل ہونا ضروری ہیں' ان سے ہی غذائیت کا معیار قائم کیا جاتا ہے۔ پروٹین' کاربوہائیڈریٹ' وٹامن' روغنیات' نمکیات و معدنی عناصر اور پانی غذا کے اہم اجزا ہیں یہ مناسب مقدار میں غذا میں ضرور ہونا چاہئیں۔

پروٹین

ہمارے جسم کا روزانہ محنت و مشقت کے باعث خرچ ہونے والی توانائی کو پورا کرنے کے لیے کسی نہ کسی مناسب غذا کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہ غذا پروٹین سے بھرپور ہوتی ہے تاکہ جسم کی ٹوٹ پھوٹ مکمل ہوسکے۔

ضروری نہیں کہ پروٹین کی ضرورت پوری کرنے کے لیے مختلف جانوروں کے گوشت سے فائدہ حاصل کیا

جائے بلکہ یہ دالوں، انڈوں، میووں اور دودھ میں بھی کافی مقدار میں پائی جاتی ہے۔ چاول اور گیہوں میں اس کی مقدار کم ہے مگر چونکہ اسے روزانہ خوراک میں زیادہ کھایا جاتا ہے اس لیے جسم میں اچھی خاصی پروٹین پہنچ جاتی ہے۔ نباتاتی پروٹین، سبزیوں اور پودوں میں پائی جاتی ہے۔ گیہوں کا آٹا، چاول، دالیں اور پھلیاں وغیرہ اس میں شامل ہیں۔ ہمارے جسم میں پروٹین چار اہم کام سرانجام دیتی ہے۔

1۔ یہ خلیات کی مرمت کرتی ہے، جسمانی نشوونما کے لیے پروٹین زیادہ مقدار میں چاہیے ہوتی ہے۔ جن بچوں کو پروٹین نہیں مل پاتی ان کا قد اور وزن نہیں بڑھتا، اسی طرح دیگر افراد کو بھی پروٹین کی ضرورت پڑتی ہے۔

2۔ پروٹین جسم میں شکر کی مقدار کو کنٹرول کرتی ہے جس سے صحت ٹھیک رہتی ہے۔

3۔ پروٹین کی وجہ سے جسم میں آکسیجن کے جذب ہونے کی رفتار باقاعدہ رہتی ہے اس کی غیر موجودگی میں خون کے سرخ ذرات کی تعداد کم ہوجاتی ہے۔

4۔ پروٹین ہمارے جسم میں ایندھن کا کام دیتی ہے، یہ ہمارے جسم کو طاقت اور حرارت پہنچا کر قوت دیتی ہے۔ چھوٹے بچوں کے لیے دودھ سب سے بہتر غذا ہے، اچھی قسم کی چھاچھ میں بالائی اترے دودھ سے بھی اعلیٰ قسم کی پروٹین بن جاتی ہے۔

کاربوہائیڈریٹ

یہ چینی، شکر، گڑ، اناجوں اور سبزیوں کی جڑوں میں پائے جاتے ہیں۔ کاربوہائیڈریٹ سب سے زیادہ شکر میں پائے جاتے ہیں۔

- انگور کی شکر کو گلوکوز کہتے ہیں۔
- پھلوں سے حاصل کی گئی شکر کرفتوز۔
- گنے سے حاصل شدہ شکر کو اسکروز۔
- دودھ کی شکر کو لیسکٹوز۔
- سبزی کی شکر کو مالٹوز کہتے ہیں۔

جب ہم کوئی نشاستہ دار غذا کھاتے ہیں تو ہمارے جسم میں جاکر کاربوہائیڈریٹ تحلیل ہوکر خون میں شامل ہوجاتے ہیں اور یہ خون کے ذریعے تمام جسم کے خلیوں میں پہنچ جاتے ہیں، جب ہم سانس لیتے ہیں تو آکسیجن ان میں شامل ہوکر کاربن ڈائی آکسائیڈ اور پانی بناتی ہے اس عمل کے نتیجے میں ہمارے جسم کو توانائی اور حرارت حاصل ہوتی ہے۔

چکنائی

مناسب مقدار میں چکنائی کھانے کا فائدہ یہ ہے کہ بہت جلد بھوک نہیں لگتی۔ جسم خشکی کا شکار نہیں ہوتا، روغنیات میں وٹامن اے اور ڈی موجود ہوتی ہے۔ چکنائی ٹھوس بھی ہوتی ہے اور سیال حال میں بھی، گھی اور مکھن ٹھوس حالت میں کھائے جاتے ہیں۔ دودھ کی بالائی میں بھی چکنائی موجود ہوتی ہے، زیتون کھا کر بھی چکنائی حاصل کی جاتی ہے، مونگ پھلی، بادام، سرسوں اور ناریل یہ سب اس طرح بھی کھائے جاتے ہیں اور ان کا تیل بھی استعمال کیا جاتا ہے۔

پانی

ہمارے جسم میں تقریباً 70 فیصد پانی ہوتا ہے، پانی بار بار پیتے رہنے سے گردوں اور خون سے زہریلے مادے نکل جاتے ہیں۔ پانی بھی جسم کے بہت سے نمکیات حل کرتا ہے اور انہیں خون میں شامل ہونے میں مدد دیتا ہے۔ پانی مناسب مقدار میں پیتے رہنے سے جلد بھی صحت مند رہتی ہے، معدہ اور گردے بھی ٹھیک رہتے ہیں۔ بس ایک بات کا خیال رکھنا چاہیے کہ کھانے کے دوران کئی کئی گلاس پانی پینے سے گریز کریں اس کی وجہ سے معدہ جلدی ٹھنڈا ہوجاتا ہے اور کھانا ٹھیک طور سے تحلیل نہیں ہوپاتا۔ معدے میں متعدد قسم کی بیماریاں پیدا ہونے کا خطرہ ہوجاتا ہے۔

انوشہ طارق.....کراچی